جلد اوّل / دوم
(مکمل)

یعنی

معرفت محمد و آل محمد

ثقۃ الاسلام صدر المحققین شاہِ مردان

الحاج علامہ محمد بشیر انصاری اعلی اللہ مقامہ

(فاتح ٹیکسلا)

پیشکش مخدوم سید فخر امام کاظمی

تیسری جگہ معلّم صاحب نے اپنے عقیدہ کا اظہار اس طرح فرمایا ہے :۔

"ان بیانات شافیہ سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتا ہے کہ اعجاز نمائی کی کوئی ایسی طاقت و قوت نہیں ہے جو معجز نما میں ہر وقت موجود رہتی ہو جس کی بنا پر بالاستقلال یا باذن اللہ ہر وقت معجز نما معجزہ پیش کر سکے۔ بلکہ حسب ضرورت و مصلحت بوقت ظہور معجزہ خدائے قادر قیوم اپنی قدرت کاملہ سے معجزہ کا اظہار معجز نما کے ذریعہ کر دیتا ہے۔" (اصول الشریعہ)

چوتھی جگہ معلمین صاحبان اپنے عقیدہ کو سوقیانہ طریقہ پر یوں اظہار فرماتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے :۔

"ان تحقیقات سے یہ بات بھی واضح ہوگئی ہے کہ معجزہ میں تکرار اور تعدد ضروری نہیں ہے پس جب نبی و امام اپنے دعوے کے اثبات پر معجزہ دکھا دیں اگرچہ ایک ہی کیوں نہ ہو تو پھر یہ لازم نہیں کہ ہر وقت مختلف لوگوں کی خواہش کے مطابق مختلف معجزات دکھا کر اپنی بزم نبوت و امامت کو تماشہ خانہ "عجائب و غرائب" بنا ڈالیں۔" (اصول الشریعہ ص ۱۳۳)

پانچویں جگہ مولف صاحب اپنے عقیدہ کو جوشِ تحریر میں یوں پیش کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے :۔

"یہ ضروری نہیں ہے کہ پیغمبر ہمیشہ معجزہ نمائی پر قدرت رکھتا ہو کیونکہ پیغمبر بھی (فی حد ذاتہ) بشر اور عاجز ہے اور معجزہ فعل خدا ہے جو پیغمبر کو اس کی نبوت کو ثابت کرنے کے لئے عطا کرتا ہے لہٰذا معجزہ نمائی ہمیشہ خدا کے ارادہ اور اس کی مشیت کے ساتھ وابستہ ہے (اصول الشریعہ ص ۱۳۲)

چھٹی جگہ مولف صاحب اپنے عقیدہ کے ثبوت میں اس طرح قلم کو گردش دیتے ہیں ملاحظہ فرمائیے :۔

"باوجودیکہ دین کے معاملہ میں پیغمبر اتنا بے بس ہے کہ اس کو جب تک وحی نہ ہو ایک حرف بھی اپنی خواہش سے لب پر نہیں لاتا۔ وما ینطق عن الھوٰی۔ جو فضیلت ان کو اس نبوت و رسالت میں ہے وہی ان کے ہاتھوں پر ظہور معجزہ میں ہے۔ (اصول الشریعہ ص ۱۳۶)

مکھی مچھر اور نبی و امام

اگرچہ مولف صاحب کی پیش کردہ عبارات کے بعد ہمیں کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں مگر عوام کی تسلی و تشفی کے لئے تحریر کرتے ہیں کہ ان لوگوں نے اپنا عقیدہ بالکل واضح کر دیا ہے کہ نبی یا امام میں معجزہ کی طاقت و قوت نہیں ہے عاجز اور بے بس بشر ہے۔ خدا جب چاہتا ہے اپنا فعل ظاہر کر دیتا ہے۔ لہٰذا اگر خدا چاہے تو یہی کام ایک مچھر سے بھی لے سکتا ہے۔ بلکہ وہ قادر قیوم چاہے تو حقیر سے حقیر مخلوق کے ذریعہ نظام عالم چلا سکتا ہے۔

ان لوگوں نے نبی اور امام کی معجز نمائی کو ایک نا قابل توجہ امر قرار دیا ہے کیونکہ ان کی نظر میں یہ کوئی فضیلت ہی نہیں ہے یہ کام تو ایک چوہڑا اور مسلی بھی کر سکتا ہے اور نظام عالم بھی چلا سکتا ہے بلکہ یہ تو انسان ہیں ایک مچھر بھی معجزات دکھا سکتا ہے اور تدبیرِ عالم کر سکتا ہے۔ لہٰذا جس طرح چوہڑے یا مسلی یا مچھر میں کوئی کمال ذاتی نہیں ہے وہ

عاجز و بے بس ہے۔ اسی طرح نبی و امام بھی اس کمالِ ذاتی سے محروم اور بے بس و عاجز ہے۔ کیونکہ نوعِ بشر ہے اور اس میں یہ کمالِ ذاتی نہیں ہوتا ہے۔ یعنی انبیاء و آئمہ علیہم السلام اگر کتنے ہی بلند مرتبہ اور کتنے ہی اعلٰے و اشرف سہی مگر نوعِ بشر ہیں؛ اور مچھر کتنا ہی ضعیف و حقیر سہی لیکن کام دے سکنے میں دونوں برابر ہیں جیسے مچھر میں کوئی ذاتی استعداد و قابلیت ان کاموں کی انجام دہی کی نہیں ہے اسی طرح کوئی قابلیت و استعداد ان حضرات میں بھی نہیں ہے۔ ہاں حکمِ خدا سے مچھر بھی وہی کام دے سکتا ہے جو یہ حضرات دے سکتے ہیں اور وُہ قادر و قیوم حقیر سے حقیر مخلوق کے ذریعہ نظامِ عالم چلا سکتا ہے۔ بلکہ تیسری جگہ تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ باذن اللہ بھی معجزہ نہیں دکھا سکتے کیونکہ ان میں قوتِ معجزہ ہی نہیں۔ جب موالیانِ اہلبیت کو ان لوگوں کی یہ ہرزہ سرائی ناگوارِ خاطر ہوئی اور اہلبیت طاہرین اور انبیاءً معصومین کی یہ توہین برداشت نہ کر سکے تو ان لوگوں کی شان میں قصیدہ خوانی شروع ہوگئی اور ہر مجلس اور ہر جلسہ بلکہ ہر محفل میں نفرت کے ریزولیوشنز پاس ہونے لگے۔ تو ان لوگوں کا فرض تھا کہ اس غلطی کی تلافی کرتے مگر بجائے اعترافِ گناہ کے اپنی سوءِ سریرہ اور خبثِ باطن کا یہ ثبوت دیا کہ قرآن میں حضرت رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو (معاذ اللہ) مکھی اور حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کو (معاذ اللہ) مچھر ثابت کرنے پر پل پڑے، اور غیر مذاہب کو شیعیانِ حیدرِ کرار کا مذاق اڑانے کا مواد فراہم کر دیا چنانچہ کئی مقام پر علمائے مخالفین نے ان کی اس عبارت کو مجمع عام میں پیش کر کے شیعوں کو ذلیل کرنے کی کوشش کی ہے۔ لہٰذا ان لوگوں کو شیعیت سے خارج کرنا ضروری و لازمی ہے۔

ہم ان کی یہ یاوہ گوئی ان کی کتاب اصول الشریعہ ص۲۱ سے پیش کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیے:۔

آیت مبارک: ان اللہ لا یستحی ان یضرب مثلاً ما بعوضۃ فما فوقھا۔

"خدا اس بات سے حیا نہیں کرتا کہ وُہ مچھر یا اس سے بڑی مخلوق کی مثال دے"۔ اس کی تفسیر میں مفسر قمی لکھتے ہیں: البعوضۃ امیرالمومنین وما فوقھا رسول اللہ۔

(تفسیر قمی ص۳۱ طبع ایران —— اصول الشریعہ ص۲۱)

ناظرین کرام ذرا انصاف کیجئے کہ مؤلف صاحب نے تفسیر قمی سے اپنی ہٹ دھرمی ثابت کرنے کے لئے حوالہ تلاش کیا اور امیرالمومنین کو مچھر اور رسول اللہ کو مکھی بنا دیا، کیونکہ فما فوقھا کی تفسیر مکھی سے کی گئی ہے جو مچھر سے بڑی مخلوق ہے) پہلے تو ان لوگوں نے ان حضرات کو عدم قابلیتِ معجزہ میں مچھر کے برابر بنایا تھا مچھر نہیں کہا تھا۔ مگر موالیانِ اہلبیت کی نفرت اور ناراضگی کا یہ اثر ہوا کہ ان حضرات کو مچھر سے تشبیہ دینے کی بجائے مچھر اور مکھی بنا ڈالا۔ ان لوگوں کو یہ جسارت و جرأت اس لئے ہوئی کہ اگر شیعوں نے بائیکاٹ کر دیا تو ان کا کیا بگاڑ سکتے ہیں کوٹھیاں اور بنگلے موجود ہیں، زمین کے مربعے موجود ہیں، ٹیوب ویل چل رہے ہیں، بڑی بڑی تھوک کی تجارتیں ہو رہی ہیں۔ لہٰذا اگر عارفانِ ولایتِ اہلبیت کی توجہ ہٹ جائے گی تو سادہ لوح کم علم شیعہ تو پھنسے ہوئے ہیں جن میں بڑے بڑے زمیندار اور رئیس بھی ہیں اور پارٹی بن چکے ہیں۔

مولف نے فضیلت اہلبیت علیہم السلام کی حدیثوں میں کیڑے نکالنے کے لئے کتنی تگ و دو کی ہے

اور کتنے احتمالات پیش کئے۔ اور آخر میں کہہ دیا ہے کہ اذا قام الاحتمال بطل الاستدلال یعنی جب احتمال آگیا تو فضیلت اہلبیت کا استدلال باطل ہوگیا۔

مگر مچھر اور مکھی بنانے میں ان کو کوئی تاویل اور کوئی کیڑا نظر نہیں آیا۔ اس کی کوئی رد ان کی علمی طاقت اور نظری وسعت میں نہیں آئی۔ حالانکہ اس کی رد خود آئمہ معصومین علیہم السلام نے فرمائی ہے اور اسی آیت کی تفسیر میں موجود ہے۔ چنانچہ ہم ان کی اس تنقیص اہلبیت کا جواب کلام معصوم سے دیتے ہیں تاکہ کوئی ناصبی ہمارے آئمہ طاہرین علیہم السلام کے دامن پر داغ لگا کر بغلیں نہ بجائے اور غیر مذاہب لوگ شیعوں کو ذلیل کرنے کی جرأت نہ کرسکیں۔ ملاحظہ فرمائیے:۔

عن الباقر علیہ السلام قیل للباقرؑ فان بعض من ینتحل موالاتکم یزعم ان البعوضۃ علیؑ وان ما فوقھا وھو الذباب محمدؐ رسول اللہ فقال الباقرؑ سمع ھؤلاء شیئاً لم یضعوہ علی وجھہ ان کان رسولؐ اللہ قاعداً ذات یوم ھو وعلیؑ اذ سمع لقائل یقول ما شاء اللہ وشاء محمدؐ وسمع اخر یقول ما شاء اللہ وشاء محمدؐ وسمع اخر یقول ما شاء اللہ وشاء علیؑ فقال رسولؐ اللہ تقرنوا محمدؐ او علیاً باللہ عزوجل ولکن قولوا ان شاء اللہ ثم شاء محمدؐ ثم شاء علیؑ ان مشیۃ اللہ ھی القاھرۃ التی لاتساوی ولاتکافی ولاتدانی وما محمدؐ رسول اللہ فی اللہ وفی قدرتہ الاکذباب یطیر فی ھذہ المسالک الواسعۃ وما علیؑ فی اللہ وقدرتہ الاکبعوضۃ فی جملۃ ھذہ المسالک مع ان فضل اللہ علی محمدؐ وعلیؑ ھو الفضل الذی لایغیئ بہ فضلہ علی جمیع خلقہ من اول الدھر الی اخرہ ھذا ما قال رسول اللہ فی ذکر الذباب والبعوضۃ فی ھذا المکان فلا یدخل فی قولہ اِنَّ اللّٰہَ لَایَسْتَحْیٖٓ اَنْ یَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَۃً۔" (تفسیر البرہان ص۴۴)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے کہا گیا کہ کچھ لوگ آپ حضرات کی محبت کا بھی اظہار کرتے ہیں اور یہ زعم باطل رکھتے ہیں کہ محمدؐ مکھی ہیں اور علی مچھر ہیں۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں نے سنا کچھ تھا اور پھر اس کو تبدیل کرکے کچھ اور بنادیا ہے درحقیقت واقعہ یہ ہے کہ ایک روز جناب رسولؐ خدا اور علی ابن ابی طالب تشریف فرما تھے۔ تو انہوں نے ایک آدمی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ وہ کہہ رہا ہے "جو خدا چاہے اور محمدؐ چاہیں" اور دوسرا آدمی یہ کہہ رہا ہے کہ "جو خدا چاہے اور علیؑ چاہیں"۔ اس وقت رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ تم لوگ محمدؐ و علیؑ کو خدا کے برابر نہ کرو۔ ہاں یوں کہو کہ اگر خدا چاہے پھر محمدؐ چاہے

پھر علی چاہے۔" کیونکہ خدا کی مشیت سب پر غالب ہے۔ اس کی برابری اور اس کی ہمسری اور اس کا مقابلہ کیا ہی نہیں جا سکتا۔ خدا اور اس کی قدرت کے مقابلہ میں محمدؐ ایک مکھی کی مثال ہے جو وسیع فضاؤں میں اُڑتی پھرتی ہے۔ اور اسی طرح خدا کی ذات اور اُس کی قدرت کے مقابلہ میں علی ایک مچھر کی مثال ہیں جو ان ہی فضاؤں میں اُڑتا پھرتا ہے۔ حالانکہ محمد مصطفےٰؐ اور علی مرتضیٰ کی ذات وُہ ہے کہ جن کو خداوند عالم نے وُہ فضل عطا کیا ہے کہ اول دہر سے لے کر آخر دہر تک تمام خلائق کا فضل مل کر بھی ان کے فضل کی برابری نہیں کر سکتا یہ ہے رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کا مطلب جو اس خاص موقعہ پر خاص آدمیوں کے لئے مخصوص تھا لہٰذا اس کا قطعاً کوئی تعلق اس آیت سے نہیں ہے جو خداوند عالم نے قرآن میں نازل کی ہے کہ خدا اس بات سے حیا نہیں کرتا کہ وُہ مچھر یا مکھی کی مثال دے۔" (تفسیر البرہان ص۴۵)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے کس وضاحت کے ساتھ اس تنقیص اہلبیت کا دفاع فرمایا ہے اور کس واضح طریقہ سے حقیقتِ واقعیہ سے پردہ ہٹایا ہے۔ اور تنقیص اہلبیت کرنے والوں کی نالائقی اور نافہمی کا کس حکیمانہ انداز میں انکشاف کیا ہے اور یہ بھی واضح طور پر بتا دیا ہے کہ یہ واقعہ غالیوں کی رد کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور یہ بھی ظاہر فرما دیا کہ ہم پر عیب لگانے والے وہی ہیں جو ہماری محبت کا اظہار کرتے ہیں۔ جیسے نافہم مؤلف صاحب اور یہ بھی صاف طور پر بتا دیا ہے کہ اس آیت سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ اس آیت کو ہم سے کوئی ربط ہے۔ اب مولف صاحب کے تبحر علمی اور دعوئے لن ترانی کا مقصد بھی آشکار ہو گیا کہ جہاں تنقیص اہلبیت کے دفاع کا موقعہ آتا ہے وہاں یہ لوگ اپنی تہی دستی اور تنگ دامنی کا عملی ثبوت دیتے ہیں۔ اور جہاں کہیں فضیلتِ اہلبیت کا معاملہ نظر آتا ہے اس کی رد میں اور اس کے غلط ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں اور اپنے اسلحہ خانہ اجتہاد کے تمام ہتھیار لے کر میدان میں اُتر آتے ہیں اور تمام ناصبانہ ہتھکنڈے بروئے کار لانے میں کوئی حیا و شرم محسوس نہیں کرتے ہیں۔ یہ تنقیص و توہین اہلبیت علیہم السلام کسی خاص سکیم کے ماتحت معلوم ہوتی ہے جس کا عنقریب بھانڈا پھوٹنے والا ہے۔

اگر کوئی صحیح العقل ان کے دامن تزویر و فریب میں پھنسا ہوا ہے تو اس انکشاف کے بعد یقیناً اپنے دامن کو اس خار زار سے چھڑانا پڑے گا۔

مؤلف کے معلومات محدود ہیں۔ یہ لوگ مسائل خمس و زکوٰۃ میں غرق ہیں ورنہ حضرت موسٰی علیہ السلام کا واقعہ ان کی نصیحت کے لئے کافی تھا کیونکہ حضرت موسٰی علیہ السلام سے جب خداوند عالم نے فرمایا تھا کہ اے موسٰیؑ تم مقام مناجات میں کوہ طور پر اپنے ہمراہ کسی مکروہ مخلوق کو لے کر آؤ۔ تو حضرت موسٰی علیہ السلام نے کیسے کیسے قابل نفرت لوگوں پر نگاہ ڈالی مگر پھر بھی ساتھ نہ لے گئے۔ اور بارگاہِ الٰہی میں عرض کی پروردگارا

میں ہی تیرا مکروہ مخلوق بندہ ہوں۔

توکیا مولف صاحب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان ہی کلمات سے یاد کریں گے اور معاذاللہ ان کو ایسا ہی قرار دیں گے؟ توبہ توبہ۔

لیکن جب یہی حضرت موسیٰ علیہ السلام دربارِ فرعون میں تشریف لے گئے تو پھر یہ الفاظ فرعون کے سامنے نہیں ادا کئے بلکہ وہاں فرمایا کہ میں خدا کا رسُول ہوں اور تجھے باطل طریقے سے ہٹانے اور راہِ حق دکھانے آیا ہوں۔

معلوم ہُوا کہ انبیاء و آئمہ علیہم السلام کے جو معروضات بارگاہِ خداوندی میں اس کی عظمت و جلالت کے پیش نظر ظاہر ہوتے ہیں وُہ مخلوقات کے ساتھ قیاس نہیں کئے جا سکتے۔ یہ حضرات خدا کے حضور میں خود اپنی زبان سے عرض کر سکتے ہیں کہ "میں بڑا بے بس تیرا بندہ ہوں میں تیرا عاجز بندہ ہوں میں تیرا محتاج بندہ ہوں میں تیرا گنہگار بندہ ہوں کیونکہ تیری شان کے مطابق مجھ سے تیری عبادت نہیں ہو سکی۔ تیری شان غیر محدود ہے میری عبادت محدود ہے اس لئے میں اپنے قصور کا اعتراف کرتا ہوں"۔

لیکن ان کے معروضات کو لے کر یہ ڈھنڈورہ نہیں پیٹا جا سکتا کہ یہ تو بے بس اور عاجز اور محتاج اور گنہگار بندے ہیں۔

اس کے بعد آپ نے اپنے تبحرّ علمی کا یہ ثبوت پیش کیا ہے ملاحظہ کیجئے:۔

"امام رضا علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ میرے جدّ امجد امام حسین علیہ السلام کو مثل گوسفندِ قربانی ذبح کیا گیا ہے اس میں امام حسین علیہ السلام کو دنبہ سے تشبیہہ دی گئی ہے"۔ (اصول الشریعہ ص۲۱)

مولف صاحب! امام حسین علیہ السلام کے ذبح کی مثال دُنبہ ذبح کرنے سے دی گئی ہے کہ اس بے دردی سے ذبح کیا ہے جس طرح دُنبہ کو ذبح کیا جاتا ہے۔ ذات والاصفات حضرت امام حسین علیہ السلام کو دنبہ ہر گز نہیں کہا گیا ہے۔ مگر آپ تو حضرت علی مرتضٰے کو مچھر اور حضرت رسُول خدا کو مکھی فرما رہے ہیں اور اب امام مظلوم کو دُنبہ سے تشبیہہ دے رہے ہیں کیا یہ ناصبیوں کا کردار نہیں ہے؟

"ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا"

اس کے بعد پھر مولف صاحب نے حضرت خاتونِ قیامت سیّدۂ عالمین مظلومۂ کونین ام الحسنؑ و الحسین سلام اللہ علیہم اجمعین کی شان میں گستاخی کی ہے اور اصول الشریعہ ص۲۱ پر لکھتے ہیں:

"کہ جناب سیّدہؑ نے اپنے بالمقابل ناقۂ صالح اور حسنینؑ شریفین کے بالمقابل ناقہ مذکورہ کے بچّہ کا ذکر فرمایا ہے"۔

مولف صاحب جناب سیّدۂ عالم نے ہر گز اپنی ذات کو ناقۂ صالح کا بالمقابل اور حسنین شریفین کو ناقہ کے بچہ کے بالمقابل نہیں فرمایا ہے۔ یہ بالکل کذب و افترا بلکہ بکواس ہے۔

یہ آپ کی کس قدر جسارت ہے کہ جناب سیّدہؑ کا مقابل اونٹنی کو بنایا جا رہا ہے اور امام حسنؑ و امام حسین

علیہما السلام کو اُونٹنی کے بچہ کا مقابل بنایا جا رہا ہے۔ حالانکہ جناب سیدہ صلوٰۃ اللہ علیہا نے اپنی اور حسنین علیہما السلام کی مصیبت اور مظلومیت کا تذکرہ اس وقت کیا ہے جب حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی گردن میں رسی ڈال کر لے جا رہے تھے اور پیچھے پیچھے بنتِ رسولؐ اور اُن کے ساتھ دو شہزادے جن کی عمریں چھ سات سال کی تھیں، روتے پیٹتے گھر سے باہر نکلے اور بی بی نے اپنے شوہر پر اور بچوں نے اپنے بابا پر یہ ظلم دیکھا تو بی بی نے چیخیں مار کر کہا "اے لوگو ابوالحسن کو چھوڑ دو میرے عم زاد کو چھوڑ دو ورنہ میں اپنے سر کے بال کھول کر فریاد کروں گی اور تم پر عذابِ الٰہی نازل ہو جائے گا جس طرح حضرت صالح کی اونٹنی اور اس کے بچہ پر ظلم کیا گیا تھا تو عذاب نازل ہو گیا تھا۔ وہ ہم سے زیادہ خدا کے پیارے نہیں تھے کہ ان پر ظلم ہوا تو خدا نے عذاب نازل کر دیا اور ہم دعائے بد کریں تو عذاب نازل نہ ہو۔ بی بی نے کہا کہ چھوڑ دو ابوالحسن کو ورنہ میں اپنے سر کے بال کھول دوں گی۔ یہ کہنا تھا کہ مسجد کی فصیلیں جو بالکل پست تھیں زمین سے اٹھ گئیں اور اتنی بلند ہو گئیں کہ ایک طرف کا آدمی دیوار دل کے دوسری طرف نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اور زمین اور دیواروں کے درمیان میں خلا واقع ہو گیا۔ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کے الفاظ یہ ہیں:۔

فما صالح باکرم علی اللہ من ابی ولا الناقۃ باکرم منی ولا الفصیل باکرم علی اللہ من ولدی۔ (احتجاج طبرسی ص۴۹)

"یعنی حضرت صالحؑ میرے بابا رسول اللہ صلعم سے خدا کے نزدیک بزرگ و محترم نہیں تھے۔ اور نہ ناقۂ صالح مجھ سے خدا کے نزدیک بزرگ و محترم ہے اور نہ اُس کا بچہ میرے بیٹوں سے خدا کے نزدیک بزرگ و محترم ہے۔"

جناب سیدہؑ نے ہرگز ہرگز ناقہ صالح کو اپنے مقابل نہیں بنایا ہے اور نہ حسنینؑ کو بچہ کے مقابل بنایا ہے۔ بلکہ درگاہ خداوندی میں اپنے پدر بزرگوار اور اپنی ذات اور اپنے بیٹوں کو صالح پیغمبر اور ناقہ اور اس کے بچہ سے افضل و اعلیٰ اور اکرم و بزرگ قرار دیا ہے نہ کہ ان کے مقابل قرار دیا ہے۔ مولف صاحب کو ناصبیوں کی طرح توہین اہلبیت میں کسی ملامت کی پرواہ نہیں۔

شرم نہیں آتی کہ بی بی کو ناقہ صالح کا مقابل اور شہزادوں کو بچہ ناقہ کا مقابل خود اپنے قلم سے تحریر کر رہے ہیں۔

اس کے بعد موئف صاحب نے اسیرانِ اہلبیت اور امام زین العابدین علیہ السلام کی اسیری کا ذکر کرتے ہوئے ترک و دیلم اور غلامان زنج کی طرح ان کے قید کرنے کا ذکر کیا ہے اور بیمار کربلا اور اسیرانِ اہلبیت کو ترک و دیلم اور غلاموں سے تشبیہہ دی ہے۔ مگر یہاں بھی مظلومیت اور بے چارگی میں ترک و دیلم سے مثال دی گئی ہے نہ کہ ان کے ذوات مقدسہ اور ترک و دیلم اور غلامان زنج ایک شان کے ہیں بلکہ مظلومیت کی مثال دی گئی ہے، مگر مؤلف صاحب نے تو معاذ اللہ ان حضرات کو عدم قابلیت میں مچھر و مکھی سے تشبیہہ دی ہے اور اصول

الشریعہ ص۲۱ پر مچھر اور مکھی بنا ڈالا ہے۔

مؤلف صاحب نے کافی تلاش کے بعد اپنی مچھر والی تحریر کے ثبوت میں ایک روایت تحریر کی ہے جو مقطوع السند ہے۔ سلسلۂ روایت کا کوئی پتہ نہیں ہے اور گفتگو کرنے والا بھی مخالف اہلبیت عمر بن فرج ہے جو امام محمد باقر علیہ السلام پر طعنہ زنی کر رہا ہے کہ آپ کے شیعہ دعوے کرتے ہیں کہ ہمارا امام دریائے دجلہ میں جو کچھ ہے اس کو اور اس کے وزن کو بھی جانتا ہے اور ہم تو دریائے دجلہ کے کنارہ پر ہیں مگر ہمیں علم نہیں ہے۔ تو جو شخص کو سوں دُور ہو اس کو کیسے پتہ لگ سکتا ہے، امام نے اس پر حجت قائم کرنے کے لئے ایسا سوال کیا کہ مجوج ہو جائے۔ آپ نے فرمایا کیا خدا اس پر قادر ہے کہ اپنے مخلوقات میں سے کسی مچھر کو اس کا علم سپُرد کر دے، یا قادر نہیں ہے؟ عمر بن فرج کہتا ہے ہاں قادر ہے۔ جب اس نے اقرار کر لیا تو آپ نے فرمایا کہ میں تو اپنی بزرگی میں مچھر اور اس کے مخلوقات سے زیادہ افضل ہوں۔ (مدینۃ المعاجز ص۵)

یہ ہے مقطوع السند ایک مخالف اہلبیت کی اپنی گفتگو جس سے مؤلف نے استدلال پیش کیا ہے اور اپنی مچھر والی ہرزہ سرائی کا ثبوت دیا ہے اور اس پر کوئی اپنا اجتہادی تبصرہ بھی نہیں کیا ہے کیونکہ تنقیص اہلبیت ان کے ایمان کا جزو اعظم ہے اس لئے اس گفتگو میں کسی احتمال کی ضرورت ہی نہیں سمجھی، اور یہ بھی نہیں کہا کہ یہ تو اخبار آحاد میں سے بھی نہیں ہے کہ اس کو عقیدہ بنایا جائے بلکہ ایک مخالف اہلبیت کی امام محمد باقر علیہ السلام پر طعنہ زنی کا جواب ہے۔

نیز اس گفتگو کا راوی ہی کوئی نہیں ہے جس نے عمر بن فرج اور امام کی گفتگو سُنی ہو۔ بلکہ خود عمر بن فرج مخالف اہلبیت ہے اور وُہ خود کہتا ہے کہ اے ابو جعفر امام محمد باقر علیہ السلام، تمہارے شیعہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ تم اتنے بڑے عالم ہو کہ وزن دجلہ اور ما فیہا کا علم رکھتے ہو۔ اور پھر امام پر طعنہ زنی بھی کرتا ہے کہ ہم ساحل دجلہ کے باشندے ہیں مگر ہم نہیں جانتے تو تمہیں کیسے علم ہو سکتا ہے۔ پھر امام علیہ السلام یہ نہیں فرماتے کہ میں اس کا علم نہیں رکھتا ہوں اور نہ شیعوں کے اس عقیدہ کی رد فرماتے ہیں کہ امام کو وزن دجلہ وغیرہ کا علم ہے بلکہ پہلے اس سے خدا کی قادریت منواتے ہیں کہ خدا اپنے مخلوقات میں سے کسی مچھر کو یہ علم تفویض کر دے تو اس پر قادر ہے یا نہیں۔ یعنی آپ اس مخالف سے خدا کی قادریت منوا کر تسلیم کرانا چاہتے ہیں کہ مجھے یہ علم تفویض کرنے پر خدا قادر ہے۔ چنانچہ اُسے تسلیم کرنا پڑا اور آپ نے تصدیق کر دی کہ ہمارے شیعوں کا عقیدہ ہمارے علم کے بارے میں بالکل درست ہے۔ مگر اس کے برعکس مؤلف صاحب شیعوں کے لئے کتاب لکھ رہے ہیں جو اہلبیت علیہم السلام کے اس علمِ محیط کے قائل ہیں پھر ان کے سامنے خدا کی قادریت پیش کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور پھر قادریتِ خدا اس سے منوائی جائے جو اس کا منکر ہو۔ شیعوں نے کب انکار کیا ہے کہ خدا مچھر سے معجز نمائی نہیں کرا سکتا۔ پھر شیعوں کے سامنے اس مچھر کا ذکر کیوں کیا صرف یہ بتانے کے لئے کہ محمد و آل محمد علیہم السلام خالص نوعِ بشر ہیں۔ اور بشر میں طاقت نہیں ہے کہ وُہ معجزہ دکھلائے

لہٰذا یہ حضرات معجزہ نہیں دکھا سکتے ان حضرات کی طاقتِ بشری سے قوتِ معجزہ خارج ہے جیسے مکھی اور مچھر کی طاقت سے خارج ہے۔

مگر اب سوال پیدا ہوتا تھا کہ ان کے معجزات و کرامات و خوارق عادات تو آفتاب نصف النہار کی طرح روشن ہیں پھر کس طرح ان حضرات نے یہ معجزے دکھائے جبکہ ان میں طاقتِ ذاتی نہیں ہے تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ معجزہ ان کا فعل ہی نہیں ہے خود خدا کا فعل ہے وہ ان پر بھی ظاہر کر سکتا ہے جس طرح مچھر میں طاقتِ ذاتی نہیں ہے اس پر بھی معجزہ ظاہر کر سکتا ہے۔ یعنی انبیاء و آئمہ علیہم السلام ذاتی طاقت سے اسی طرح خالی و بے بہرہ ہیں جس طرح مچھر بے بہرہ ہے۔ نہ اس میں قابلیت و استعداد معجزہ ہے اور نہ ان حضرات میں۔

درحقیقت قادریت خدا پیش کرنے کی یہی وجہ لکھی ہے کہ یہ حضرات اور مچھر و مکھی عدم قابلیت میں برابر ہیں مگر اب تو قرآن سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ علیؑ و محمدؐ مچھر کی مثال نہیں بلکہ یہ خود مچھر اور مکھی ہیں۔ یہ ہے تبحرِ علمی کی اچھوتی مثال اور یہ ہے دعوئے اجتہاد کا انوکھا ثبوت۔ (ناصبیت مردہ باد)

مولفؔ صاحبؒ کی علمی مقدار کا جائزہ

مولف صاحب نے محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام کی نوعِ بشر میں سمولیت کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا ہے اس کا آپریشن ہم کر چکے ہیں اور اب ان کے حوالوں پر تبصرہ کرتے ہیں جو انہوں نے اپنے باطل عقیدہ کے ثبوت کے لئے فراہم کئے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے:۔

"(علامہ طبرسی مجمع البیان جلد ۲ ص۱۴۵ بذیل آیۃ مبارکہ وما ارسلنا قبلک الا رجالاً نوحی الیھم ہم نے تم سے پہلے مردوں کو رسول بنا کر بھیجا ہے جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے) فلسفۂ بشریتِ انبیاء کے سلسلہ میں لکھتے ہیں: لان الشکل الی الشکل امیل وبه انس وعنه افھم ومن الانفة منه ابعد۔ شکل اپنی شکل کی طرف زیادہ مائل اور زیادہ مانوس ہوتی ہے اور اس سے زیادہ استفادہ کرتی ہے اور نفرت نہیں کرتی۔ (اصول الشریعہ ص۲۴)"

مولف صاحب نے یہ حوالہ تفسیر اس امر کے ثبوت میں پیش کیا ہے کہ انبیاء آئمہ طاہرین علیہم السلام نوعِ بشر میں داخل ہیں اور اس نوع کے افراد کاملہ ہیں مگر جو عبارت پیش کی ہے اور اس کا ترجمہ بھی فرمایا ہے اس سے تو ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ نوع ایک ہے کیونکہ اس میں تو صرف اتنا بتایا گیا ہے کہ شکل و صورت میں ایک ہیں تاکہ انس رہے اور اجنبی معلوم نہ ہوں اور استفادہ کا موقع ملے۔

ہم نے کب اس سے انکار کیا ہے۔ ہم بھی تو یہی کہتے ہیں کہ انبیاء و آئمہ علیہم السلام کو خداوند عالم نے بشر کی شکل و صورت میں اسی لئے بھیجا ہے کہ ہم لوگ ان کی خدمت و صحبت میں رہ کر زیادہ سے زیادہ استفادہ کریں اور ہم شکل ہونے کی وجہ سے انس و محبت پیدا ہو۔ مگر یہ مشارکت جنس میں ہے شکل و صورت میں۔ مگر جس

کمالِ ذاتی کی وجہ سے وُہ ہم سے ممتاز ہیں وُہ فصل ممیز ہے اس کو نظر انداز نہ کریں ورنہ نبوت ہی رخصت ہو جائے گی۔ اور جب یہ کمال ذاتی اور صورت و شکلِ بشری دونوں کو ملا کر دیکھا جائے گا تو پھر نوع علیحدہ ثابت ہوگی، جو ہمارا اعتقاد ہے۔

یہ حوالہ تو ہمارے عقیدہ کی تائید اور آپ کی رد کر رہا ہے مگر کتاب لکھ کر مصنف بننے کے شوق میں مخالف کا امتیاز بھی مفقود ہو گیا ہے۔

اب دوسرا حوالہ ملاحظہ فرمائیے جو وحدت نوع کے ثبوت میں پیش کیا گیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:۔

"اسی طرح علامہ شہر ابنِ آشوب نے (ابنِ شہر آشوب سے اصلاح کر لیں)، متشابہ القرآن جلد ۱ ص۲۰ پر مذکورہ بالا آیت کے تحت لکھا ہے: وجہ اللطف فی ارسال الرجال من البشر ان الشکل الی شکلہ انس وعنہ افہم والانفۃ منہ ابعد لانہ یجری انفسہ والانسان لا یانف من نفسہ (کذا فی جلد ۲ ص۲) (اصول الشریعہ ص۴۲)"

مؤلف صاحب نے اس عبارت کا ترجمہ نہیں تحریر فرمایا ہے۔ نیت کا علم خدا کو ہے۔ ہم اس کا ترجمہ لکھے دیتے ہیں۔

علامہ ابن شہر آشوب فرماتے ہیں کہ "نبی کو شکل بشر میں بھیجنے کی لطیف ترین وجہ یہ ہے کہ شکل اپنی ہم شکل سے زیادہ مانوس ہوتی ہے اور اس سے زیادہ استفادہ کرتی ہے اور ہم شکل نہ ہونے کی صورت میں اس سے جدائی اور نفرت کرتی ہے اور انسان اپنے ہم شکل سے نفرت نہیں کیا کرتا ہے"۔ اس حوالہ سے بھی ہماری تائید ہوتی ہے کیونکہ علامہ نے نبی کے ہم شکل ہونے کے فائدے بتائے ہیں اور ہم نے کبھی انکار ہی نہیں کیا ہے۔ اگر انہیں وحدت نوع ثابت کرنا ہے تو ہم شکل و ہم صورت ثابت کرنے سے یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ عوام پر یہ اثر ضرور پڑے گا کہ کتابیں بہت دیکھی ہیں۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی تاثر ہوگا کہ ناسمجھ ہیں حق و باطل کے امتیاز کی صلاحیت نہیں رکھتے ہیں۔

اب تیسرا حوالہ ملاحظہ فرمائیے:۔

"حضرت علامہ حائری مرحوم اعلی اللہ مقامہٗ اپنی تفسیر لوامع التنزیل ج۵ ص۳۱۷ پر بذیل آیت سبحان ربی ھل کنت الا بشرا رسولا لکھتے ہیں۔

اقول، پس ایں جا معلوم شد کہ معتقد ایشاں ہمیں بود کہ بشریت مانع رسالت و ایشاں از غایت جہالت و نہایت ضلالت در مسئلہ خطا کردند دانستند کہ تجانس موجب توانس است و تخالف مقتضی تنافر الجنس الی الجنس یمیل پس بالیقین ثابت شد کہ رسول از جنس مرسل الیہم

بایدباشد تا افادہ و استفادہ درمیان پدید آید و ہوالعالم"۔ (اصول الشریعہ ص۱۲)

اس حوالہ میں بھی مکمل طور پر ہماری تائید ہے اور مؤلف صاحب کے عقیدہ پر ضرب کاری ہے اسی لئے انہوں نے اس کا ترجمہ ہی ہضم فرمایا ہے یہ تو فارسی عبارت ہے معمولی طالب علم بھی سمجھ سکتا ہے۔ مگر ہم عوام کی خاطر ترجمہ کئے دیتے ہیں۔

علامہ حائری مرحوم اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں سبحان ربی هل کنت الا بشراً رسولاً معنی آیت یہ ہیں: "میرا رب ہر عیب سے منزہ ہے نہیں ہوں میں مگر بشر رسول"۔ میں کہتا ہوں کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ کافر یہ سمجھتے تھے کہ بشریت مانع رسالت ہے۔ (کیونکہ وہ لوگ آنحضرت سے کہتے تھے کہ تم تو ہم جیسے بشر ہو رسول کیسے بن گئے) اور ان کافروں نے اس مسئلہ میں انتہائی جہالت اور انتہائی ضلالت سے غلطی کی ہے۔ وہ یہ نہ سمجھ سکے کہ ہم جنس ہونا انس و محبتِ باہمی کا سبب ہے اور غیر جنس ہونا نفرتِ باہمی کا سبب ہے کیونکہ جنس اپنی جنس کی طرف مائل ہوتی ہے پس بالیقین ثابت ہوا کہ رسول کو اپنی امت کے ہم جنس ہونا چاہئے تاکہ رسول اور امت کے مابین افادہ اور استفادہ دونوں حاصل ہوں۔ وہو العالم)

ناظرین کرام ہم ببانگ دہل مدرسین کے کان کھول رہے ہیں کہ ہماری اور انبیاء کرام کی جنس ایک ہے وہ بھی بشر اور ہم بھی بشر مگر نوع علیحدہ ہے کیونکہ بشریت کے علاوہ ان میں جوہر رسالت بھی ہے اور اس حوالہ پیش کردہ سے ہمارا اعتقاد حرف بحرف من وعن مو بہ مو دو بدو رو برو علی الرغم ثابت ہو جاتا ہے۔ کسی نے کیا خوب اس موقعہ کے لئے کہا ہے: ع

عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد

اب تو مؤلف صاحب کو ایک چلو پانی تلاش کرنا چاہئے۔ اس کے بعد مؤلف صاحب نے اپنے مخالف اور ہمارے مؤید ان حوالوں کے بعد اپنی حالت زار کا یوں انکشاف فرمایا ہے ملاحظہ فرمائیے:۔

"کہا جاتا ہے کہ یہ بزرگوار ظاہر میں تو انسان ہیں مگر باطن میں کچھ اور ہیں۔ ان باطن بین حضرات کی خدمت میں گزارش ہے کہ اولاً تو ہم ظاہری شریعت کے مکلف ہیں ہمیں باطن کے ساتھ سروکار نہیں"۔ (اصول الشریعہ ص۱۲)

مؤلف نے اپنے ساتھ دیگر اپنے ہم مشرب کا بھی بیڑا غرق کر دیا ہے اور اپنے دل کی بات بیان کر دی ہے کہ محمد و آل محمد علیہم السلام کے ظاہر پر ایمان لائے ہیں اور اسی لئے ان ذوات مقدسہ کے ظاہر کو دیکھ کر اپنے جیسا بشر مانتے ہیں ان لوگوں کو باطن سے کوئی سروکار ہی نہیں ہے۔ لہٰذا یہ صرف بشریت پر ہی ایمان لائے ہیں اور اسی لئے اپنی نوع سمجھتے ہیں۔ لہٰذا پھر ان ذوات مقدسہ میں اور آپ کے حجتہ الاسلامی اور

علمائے اعلامی ٹولہ میں کیا فرق ہے۔ جیسے آپ حجتہ الاسلام اسی طرح وُہ حضرات بھی (معاذ اللہ جیسے آپ صدر المحققین ویسے ہی وُہ بھی (لاحول ولا) جیسے آپ سلطان المتکلمین ویسے ہی وُہ بھی (نعوذ باللہ) جیسے آپ مسجد میں بیٹھ کر درس دیتے ہیں ویسے ہی وُہ بھی (العیاذ باللہ)۔

ہم تو باطن بین مولائے کائنات مشکل کشائے عالم سر اللہ فی العالمین سیّد الموحدین علیہ السلام ارواحنا لہ الفداء کے نام لیوا ہیں۔ حضرت نے فرمایا ہے کہ میں اُس خدا کی عبادت نہیں کرتا جس کو میں نے دیکھا ہی نہیں۔ مگر میں نے اُسے سر کی آنکھوں سے نہیں دیکھا ہے دل کی آنکھوں سے دیکھا ہے۔

چونکہ مولف کو باطن سے کوئی سروکار نہیں ہے اس لئے خدا سے بھی کوئی سروکار نہ ہوگا۔ کیونکہ وُہ بھی ظاہری آنکھوں سے نہیں نظر نہیں آتا، باطنی آنکھوں سے دکھائی دیتا ہے اور باطن سے ان لوگوں کو کوئی سروکار نہیں ہے۔ اور پھر خدا کے ہاتھ پاؤں بازو مُنہ پہلو اپنے جیسے مانتے ہوں گے کیونکہ معنیٰ باطن سے آپ کو سروکار ہی نہیں۔

پھر آپ عراق میں اتنی مدت رہے تو کیا در و دیوار ہی کا طواف کرتے رہے کیونکہ باطن سے تو آپ کو سروکار نہیں، اور زیارتِ آئمہ طاہرین کا یہ فقرہ السلام علیٰ باطنکم پڑھتے ہی نہ ہوں گے کیونکہ باطن سے تو آپ کو سروکار ہی نہیں۔ اور اٰمنت بسرکم وعلانیتکم پر بھی ایمان نہیں ہوگا کیونکہ باطن سے آپ کو کوئی سروکار نہیں۔ اور حرم امیر المومنین علیہ السلام کے رُوحانی فیوض و برکات سے بھی آپ محروم ہی رہے ہوں گے کیونکہ آپ کو باطن سے کوئی سروکار ہی نہیں۔ پھر تو حضرت باب مدینۃ العلم کے لنگر کی روٹیاں ہی آپ کے نصیب میں ہوں گی۔ اور پھر قرآن کی تنزیل ہی سے تعلق ہوگا تاویل سے کوئی سروکار نہیں اور اس کے بواطن پر جس قدر احادیث میں آئمہ طاہرین نے ایمان لانا اور ما عنی بہ اللہ ہی کو مقصد قرآن فرمایا ہے اس سے بھی آپ کو سروکار نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے پنجاب میں قدم رکھتے ہی اہلبیت طاہرین علیہم السلام کے باطنی مراتب کا انکار کیا ہے اور ان کی ردّ و قدح میں خون پسینہ ایک کر رہے ہیں کیونکہ باطن سے آپ کو کوئی سروکار ہی نہیں۔ لہٰذا ہمارا اور آپ کا سمجھوتہ ناممکن ہے۔ (بعض لیڈر صاحبان خصوصاً مدیر اخبار رضا کار جو اس ٹولہ کے حامی ہیں اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کریں ورنہ "ہر چیز کہ در کانِ نمک رفت نمک شد" کے مصداق بن کر اس ٹولہ میں شامل ہوں گے۔

اس کے بعد وجہ ثانی میں تحریر کرتے ہیں اور باطن کے انکار پر اپنا اجتہادی کرشمہ دکھاتے ہیں ملاحظہ فرمائیے:۔

"ثانیاً۔ اگر اس بات کی کوئی اصلیت ہوتی اور فی الحقیقت انبیاؑ مرسلین اور آئمہ طاہرین بشر نہ ہوتے بلکہ صرف لباسِ بشریت میں ملبوس ہوتے تو پھر چاہئے تھا کہ بشریت رسُول کا فلسفہ بیان کرنے کے بجائے صرف یہ کہہ کر کفار و مشرکین کا منہ بند کر دیا جاتا کہ جن کو تم بشر و انسان خیال کر رہے ہو وُہ فی الحقیقت بشر نہیں بلکہ کسی اور عالی نوع سے تعلق رکھتے ہیں۔ لیکن

خداوند عالم کا یہ نہ فرمانا اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ یہ بزرگوار نوعِ انسانی کے ہی اکمل و اشرف افراد ہیں۔ وھو المطلوب "۔ (اصول الشریعہ ص۴۸)

ناظرین کرام! اس تحریر کے بعد بھی ان کی ناصبیت اور اہلبیت کی مخالفت اور ان کے موالیوں سے بغض و عداوت میں کوئی شک و شبہ ہے۔

اِن لوگوں نے بصحتِ ہوش و حواس خمسہ بلا جبر و اکراہ غیرے اقرار نامہ تحریر کر دیا ہے اور اپنے اعمال نامہ میں یہ ورقِ سیاہ رہتی دنیا تک چھوڑ دیا ہے کہ فی الحقیقت انبیاء و مرسلین اور آئمہ طاہرین بشر ہیں۔ اور اگر فی الحقیقت بشر نہ ہوتے تو قرآن میں خدا کافروں کا مُنہ بند کرنے کے لئے فرما دیتا کہ جن کو تم بشر کہتے ہو وُہ فی الحقیقت بشر نہیں۔

اس اقرار نامہ سے بالکل واضح ہو گیا کہ کافروں کا خیال درست تھا کہ ہم اس لئے تمہیں نبی تسلیم نہیں کرتے کہ تم فی الحقیقت بشر ہو اور جب تم حقیقت میں ہمارے ہی نوع کے افراد ہو تو ہم تمہیں کس طرح سفیرِ خدا تسلیم کر لیں۔ خداوند عالم نے چونکہ کافروں کے قول کو رد نہیں کیا اور اُن کا منہ بند نہیں کیا لہٰذا ثابت ہوا کہ وُہ فی الحقیقت بشر ہی ہیں اور یہی قطعی دلیل ہے ان کے بشر ہونے کی۔ اور یہی ان کا مطلوب ہے۔

اب ان لوگوں اور کافرین کے عقیدہ میں کیا فرق رہ گیا۔ جیسا وُہ کہتے تھے ویسا ہی یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں، اور خدا نے ان کا منہ بند نہیں کیا تو شیعوں کو کیا حق ہے کہ ان کا مُنہ بند کرنے کے لئے ڈھنڈورے پیٹ رہے ہیں۔

لیکن ان لوگوں کو چاہئے کہ اب حجتہ الاسلام والمسلمین کے بجائے اپنا لقب حجۃ الکفر والکافرین تحریر فرمایا کریں کیونکہ آپ کا بھی وہی عقیدہ ہے جو کافروں کا تھا کہ فی الحقیقت یہ حضرات بشر تھے۔ اسی لئے کافروں نے کلمۂ اسلام نہیں پڑھا اور اپنے مثل سمجھ کر کافر ہی رہے اور یہ بشر کے سوا کچھ اور ہوتے تو کلمہ پڑھ لیتے مگر خدا نے ان کا منہ بند نہیں کیا۔

مگر ہم نے تو ان ذواتِ مقدسہ کا کلمہ پڑھا ہے اور اس لئے پڑھا ہے کہ خداوند عالم نے اور خود ان حضرات نے کافروں کا منہ بند کیا ہے اور صاف صاف فرمایا ہے کہ ہم صرف بشر نہیں بلکہ بشراً رسُولاً ہیں اور ہم پر وحی نازل ہوتی ہے۔ اور ہم خدا سے بذریعہ وحی اور بذریعہ حجاب اور بذریعہ مَلک باتیں کرتے ہیں اور ہمارے پاس فرشتے آتے جاتے ہیں اور ہمارے اس جوہر ذاتی کا ثبوت یہ ہے کہ معجزات و بیّنات کے حامل ہیں اور ہم حکمت و کتاب کے وارث ہیں اور خدا نے بھی ان کا منہ بند کرنے کے لئے صاف صاف فرمایا کہ ہم نے ان کو برہان اور نور اور کتاب اور آیات اور بیّنات اور ایسے کمالات عطا کئے ہیں کہ بشر تو بشر تمہارے ساتھ تمام جن بھی مل کر ان کا مقابلہ کریں تب بھی تم عاجز رہو گے اور قیامت تک ان کے مقابلہ میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔

اگر یہ حضرات صرف بشر ہی ہوتے اور ان کے ذواتِ مقدسہ میں کوئی جوہر ذاتی اور کمال فطری نہ ہوتا

توان کو مبعوث فرمانا خلافِ عقل ہوتا۔ فی الحقیقت یکساں ہوتے ہوئے ایک کو حاکم دوسرے کو محکوم، ایک کو راعی دوسرے کو رعایا، ایک کو نبی دوسرے امت، ایک کو مطیع دوسرے کو مطاع بنانا صریحی ظلم ہوتا۔ اور خدا ہرگز ظالم نہیں ہے۔ لہذا ان ذوات مقدسہ کو فی الحقیقت کافروں کی طرح بشر سمجھنا خدا کو ظالم ماننا ہے، اور ایک بدیہی امر کا انکار ہے۔ اسی کو تو خدا نے فرمایا ہے کہ ان کافروں کی آنکھیں ہیں مگر دیکھتے نہیں۔ کان ہیں مگر سنتے نہیں۔ دل ہیں مگر سمجھتے نہیں۔ یہ جانور ہیں بلکہ جانوروں سے بھی بدتر ہیں کیونکہ صریحی دلائل کا انکار کرتے ہیں۔ مگر مولف صاحب کافروں کو حق پر سمجھتے ہیں اور ان کے خیالات کو درست تسلیم کرتے ہیں کیونکہ خدا نے اُن کا مُنہ بند نہیں کیا لہذا اب وہ تمام الزامات جو خداوند عالم نے کافروں پر عائد کئے ہیں ان پہ فِٹ ہوں گے اور ہمیں خدا کی سنّت پر عمل کرتے ہوئے ان کے لئے کہنا پڑے گا کہ ان لوگوں کی آنکھیں ہیں مگر دیکھتے نہیں اور کان ہیں مگر سنتے نہیں دل ہیں مگر سمجھتے نہیں۔ یہ بالکل جانور ہیں بلکہ جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔

اس فرمانِ خداوندی کا جواب کافروں کے پاس تو نہیں تھا مگر مولف نے جواب دیا ہے کہ اے خدا تو ہمیں جانور بتاتا ہے تو ہم بھی ایسے گئے گزرے نہیں کہ خاموش ہو جائیں اور تو ہمیں جانور بتاتا رہے۔ "تیرے نبی و امام بھی مچھر و مکھی ہیں"۔

ناظرین کرام یہ تو کافروں سے بھی دو ہاتھ آگے نکلے۔ پھر یہ کس منہ سے ان ذوات مقدسہ کا کلمہ پڑھتے ہیں شائد یہ ظاہر پرست ظاہری کلمہ پڑھ کر مومنین کے اموال پر ڈاکہ مارتے ہیں اور مربعے خریدتے ہیں، بنگلے بناتے ہیں، بڑی بڑی تھوک تجارتیں کرتے ہیں، اپنی بسیں چلاتے ہیں۔ یہی ہے وہ مثال جو مشہور ہے: جس ہانڈی میں کھاتے ہو اسی میں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور پھر یہ لکھتے ہوئے شرم نہیں آتی کہ فی الحقیقة بشر نہیں تو خدا نے کیوں نہیں کہا کہ یہ کسی اور نوع عالی سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کا منہ کیوں نہ بند کر دیا؟

مولف صاحب! خدا نے تو فرمایا ہے مگر جب شیطانی تکبر ابلیسی ضد ہو تو اس کا کیا علاج ہے کیا آپ نے یہ آیت نہیں پڑھی ہے:۔ استکبرت ام کنت من العالین۔ اے مردود ابلیس کیا تو نے تکبر کیا ہے یا تو عالین کی نوع سے ہے؟" فرمائیے خدا نے ابلیس کا منہ بند کر دیا یا نہیں۔ مگر وہ پھر بھی بضد رہا۔ اور اس کا علاج بس یہی تھا کہ:۔

"اخرج منها فانك رجیم و ان علیك لعنتی الی یوم الدین۔ اے مردود یہاں سے دور ہو جا۔ تو یقیناً شیطان رجیم ہے اور تجھ پر بالتحقیق قیامت تک میری لعنت ہے۔"

داب اس سے زیادہ کیا سزا ہو سکتی ہے۔

اب اس کے بعد یہ صاحب ہمارے پمفلٹ "معرفت محمد و آل محمد" پر اعتراض کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیے:۔

"معرفت محمد و آل محمد" نامی پمفلٹ کے مؤلف کا یہ کہنا کہ معجزہ فعل نبی ہے اور یقیناً فعل نبی ہے جیساکہ قرآن مجید میں بلاشک موجود ہے (ثبوت میں حضرت عیسےٰؑ کے بارہ میں وارد شدہ لفظ واذ تخلق پیش کئے ہیں جو مجازی نسبت ہے اور اس کی مزید تحقیق ذیل میں آرہی ہے ناقل) اس کے بعد بھی یہ ایمان کہ معجزہ فعل نبی و امام نہیں ہوتا ایمان کی کمزوری کی دلیل ہے یا پھر قرآن مجید سے بے خبری کا ثبوت ہے۔ (صفحہ ۱۲)

خود مؤلف صاحب کی حقائق قرآنی و کلام امام اور تحقیقات علمائے اعلام سے قطعی جہالت کی دلیل ہے جو موجب ضلالت ہے یا پھر ان حقائق و معارف کے انکار پر مبنی ہے اور سبب عدم ایمان ہے ؎

الٹا شکوہ کرتے ہو اور کس ادا کے ساتھ بے طاقتی کے طعنے ہیں عذر جفا کے ساتھ

(اصول الشریعہ صفحہ ۱۳۲)"

ناظرین کرام! ہم نے من و عن مکمل عبارت مع شعر کے نقل کر دی ہے اور ہمارے پمفلٹ معرفت محمد و آل محمد پر جو اعتراض کیا ہے اور درمیان سطور جو تبصرہ فرمایا ہے بلاکم و کاست نقل کر دیا ہے اب ہم اس کا آپریشن کرتے ہیں:۔

حقیقت و مجاز کے معنی سے ناواقفی

پہلے ہم اپنے پمفلٹ کی مکمل عبارت نقل کرتے ہیں جس پر مولف صاحب نے اعتراض کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:۔

"مُظہِر اور مُظہَر میں فرق۔ مُظہِر یعنی افعال کا ظاہر کرنے والا اور مُظہَر جس کے ذریعہ ظہور فعل ہو۔ جب ان دونوں میں علاقہ شدیدہ پیدا ہو جاتا ہے تو ایک ہی فعل ان دونوں کی طرف منسوب ہو جاتا ہے جس طرح ارشاد خدا ہے اللہ یتوفی الانفس یعنی اللہ نفوس کی توفّی کرتا ہے کیونکہ وہ خود مُظہِر ہے اور پھر فرماتا ہے یتوفاکم ملک الموت یعنی تمہاری توفّی ملک الموت کرتا ہے کیونکہ فرشتہ مُظہَر ہے۔ فعل توفّی ایک ہے اور اس کے فاعل دو ہیں ایک خدا اور دوسرا فرشتہ۔ اور توفی کی نسبت دونوں کی طرف ہے اور یہ دونوں نسبتیں قرآن مجید میں صراحتہً موجود ہیں۔

اسی طرح احیاء کی نسبت خدا نے اپنی طرف دی ہے۔ یعنی خدا زندہ کرنے والا ہے اور زندہ کرنے کی نسبت حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی طرف بھی دی ہے جیساکہ ارشاد ہے

"واحی الموتیٰ" (قول حضرت عیسےٰ علیہ السلام) اور میں مردوں کو زندہ کرتا ہوں"۔ زندہ کرنا ایک فعل ہے جو اپنی طرف بھی خدا نے منسوب کیا ہے اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی طرف بھی اور خود خدائے عالم ان کے فعل کی یوں تصدیق فرماتا ہے "واذ تخرج الموتیٰ" (یعنی اے عیسیٰ تم مُردوں کو قبروں سے نکال کر زندہ کرتے تھے) اور یہ کمال تمہیں میرے اذن سے حاصل ہے۔

اسی طرح نسبت خلق خدا کی طرف بھی ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی طرف بھی جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے "انی اخلق لکم" (قولِ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام) میں تمہارے لئے پیدا کروں گا پرندہ کی شکل اور میں پھونک ماروں گا تو وُہ پرواز کرنے لگے گا اور یہ سب کچھ باذنِ خدا کرتا ہوں اس نسبت کی تصدیق خدا نے اس طرح فرمائی ہے "واذ تخلق" یعنی اے عیسیٰ تم خلق کرتے تھے"۔ اور یہ دونوں کمال یعنی احیاء اور خلق جو حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے افعال ہیں وُہ خدا ہی کے عطیہ ہیں اور اُسی کے اذن سے حاصل ہوتے ہیں۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ماذون من اللہ خالق بھی ہیں اور محی بھی۔ یعنی پیدا کرنے والے اور زندہ کرنے والے۔ اور یہ طاقتِ خلق واحیاء عطیہ خدا ہے وُہ جس کو چاہے عطا کر دیتا ہے۔ اور یقیناً یہ کمالات معجزہ ہیں، اور فعل نبی ہیں اور بہر حال خرق ہیں، اور ان کی نسبت یقینی طور پر نبی کی طرف دی گئی ہے۔ لہٰذا معجزہ فعلِ نبی ہے اور یقیناً فعلِ نبی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں بلاشک وشبہ موجود ہے۔

اب اس کے بعد بھی یہ ایمان رکھنا کہ معجزہ فعلِ نبی وامام نہیں ہوتا ایمان کی کمزوری کی دلیل ہے یا پھر قرآن مجید سے بے خبری کا ثبوت ہے یا پھر محمدؐ و آل محمدؐ کے معجزات سے عوام کو منحرف کرنا مقصود ہے۔ کیونکہ جب ان حضرات کی طرف نسبت ہی غلط ہو جائے گی اور عوام کو صرف فعلِ خدا ہی سمجھایا جائے گا تو یہ بھی کہہ دیا جائے گا کہ خدا یہ کام ایک مچھر سے بھی لے سکتا ہے۔ لہٰذا نعوذ باللہ حضرات محمدؐ و آل محمدؐ اور ایک مچھر میں کیا فرق ہے۔ جن مولوی صاحبان کے ایمان کا یہ حال ہے ان کے شاگرد بھی یہی سبق لے کر مدرسہ سے باہر آئیں گے اور محمدؐ و آل محمدؐ کی وُہ بھی اسی طرح توہین کریں گے۔ اگر ان میں سے کسی مولوی صاحب کو کہا جائے کہ خدا کو یہ قدرت حاصل ہے کہ تمہیں ٹکڑے ٹکڑے کر کے گدھوں چیلوں کا لقمۂ تر بنا سکتا ہے تو یہ مولوی صاحب اور ان کے شاگرد ضرور خفا ہوں گے اور توہین و تذلیل کا الزام لگائیں گے اور فوراً غیظ وغضب میں آجائیں گے لیکن یہ لوگ خود حضرات معصومین علیہم السّلام کے مقابلہ میں ایک مچھر کو پیش کر دیں تو ان کے کمالِ علم کی دلیل سمجھ لیا جاتا ہے۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت دے اور توہین آئمہ طاہرین کے جرم سے بچائے۔ کیا حضرات محمدؐ و آل محمد علیہم السّلام کے اور دشمن کچھ کم ہیں جو یہ نام نہاد شیعہ مولوی صاحبان معصومین کی شان میں گستاخیاں کر کے نواصب کے ہمنوا بن رہے ہیں۔ (پمفلٹ ص ۳، ۴)

فعل کے معنی کام "حقیقی معنی ہیں"

مولف صاحب کا تبصرہ اور پمفلٹ کی عبارت دونوں کو مکمل طور پر ہم نے پیش ناظرین کر دیا ہے ہم

چیلنج کرتے ہیں کہ مولف صاحب ہمارے ایک حرف کی بھی رد نہیں کرسکے ہیں اور نہ اُن کے اجتہاد میں یہ طاقت ہے کہ ہمارے پیش کردہ حقائق کی تکذیب کر سکیں۔ کیونکہ ہم نے جو کچھ تحریر کیا ہے آیاتِ قرآنی کا ترجمہ کیا ہے جس کا ایک ایک حرف یہ صحیح ہے اس لئے ان کو جرأت نہیں ہو سکی کہ ترجمہ غلط بتاتے یا قرآن مجید میں خلق و احیاء و اماتت کی نسبت غیر خدا کی طرف غلط ثابت کرتے۔ انہوں نے ترجمہ بھی صحیح تسلیم کر لیا اور نسبت فعل الیٰ غیر اللہ کو بھی قبول کر لیا۔ لیکن اس کا جواب صرف یہ دیا ہے کہ یہ نسبت مجازی ہے حقیقی فاعل خدا ہی ہے۔

لہٰذا ہم انہیں حقیقت و مجاز کا فرق سمجھا دیں تاکہ یہ لوگ حضراتِ اہلبیت طاہرین کی ہر فضیلت کو حسب عادت مستمرہ "مجاز" کہہ کر عوام کو فریب نہ دے سکیں۔

الفعل۔ (فعل فعلاً) عمل والاسم منه (الفعل)، کتاب لغت منجد ص ۶۳۱۔

یعنی فعل کے معنی "کام" جو بھی جتنا کام کرے وُہ اس کا فعل ہے اور اسی کو عمل کہتے ہیں اور یہی اس کے حقیقی معنی ہیں اور تمام کام جو بھی بندہ کرتا ہے وُہ اس کا حقیقی فاعل ہے اور اسی حقیقی فعل پر جزا و سزا ہے۔

فعل اپنے آثار کے لحاظ سے موصوف ہوتا ہے متعدد و مختلف صفات کے ساتھ مثلاً اکل، شرب، کتابت، صنعت و حرفت، تجارت، زراعت، سخاوت، عبادت، معصیت، احداث، ابداع، صنع، خلق، رزق، احیاء، اماتت، جعل، ایجاد وغیرہ۔ یہ سب افعال ہیں۔ اسی لئے ان کے فاعل ان ہی صفات سے موصوف ہوتے ہیں جیسے آکل، شارب، کاتب، زارع، تاجر، عابد، زاہد، مطیع، عاصی، خالق، رازق، محی، ممیت، صانع، مبدع، جاعل، موجد وغیرہ۔

لہٰذا جس نے جتنا کام کیا ہوگا اس کا وُہ حقیقی فاعل ہوگا کیونکہ اگر فعل کے آلات اور فعل کی قوت اور خود فاعل کا وجود ملحوظ رکھ کر کسی فعل (کام) کا فیصلہ کیا جائے گا تو دُنیا میں کوئی بھی کسی فعل کا فاعل نہیں ہو سکتا کیونکہ خود فاعل کو خدا نے پیدا کیا ہے اگر نہ پیدا کرتا تو یہ فاعل ہی نہ بنتا۔ اسی طرح تمام آلاتِ کار خدا نے پیدا کئے ہیں اگر خدا پیدا نہ کرتا تو یہ فاعل ہی نہ بنتا۔ اور اسی طرح قوتِ فعل خدا نے پیدا کی ہے، اگر وُہ قوت پیدا نہ کرتا تو یہ فاعل ہی نہ بنتا۔ اس مفہوم کو پیش نظر رکھ کر اگر "حقیقت و مجاز" کا فیصلہ کیا ہے تو یہ ان کی انتہائے جہالت کی واضح دلیل ہے۔ اس فیصلے کی رو سے تو حقیقی نمازی، حقیقی شرابی، حقیقی زانی، حقیقی ڈاکو وُہ قرار پائے گا جس نے ان کو پیدا کیا اور قوتِ فعل دی اور آلاتِ فعل پیدا کئے اس صورت میں تو کوئی بھی کسی کا باپ دادا یا بیٹا پوتا نہیں بن سکتا کیونکہ سب طاقتیں تو خدا نے پیدا کی ہیں لہٰذا حقیقی فاعل وہی ہوگا نعوذ باللہ من ھٰذہ الھفوات (ہم ایسی بکواس سے ہم خدا کی پناہ چاہتے ہیں)۔

اور اس کا پس منظر یہ ہوگا کہ تمام کاموں کی جزا و سزا کا مستحق حقیقی فاعل ہی ہوگا مجازی فاعل تو برائے نام ہوگا۔ ہماری اس تحقیق کے بعد ان صاحب کا لفظ "مجاز" اور لفظ "من باب المجاز" ایک لایعنی لفظ ہے جو صرف

اہلبیت علیہم السلام کی تنقیص و توہین کے لئے تجویز کیا گیا ہے کہ وُہ فاعل معجزہ نہ ہو سکیں۔

موالیان اہلبیت طاہرین علیہم السلام معجزات و کرامات کی نسبت ان ذوات مقدسہ کی طرف دیتے ہیں اور فضائل آل محمدؐ سمجھ کر بیان کرتے ہیں۔ اسی لئے مولف نے معجزات کو فعل خدا ثابت کر کے ان ذوات مقدسہ کو مجبور کی طرح بنا دیا ہے۔

اس تحقیق کی روشنی میں ہر صاحب عقل فیصلہ کر سکتا ہے کہ کام کا جتنا تعلق جس سے ہو گا وُہ اسی کا حقیقی فاعل ہو گا۔ ان لوگوں کو غلط فہمی اس لئے ہوئی ہے کہ اختیار اور اضطرار کا مطلب نہیں سمجھ سکے ہیں۔

درحقیقت فعل اضطراری ایسا فعل ہے کہ جس کی نسبت فاعل کی طرف مجازی ہوتی ہے۔ مثلاً کوئی شخص بلندی سے گر گیا تو اس کا یہ فعل اس کی طرف مجازاً منسوب ہوتا ہے اور اس فعل پر اس کی مذمت نہیں کی جاتی ہے۔ نیز اسی طرح اگر بالجبر کسی کو شراب پلائی جائے تو یہ فعل "شراب خوری" اس کی طرف مجازاً منسوب ہوتا ہے اسی لئے اس کی مذمت نہیں کی جا سکتی۔ اور دونوں قسم کے فعل یعنی اضطراری و جبری قابل سزا نہیں ہوتے اور خداوند عالم نے ایسے اضطراری و اجباری افعال میں بندوں کو ماخوذ نہیں کیا ہے اور فرما دیا ہے فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فلا اثم علیہ۔ یعنی اگر کوئی شخص اضطراری حالت میں ممنوع اشیاء کو عمل میں لے آئے تو اس پر کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ باختیار خود بغاوت و تجاوز نہ کرے۔

اسی طرح ارشاد فرمایا ہے الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان۔ یعنی اگر کسی سے بجبر و اکراہ کوئی غلط بات کہلوائی جائے اور وُہ کہہ دے تو کوئی مؤاخذہ نہیں ہے بشرطیکہ اس کا دل اسی ایمان پر مطمئن ہو کہ جو کچھ کہہ رہا ہے وُہ اس کو غلط بات سمجھتا ہے۔

فعلِ اختیاری ہی قابلِ مدح و ذم ہے

مولف صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ عقلائے زمانہ اس امر پر متفق ہیں اور کسی صاحب ہوش کو اختلاف نہیں ہے کہ افعال اختیاریہ اور افعال ارادیہ ہی قابل مدح و ستائش اور لائق مذمت و ملامت ہوتے ہیں۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے کس حکیمانہ انداز میں اس مسئلہ کو عقل کی روشنی میں حل فرمایا ہے۔ ملاحظہ کیجئے:۔

قال امیر المومنین علیہ السلام لو کان کذالک لبطلت الثواب والعقاب وسقط الوعد والوعید والامر من اللہ والنھی وما کانت تاتی من اللہ لائمۃ لمذنب ولا محمدۃ لمحسن ولا کان المحسن اولی بثواب الاحسان من المذنب ولا المذنب اولی بعقوبۃ الذنب من المحسن تلک مقالۃ اخوان عبدۃ الاوثان وجنود الشیطان وخصماء الرحمٰن وشھداء الزور والبھتان واھل الغی والطغیان قدریۃ ھذہ الامۃ ومجوسھا ان اللہ امر تخییرا ونھی

تحذیرا و کلف یسیرا و لم یعص مغلوبا و لم یطع مکرھا و لم یرسل الرسل هزلا و لم ینزل القرآن عبثا و لم یخلق السموات والارض وما بینھما باطلا ذالك ظن الذین کفروا فویل الذین کفروا من النار قال ثم تلا علیھم وقضی ربك الا تعبد وا الا ایاہ قال فنھض الرجل مسرورا وھو یقول شعرا :- انت الامام الذی نرجو بطاعته یوم النشور من الرحمن رضوانا اوضحت من دیننا ما کان ملتبسا۔ جزاك ربك عنا فیه احسانا۔ (احتجاج طبرسی ص۲۰۱)

جناب امیر المومنین علیہ السلام نے ایک شخص کو سمجھایا ہے جو خدا کی طرف اجبار و اضطرار کی نسبت دیتا تھا حضرت نے فرمایا کہ خدا اگر بندوں کو مجبور و مضطر کر دے اور بندوں کے افعال اجباری و اضطراری ہوں تو پھر ثواب و عقاب غلط ہو جائے گا اور جنت کا وعدہ کرنا اور جہنم کا خوف دلانا، اور امر و نہی سب غلط ہو جائیں گے اور پھر خداوند عالم کسی گنہگار کی مذمت نہیں کر سکتا اور کسی نیک عمل کی مدح نہیں کر سکتا۔ اور پھر کوئی نیک عمل بد عمل کے مقابلہ میں ثواب کا زیادہ حقدار نہیں ہو سکتا اور نہ بد عمل نیک عمل کے مقابلہ میں سزا کا زیادہ مستحق ہو سکتا ہے۔ اے شخص یاد رکھ بت پرستوں کے برادران اور لشکر شیطان اور دشمنان رحمٰن اور گواہان زور و بہتان اور اہل سرکشی و اہل طغیان کے یہ مقالے ہیں یہ لوگ اس اُمت کے قدریہ اور مجوس ہیں خداوند عالم نے اختیار فعل عطا فرما کر امر کیا ہے اور مختار بنا کر نہی کی ہے اور ڈرایا ہے اور قابل برداشت آسان تکلیف دی ہے کسی کو مغلوب کر کے اپنی نافرمانی نہیں کرائی اور نہ کسی کو مجبور کر کے اپنی اطاعت کرائی ہے۔ اور اس نے اپنے رسولوں کو فضول نہیں بھیجا ہے اور قرآن عبث نہیں اتارا ہے۔ اور زمین و آسمان اور اُس کے درمیانی اشیاء کو لغو پیدا نہیں کیا ہے۔ یہ کافروں کا زعم باطل ہے پس کافروں کے لئے آتش دوزخ ہے۔ اس کے بعد حضرت نے یہ آیت تلاوت فرمائی :-

" اور تیرے رب نے یہ فیصلہ فرمایا ہے اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو "۔ یہ کلام حقیقت نظام سُنکر وُہ شخص جوش مسرت میں اٹھا اور یہ اشعار پڑھنے لگا :-

ترجمۂ اشعار :- آپ ہمارے وُہ امام ہیں کہ جن کی اطاعت سے روز قیامت رضائے رحمٰن کی اُمیدیں وابستہ ہیں۔ آپ نے ہمارے دینی شکوک و شبہات رفع فرما دیئے۔

خداوند عالم ہماری طرف سے آپ کو اس کی نیک جزا عطا فرمائے "۔

ناظرین کرام اس ارشاد حق بنیاد حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے بعد اگرچہ مزید کسی توضیح کی ضرورت باقی

نہیں ہے۔ مگر مولف کی آگاہی کے لئے چند دیگر شواہد پیش کرتے ہیں تاکہ ان کو حقیقت و مجاز' افعال عباد اور افعال خدا میں امتیاز حاصل ہو سکے اور عقیدۂ مجبرہ سے توبہ کریں جو قرآن مجید کی آیات کو کما حقہٗ نہ سمجھنے سے پیدا ہوتا ہے۔ یہی وجہ تفسیر قمی میں ان کے اس اعتقاد کی بتائی گئی ہے۔ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ خدا نے اپنی خالقیت کا اعلان اس طرح کیا ہے:۔

اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ یعنی خدا ہر شے کا خالق ہے۔ لہٰذا خالق حقیقی ہر شے کا خدا ہی ہے اور بندہ کی طرف یہ نسبت "من باب المجاز" ہے۔ یعنی خدا ہی خالق خیر و شر اور خالق کفر و ایمان اور خالق اطاعت و عصیان ہے کیونکہ وہی ہر شے کا خالق ہے اور بندے "مجازاً" خالق ہیں چنانچہ تفسیر علی بن ابراہیم قمی میں اس طرح درج ہے جس کو ہم عماد الاسلام صـ۳۲ سے نقل کر رہے ہیں:۔

وفی تفسیر علی بن ابراھیم واما الرد علی المجبرۃ الذین قالوا لیس لنا صنع و نحن مجبرون یحدث اللہ الفعل عند الفعل وانما الافعال منسوبۃ الی الناس علی المجاز لا علی الحقیقۃ وتاولوا فی ذالک اٰیات فی کتاب اللہ عزوجل ولم یعرفوا معناھا۔

تفسیر علی بن ابراہیم قمی میں عقیدۂ مجبرہ" کی رد کرتے ہوئے ان کا عقیدہ یہ بتایا ہے کہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ بندوں کو کسی چیز کے ایجاد کا کوئی اختیار نہیں ہے وہ مجبور ہیں۔ خدا ہی اُن کے افعال کا موجد و خالق ہے اور بندوں کے افعال ان کی طرف بطور مجاز" منسوب ہیں حقیقی فاعل فاعل خدا ہی ہے۔ اور ان لوگوں نے یہ عقیدہ قرآن مجید کی آیات کے معنی غلط سمجھ کر اختیار کیا ہے در حقیقت یہ لوگ ان آیات کے معنی ہی نہیں سمجھ سکے۔

اس کے بعد مفسر قمی فرماتے ہیں کہ کل قرآن ان کے عقیدے کی رد کرتا ہے۔ اور مثال کے طور پر چند آیات پیش فرمائی ہیں۔ منجملہ ان کے ایک آیت یہ بھی پیش کی ہے:۔

لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا لھا ما کسبت وعلیھا ما اکتسبت۔ فقولہ عزوجل لھا وعلیھا ھو علی الحقیقۃ یفعلھا۔

یعنی خداوند عالم کسی نفس کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا ہے جو کچھ اس نے اچھا کام کیا ہے اس کا فائدہ اسی کو ہے اور جو کچھ بُرا کام کیا ہے اُس کا وبال بھی اس پر ہے۔"

مفسر قمی فرماتے ہیں کہ اس آیت میں قول خدا لھا اور علیھا اس امر کی دلیل بین ہے کہ نیک و بد کا حقیقی موجد خود بندہ ہے، نہ کہ "من باب المجاز" جیسا کہ یہ لوگ سمجھتے ہیں۔

عن الرضا علیہ السلام انہ مسئل عن افعال العباد اھی مخلوقۃ اللہ تعالٰی

فقال لو کان خالقھا لما برء منھا فقد قال سبحانہ ان اللہ بری من المشرکین ولم یرد البرائۃ من خلق ذواتھم وانما برء من شرکھم وقبائحھم۔
(عماد الاسلام ص ۳۳)

حضرت امام رضا علیہ السلام سے افعال بندگان کے متعلق دریافت کیا گیا کہ ان افعال کا خالق خدا ہے یا بندگان ہیں؟ حضرت نے فرمایا کہ اگر خدا خالق ہوتا تو وہ اپنی برأت کیوں کرتا حالانکہ وہ بالتحقیق فرماتا ہے کہ یقیناً خدا مشرکین کے افعال سے بری ہے مگر اس نے ان کے تخلیقی ذوات سے اپنی برأت نہیں کی یعنی یہ نہیں کہا کہ میں ان کے پیدا کرنے سے بری ہوں صرف ان کے شرک اور افعال بد سے برأت کی ہے یہ اس امر کی دلیل ہے کہ بندہ خود اپنے افعال کا خالق ہے"۔
(عماد الاسلام ص ۳۳)

اس حدیث رضوی سے بالکل واضح ہوگیا کہ بندگان خدا اپنے افعال کے خود خالق ہیں اور خدا ان کے اعضاء کا خالق ہے لہٰذا افعال بندگان کی نسبت ان کی طرف بطور حقیقت ہے نہ "من باب المجاز"۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد گرامی:۔

قال فالعمل الصالح من العبد یفعلہ واللہ بہ امرہ والعمل الشر من العبد یفعلہ واللہ عنہ نھاہ وقال الیس فعلہ بالآلۃ التی رکبھا فیہ قال نعم ولکن بالآلۃ التی عمل بھا الخیر قدر بھا علی الشر الذی نھاہ عنہ قال ان اللہ خلق خلقہ جمیعا مسلمین امرھم ونھاھم والکفر اسم ملحق حین یفعلہ العبد ولم یخلق اللہ العبد حین خلقہ کافراً انما کفرہ بعد ان بلغ وقتا لزمتہ الحجۃ یعرض علیہ الحق فجحدہ فبانکارہ صار کفرا۔ (عماد الاسلام ص ۳۲)

حضرت صادق آل محمدؐ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ بندہ عمل نیک خود ہی کرتا ہے خدا کا تعلق بس اتنا ہے کہ اس نے عمل نیک کا امر کیا ہے اور عمل بد بھی بندہ خود کرتا ہے اور خدا کا بس اتنا تعلق ہے کہ اس نے عمل بد کی نہی فرمائی ہے۔

پھر آپ نے فرمایا کہ کیا بندہ کا فعل اس آلۂ کار کی وجہ سے نہیں ہے جس کو خدا نے اس کی خلقت میں ایجاد کیا ہے (یعنی اعضاء اور قوتیں) بے شک ایسا ہی ہے۔ لیکن یہی آلۂ کار جس سے عمل خیر کرتا ہے اسی آلۂ کار سے عمل بد کی بھی قدرت رکھتا ہے (یعنی اعضاء اور قوتیں تبدیل نہیں ہوتیں) اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ بالتحقیق خداوند عالم نے سب کو مسلمان پیدا کیا ہے اور ان کو امر و نہی فرمائی ہے۔ اور کفر ایک ایسا اسم ہے جو بندہ کے عمل کی وجہ سے اُسے آملتا ہے

خدا نے کسی کو بھی کافر پیدا نہیں کیا ہے۔ کفر کی نسبت اس کی طرف اس وقت ہوتی ہے کہ جب وُہ بالغ ہو کر مکلف بن جاتا ہے، اور اس کے سامنے حق پیش کیا جاتا ہے اور پھر وُہ حق سے انکار کرتا ہے، اور کافر بن جاتا ہے۔

اس حدیث سے بھی ثابت ہُوا کہ بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد گرامی :۔

ان رجلا سئال جعفر بن محمد الصادق علیهما السلام عن القضاء والقدر فقال ما استطعت ان تلوم العبد علیه فهو منه وما لم تستطع ان تلوم العبد علیه فهو من فعل الله یقول الله تعالیٰ للعبد لما عصیت لم فسقت لم شربت الخمر لم زنیت فهذا فعل العبد ولا یقول له لما مرضت لم قصرت لم ابیضت لما اسودت لانه من فعل الله۔

(عماد الاسلام ص ۳۲)

ایک شخص نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے قضا و قدر کا مطلب دریافت کیا تو حضرتؑ نے جواب مرحمت فرمایا کہ اگر تم کسی فعل پر بندہ کی مذمت کر سکو تو وُہ اس کا ہی فعل ہے اور اگر مذمت نہ کر سکو تو وُہ فعلِ خدا ہے۔ خداوند عالم بندہ سے یہ مواخذہ کرے گا کہ تُونے کیوں نافرمانی کی اور کیوں حکم عدولی کی اور کیوں شراب پی اور کیوں زنا کیا لہٰذا یہ افعال عبد ہیں اور خدا یہ نہیں فرمائے گا کہ تُو کیوں مریض ہوا کیوں پست قد ہُوا، کیوں سفید رنگ ہے کیوں سیاہ رنگ ہے۔ لہٰذا یہ فعل خدا ہے۔

اِن تمام احادیث وارشادات معصومین علیہم السلام کی روشنی میں ثابت ہو گیا کہ بندگانِ خدا اپنے افعال کے حقیقی طور پر خالق ہیں۔ چنانچہ محسنِ اسلام صاحب عماد الاسلام تحریر فرماتے ہیں :۔

ان الامامیة تقول نحن نخلق افعالنا الاختیاریة ولیس الله تعالیٰ صنع وایجاد فیها ولا مشیة وارادة حتمیة بحیث یصدر الافعال بدون اختیارهم۔ (عماد الاسلام ص ۱۱)

فرقہ امامیہ کا قول ہے کہ ہم اپنے افعال اختیاریہ کے خود خالق ہیں اور خداوند عالم کے ایجاد و صنع کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ خدا کے اس ارادہ کا تعلق ہے جس سے بلا اختیار بطور جبر افعال بندگان صادر ہو جائیں۔ لہٰذا ہمارے افعال اختیاریہ کی نسبت ہماری طرف حقیقی ہے مجازی نہیں ہے۔ اور جو ایسا خیال کرے کہ ہم مجازی طور پر اپنے افعال کے فاعل اور فاعل حقیقی خدا ہے، تو یہی عقیدہ مجبرہ ہے۔

کیونکہ وُہ خدا کو فاعل وخالقِ حقیقی تسلیم کرتے ہیں اور بندگان کو "من باب المجاز" فاعل مانتے ہیں۔

اس کے بعد قابلِ غور امر یہ ہے کہ افعالِ عباد کی نسبت خدا کی طرف آیات قرآن واحادیث معصومین علیہم السلام میں بالتحقیق وارد ہے پھر اس نسبت کا تعلق خدا کے ساتھ کس حیثیت سے ہے۔ اس سلسلہ میں محسنِ اسلام صاحب عماد الاسلام تحریر فرماتے ہیں حضرت امام رضا علیہ السلام کی حدیث مبارک سے جو کچھ ثابت ہے وُہ یہ ہے:۔

مدخلیۃ العباد فی الافعال من حیث ایجادھم ایاھا کافعال اللہ تعالیٰ بالنسبۃ الیہ تعالیٰ ومدخلیۃ اللہ تعالیٰ فی افعال العباد من حیث انہ تعالیٰ خالق لقواھم وقدرتھم والاسباب الخارجۃ التی یتوقف صدور الافعال عنہم ادناھا الکف عما یمنعھا کما یدل علیہ روایۃ البزنطی عن الرضا علیہ السّلام قال قلت لہ ان اصحابنا بعضھم یقولون بالجبر وبعضھم بالاستطاعۃ فقال لی اکتب۔ قال اللہ تبارک وتعالیٰ یا ابن آدم بمشیتی کنت انت الذی تشاء لنفسک ما تشاء وبقوتی ادیت الیٰ فرائضی وبنعمتی قویت علی معصیتی جعلتک سمیعاً بصیراً قویا الحدیث۔ (عماد الاسلام ص۱)

بندگانِ خدا بحیثیت ایجاد افعال اپنے افعال کے اسی طرح فاعل حقیقی ہیں جس طرح خدا اپنے افعال کا فاعلِ حقیقی ہے۔ اور بندوں کے افعال میں خدا کا دخل صرف اتنا ہے کہ خدا ان کی قوت وقدرت کا خالق ہے (جس کے ذریعہ وُہ اپنے افعال کے موجد وخالق ہیں) اور خدا ان اسباب خارجی کا خالق ہے جن کے بغیر بندوں سے افعال صادر نہیں ہو سکتے تھے۔ ادنیٰ سے ادنیٰ سبب یہ ہے جو چیز مانع افعال ہو سکتی تھی اس کو خدا اپنے قبضہ میں رکھتا ہے تاکہ وُہ صدورِ افعال میں بندوں کے لئے مانع نہ ہو جیسا کہ اس مطلب پر حدیث امام رضا علیہ السّلام دلالت کرتی ہے جس کو بزنطی نے بیان کیا ہے۔ وُہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سے عرض کیا کہ مولا بعض ہمارے اصحاب جبر کے قائل ہیں اور بعض استطاعت کے تو حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ ہمارا یہ بیان لکھ لو کہ خدا نے فرمایا ہے کہ اے پسرِ آدم تُو میری ہی مشیت کی وجہ سے اس قابل ہُوا ہے کہ تُو چاہتا ہے جو چاہتا ہے (یعنی تجھے اپنی چاہ میں مجبور نہیں بنایا ہے) اور تُو میری (عطا کردہ) قوت کی وجہ سے میرے فرائض ادا کرتا ہے اور میری ہی (عطا کردہ) نعمت کی وجہ سے میری نافرمانی کی قوت رکھتا ہے میں نے

تجھ کو سمیع و بصیر اور قوی پیدا کیا ہے۔

اس بیان سے ثابت ہو گیا کہ ہماری قوتوں کا خالق خدا ہے اور ان قوتوں کو ہمارے اختیار میں دے دیا ہے کہ جس طرح چاہیں استعمال کریں۔ مگر اس کا استعمال اور ان قوتوں کے ذریعہ ایجاد افعال صرف ہمارا کام ہے اس میں خدا نے جبر و اکراہ نہیں کیا ہے لہٰذا ہم اپنے افعال کے خود خالق ہیں اور حقیقی خالق ہیں۔ چنانچہ بندگانِ خدا کے بطور حقیقت خالق ہونے کی تصریح قرآنی آیت کی روشنی میں صاحب عماد الاسلام نے اس طرح فرمائی ہے:۔

ثبت بالبرهان صدور بعض الافعال عن العبد بالاختيار كما عرفت وايضا دل عليه قوله تعالى "فتبارك الله احسن الخالقين"۔

(عماد الاسلام ص۱)

قرآن مجید و احادیثِ آئمہ طاہرین علیہم السلام اور دلائل عقلیہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ بندگانِ خدا کے بعض افعال کا صدور خود ان کے اختیار میں ہے (لہٰذا بالکل مجبور نہیں ہیں) اور اسی مقصد پر قرآن مجید کی یہ آیت بھی دلالت کرتی ہے "فتبارک اللہ احسن الخالقین" یعنی خدا خالقین میں افضل خالق ہے۔

اس عبارت سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ بندگان خدا اپنے افعال کے خود خالق ہیں اور بندوں کے لئے اپنے افعال کا ایجاد ہی خلق ہے کیونکہ ایجاد اور خلق کے معنی بالتحقیق اس پر صادق ہیں۔ لہٰذا خالق علے الاطلاق کا مطلب یہ ہے کہ وہ موجد ہے تمام اشیاء کا بھی اور بندوں کا بھی اور ان کی قوتوں کا بھی۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ ان کے افعال کا بھی موجد ہے۔ وہ اپنے افعال کا خالقِ حقیقی ہے اور بندگان خدا اپنے افعال کے بالحقیقت خالق ہیں نہ کہ "من باب المجاز"۔ لہٰذا خدا بھی خالق ہے اور غیر خدا بھی اپنے افعالِ اختیاریہ کے خالق ہیں۔ مگر خداوند عالم افضل و احسن خالق ہے جیسا کہ ہم مفصل بحث خلق و رزق تحریر کر چکے ہیں۔ اور مولف صاحب کے تاویلات کو غلط ثابت کر چکے ہیں اور اُن کے اجتہاد کا کما حقہٗ آپریشن کیا جا چکا ہے۔

اب خدا کی طرف اس کی نسبت بطور مجاز ہے یا بطور حقیقت: جناب محسن اسلام صاحب عماد الاسلام تحریر فرماتے ہیں:۔

وان تعلقها (اى المشية والارادة) بافعاله تعالى هو مامر وتعلقها بافعالهم على سبيل التجوز باعتبار ايجاد الالة والقدرة عليها وعدم المنع فيها فكانه ارادها۔ (عماد الاسلام ص۶۹)

بالتحقیق خدا کا ارادہ اور اس کی مشیت اس کے اپنے افعال میں بالحقیقت ہے جس کا ذکر

ہو چکا ہے۔ اور بندوں کے افعال سے اس کی مشیت وارادہ کا تعلق "من باب المجاز" ہے،
اس اعتبار سے کہ آلۂ فعل اور قوت وقدرت فعل اسی نے بندوں میں پیدا کی ہے۔ اور
ان کے افعال میں رکاوٹ بھی نہیں ڈالی ہے پس گویا کہ افعال کا ارادہ کیا ہے (اسی کو
مجاز کہتے ہیں)
اس مجاز کی ایک بہترین مثال محسن اسلام نے تحریر فرمائی ہے جس کو ہم عماد الاسلام سے نقل کر
رہے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے:۔

مثلاً ایک بچہ کنویں میں گر گیا اور ایک دوسرا شخص اس کو گرتے ہوئے دیکھتا رہا اور اس میں
طاقت بھی تھی کہ گرنے سے بچا لیتا مگر اس نے نہیں بچایا تو اس صورت میں "من باب
المجاز" کہہ سکتے ہیں کہ بچے کو تم نے گرایا ہے حالانکہ وہ شخص گرانے کا فاعل نہیں ہے۔ اسی
طرح خدا ہمیں دیکھتا ہے کہ ہم کیا کر رہے ہیں اور پھر ہمیں نہیں روکتا حالانکہ روکنے کی
طاقت رکھتا ہے۔ تو "من باب المجاز" کہہ سکتے ہیں کہ خدا نے یہ فعل کیا ہے۔

اب مولف صاحب توجہ فرمائیں کہ انبیاء و آئمہ علیہم السلام سے معجزات کا صدور کس قسم میں داخل ہے
آیا خداوند عالم نے صرف قوت معجزات عطا کی ہے یا خود مٹی اور پانی اپنے ہاتھوں سے ملا کر پھونکیں مارتا ہے
اور اندھوں کے منہ پر خود ہاتھ پھیرتا ہے اور مردوں کو خود ٹھوکر مارتا ہے اور خود لوہے کو موم بنا کر اپنے ہاتھوں
سے زرہیں اور زنجیریں بناتا ہے اور خود حیوانات و جنات سے کلام کرتا ہے۔ اس قسم کے ہزارہا معجزات ہیں
جو ہم انشاء اللہ باب المعجزات میں تحریر کریں گے۔ عقل سلیم فیصلہ کرتی ہے کہ خداوند عالم خود یہ کام نہیں کرتا؛
لہذا وہ صرف خالق قوت ہے اور خلق بھی ایک فعل ہے لہذا فاعل خلق قوتِ اعجاز ہے۔

اور چونکہ انبیاء علیہم السلام بھی تو بندگانِ خدا ہیں اور عبودیت کے اعلےٰ مراتب پر فائز ہیں اور اپنے
افعال میں با اختیار ہیں مجبور نہیں ہیں ورنہ حالت جبر میں ان کے لئے کوئی فضیلت ہی نہیں رہے گی جیسا کہ
ہم ابھی اس مسئلہ کو تفصیل سے تحریر کریں گے۔ لہذا خداوند عالم خود فاعل معجزہ نہیں ہے بلکہ قوتِ معجزہ کا
خالق ہے اور حضرات انبیاء و آئمہ طاہرین علیہم السلام اس قوت کے آثار دکھانے والے ہیں اور خود اس کے
فاعل ہیں لہذا معجزہ حقیقی طور پر فعل نبی و امام ہے اور مجازی طور پر فعل خدا ہے۔ کیونکہ وہ خالق قوت معجزہ ہے
نہ کہ فاعلِ معجزہ۔ اور یہ فیصلہ اس وقت کے لئے ہے جبکہ صدور خرق عادت نبی و امام سے ہو۔

جس طرح ہماری قوت فعل کا خالق ہے اور اس قوت سے کام لینے والے ہم خود ہیں جس کے خالق
ہم خود ہیں اور اسی پر جزا و سزا ہے۔

(معجزہ فعل نبی و امام ہے) اگر معجزہ فعل نبی و امام تسلیم نہ کیا جائے گا تو جب بھی ظہور معجزہ ہوگا تو کوئی
بھی غیر نبی و غیر امام یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ معجزہ میرے لئے نبی و امام پر ظاہر کیا گیا ہے کیونکہ جب فعل معجزہ فعل خدا

ہے اور نبی کو اس فعل میں کوئی مدخلیت ہی نہیں ہے تو نبی و غیر نبی مساوی ہیں۔ پھر نبی کو یہ حق کس طرح حاصل ہو سکتا ہے کہ وہ اس معجزے کو اپنے لئے دلیلِ تصدیق قرار دے۔ لہذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ فعل معجزہ میں نبی کو مدخلیت حاصل ہے۔

نبی و امام کی عادت اُمّت کے لئے خرقِ عادت

انبیاء و آئمہ طاہرین علیہم السلام خدا کی عطا کردہ اور خلق فرمودہ قوت کو خود استعمال کرتے ہیں لہذا اس قوت کا استعمال اور اس قوت کا عملی طور پر اظہار نبی اور امام کا فعل ہے اور یہ ان کا عادی فعل ہے یعنی حضرت آدم سے لے کر حضرت خاتم الانبیا علیہم السلام تک اور پھر حضرات معصومین علیہم السلام کے ذوات مقدسہ تک مسلسل یہ افعال ان سے صادر ہوتے رہے جو ان کے لئے عادت مستمرہ ہیں۔ مگر چونکہ یہ قوتِ اعجاز اُمّت کو نہیں عطا کی گئی تھی اس لئے اُمّت کے لئے یہ افعال خرق عادت ہیں اس لئے اُمّت کو سرِ تسلیم خم کرنا پڑتا ہے۔ اور اس امر پر ایمان لانا پڑتا ہے کہ ان حضرات میں جو قوت ہے وہ ہم میں نہیں ہے۔ اور یہی جداگانہ نوع کی دلیل ہے۔

اس مقصد کو جناب محسن اسلام صاحب عماد الاسلام نے اس طرح تحریر فرمایا ہے ملاحظہ کیجئے:۔

ان المعجزة وان كانت خرق العادة بالنسبة الى غير الانبياء والاوصياء لكن بالنسبة اليهم عادة مستمرة من لدن آدم الى خاتم الاوصياء

(عماد الاسلام ص۱۳)

بالتحقیق معجزہ اگرچہ خرق عادت ہے یعنی جو عادتیں اشیاء عالم کے لئے معین و مقرر ہیں، ان کے خلاف ہے مگر یہ خلاف عادت غیروں کے لئے ہے مگر ان حضرات کے لئے خرق عادت نہیں ہے بلکہ ان حضرات کی عادت مستمرہ جو آدم علیہ السلام سے حضرت خاتم الاوصیاء امام آخر الزمان عجل اللہ فرجہ تک مسلسل ان کی عادت ہے۔ (عماد الاسلام)

اس حقیقت کو سمجھ لینے کے بعد مؤلف کو تسلیم کر لینا پڑے گا کہ جو افعال ان ذواتِ مقدسہ کی عادت مستمرہ ہیں وہی افعال ہمارے لئے معجزہ ہیں۔ اور در حقیقت یہ معجزات ان ذوات مقدسہ کے کمالِ ذات کے آثار ہیں اور ان ہی آثار کی وجہ سے ان کے اقوال کی تصدیق ہوتی ہے جیسا کہ محسن اسلام نے عماد الاسلام ص۵ پر درج کیا ہے۔

لہذا یہ حضرات جداگانہ نوع ہیں اور اسی کمال ذاتی کا ایک اثر یہ ہے کہ ان ذوات مقدسہ کے اجسام مطہرہ کا سایہ نہیں ہے اور یہ حضرات جس طرح سامنے دیکھتے ہیں اسی طرح عقب میں دیکھتے ہیں۔ اور ان حضرات کی آنکھ سوتی ہے مگر دل نہیں سوتا ہے۔ یہ تمام علامات ان حضرات کے کمال ذاتی کے آثار ہیں اور یہ کمال جو ہر ذات میں

داخل ہے۔ چنانچہ علامات امام میں اس کا ذکر موجود ہے اور کتب حدیث میں آئمہ طاہرین علیہم السلام سے منقول ہے۔ چنانچہ سرکار علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ نے تحریر فرمایا ہے:۔

وتنام عینہ ولا ینام قلبہ ولا یکون لہ فیئ ویری من خلفہ کما یری من بین یدیہ وقال الصدوق رحمۃ اللہ علیہ لا یکون لہ فئی لانہ مخلوق من نور اللہ۔ (بحار الانوار ج ۷ ص ۲۹۶)

یعنی علامات امام میں سے یہ ہے کہ ان کا دل نہیں سوتا ہے آنکھ سوتی ہے اور ان کا سایہ نہیں ہوتا ہے اور وُہ اپنے عقب اور پُشت کے اشیاء کو اسی طرح دیکھتے ہیں جس طرح اپنے سامنے کے اشیاء کو۔ جناب شیخ صدوق علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے کہ امام کا سایہ اس لئے نہیں ہوتا کہ وُہ نورِ خدا سے خلق ہوا ہے۔ (بحار)

اس حدیث مبارک سے بالکل واضح ہوگیا کہ یہ خوارق عادات ان ذواتِ مقدسہ کے آثار ہیں اور ان حضرات کی عادت مستمرہ ہیں۔ اب اگر یہ قوت خرقِ عادت وقتی ہوتی تو کبھی سایہ ہوتا اور کبھی نہ ہوتا اور کبھی آگے پیچھے دیکھتے اور کبھی نہ دیکھتے اور کبھی دل سوتا اور کبھی جاگتا۔

مگر ایسا نہیں بلکہ یہ خرق عادت ان ذواتِ مطہرہ کی عادت مستمرہ ہے جو ہمہ وقت موجود ہے لہذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ آثار مذکورہ وقتی قوت وعارضی طاقت نہیں ہے بلکہ ان کی ذات میں داخل ہے اور فطرت نوعِ بشر میں یہ کمال نہیں ہے۔ لہٰذا نوعِ بشر ان کی نوع نہیں ہے۔ آنحضرتؐ کی حدیث سابق الذکر کا یہی مطلب ہے کہ طبائع بشر میں یہ کمال نہیں ہے اور ان حضرات میں موجود ہے اسی لئے بشر اپنی عاجزی تسلیم کرتا ہے۔

اس کی تائید امام جعفر صادق علیہ السلام کی حدیث مبارک سے ہوتی ہے:۔

قال ابو عبد اللہ علیہ السلام یا یونس ان الامام یخلقہ اللہ بیدہ لا یلیہ احد غیرہ وھو جعلہ یسمع ویری فی بطن امہ (بحار الانوار ج ۷ ص ۲۹۹)

حضرت صادق آل محمد علیہ السلام نے فرمایا کہ اے یونس بالتحقیق امام کو خدا خود اپنے دست قدرت سے پیدا کرتا ہے اور خدا کے سوا اس کی خلقت میں کسی دیگر ہستی کا تعلق نہیں ہوتا اور خدا اس کی پیدائش میں اُسے ایسا بنا دیتا ہے کہ وُہ شکم مادر ہی میں سُننے اور دیکھنے لگتا ہے"۔

اس ارشادِ حق بنیاد سے بالکل روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ خداوعالم نے حجۃ اللہ کی خلقت میں ایسی قوت رکھ دی ہے کہ جس کے ذریعہ وُہ شکمِ مادر ہی میں دیکھتا اور سُنتا ہے۔ کیا یہ ان حضرات کی خلقت جداگانہ کی دلیل نہیں ہے؟ اور جب ان کی تخلیق ہی میں وُہ جوہر پیدا کر دیا جاتا ہے جس کے آثار شکمِ مادر ہی سے ظاہر ہونے لگتے ہیں تو مولف صاحب کی اور ان ذوات مقدسہ کی نوع کس طرح ایک ہوگئی؟ اور

شکمِ مادر ہی میں خرقِ عادت کا ظہور ہونے لگا؟ ابھی تو عالمِ شہود و ظہور میں بھی نہیں آئے؟ اور کوئی دعویٰ بھی نہیں کیا؟ لہٰذا ان حضرات کی خلقت میں جداگانہ قوت موجود ہے اور یہی وُہ کمال ذاتی ہے جس کے آثار خوارق عادات ہیں۔ یہ وقتی نہیں ہے اور نہ عارضی طور پر دی گئی ہے بلکہ بدو فطرت میں وضع کر دی گئی ہے۔ اور اس قوت کا حقیقی خالق خدا ہے اور اس کو بروئے کار لانے والے خود یہی حضرات ہیں۔ لہٰذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ معجزہ کی قوت کا خالق خدا ہے اور فاعل نبی و امام ہے۔ خدا خالق قوت بالحقیقۃ ہے اور نبی و امام فاعلِ فعل بالحقیقت ہیں۔ لہٰذا فعلِ معجزہ کی نسبت امام و نبی کی طرف "من باب المجاز" نہیں بلکہ "من باب الحقیقۃ" ہے۔ اور خلق قوت معجزہ کی نسبت خدا کی طرف "من باب الحقیقۃ" ہے مگر فعلِ معجزہ کی نسبت "من باب المجاز" ہے۔

افعال کا علمِ سابق دلیل علت نہیں

اب ایک اعتراض باقی رہ گیا کہ خداوند عالم تمام افعال عباد کا عالم ہے اور اس کا علم غلط نہیں ہوتا لہٰذا جیسا اس کا علم ہے ویسے ہی افعال صادر ہوں گے کیونکہ اگر مطابق علم خدا صادر نہ ہوں تو علم خدا کا جہل سے تبدیل ہو جانا لازم آئے گا لہٰذا افعال عباد کا مطابق علمِ خدا واقع اور صادر ہونا ضروری ہے اور بندے ویسا کرنے پر مجبور ہیں جیسا اس کا علم ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ خدا کا علم اپنے معلومات کے مطابق ہوتا ہے اور درحقیقت بطور عکس ہوتا ہے جیسے کسی صورت کی تصویر ہوتی ہے اور معلومات کے حدوث میں اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا بلکہ وُہ خود مطابق معلوم ہوتا ہے اور اسی لئے علم کی صحت و عدم صحت کا دار و مدار معلومات کی مطابقت پر موقوف ہے۔ اگر وُہ مطابق واقعات ہے تو صحیح ہے اور اگر مطابق نہیں ہے تو غلط اور جہالت ہے۔ علم کبھی معلوم کے لئے علت وجود نہیں ہوتا۔ جیسا کہ محسن اسلام صاحب عماد الاسلام نے نہایت وضاحت کے ساتھ اس مقصد کو عماد الاسلام میں تحریر فرمایا ہے:۔

ان علم اللّٰہ تعالیٰ وعلم الانبیاء والاوصیاء بالکائنات المستقبلۃ تابع للکائنات علی ما ھی علیہ حکایۃ محضۃ لیس لہ دخل اصلا فی وجودتھا فھو وان کان مقدما بالزمان علی الکائنات تابع وظل لھا بحسب الحقیقہ فالعلم المتعلق بافعال العباد الاختیاریۃ الکائنۃ فی المستقبل المقدم علیھا بالزمان لایخرجھا عن کونھا اختیاریۃ لانہ تابع متاخر بحسب الرتبہ عنھا ولذا تری انہ یصح ان یقال علم اللّٰہ ان زیدا سیفعل کذا لانہ سیفعل کذا ولا یصح ان یقال سیفعل زید کذا لانہ علم اللّٰہ انہ سیفعل کذا وان شئت تقول

یعلم کل واحد فی النہار سیجیئ اللیل لان الامر کذالک ویعلم کل من لہ معرفۃ بالحرکات واوصاع الشمس والقمر انہما سینکسفان فی اوقات معینہ لان الامر کذالک لا ان علم العارف علۃ لہذا الانکساف والانخساف۔ (عماد الاسلام ص۱۶)

جان لو اور سمجھ لو کہ خدا کو اور انبیاء و اوصیاء کو آیندہ ہونے والی چیزوں کا جو علم ہوتا ہے وُہ ان چیزوں کی اپنی واقعی حالت کے تابع ہوتا ہے اور یہ علم ان چیزوں کا عکس ہوتا ہے ان چیزوں کے وجود اور ان چیزوں کے خصوصیات میں اس علم کی کوئی مدخلیت نہیں ہے، اگرچہ یہ علم زمانہ اور وقت کے لحاظ سے مقدم ہے اور وُہ چیزیں مؤخر ہیں لیکن یہ علم درحقیقت ان چیزوں کا عکس ہے اور تابع ہے۔

لہذا بندگانِ خدا کے اختیاری افعال جو آیندہ ہونے والے ہیں ان کا علم زمانہ کے اعتبار سے مقدم ضرور ہے مگر اس علم کی وجہ سے وُہ اختیاری افعال اختیاری ہی رہتے ہیں ان کا اختیار بندوں سے سلب نہیں ہو جاتا ہے کیونکہ وُہ علم باعتبار مرتبہ مؤخر ہے اور باعتبار زمانہ مقدم ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ خدا کو علم ہے کہ زید آیندہ یہ کام کرے گا اور اگر تم چاہو تو اس کی مثال یُوں سمجھ لو کہ ہر انسان کو دن کے وقت یہ علم ہے کہ رات آئے گی کیونکہ رات کا آنا واقعی امر ہے نہ کہ اس کے علم کی وجہ سے رات آئے گی۔

اسی طرح جن لوگوں کو علم نجوم وغیرہ حاصل ہے وُہ بتا دیتے ہیں کہ فلاں وقت آفتاب اور ماہتاب کو گہن لگے گا کیونکہ گہن لگنا واقعی امر ہے مگر گہن ان کے علم سابق کی وجہ سے نہیں لگا ہے۔

مجبرہ کا ذبیحہ، نماز جماعت، اور زکوٰۃ دینا حرام ہے

ہمارے ان دلائل قاہرہ و براہین باہرہ سے ثابت ہوگیا کہ نبی و امام میں قوت خوق عادت ان کی تخلیق ہی میں منجانب اللہ ودیعت کی جاتی ہے جس کا خالق خود خدا ہوتا ہے اور اس کا استعمال نبی اور امام کے ہاتھوں ہوتا ہے اور یہ اسی طرح ہے کہ جس طرح دیگر عبادِ خدا میں قوتِ عمل کا خالق خود خدا ہے۔ اور یہ قوت عمل ان کی تخلیق میں ودیعت کرتا ہے اور اس کا استعمال بندگانِ خدا خود اپنے ارادہ و اختیار سے کرتے ہیں پس اگر وہ اعمال و افعال مطابق مشیت و ارادۂ خدا ہوں تو اطاعت و فرمانبرداری کہلاتے ہیں اور اگر خلاف ہوں تو معصیت و نافرمانی کہلاتے ہیں اور ان دونوں صورتوں میں بندگانِ خدا بااختیار ہوتے ہیں اور وہی ان افعال کے بالحقیقۃ خالق ہوتے ہیں لہذا نبی و امام بھی اپنے قوت اعجاز کے استعمال میں بااختیار ہوتے ہیں اور خود ہی اس قوت

کو استعمال میں لاتے ہیں مجبور نہیں ہوتے۔ اس قوت کا استعمال مطابق مشیت و ارادہ خدا کرتے ہیں اگرچہ ان کو خدا کے ارادہ و مشیت کے خلاف استعمال کی قدرت ہوتی ہے مگر ایسا کرتے نہیں ہیں کیونکہ مخالفتِ خدا کو گناہ سمجھتے ہیں۔ یہ فعل ان کی طرف بالحقیقۃ منسوب ہوتا ہے اسی لئے لائق مدح اور مستحق جزا ہوتے ہیں۔ یہ فعل نبی و امام خدا کی طرف من باب المجاز منسوب ہوتا ہے۔

لہٰذا جو لوگ ان افعال کو خدا کی طرف بالحقیقۃ منسوب کریں اور انبیاء و اوصیاء اور بندگانِ خدا کی طرف "من باب المجاز" کی نسبت دیں یہی لوگ مجبرہ ہیں اور اس امت کے مجوسی ہیں۔ ان لوگوں کے لئے آل محمد علیہم السلام کا ارشاد ہے کہ ان لوگوں کا ذبیحہ حرام ہے اور ان کی اقتداء میں نماز باجماعت بھی ناجائز ہے اور ان کو زکوٰۃ دینا بھی گناہ ہے۔ چنانچہ حضرت امام رضا علیہ السلام کا ارشاد ہے

قال الرضاء علیہ السلام حدثنی ابی موسیٰ بن جعفر عن ابیہ جعفر بن محمد علیہم السلام انہ قال من زعم ان اللّٰہ مجبر عبادہ۔ علی المعاصی ویکلفھم مالا یطیقونہ فلا تاکلوا ذبیحتہ ولا تقبلوا شہادتہ ولا تصلوا وراءہ ولا تعطوہ من الزکوٰۃ شیئا۔ (احتجاج طبرسی ص۲۱)

حضرت امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میرے پدر بزرگوار حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام نے اپنے پدر بزرگوار جعفر صادق علیہ السلام کی یہ حدیث مجھ سے بیان فرمائی کہ جو شخص بندگان خدا مجبور سمجھے اور اُن کے افعال کی نسبت خدا کی طرف دے اور اسی طرح یہ کہے کہ خدا نے بندوں کو ناقابلِ برداشت تکلیف دی ہے تو اس کا ذبیحہ نہ کھاؤ اور اس کی گواہی قبول نہ کرو اور اس کے پیچھے نماز نہ پڑھو اور اس کو بالکل زکوٰۃ نہ دو۔

اس ارشاد امام سے بالکل واضح ہے کہ یہ مجبرہ مسلمانوں ہی میں سے ہیں کافروں میں سے نہیں ہیں۔ ورنہ ان کے پیچھے نماز پڑھنے اور ان کو زکوٰۃ دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔ اور اس کی تفسیر علی بن ابراہیم قمی سے تحریر کی جا چکی ہے کہ مجبرہ وہ لوگ ہیں جو افعال عباد کی نسبت خدا کی طرف حقیقی اور عباد کی طرف مجازی کا عقیدہ رکھتے ہیں کیونکہ قرآن کی آیتوں کے صحیح معنے سے جاہل ہیں۔

اب مولف صاحب اپنے "من باب المجاز" اور مجاز" پر نظر ثانی کریں اور محمد و آل محمد علیہم السلام کو نہ عباداللہ کی صف سے خارج کریں اور نہ ان کے افعال کو جبریہ افعال قرار دیں۔ کیونکہ افعال معجزانہ ان کی عادتیں اور ان کی قوتوں کے آثار ہیں اور ان کے کمال نفوس کی دلیل ہیں اور ان کے اقوال کی تصدیق ہیں۔ لہٰذا جب تک یہ لوگ اپنے مذکورہ حقیقی اور مجازی والے عقیدہ کو تبدیل نہ کریں اور ان حضرات کو اپنے افعال اختیاریہ کا حقیقی فاعل تسلیم نہ کریں اور "من باب المجاز" سے توبہ نہ کریں اس وقت تک ان کو زکوٰۃ دینا حرام، ان کے پیچھے نماز پڑھنا حرام، ان کا ذبیحہ حرام، ان کی شہادت مردود ہے۔ لہٰذا موالیان اہلبیت عظام و مومنین کرام و شیعیان جناب

امیر علیہ السلام ان لوگوں سے دریافت کرلیں کہ محمد و آل محمد علیہم السلام کو بااختیار فاعل تسلیم کرتے ہیں یا مجبور۔ اور ان کے عادی افعال جو امت کے لئے غیر عادی ہیں ان کا فاعل حقیقی ان ذوات مقدسہ کو سمجھتے ہیں یا من باب المجاز فاعل سمجھتے ہیں۔

اگر یہ ٹولہ حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام کے معجزات کو ان ہی حضرات کا فعل نہ سمجھے تو فوراً امام معصوم علیہ السلام کے حکم پر عمل کریں اور ان سے اپنے دینی تعلقات ختم کردیں ورنہ آپ کے اعمال باطل ہوں گے اور اموال ضائع ہوں گے اور آئمہ طاہرین علیہم السلام کی نافرمانی ہوگی۔

ولایتِ اہلبیت ولایت خدا ہے

قال امیرالمومنین علیہ السلام من شك فی ولایتی فقد شك فی ایمانہ ومن اقر بولایتی فقد اقر بولایت اللہ عزوجل ولایتی متصلۃ بولایت اللہ کھاتین وجمع بین اصبعیہ یا اصبغ من اقر بولایتی فقد فاز و من انکر ولایتی فقد خاب وخسر وھوی فی النار۔ (احتجاج طبرسی ص۱۱۶)

جناب امیرالمومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے میری ولایت میں شک کیا اس نے درحقیقت اپنے ایمان میں شک کیا۔ اور جس نے میری ولایت کا اقرار کیا اس نے درحقیقت خدا کی ولایت کا اقرار کیا کیونکہ میری ولایت خدا کی ولایت سے متصل ہے جس طرح یہ میری دو انگشت (حضرت نے دو انگلیاں ملا کر دکھایا۔

اے اصبغ بن نباتہ جس نے میری ولایت کا اقرار کیا وہ فائز المرام ہوگیا اور جس نے میری ولایت کا انکار کیا وہ خائب و خاسر ہوا اور جہنم میں گر گیا۔"

غضب و رضائے اہلبیت غضب و رضائے خدا ہے

فلما اسفونا انتقمنا منھم فاغرقناھم اجمعین۔ پس جب انہوں نے ہمیں غصہ دلایا تو ہم نے ان سے بدلہ لیا کہ ہم نے سب کو غرق کردیا۔" (سورۃ زخرف)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:۔

خداوند عالم ہماری طرح غصہ نہیں کرتا ہے بلکہ اس نے اپنے لئے اولیاء پیدا کئے ہیں کہ وہ غصہ و غضب کرتے ہیں اور راضی و خوشنود ہوتے ہیں اور وہ خدا کے مخلوق و مربوب ہیں۔ خداوند عالم نے ان کی رضا کو اپنی رضا اور ان کے غضب کو اپنا غضب قرار دیا ہے اور یہ اس لئے کیا ہے کہ ان ذوات مقدسہ کو خود اس نے اپنی ذات کی طرف دعوت دینے والا اور اپنی

ذات کی معرفت کرانے والا قرار دیا ہے اس لئے ان کے افعال کو اپنا فعل قرار دیا ہے۔ اور ایسا ہرگز نہیں ہے کہ غضب و رضا خدا کی ذات سے اس طرح تعلق رکھتے ہیں جس طرح ہمیں غصہ آتا ہے اور ہم خوش ہوتے ہیں۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اولیاء کے آثار خود اس کی ذات کے آثار پر دلالت کرتے ہیں اور خدا نے سمجھایا ہے کہ جو شخص میرے ولی کی اہانت کرے گا تو اس نے مجھ سے جنگ کا اعلان کر دیا اور مجھے دعوتِ جنگ دے دی۔ اور فرمایا ہے کہ جو شخص میرے سفیر کی اطاعت کرے گا اس نے میری اطاعت کی۔ اور فرمایا ہے کہ جو لوگ اے رسولؐ تم سے بیعت کرتے ہیں وُہ مجھ سے بیعت کرتے ہیں۔ ان سب آیات کے وہی معنی ہیں جو میں نے تمہیں بتائے ہیں۔ اور اسی طرح رضا و غضب اور اس کے امثال ہیں (یعنی نصرت و مدد مشکل کشائی و حاجت روائی وغیرہ) اور اگر غصہ اور ملال خود اس کی ذات میں ہوتا کہ جس نے خود ہی غصہ و ملال کو پیدا کیا ہے تو کہنے والے کے لیئے یہ جائز و درست ہو جاتا کہ وُہ یوں کہہ دے کہ خدا ایک دن فنا ہو جائے گا کیونکہ جب اس میں غصہ اور ملال داخل ہو گیا تو تغیر داخل ہو گیا اور جب تغیر داخل ہو گیا تو فنا سے محفوظ نہیں رہا۔ اور اگر ایسا ہی ہوتا تو موجود کرنے والا اور جن کو موجود کیا گیا ان دونوں میں فرق نہ رہتا اور نہ قادر و مقدور میں فرق رہتا اور نہ خالق و مخلوق میں فرق رہتا۔ خداوند عالم اس سے اجل وارفع اور بلند و بالا ہے وُہ ہر شے کا خالق ہے مگر اپنی حاجت کے لئے نہیں۔ اور جب اس کا کوئی فعل اپنی کسی حاجت کے لئے نہیں ہے تو اس کے لیئے حد و کیف محال ہے (یعنی اس کے لئے نہ کوئی ذاتی حد بندی ہو سکتی ہے اور نہ کیفیت و حالت ہی اس کے لئے ہو سکتی ہے) اس کو سمجھو اور یاد رکھو انشاء اللہ (تفسیر صافی)

معنیٰ معجزہ اور اس کے اقسام

مولف صاحب اور اُن کے ہمنوا لوگوں نے درحقیقت معنیٰ معجزہ ہی کو نہیں سمجھا ہے اور ان کو معنی لغوی اور معنی عُرفی کا بھی فرق معلوم نہیں ہے۔ کتابوں کے ترجمے لکھ کر مصنف بن جانا اور چیز ہے اور اصل حقیقت کو عقل و علم کی روشنی میں کماحقہٗ سمجھنا اور شے ہے۔ یہ غلطی اُسی طرح صادر ہوئی ہے جس طرح بعض مذاہب نے لفظ "اسلام" ہر جگہ مسلمان کے معنی میں سمجھ لیا ہے حالانکہ اسلام شرعی اور چیز ہے اور اسلام لغوی اور شے ہے۔ انہوں نے ہر مقام پر لفظ "اسلام" کے مشتقات کا ترجمہ مسلمان کے معنی کو پیش نظر رکھ کر کر دیا۔ چنانچہ حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہما السلام کی دعا میں یہ لفظ ہے: "ربنا واجعلنا مسلمین لک" اس کا ترجمہ کر دیا کہ "اے پالنے والے تو ہمیں اپنا مسلمان بنا" حالانکہ یہ قطعاً غلط ہے۔ کیونکہ وُہ دونوں حضرات نبی ہیں اور پھر دُعا کر رہے ہیں کہ مسلمان بنا تو گویا ابھی مسلمان نہیں بنے ہیں؟ یہاں اصطلاحی معنی مراد نہیں ہیں بلکہ

اسلام کے معنی لغوی مراد ہیں یعنی تو ہمیں صرف اپنا فرمانبردار بنا۔ اور اس کا مقصد یہ ہے کہ ہم پر صرف تیری ہی فرمانبرداری عائد ہو کوئی اور ہم پر حاکم نہ ہو کہ جس کے ہم مطیع و فرمانبردار بنیں۔ یعنی تیرے اور ہمارے درمیان میں کوئی تیسرا حاکم نہ ہو بلا واسطہ تیرے ساتھ ربط و واسطہ ہو اور ہم تیرے درمیان اور تیری مخلوقات کے درمیان واسطہ ہوں اور اسی درجہ کے حامل ہماری ذرّیت میں بھی پیدا کر دے کہ وہ بھی تیرے سوا کسی کے محکوم نہ ہوں۔ بس تو ہی ان پر حاکم ہو۔ اور یہ دُعا قبول ہوئی اور ذرّیت مسلمہ خدا نے عطا کی جس کے لئے "امة مسلمة لك" کے الفاظ موجود ہیں یعنی یہ جماعت صرف تیری ہی فرمانبردار ہو کوئی اور ان پر حاکم نہ ہو اور ان ہی میں سے ایک رسُول مبعوث فرما جو ان ہی میں آئے اور پھر تمام عالمین کا حاکم و ہادی قرار پائے اور وہ اس جماعت کا گواہ ہو اور یہ حضرات تمام انسانوں کے لئے گواہ ہوں۔ چنانچہ خداوند عالم نے ابراہیم و اسماعیل کی ذرّیت میں محمدؐ و آل محمدؐ علیہم السّلام کو پیدا کیا جو اس دُعا کے مصداق قرار پائے۔ مگر عام لوگوں نے اسلام کے معنی شرعی سمجھ کر تمام مسلمانوں کو امة مسلمة لك میں داخل کر لیا، اور حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السّلام کے لئے نبی ہونے کے باوجود مسلمان بننے کی خواہش کا دعا گو قرار دے دیا۔

اسی طرح قرآن مجید میں ہے "فلما اسلما" جب حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے اپنے خواب الہامی پر عمل کیا اور اسماعیل علیہ السّلام کو زمین پر برائے ذبح لٹایا تو خدا نے یہ لفظ فرمائے ہیں۔ اس کا ترجمہ عام لوگوں نے یہ کر دیا کہ "جب وہ دونوں مسلمان ہو گئے"۔ حالانکہ خواب الہامی کی فرمانبرداری سے اس کا تعلق ہے کہ انہوں نے خدا کے حکم کی جب فرمانبرداری کی۔ نہ کہ مسلمان بن گئے۔ اسی طرح قرآن مجید میں ہے ولہ اسلم من فی السموات ومن فی الارض۔ اس کا ترجمہ بھی اسلام شرعی کر دیا ہے یعنی خدا کے سامنے آسمان والے اور زمین والے سب مسلمان ہو گئے۔ حالانکہ یہاں بھی اسلام کے لغوی معنی مراد ہیں۔ یعنی خدا کی قوت و قدرت کے سامنے تمام اہل آسمان و زمین سر جھکائے ہوئے ہیں۔

یہی حال ہمارے مولف صاحب کا ہے جو تالیف و تصنیف کے شوق میں عربی و فارسی کی کتابیں سامنے رکھ کر اُردو ترجمہ کر کے مصنف و مؤلف بننا چاہتے ہیں اور عوام کو متاثر کرتے ہیں کہ یہ بہت بڑے عالم ہیں۔ حالانکہ علم درحقیقت وہی ہے جو محمدؐ و آل محمد علیہم السلام سے حاصل ہوا ہو۔ باقی سب جہل ہے۔ کیونکہ علم حقیقی وہی ہے جو خدا نے ان کو عطا فرمایا ہے اور ان حضرات کا ہمیں تعلیم دینا ہدایت کہلاتا ہے نہ کہ علم حقیقی۔ اس مختصر تمہید کے بعد ہم معجزہ کے لغوی اور اصطلاحی معنی تحریر کرتے ہیں تاکہ اس مسئلہ میں جو نزاع و اختلاف ہے وہ رفع ہو جائے اور حقیقت اپنی آب و تاب کے ساتھ ہمارے سامنے منکشف ہو جائے۔

لغت میں اعجاز کے معنی کسی کو عاجز کر دینا ہیں اور اسی کا اسم فاعل معجز ہے یعنی عاجز کر دینے والا اور اسی لفظ معجز میں حرف "ت" کا آخر میں اضافہ کیا گیا ہے جس کے بعد یہ لفظ "معجزہ" بنا ہے اور

یہ حرف "ت" یا اسمی ہے یعنی اس حرف ت کی وجہ سے یہ لفظ اسم بن گیا ہے۔ یعنی جس سبب سے دوسروں کو عاجز کیا جائے اس سبب کو معجزہ کہتے ہیں۔ اور اگر یہ حرف ت مبالغہ کے لئے ہے تو اس کے معنی ہیں زیادہ عاجز کرنے والا۔ جیسے علّام کے معنی ہیں اچھا خاصا جاننے والا۔ اور جب آخر میں حرف ت بڑھا دیا جائے گا، تو یہ لفظ علاّمة بن گیا یعنی بہت زیادہ جاننے والا۔ تو اس صورت میں معجزہ کے معنی بہت زیادہ عاجز کرنے کر دینے والا ہوں گے۔ اور اس کا استعمال کسی میں احساس عجز پیدا کرانے کے لئے بھی ہوتا ہے۔ یعنی معجزہ کا مطلب صرف یہی نہیں ہے کہ کسی مدمقابل کو عاجز کرنے کے لئے ہی دکھایا جائے بلکہ اس کا مطلب یہ بھی ہوتا ہے کہ اگر مدمقابل کوئی بھی نہیں ہے تب بھی اس میں حکمت و مصلحت یہ ہے کہ جو دیکھ لیں گے وُہ متاثر ہوں گے اور ان کو صاحب معجزہ کی عظمت و صداقت کا علم ہو سکے گا۔ اور اگر وُہ کافر ہوں گے تو انہیں غور و فکر کا موقع ملے گا اور اگر مومن ہوں گے تو ایمان و معرفت میں زیادتی ہوگی۔ لہٰذا معجزہ کو صرف مدمقابل کی شکست ہی کے لئے محدود کر دینا نافہمی اور نالائقی ہے۔ بلکہ اس قسم کا وجود کبھی کبھی ہوگا جبکہ کوئی مقابلہ میں آئے گا اور معجزہ طلب کرے گا اور اس وقت اس مقابل کو شکست دینے کے لئے دکھایا جائے گا اور اس صورت میں اس کا وجود خال خال ہوگا، مگر عظمت معجز نمائی خاطر اس کا ظہور ہر وقت ہوتا ہے تاکہ کافر اور مومن دونوں کو اس سے استفادہ کا موقع ملے اور غور و فکر کا سبب قرار پائے۔

لہٰذا معجزہ کو صرف مقابلہ ہی کے لئے محدود کرنا غلطی ہے بلکہ معجزہ کا وجود ہر حال میں ہونا ضروری ہے تاکہ صاحب معجزہ کے ہر حال میں حجتِ خدا ہونے کا ثبوت قائم رہے اس کے حجت ہونے کے لئے مدمقابل کے آنے کا انتظار نہ ہو ورنہ اگر کوئی مدمقابل طالب معجزہ بالکل ہی نہ آئے گا تو اس کا حجت اللہ ہونا ہی ثابت نہ ہوگا۔ پس جو لوگ متلاشیٔ حق ہیں اور ہادی کی جستجو کرتے ہیں اور خود شناخت کی صلاحیت رکھتے ہیں اور مقابلہ کو ذہنی پستی سمجھتے ہیں تو ان کے لئے ہادی کی پہچان مفقود ہو جائے گی۔ اور ایسے انسانوں کی تعداد کثیر ہوتی ہے لیکن متعصب اور ضدی لوگ مولّف صاحب کی فماش کے شاذ و نادر ہوتے ہیں۔

لغوی معنی کے لحاظ سے معجزہ کی کثرت رحمتِ خدا ہے اور ہر شخص کو ہدایت حاصل کرنے کی عملی دعوت ہے اور رہنما کی شناخت کا بہترین سبب ہے۔ اسی لئے علمائے اسلام نے بلا اختلاف مذہب آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات کی تعداد لا تحصیٰ لکھی ہے یعنی جن کا شمار ہی ناممکن ہے۔ کیونکہ قدم قدم پر معجزہ پایا جاتا ہے بلکہ خود قدم مبارک ہر وقت معجزہ ہیں۔ سنگِ خارا پر نقشِ قدم ابھر آتے ہیں اور ریگِ نرم پر اثر قدم محسوس ہی نہیں ہوتا۔ آنحضرتؐ جہاں سے گزر جائیں وہ راستے اور کوچہ و بازار معطر ہو جاتے ہیں۔ آنحضرتؐ نمازیوں کو ہدایات دیتے ہیں کہ رکوع و سجود میں مجھ سے سبقت نہ کرو کیونکہ میں جس طرح سامنے دیکھتا ہوں اسی طرح پیچھے بھی دیکھتا ہوں۔ یہ وُہ معجزات ہیں جو آنحضرتؐ کی ذات اقدس سے وابستہ ہیں اور کسی وقت بھی جُدا نہیں ہوتے۔ اور یہ سب آثار ہیں اس ذاتی کمال کے کہ جس کو بشریت

کے ساتھ ملا کر علیحدہ نوع بنایا گیا ہے۔

مجھے مولف صاحب پر تعجب ہے کہ وُہ تحریر فرماتے ہیں کہ ہر وقت اگر معجزات ہوں گے، تو دربارِ رسالت تماشہ خانہ بن جائے گا۔ (اصول الشریعہ ص ۱۳۳)۔ ناظرین کرام یہ کس قدر توہین آمیز حرکت ہے اور خبث باطن کی دلیلِ روشن ہے۔

مولف صاحب کو یہ علم ہی نہیں ہے کہ معجزات کسی مقابل کی شکست ہی کے لئے نہیں ہوتے بلکہ صاحبِ معجزہ کی عظمت کا اظہار بھی مقصود ہوتا ہے۔ کیا آنحضرتؐ کی معراج معجزہ نہیں ہے اور ایسا معجزہ کہ جس پر ایمان لانا ضروریاتِ دین میں داخل ہے؟ یہ کس مدِ مقابل کو شکست دینے کے لئے ظہور میں آئی تھی۔ ان لم تستم فالعن علیک۔

بہر حال ہمارے بیان سے یہ واضح ہو گیا کہ معجزہ کبھی اثبات حق کی خاطر مدمقابل کو شکست دینے کے لئے ہوتا ہے اور کبھی صرف اظہار حق و عظمتِ صاحب معجزہ کے لئے۔ معجزہ کے لغوی معنی کے بعد ایک ضروری مطلب کو اجاگر کرنا بھی ہم لازمی سمجھتے ہیں۔ اور وُہ نوعیتِ عجز ہے۔ یعنی لوگوں کے عاجز ہونے کا مطلب کیا ہے۔ کیونکہ ہر قوی کے مقابلہ میں ضعیف عاجز ہوتا ہے۔ ہر عالم کے مقابلہ میں جاہل عاجز ہوتا ہے۔ ہر کامل کے مقابلہ میں ناقص عاجز ہوتا ہے۔ تو کیا معجزہ کا مطلب یہی ہے کہ حکیم اپنے فن طب کی وجہ سے مریض کو عاجز کر دے اور نبی بن جائے اور مدرس اپنے علم سے طالب علم کو عاجز کر دے اور رسُول بن جائے اور ایک قوی ضعیف کو عاجز کر کے امام بن جائے۔

نہیں۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ نبی و امام خرق عادت کر کے دکھائیں جس کا مطلب یہ ہے کہ خداوند عالم نے اشیائے عالم کے لئے جو فطری عادتیں مقرر فرمائی ہیں ان عادتوں کو تبدیل کر دیں۔ مثلاً سنگریزے فطری طور پر تسبیح نہیں پڑھ سکتے وُہ تسبیح پڑھنے لگیں۔ جانور فطری طور پر باتیں نہیں کرتے وُہ باتیں کرنے لگیں۔ درخت اپنے وقت پر پھل دیتے ہیں، وُہ بلا فصل بلا انتظار شگوفہ و گل اور پھل دینے لگیں۔ بشر نابینا فطری طور پر خود بخود بینا نہیں ہوتا ہاتھ پھیرنے سے بغیر دوا و علاج بینا ہو جائے مچھلیاں فطری طور پر خشکی میں نہیں آتیں، وُہ جال کے بغیر صرف پکار پر دریا چھوڑ کر خشکی میں آ جائیں۔ فطری طور پر انگلیوں سے چشمے جاری نہیں ہوتے مگر چشمے بہنے لگیں۔ ایک آدمی کا کھانا ہو اور ہزار آدمیوں کو سیر کر دیا جائے گوشت زہر آلود خود فطری طور پر نہیں بولتا مگر بولنے لگے اور بتا دے کہ مجھ میں زہر ہے۔ پتھر کے ٹکڑے فطری طور پر پھل نہیں بنتے انہیں انگور بنا کر لوگوں کو بہترین انگور کھلائے جائیں۔ ریت کو آٹا بنا کر روٹیاں تیار کرائی جائیں۔ جو کی روٹی کھا کر خیبر کا در اکھاڑ کر پھینک دیا جائے۔ گھر میں ستارہ اتار لیا جائے۔ آفتاب کو پلٹا لیا جائے۔ مسافروں کو چشم زدن میں سینکڑوں میل پہنچا کر اہل خانہ سے باتیں کرا کر پھر واپس کر لیا جائے یہ تمام امور خوارق عادات کہلاتے ہیں یعنی فطری عادت کے توڑنے والے۔

لہٰذا معجزہ کے لغوی معنی صرف مدمقابل کو عاجز کرنا یا لوگوں کی عاجزی کا ان کو احساس کرانا ہی نہیں ہیں بلکہ فطری عادات کو تبدیل کر دینا معجزہ ہے جس کے مصالح و حکم متعدد ہیں جیسا کہ کتاب لغت المنجد میں ہے: المعجزۃ امر خارق العادۃ یعجز البشر عن ان یاتو بمثلہ۔ یعنی معجزہ کے معنی وُہ کمال ہے جو فطری عادت کو توڑ دے کہ تمام لوگ اس جیسا کرنے سے عاجز ہوں۔ جس میں یہ کمال ہو گا وُہ صاحب معجزہ کہلائے گا۔

اگر مولف صاحب اس راز کو پا لیتے تو انہیں نبی و امام کے دربار کو تماشہ گاہ کہنے کی جرأت نہ ہوتی (اصول الشریعہ صفحہ ۱۲۳)۔ مگر یہ لوگ ان ذوات مقدسہ کو اپنی نوع کہتے ہیں اس لئے یہ گستاخ ہیں۔

معجزہ کے اصطلاحی معنی

معجزہ اصطلاحی اُس کمال کو کہتے ہیں کہ جو عادت مستمرہ فطری کو توڑنے والا ہو اور نبی یا امام اپنے دعوائے نبوت یا امامت کے ساتھ ساتھ بطور چیلنج دکھائے اور کوئی اس کا مقابلہ نہ کر سکے۔ اور جس قسم کا چیلنج کرے اس کے مطابق یہ کمال ظاہر ہو۔

یہ اصطلاحی معنی علمائے متکلمین نے اس لئے وضع کئے ہیں کہ جب نبی یا امام اظہارِ نبوت و امامت کرے تو اس کا یہ مطلب ہو گا کہ وُہ خدا کا فرستادہ ہے جس کے لئے ضروری ہے کہ وُہ سندِ سفارت پیش کرے کیونکہ سفیر کاذب اور سفیر صادق کا فرق اسی صورت میں نمایاں ہو سکتا ہے کہ اس کے پاس ایسی سند ہو کہ جو سفیر بنانے والے کی جانب سے اس کی سفارت کا بیّن ثبوت ہو۔ لہٰذا اس سند سفارت کا تعین اسی کی ذات کی طرف سے ہو گا جس کا سفیر ہے اور یہ سند اسی کی صوابدید پر مبنی ہو گی جس نے اپنا سفیر بنایا ہے۔ لہٰذا سفیر کو اس سند میں مداخلت کا حق نہیں ہو گا بلکہ سفیر کا فرض ہو گا کہ وُہ سند پیش کرے اور کار سفارت جاری کر دے۔ اب اگر مبعوث الیہم (یعنی جن کی طرف سفیر بنا کر بھیجا گیا ہے) سند سفارت پر اعتراض کریں اور اپنی مرضی کی سندِ طلب کریں تو سفیر کا فرض ہے کہ وُہ انہیں توجہ دلائے کہ میں جس کا سفیر ہوں وُہ تمام نشیب و فراز کا جاننے والا ہے۔ وُہ حکیم و علیم ہے۔ وُہ تمہارے تمام ضروریاتِ زندگی کو جانتا ہے اور اس نے جو سند دی ہے اور جو پیغامات بھیجے ہیں وُہ بدرجہ اتم مکمل ہیں۔ ان سے بہتر ممکن ہی نہیں ہیں۔ لہٰذا میں نہ تبدیلی کا حق رکھتا ہوں کیونکہ سفیر ہوں۔ اور نہ اُس سے اس کے خلاف مطالبہ کر سکتا ہوں، کیونکہ اس کی حکمتِ بالغہ پر ایمان کامل رکھتا ہوں اور چونکہ میں سفیر ہوں لہٰذا میرا فرض بس اتنا ہی ہے کہ جو کچھ مجھے ہدایات ہیں ان پر عمل کروں اور اس سے تجاوز نہ کروں۔

چنانچہ جب لوگوں نے آنحضرتؐ سے سوالات کئے کہ آپ اگر خدا کے سفیر ہیں تو آپ ہمارے لئے زمین سے چشمے جاری کر دیں یا آپ یہ کر دیں کہ کھجوروں کا اور انگوروں کا ایک باغ ہو اور اس کے اندر آپ نہریں جاری

کر دیں یا اپنے خیال کے مطابق ہمارے اُوپر آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرا دیں یا خدا اور فرشتوں کو ضامن بنا کر لائیں یا اپنے لئے کوئی زر نگار محل پیش کریں یا آسمان پر چڑھ کر دکھائیے؛ اور ہم آپ کے آسمان پر چڑھنے کو بھی تسلیم نہیں کریں گے جب تک آپ ہماری گود میں کتاب نہ اتار دیں جس کو ہم خود پڑھیں گے۔

ان تمام مطالبات کا جواب خداوند عالم نے اپنے سفیر کو بس اتنا بتایا ہے کہ "قل سبحان ربی ھل کنت الا بشراً رسولاً" (اے ہمارے سفیر، تم کہہ دو کہ خدا تمام عیوب سے منزہ و مبرا ہے۔ میں تو اس کا بشری شکل میں سفیر ہوں"

اس جواب نے ان کے تمام مطالبات کو باطل کر دیا کیونکہ وُہ اس کی عطا کردہ سند کو ناقص سمجھتے تھے اور اپنی خواہش کے مطابق سند کا مطالبہ کرتے تھے۔ خداوند عالم نے ان کے دونوں رُخ پیش نظر رکھ کر ایک جامع جواب ارشاد فرمایا پہلا رُخ یہ تھا کہ جو کچھ یہ رسُول بطور سند پیش کر رہا ہے اس میں ہمارے نزدیک عیب و نقص ہے، ہماری پسند کے خلاف ہے۔ اس کا جواب دیا گیا کہ خداوند عالم ہر نقص و عیب سے پاک و منزہ ہے اس کی پیش کردہ سند میں عیب ممکن نہیں یعنی قل سبحان ربی۔ تم کہہ دو میرا رب ہر عیب سے پاک ہے۔

دُوسرا رُخ یہ تھا کہ تم اپنے کو رسُول منوانا چاہتے ہو تو ہماری مرضی کے مطابق معجزات دکھاؤ۔ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ میں تو سفیر ہوں اور سفیر کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ اپنی طرف سے کوئی سند سفارت پیش کرے ورنہ پھر وُہ سفیر ہی نہیں ہے۔ اور جبکہ وُہ اس ذات علیم و حکیم، قدیر و خبیر کا سفیر ہے جس پر وُہ ایمان کامل بھی رکھتا ہے تو وُہ نہ تبدیلی کر سکتا ہے نہ خود اپنی طرف سے کوئی سند پیش کر سکتا ہے۔ اس آیت کا پُورا تعلق اور ربط اس سے متصل پہلی آیت کے ساتھ ہے جیسا کہ ارشاد قدرت ہے (سورہ بنی اسرائیل)

قل لئن اجتمعت الانس والجن علیٰ ان یاتوا بمثل ھذا القرآن لا یاتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا ہ ولقد صرفنا للناس فی ھٰذا القرآن من کل مثل فابی اکثر الناس الا کفورا ہ

(اے ہمارے سفیر، کہہ دو کہ اگر تمام انس و جن بھی اس کام پر جمع ہو جائیں کہ اس قرآن کا مثل پیش کریں تو اس کا مثل نہیں لا سکتے اگرچہ اس کام میں باہمی مددگار بھی بن جائیں اور ہم نے تو اسی قرآن میں لوگوں کے لئے ہر قسم کی مثل (زندگانی دنیا و آخرت کے لئے) مکرر بیان کر دی ہے پھر بھی اکثر لوگوں نے ناشکری کر کے انکار کر دیا۔

اس آیت میں خدا نے اپنی مجوزہ اور معینہ سند کا ذکر فرمایا ہے کہ ہمارا ثبوت اور ہماری سند جو ہم نے اپنے سفیر کو دی ہے وُہ قرآن ہے۔ جس کے لئے ہم چیلنج کرتے ہیں کہ اس کا مثل لانے۔ یہ تمام جن و انس عاجز ہیں اور یہ معجزہ بھی ہے اور زندگی کا دستور العمل بھی۔ لہٰذا اس سے بہتر کوئی سند نہیں ہو سکتی۔

اس کے بعد ہی فرماتا ہے:۔

وقالوا لن نومن لك حتى تفجر لنا من الارض ينبوعا او تكون لك جنة من نخيل وعنب فتفجر الانهار خلالها تفجيرا او تسقط السماء كما زعمت علينا كسفا او تاتی بالله والملائكة قبيلا او يكون لك بيت من زخرف او ترقى فی السماء ولن نومن لرقيك حتى تنزل علينا كتابا نقرءوه قل سبحان ربی هل كنت الا بشرا رسولا (بنی اسرائیل)

اور ان کافروں نے کہا ہم اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک ہمارے لئے زمین سے چشمے نہ جاری کر دو یا تمہارا ایسا باغ ہو جس میں خرمے اور انگور ہوں اور اس کے درمیان نہریں بہا دو یا اپنے زعم کے مطابق آسمان کے ٹکڑے گرا دو یا خدا اور فرشتوں کو ضامن بنا کر لاؤ یا تمہارا زرنگار گھر ہو یا آسمان پر چڑھ جاؤ۔ اور ہم تمہارے آسمان پر چڑھنے پر بھی ایمان نہیں لائیں گے جب تک ہم پر کتاب نہ اتار دو جس کو ہم پڑھیں گے۔ اے رسول کہہ دو میرا رب ہر عیب سے پاک ہے اور میں تو صرف بشری شکل میں رسول ہوں"۔

اس آیت کو پہلی آیت کا جواب سمجھئے۔ یعنی خدا کے قرآنی چیلنج کا یہ جواب کافروں نے دیا ہے۔ اب ایک سوال باقی رہ گیا اور وہ بشریت رسول پر اعتراض تھا کہ اپنے سفیر کو بشری شکل میں کیوں بھیجا ہے؟ چنانچہ اسی آیت کے متصل ارشادِ قدرت ہے جس میں کافروں کے اعتراض کو دہرایا گیا ہے:۔

وما منع الناس ان يومنوا اذ جاءهم الهدى الا ان قالوا ابعث الله بشرا رسولا ٥ "اور جب ان کے پاس دلیل بین (کتاب اللہ) آچکی تو ان کو اس کے سوا اور کسی چیز نے ایمان لانے سے نہیں روکا کہ کہنے لگے کیا خدا نے بشر کو رسول بنا کر بھیج دیا ہے؟"

یعنی اب اعتراض یہ کیا کہ اگر رسول و سفیر بنایا ہے تو بشر کو کیوں بنایا ہے۔ اس کے جواب میں خداوند عالم نے فرمایا:۔

قل لو كان فی الارض ملائكة يمشون مطمئنين لنزلنا عليهم من السماء ملكا رسولا۔

(اے رسولؐ، تم کہہ دو کہ اگر زمین میں فرشتے آباد ہوتے جو اطمینان سے چلتے پھرتے تو یقیناً ہم ان کے پاس آسمان سے فرشتہ کو رسول بنا کر بھیج دیتے"۔

یعنی رسول کو ہم نے اس لئے بشری شکل میں بھیجا ہے کہ بشر اپنے ہم شکل سے مانوس ہو کر استفادہ کریں۔ اگر ہم اپنا رسول فرشتوں کے پاس بھیجتے تو اس کو فرشتوں ہی کی شکل میں بھیجتے۔

اس کے بعد مزید ثبوت کے لئے اس سے متصل یہ آیت ہے:۔

قل کفیٰ باللہ شہیدا بینی و بینکم انہ کان بعبادہ خبیرا بصیرا ہ

ولے رسولؐ ان منکروں سے) کہہ دو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان (میری سفارت کا)، خداوند عالم کافی گواہ ہے کیونکہ وُہ اپنے بندوں کے ظاہری اور باطنی حالات سے خوب واقف ہے۔"

اس آیت میں واضح طور پر بتا دیا گیا ہے کہ اس نے اپنی گواہی قرآن کو قرار دے کر کافی ثبوت فراہم کر دیا ہے اور یہ ثبوت اس خبیر و بصیر کا معجزہ و معینہ ہے جس نے اپنے بندوں کی ضروریات کو ملحوظ رکھ کر ان کے حالات کے مطابق بھیجا ہے۔

لہٰذا سفیر کے بارہ میں نہ یہ عذر قابلِ قبول ہے کہ یہ بشر ہے اور نہ وُہ مطالبات منظوری کے قابل ہیں جو اپنی ناقص رائے سے تجویز کر کے ہمارے رسول کے سامنے پیش کئے گئے ہیں۔ کیونکہ ان دونوں صورتوں کے قبول کرنے میں خدا کی تجویز پر نقص لازم آتا ہے۔ اور وُہ ہر نقص و عیب سے منزہ ہے۔

اب ہم کافروں کے ان مطالبات کا ذکر کرتے ہیں جو انہوں نے جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بغیر غور و فہم تحکمانہ لہجہ میں کئے ہیں، اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حکیمانہ جوابات دے کر اسلامی قدروں کو اجاگر فرمایا ہے جو درحقیقت دلائل و براہین اسلام کے اُبلتے ہُوئے چشمے ہیں۔ جس کے بعد ناصبیت اور وہابیت کی رگِ حیات قطع ہو جاتی ہے۔

اقتراحات کفّار کے حکیمانہ جوابات!

سرکارِ دوعالم کا مثالی مناظرہ

عربی زبان میں اقتراح کے معنی ہیں "بے سوچے سمجھے تکبر کے ساتھ مطالبہ کرنا" جس کی جمع اقتراحات ہے کافروں نے آنحضرتؐ سے تکبرانہ لہجہ میں نالائق مطالبات کئے ہیں جن سے ان کی ہٹ دھرمی اور ضد کا پتہ چلتا ہے اور ہر صاحب عقل ایسے مطالبات کو کج فہمی کا نتیجہ قرار دیتا ہے۔

ہم ان اقتراحات اور ان کے جوابات کا مطلب خیز ترجمہ احتجاج علامہ طبرسی منذ تامشاسے تحریر کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے پدر بزرگوار حضرت امام علی نقی علیہ السلام سے عرض کی کہ کیا ہمارے جد امجد حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم یہودیوں اور مشرکوں سے مناظرہ کیا کرتے تھے جبکہ یہ لوگ آنحضرتؐ سے عتاب آمیز سلوک کرتے تھے اور کیا دلائل و براہین سے ان کو مسکت جوابات دیا کرتے تھے؟

جناب امام علی نقی علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں اکثر اور بارہا ایسا ہوا ہے۔ اور خداوند عالم نے قرآن مجید میں بھی اس کا تذکرہ فرمایا ہے۔ چنانچہ خدا ان کے قول کی حکایت کرتا ہے:۔

وقالوا مالھٰذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق لولا انزل علیه ملك فیکون معه نذیرا او یلقی الیه کنز او تکون له جنة یاکل منھا وقال الظالمون ان تتبعون الا رجلا مسحورا (سورۃ فرقان)

"اور کافروں نے کہا کہ اس رسول کو کیا ہو گیا ہے کہ یہ کھانا بھی کھاتا ہے اور بازاروں میں بھی چلتا پھرتا ہے۔ اس پر فرشتہ کیوں نہیں اترا۔ جو اس کے ساتھ ہی ڈرانے والا ہوتا یا اس کے پاس کوئی خزانہ ہی ڈال دیا جاتا یا اس کے پاس کھانے پینے کے لئے کوئی باغ ہی ہوتا اور ان ظالموں نے یہاں تک کہہ دیا کہ تم لوگ اس سحرزدہ آدمی کی پیروی کرتے ہو"۔

اور ان کافروں نے یہ بھی کہا:۔

وقالوا لولا نزل ھٰذا القرآن علیٰ رجل من القریتین عظیم و وقالوا لن نومن لك حتی تفجر لنا من الارض ینبوعا الی قوله کتابا نقرءوہ (سورہ بنی اسرائیل)

اور کافروں نے کہا کہ یہ قرآن ان دو بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں اتارا گیا۔ اور ان کافروں نے یہ بھی کہا کہ ہم اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک یہ زمین سے چشمے نہ جاری کر دیں جس کے اندر نہریں بہتی ہوں۔ (یہ مکمل آیت اور اس کا ترجمہ ہم پہلے

تحریر کرچکے ہیں)

اور پھر آنحضرتؐ سے یہ بھی کہا گیا کہ اگر تم حضرت موسیٰؑ کی طرح نبی ہوتے تو آسمان سے ٹکڑے نازل کرتے یا ہمارے ان سوالوں کی سزا میں ہم پر بجلی گرا دیتے کیونکہ ہمارے سوالات و مطالبات تو قوم موسیٰ علیہ السلام سے بھی زیادہ شدت رکھتے ہیں۔

حضرت امام علی نقی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ معظمہ کے صحن کعبہ میں تشریف فرما تھے اور سرداران قریش کی ایک جماعت وہاں موجود تھی جس میں ولید بن مغیرہ مخزومی اور ابوالبختری بن ہشام اور ابوجہل بن ہشام اور عاص بن وائل سہمی، اور عبداللہ بن امیہ مخزومی اور ان کے میل ملاپ والے کافی تعداد میں موجود تھے اور اس وقت جناب رسولِ خداؐ اپنے اصحاب کی ایک جماعت کو قرآن پڑھا رہے تھے اور انہیں خدا کے امر و نہی کی تعلیم دے رہے تھے۔

اس وقت مشرکین نے باہمی گفتگو میں کہا کہ محمدؐ کی شان بڑھتی جا رہی ہے اور ان کا معاملہ بہت عظمت اختیار کر چکا ہے۔ چلو ان کے پاس چل کر ثبوت و دلیل کی بات کریں اور زجر و توبیخ کریں اور ان سے مناظرہ کریں اور ان کے دین کو باطل کر دیں تاکہ ان کی عظمت ان کے اصحاب کی نگاہوں میں گر جائے اور (معاذ اللہ) ذلیل و حقیر ہو جائیں۔ ہمارے اس عمل سے امید ہے کہ وہ اپنے غلط اور باطل خیالات سے باز آجائیں گے اور سرکشی و طغیان کو ترک کر دیں گے۔ اور اگر پھر بھی باز نہ آئے تو ہمارے اور اُن کے درمیان تیز دھار تلواریں فیصلہ کریں گی۔

ابوجہل نے کہا کہ ہم میں سے کون ان سے باتیں کرے گا۔ اور مناظرہ کا کام کون انجام دے گا عبد اللہ بن امیہ مخزومی نے کہا کہ میں تیار ہوں۔ چنانچہ مناظرہ شروع ہوا اور عبداللہ نے کہا کہ اے محمدؐ تم نے بہت بڑا دعویٰ کیا ہے اور لچکدار باتیں کرتے ہو۔ اور تم خدائے رب العالمین کے رسُول بننے کا گمان رکھتے ہو۔ بھلا رب العالمین اور خالق الخلق اجمعین کے لئے کس طرح مناسب ہے کہ تم جیسے کو رسُول بنا دے۔ جو ہمارے مثل بشر ہے۔ تم کھاتے ہو ہماری طرح؛ اور بازاروں میں پھرتے ہو ہماری طرح۔

دیکھو یہ بادشاہِ روم اور بادشاہِ فارس اپنا رسول (سفیر) صرف اس کو بناتے ہیں جو بڑا دولت مند اور عظیم الحال اور صاحبِ محلات و قصور ہو اور بالوں اور اُون کی صنعت کاری کے گھر بنے ہوئے ہوں اور اس کے خیمہ جات اور غلام و خدام ہوں۔ اور رب العالمین تو ان بادشاہوں سے بلند ہے اور یہ بادشاہ خود اس کے غلام ہیں۔ اگر تم نبی ہوتے تو تمہارے ساتھ کوئی فرشتہ ہوتا جو تمہاری تصدیق کرتا اور ہم اُسے دیکھتے۔ بلکہ اگر خدا ہمارے پاس نبی بھیجتا تو فرشتہ ہی کو بھیجتا نہ کہ ہم جیسے بشر کو۔ اے محمدؐ تم پر کسی نے جادو کر دیا ہے تم نبی نہیں ہو سکتے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کچھ اور کہنا ہے تو وُہ بھی کہہ ڈالو۔

عبداللہ مخزومی نے کہا کہ ہاں یہ بات باقی ہے کہ اگر خدا کا ارادہ رسُول بھیجنے کا ہوتا تو وُہ یقیناً اُس شخص کو بھیجتا جو ہم سب سے مال و دولت میں بڑا ہوتا اور ہم سب سے زیادہ خوشحال ہوتا پس اس قرآن کو جس کے بارہ میں تم دعویدار ہو کہ خدا نے تم پر اُتارا ہے اور تمہیں دے کر بھیجا ہے ان دو بستیوں میں سے کسی مرد باوقار پر کیوں نہیں نازل کیا۔ یا ولید بن مغیرہ جو مکہ معظمہ میں عظیم شخصیت ہے یا عروہ بن مسعود ثقفی جو طائف کا بڑا آدمی ہے ان میں سے کسی پر نازل کرتا۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی اور بات باقی ہو تو وُہ بھی کہہ ڈالو۔

عبداللہ مخزومی نے کہا کہ ہاں ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم اس وقت تک تم پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک اس مکہ کی سنگلاخ زمین میں تم چشمے نہ نکال دو اور اس سخت زمین کی کھدائی کر کے نہریں جاری نہ کر دو۔ کیونکہ ہمیں اس کی ضرورت ہے۔ اور یا کوئی ایسا باغ خرما و انگور بنا دو جس سے تم بھی کھاؤ اور ہمیں بھی کھلاؤ اور اسی باغ میں نہریں بہہ رہی ہوں جو انگور اور خرما کے درختوں کو سیراب کرتی ہوں۔ یا پھر آسمان کے ٹکڑے ہم پر گرا دو جیسا کہ تمہارا خیال ہے کہ تم ایسا کر سکتے ہو۔ کیونکہ تم نے ہم سے یہ بات کہی ہے۔

(وان یروا کسفا من السماء ساقطا یقولوا سحاب مرکوم ٥ سورۃ طور)

اور اگر یہ لوگ آسمان سے کوئی گرتا ہوا ٹکڑا دیکھیں گے تو کہہ دیں گے کہ یہ تو تہہ بہ تہہ ابر ہے۔ شاید والے محمدؐ، ہم یہی کہہ دیں۔

پھر عبداللہ مخزومی نے کہا کہ خدا اور فرشتوں کو اپنا ضامن بنا کر لاؤ اور وُہ اس طرح آئیں کہ ہمارے رو برو ہوں۔ یا تمہارا کوئی زر و جواہر کا مکان ہو جس میں سے ہمیں بھی دو اور ہمیں غنی کر دو۔ مگر شائد ہم اس کی وجہ سے سرکش بن جائیں۔ کیونکہ تم نے خود ہی ہم سے کہا ہے (کلا ان الانسان لیطغیٰ ان راٰہ استغنیٰ)

یاد رکھو جب انسان اپنے کو مالدار سمجھتا ہے تو سرکش ہو جاتا ہے"۔

پھر عبداللہ مخزومی نے کہا اے محمدؐ، تم آسمان پر چڑھ کر دکھاؤ اور ہم تو تمہارے اس صعود و عروج پر بھی ایمان نہیں لائیں گے جب تک تم خدائے عزیز و حکیم کی طرف سے ہم پر ہمارے پڑھنے کے لئے کتاب نہیں اتار دو گے اور یہ کتاب عبداللہ بن ابی امیہ مخزومی اور اس کے ساتھیوں کو یہ ہدایت کرے کہ ایمان لاؤ محمدؐ بن عبداللہ بن عبدالمطلب پر کیونکہ یہ میرا رسُول ہے۔ اور جو کچھ یہ کہے اس کی تصدیق کرو کیونکہ یہ میرے پاس سے آیا ہے۔ اے محمدؐ اگر تم ایسا کر بھی دو تب بھی ہماری مرضی ہم ایمان لائیں یا نہ لائیں۔ بلکہ تم اگر ہمیں اٹھا کر آسمان پر بھی پہنچا دو اور اس کے دروازے کھول کر ہمیں اندر بھی داخل کر دو تو بھی ہم یہ کہیں گے کہ تم نے ہماری آنکھوں کو باندھ لیا ہے اور ہم کو مسحر کر لیا ہے۔

جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا اے عبداللہ اور کوئی بات باقی ہے تو وُہ بھی کہہ ڈالو۔
عبداللہ نے جواب دیا کہ اے محمدؐ میں نے جتنا بوجھ تمہارے اوپر ڈال دیا ہے کیا یہ کافی و وافی نہیں ہے؟
اب تم ہماری باتوں کا جواب دو جو کچھ تمہیں آتا ہو۔ اور اگر کوئی دلیل و ثبوت تمہارے پاس ہے تو اپنی جان چھڑاؤ
اور جو کچھ ہم نے سوالات کئے ہیں ان سب کا اعادہ کرکے جواب دو۔
جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جوابات کی اس طرح ابتداء کی۔
اللھم انت السامع لکل صوت والعالم بکل شیٔ تعلم ما قاله عبادك۔
یا اللہ تو ہر آواز کو سُنتا ہے اور ہر شے کا عالم ہے۔ اور تو جانتا ہے کہ تیرے بندوں نے
کیا کہا ہے۔
پس خداوند عالم نے فرمایا۔ اے محمدؐ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس رسول کو کیا ہو گیا ہے کہ کھانا کھاتا ہے
اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ اس پر فرشتہ کیوں نہیں اُترتا جو اس کے ساتھ ہی ڈرانے والا ہو یا اس کے
پاس خزانہ ہی ڈال دیا جاتا یا کھانے پینے کے لئے اس کے پاس کوئی باغ ہی ہوتا اور ان ظالموں نے
یہاں تک کہہ دیا کہ تم اس مسحور کی پیروی کرتے ہو۔
پھر خدا نے فرمایا:۔
انظر کیف ضربوا لك الامثال فضلوا فلا یستطیعون سبیلاہ (ثم قال)
تبارك الذی ان شاء جعل لك خیرا من ذالك جنات تجری من تحتها
الانھار ویجعل لك قصورا ہ
اے رسول دیکھو ان لوگوں نے کیسی کیسی مذاقیہ مثالیں دی ہیں۔ یہ تو گمراہ ہو چکے ہیں اور
اب ان میں راستہ حاصل کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رہی ہے۔ اور دیکھو اے رسول
خدا تو ایسا برکت والا ہے کہ وُہ چاہے تو تمہارے لئے بہترین کتنے باغات بنادے جن
کے نیچے نہریں جاری ہوں اور بہترین محل و قصر بنادے" اور پھر فرمایا:۔ فلعلك
تارك بعض ما یوحیٰ الیك وضائق به صدرك ان یقولوا لولا انزل علیه
کنزا او جاء معه ملك انما انت نذیر واللہ علےٰ کل شیٔ وکیل ہ
تو اے رسولؐ شاید تم وحی کا کچھ حصہ ترک کردو اس کے رد کنے میں تمہارا دل تنگ بھی ہوگا
ان لوگوں کے اس کہنے کی وجہ سے کہ کیوں اس پر خزانہ نہیں اُترا اور اس کے ساتھ کوئی
فرشتہ کیوں نہیں آیا۔ نہیں نہیں تم تو صرف تنبیہہ کرنے والے ہو اور خدا ہر شے کا
ضامن ہے۔
اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر یہ بھی نازل ہُوا کہ اے محمدؐ!

وقالوا لولا انزل علیہ ملک ولو انزلنا ملکا لقضی الامر ثم لا ینظرون ولو جعلناہ ملکا لجعلناہ رجلا وللبسنا علیھم ما یلبسون ٥ (سُورۃ انعام)

اور انہوں نے کہا کہ اس نبی پر فرشتہ کیوں نہیں اترا اگر کہیں ہم فرشتہ بھیج دیتے تو معاملہ ہی ختم ہو جاتا، پھر انہیں مہلت ہی نہ دی جاتی۔

اور اگر ہم فرشتہ کو نبی بناتے تو مَرد کی حیثیت میں بناتے اور اس کو ان کے ساتھ اس طرح خلط ملط کر دیتے جس طرح یہ باہم خلط ملط ہیں"۔

اس کے بعد جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبداللہ مخزومی کی طرف رُخ کیا اور فرمایا اے عبداللہ تو نے جو یہ کہا ہے کہ میں تم لوگوں کی طرح کھانا کھاتا ہوں اور تیرے خیال کے مطابق یہ جائز نہیں ہے کہ میں کھانا کھانے کی وجہ سے رسُول بن سکوں تو تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ معاملہ صرف خدا کے اختیار میں ہے کیونکہ سفیر اس کا ہے لہٰذا وُہ جس طرح کرنا چاہے کرے اور جو چاہے فیصلہ کرے وُہ ہر حالت میں لائقِ حمد ہے، اور تجھے اور کسی دُوسرے کو اس پر اعتراض کا حق نہیں ہے کہ یہ کیوں کیا اور کیسے کر دیا۔ تو نہیں دیکھ رہا ہے کہ خدا نے کس طرح بعض کو فقیر اور بعض کو غنی بنایا ہے۔ اور بعض کو عزت دی ہے اور بعض کو ذلت۔ بعض کو صحت دی ہے اور بعض کو سقم۔ اور بعض کو شرافت اور بعض کو رذالت، اور یہ سب کھانا کھاتے ہیں۔

پھر فقراء کو یہ حق نہیں ہے کہ وُہ خدا سے کہیں کہ ہمیں کیوں فقیر بنایا اور دُوسروں کو غنی بنایا اور اراذل کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وُہ خدا سے کہیں کہ ہمیں کیوں رذیل بنایا اور دوسروں کو کیوں شریف بنایا۔ اور سقم والوں اور کمزوروں کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وُہ کہیں کہ ہمیں کمزور کیوں بنایا اور دوسروں کو صحت مند کیوں بنایا۔ اور اسی طرح ذلیل لوگوں کو یہ حق نہیں ہے کہ وُہ کہیں کہ ہمیں ذلیل اور دوسروں کو کیوں عزت دار بنایا اور اسی طرح بدشکلوں کو یہ حق نہیں کہ وُہ کہیں کہ ہمیں بدصورت کیوں بنایا اور دُوسروں کو حسین وجمیل کیوں بنایا۔ بلکہ ان لوگوں نے اگر کہیں یہ کہہ دیا تو یہ لوگ اپنے پروردگار کی رد کرنے والے بن گئے اور اس کے فیصلوں میں اس سے جھگڑا کرنے والے قرار پائے اور اُس کی ذات اقدس کا انکار کرنے والے ہو گئے۔ اور اس کا جواب خدا کی طرف سے یہ ہو گا کہ میں مالک ہوں میں ہی بلند کرنے والا ہوں میں ہی غنی کرنے والا ہوں میں ہی فقیر کرنے والا ہوں میں ہی عزت دینے والا ہوں میں ہی ذلت دینے والا ہوں میں ہی صحت مند بنانے والا ہوں۔ میں ہی سقیم بنانے والا ہوں۔ اور تم سب میرے بندے ہو۔ تمہارا فرض صرف یہ ہے کہ سرِ تسلیم خم کرو، اور میرے فیصلہ کے سامنے جھک جاؤ۔ پس اگر تم نے یہ بات تسلیم کر لی تو تم میرے مومنین بندے بن جاؤ گے اور اگر انکار کیا تو تم کافرین بن جاؤ گے اور میرے مختلف عذابوں سے ہلاک ہو گے۔

پھر خداوند عالم نے آنحضرتؐ کو حکم دیا کہ یا محمدؐ تم کہہ دو

قل انما انا بشر مثلکم (یعنی اکل الطعام) یوحیٰ الی انما الھکم الہ واحد

یعنی قل لہم اناؔ فی البشریۃ مثلکم ولکن ربی خصنی بالنبوۃ دونکم کما یخص بعض البشر بالغنی والصحۃ والجمال دون بعض من البشر فلا تنکروا ان یخصنی بالنبوۃ۔

تم کہہ دو کہ میں صرف تمہاری شکل وصورت کا بشر ہوں یعنی کھانا کھاتا ہوں۔ مگر ایسا بشر ہوں کہ مجھ پر وحی ہوتی ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک معبود ہے میں صرف بشریت میں تمہاری طرح ہوں لیکن میرے رب نے مجھے مخصوص فرمایا ہے مرتبۂ نبوت کے ساتھ اور تمہیں مخصوص نہیں کیا ہے جس طرح اس نے بعض بشر کو غنا، وصحت وجمال کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے۔ اور اس میں کسی کو اعتراض کا حق نہیں ہے (اسی طرح اس تخصیص نبوت میں بھی کسی کو اعتراض کا حق نہیں ہے۔) (مترجم) اور بعض بشر کو ان صفات کے ساتھ مخصوص نہیں کیا ہے۔ لہٰذا تمہارا فرض ہے کہ میری تخصیص نبوت کا انکار نہ کرو کیونکہ یہ تخصیص اس کی مرضی پر موقوف ہے۔ مترجم)

اس کے بعد جناب رسُولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے عبداللہ مخزومی تیرا یہ کہنا کہ یہ بادشاہِ روم اور یہ بادشاہ فارس اپنا سفیر اس وقت تک نہیں بناتے ہیں جب تک وُہ صاحب مال و دولت اور بلند شان نہ ہو اور اس کے محلات وقصور نہ ہوں اور بالوں کا بنا ہُوا خاص صنعت کا گھر نہ ہو اور اس کے خیمہ جات و غلام و خدام نہ ہوں۔ اور رب العالمین تو ان سے بلند ہے اور یہ سب بادشاہ اسی کے بندے ہیں۔

تو اس کا جواب سُن لے کہ بالتحقیق خدا اپنی تدبیر وحکمت کا خود مالک ہے وُہ تیرے خیال وگمان پر عمل نہیں کرتا ہے اور نہ تیرے ان بے سوچے سمجھے حکیمانہ مطالبات پر عمل کرتا ہے بلکہ وُہ خود جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو فیصلہ چاہتا ہے خود کرتا ہے اور وُہ ہر حال میں لائق حمد وثنا ہے۔

اے عبداللہ مخزومی اس نے نبی کو اس لئے بھیجا ہے کہ لوگوں کو دین سکھلائے اور انہیں ان کے رب کی طرف مائل ہونے کی دعوت دے اور اس فریضہ کو جان توڑ کر شب و روز انجام دے پس اگر وُہ صاحب محلات وقصور ہوگا تو وُہ ان محلات میں آرام کرے گا اور اس کے غلام وخدام اس کو لوگوں سے چھپائے رکھیں گے تو کیا اس صورت میں خدا کی رسالت وپیغامبری ضائع نہیں ہو جائے گی۔ اور اس کے امور متعلقہ معطل نہیں ہو جائیں گے۔ کیا تُو نہیں دیکھ رہا ہے کہ جب بادشاہ پردوں میں آرام گزیں ہو جاتے ہیں تو کس طرح ملک میں فسادات ہوتے ہیں اور فسق وفجور جاری ہو جاتے ہیں جن کا انہیں علم ہی نہیں ہوتا۔

اے عبداللہ مخزومی! خدا نے مجھے مبعوث فرمایا ہے اس حالت میں کہ میرے پاس مال و دولت نہیں ہے،

تاکہ وُہ اپنی قدرت و قوت کا تعارف کرائے اور وُہ خود اپنے رسول کا ناصر و مددگار ہوتا ہے لوگوں کی مجال نہیں کہ مجھ کو قتل کر دیں اور پیغامبری سے روک دیں۔ یہی تمہاری عاجزی اور اس کی قدرت کا روشن ثبوت ہے اور انشاء اللہ وُہ عنقریب تم پر مجھے فتح و ظفر عطا کرے گا اور میں تمہارے قتل اور تمہاری اسیری پر قابو حاصل کر لوں گا۔ پھر تمہارے شہروں میں مجھے تسلط حاصل ہوگا اور مومنین کو تم پر غلبہ ہوگا اور تم اور تمہارے ساتھی مغلوب ہوں گے۔

اس کے بعد جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا اے عبداللہ! تم جو یہ کہتے ہو کہ اگر تم نبی ہوتے تو تمہارے ساتھ تصدیق کے لئے فرشتہ ہوتا جس کو ہم سامنے دیکھتے بلکہ اگر خدا کا ارادہ ہوتا کہ ہمارے لئے نبی بھیجے تو وُہ ضرور فرشتہ کو بھیجتا نہ کہ ہماری طرح کا بشر۔ اے عبداللہ! اگر فرشتہ کو بھیجتا تو تمہارے حواس اس کو دیکھ ہی نہ سکتے کیونکہ وُہ ہوا کی جنس سے ہے جو نظر ہی نہیں آتی۔ اور اگر تم اس صُورت میں دیکھتے کہ تمہاری آنکھوں کی طاقت بڑھا دی جاتی تو تم کہہ دیتے کہ یہ تو فرشتہ نہیں ہے بلکہ تم جیسا بشر ہے کیونکہ بہر حال وُہ تمہیں اس وقت نظر آسکتا ہے کہ وُہ بشر کی صورت میں ہو اور تم اس سے محبت کرو تاکہ تم اس کے ہدایات کو سمجھ سکو اور اس کے خطابات و مقصد کی معرفت کر سکو۔ پھر اس حالت میں تم کس طرح اس کی صداقت اور اس کے بیان کی حقانیت کو تسلیم کر سکتے ہو۔

بلکہ خداوند عالم نے اپنا رسُول بشر کو بنا کر بھیجا ہے اور اس کے ہاتھ پر ایسے معجزات کا اظہار کیا ہے جو بشر کی فطری طاقت میں نہیں ہیں۔ تم ان کے قلوب کی فطرت سے واقف ہو اور اسی لئے تم اس کے کمال کے مقابلہ میں اپنا عجز تسلیم کرتے ہو اور یہ کمال ہی خدا کی طرف سے اس کی صداقت کا ثبوت ہے۔

اور اگر کہیں تمہارے سامنے ملک آتا اور اس کے ہاتھ پر وُہ کمال ظاہر ہوتا کہ جس سے بشر عاجز ہوں تو اس صورت میں تمہارے پاس اس بات کا کیا ثبوت ہوتا کہ دیگر تمام اجناس ملائکہ کی فطرت میں یہ کمال نہیں ہے تاکہ تم سمجھ سکتے کہ یہ اس فرشتہ کا معجزہ ہے اور یہی رسُول ہے۔

کیا تم پرندوں کو نہیں دیکھتے ہو کہ ہوا میں اڑ رہے ہیں اور ان کا اڑنا معجزہ نہیں ہے کیونکہ پرندوں کی تمام اجناس اسی طرح اڑتی رہتی ہیں لیکن اگر کوئی آدمی ان کی طرح اڑنے لگے تو یقیناً یہ اس کا معجزہ ہوگا دیکھو خداوند عالم نے تمہارے اس معاملہ کو کتنا آسان کر دیا ہے اور کس عمدگی سے اس نے تمہارے لئے ثبوت اور دلیل کو فراہم کر دیا ہے اور پھر تم بے سوچے سمجھے اس قسم کے تحکمانہ مطالبے کر رہے ہو کہ جو کسی صورت صورت میں بھی دلیل نبوت نہیں ہو سکتے۔

اس کے بعد جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ اے عبداللہ مخزومی تم نے جو یہ کہا ہے کہ تم جادُو کے مارے ہوئے آدمی ہو۔ ذرا بتاؤ میں کس طرح سحر زدہ ہو سکتا ہوں حالانکہ تم خوب جانتے ہو کہ میں تمیز و عقل میں تم سب سے افضل ہوں۔ کیا تم نے پیدائش سے لے کر چالیس سال کی عمر تک میرا تجربہ نہیں کیا ہے

تم نے کبھی مجھ میں ذلت و رسوائی کی کوئی بات دیکھی ہے یا کبھی جھوٹ یا امانت میں خیانت یا لغویات یا لئے دینے میں بے وقوفی دیکھی ہو۔ پھر جب ایک مرد اتنی طویل مدت تک ان تمام عیوب و نقائص سے محفوظ ہو تو کیا یہ اس کی اپنی قوت و طاقت کی وجہ سے ہے؟ یا خداداد طاقت و قوت کی وجہ سے ہے۔ اور خداوند عالم کے اس فرمان کا یہی مطلب ہے جو اُس نے فرمایا ہے:۔

انظر کیف ضربوا لک الامثال فضلوا فلا یستطیعون الیہ سبیلا ○ الیٰ ان یثبتوا علیک عمی بحجۃ اکثر من دعاویھم الباطلۃ التی تبیین علیک التحصیل ببطلانھا۔

اے رسولؐ تم دیکھو انہوں نے کیسے مسخرہ پن کی مثالیں اپنے مطالبات میں پیش کی ہیں۔ پس یہ گمراہ ہو گئے ہیں ان میں طاقت نہیں کہ انہیں ایسا راستہ ملے کہ تمہاری کوئی غلطی نکال سکیں، اور اپنے دعاوی باطلہ کو دلیل و حجت قرار دے کر ثابت کر سکیں اور تم ان کی دلیلوں کا واضح بطلان خود دیکھ لو گے۔

اس کے بعد جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ اے عبداللہ مخزومی تو نے جو یہ کہا ہے کہ "یہ قرآن ان دونوں بستیوں کے کسی عظیم شخص پر کیوں نہیں اُتارا گیا" یعنی ولید بن مغیرہ جو مکہ میں ہے اور عروہ جو طائف میں ہے۔

اے عبداللہ یاد رکھو کہ خداوند عالم مالِ دنیا کو تیری طرح عظمت کی نظر سے نہیں دیکھتا ہے اور نہ تیری طرح اس کے نزدیک یہ کوئی بڑائی کی چیز ہے بلکہ اگر تمام دنیا اس کے نزدیک مچھر کے پر کی برابر بھی ہوتی تو وُہ اس کی محبت میں کسی کافر اور اپنے مخالف کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ دیتا۔

اے عبداللہ مخزومی خداوند عالم نے دُنیا کی تقسیم تیرے سپرد نہیں کی ہے بلکہ وُہ خود اپنی رحمتیں تقسیم کرتا ہے اور وُہ اپنے بندوں اور کنیزوں کے بارہ میں جس طرح چاہتا ہے خود عمل کرتا ہے۔ اور خدا ان میں سے نہیں کہ جو اپنے مال و حال کے لئے خائف ہوتے ہیں جس طرح تو ڈرتا ہے۔ اسی وجہ سے وُہ نبوت کے لئے خود تقرر کا حق رکھتا ہے۔ اور خدا ان میں سے نہیں ہے کہ جو کسی مال میں طمع رکھتے ہیں جس طرح تو طمع رکھتا ہے۔ اسی وجہ سے نبوت کے لئے کسی کو مخصوص کرنے کا حق رکھتا ہے۔ اور نہ وُہ ان میں سے ہے کہ جو کسی نفسانی خواہشات کی وجہ سے محبت کرتے ہیں جس طرح تو محبت کرتا ہے ور نہ وُہ اپنی نفسانی خواہش کی وجہ سے غیر مستحق کو مقدم کر دے۔ اس کا معاملہ تو عدل پر مبنی ہے۔ پس وُہ اپنے عدل کی وجہ سے افضل مراتب دینی کے لئے صرف ایسے ہی مرد کو پسند کر لیتا ہے جو اس کی اطاعت میں اور دین کی خدمت میں سب سے افضل ہو۔ اور اسی طرح مراتب دینی میں صرف ایسے آدمی کو مؤخر کر دیتا ہے جو سب سے زیادہ اس کی اطاعت کو دیگر کاموں سے مؤخر کرے، اور یہ اس کی شانِ بے نیازی ہے۔ تو وُہ لوگوں کے مال اور حال کو نہیں دیکھے گا بلکہ یہ مال اور حال تو اسی کا تفضل ہے

اور بندوں میں کسی کا مقررہ خراج بھی اس پر واجب الادا نہیں ہے۔ لہٰذا اس سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ جب تو نے اس کو مال دیا ہے تو نبوت بھی اسی کو دیدے کیونکہ کسی کو مجال نہیں ہے کہ اس کے ارادہ کے خلاف اُسے مجبور کر سکے اور نہ کسی میں یہ طاقت ہے کہ لازمی طور پر مال دینے کے لئے مغلوب کرے کیونکہ اس نے تو ان کے وجود سے پہلے ہی اپنی نعمتیں جاری کر رکھی ہیں۔

اے عبداللہ مخزومی کیا تو نہیں دیکھ رہا ہے کہ اس نے کسی کو غنی بنایا ہے مگر اس کو بدصورت بھی بنایا ہے اور کسی کو حسین بنایا ہے مگر اس کو فقیر بھی بنا دیا ہے۔ اور کسی کو شریف بنایا ہے مگر اس کو غریب بھی بنا دیا ہے اور کسی کو غنی بنایا مگر اس کو رذیل بھی بنا دیا ہے۔ پھر اس غنی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ مجھے مال کے ساتھ فلاں جیسا حسن و جمال کیوں نہیں دیا اور نہ حسین کو یہ حق ہے کہ مجھے جمال کے ساتھ فلاں جیسا مال کیوں نہیں دیا اور نہ شریف کو یہ حق ہے کہ مجھے شرافت کے ساتھ فلاں جیسا مال کیوں نہیں دیا۔ اور نہ رذیل کو یہ حق ہے کہ مجھے رذالت کے ساتھ فلاں جیسا شرف کیوں نہیں دیا گیا۔ اے عبداللہ یاد رکھو کہ فیصلہ خدا ہی کے اختیار میں ہے وہ جس طرح چاہے تقسیم کرے اور جس طرح جو چاہے کرے۔ وہ حکیم ہے اپنے افعال میں اور محمود ہے اپنے اعمال میں۔ اور اس کا خود یہ ارشاد ہے جبکہ کافروں نے کہا کہ یہ قرآن ان دو بستیوں میں سے کسی عظیم شخصیت والے مرد پر کیوں نہیں اُترا تو اس نے فرمایا:۔

اھم یقسمون رحمۃ ربك نحن قسمنا بینھم معیشتھم فی الحیٰوۃ الدنیا۔

"کیا یہ لوگ (اے محمدؐ) تمہارے رب کی رحمتوں کو تقسیم کرتے ہیں؟ ہم خود زندگانی دُنیا میں ان کے درمیان ان کی معاش کو تقسیم کرتے ہیں"۔ پس خدا نے ہم میں سے بعض کو بعض کا محتاج بنایا۔ کسی کو دوسرے کے مال کا محتاج بنا دیا اور کسی کو اس کے فوائد یا خدمت کا محتاج بنا دیا۔

تو خود دیکھ رہا ہے کہ بڑے سے بڑا بادشاہ اور بڑے سے بڑا امیر محتاج ہے بڑے سے بڑے فقیر کا کسی نہ کسی ضرورت کے لئے۔ یا تو کسی صنعتی چیز کا محتاج ہے یا اس کی خدمت کا محتاج ہے کہ وہ ایسی خدمت کی صلاحیت رکھتا ہے کہ جس کے بغیر بادشاہ اس سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔ یا اس کے علوم و حکمت کا محتاج ہے جو اس فقیر کو حاصل ہیں پس علوم و حکمت سے فائدہ حاصل کرنے میں بادشاہ فقیر کا محتاج ہے، اور مالی فائدہ حاصل کرنے میں فقیر بادشاہ کا محتاج ہے۔ پس معلوم ہوا کہ بادشاہ فقیر کا محتاج ہے فقیر بادشاہ کا محتاج ہے۔ لہٰذا بادشاہ کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ یہ کہے کہ بادشاہت کے ساتھ مجھے علم و حکمت کیوں نہیں ملے۔ اور فقیر کو یہ حق نہیں کہ وہ یہ کہے کہ علم و حکمت کے ساتھ مجھے بادشاہت کیوں نہیں ملی۔ اے عبداللہ پھر خداوند عالم یوں فرماتا ہے:۔

ورفعنا بعضھم فوق بعض درجات یتخذ بعضھم بعضا سخریا۔

یعنی ہم نے بعض کو بلند درجہ دیا ہے بعض کے مقابلہ میں تاکہ بعض لوگ اپنا کام نکالنے کے لئے

بعض کو کام کا معاوضہ ادا کریں۔

اور پھر خداوند عالم نے فرمایا ہے کہ (ورحمۃ ربک خیر مما یجمعون) یعنی "اے محمدؐ تیرے رب کی رحمت ان لوگوں کے مالِ دُنیا جمع کرنے سے بہتر ہے۔

اس کے بعد جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے عبداللہ مخزومی! تم لوگ جو یہ کہتے ہو کہ ہم اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک زمین سے چشمے جاری نہ کر دے وغیرہ وغیرہ۔ تو اے عبداللہ مخزومی! تم لوگوں نے یہ بے سوچے سمجھے غلط مطالبات کئے ہیں۔ ان میں سے ایک مطالبہ کے لئے تم نے خود ہی کہہ دیا ہے کہ اگر ہمارا مطالبہ پورا بھی کر دو گے تو تب بھی ہم ایمان نہیں لائیں گے اور نبوت کو قبول نہیں کریں گے حالانکہ خدا کا سفیر اس بات سے بلند ہے کہ جاہلوں کے جہل سے غمگین ہو کر ایسے دلائل پیش کرنے لگے جو درحقیقت دلیل نبوت ہی نہ بن سکیں۔

اور تم نے بعض ایسے مطالبات کئے ہیں کہ اگر وُہ پورے کر دیئے جائیں تو تم ہلاک ہو جاؤ گے حالانکہ خدا کے سفیر کا تو یہ کام ہے کہ ایسے دلائل و براہین پیش کرے کہ جن کی روشنی میں خدا کے بندے ایمان لائیں اور ہلاکت سے بچ جائیں۔ تم نے بے سوچے سمجھے اپنی ہلاکت کا مطالبہ کیا ہے اور رب العالمین تو اپنے بندوں پر نہایت مہربان ہے اور وُہ اپنے بندوں کو ہلاکت سے بچانے کی تدبیریں خوب جانتا ہے جس کا تم مطالبہ کر رہے ہو

اور ان ہی مطالبات میں سے ایک امر محال کا مطالبہ ہے جس کا پُورا ہونا ممکن ہی نہیں ہے جس کو خدا کا رسُولؐ تمہیں سمجھائے گا اور تمہارے تمام عذر قطع کر دے گا اور تمہاری مخالفت کی راہیں تنگ کر دے گا اور تمہیں خدا کے دلائل و براہین کی تصدیق و تسلیم پر ایسا مجبور کر دے گا کہ اس کے قبول کرنے کے سوا تمہارے لئے جائے فرار اور صورت گریز باقی ہی نہ رہے گی۔

اور ان میں سے ایک مطالبہ ایسا بھی ہے جس کے لئے تُونے خود ہی اعتراف کیا ہے کہ اس کو تُو اپنی سرکشی اور دشمنی کی وجہ سے قبول ہی نہیں کرے گا۔ اور جس شخص کا یہ حال ہو کہ وُہ خدا کی حجت و دلیل کو قبول نہ کرے تو اس کا علاج یا آسمانی آگ ہے یا جہنم ہے یا پھر خدا کے اولیاء کی تلواریں۔

اے عبداللہ مخزومی اب تو اپنے ایک ایک مطالبہ کا جواب سُن لے:۔

تُونے کہا ہے کہ ہم اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک یہ سرزمین مکہ کے سنگریزے اور پتھر صاف کر کے زمین کھود کر نہریں جاری نہ کر دے اور ہر طرف چشمے نہ بہا دے کیونکہ ہمیں اس کی ضرورت ہے۔

اے عبداللہ! تو نے یہ مطالبہ اس لئے کیا ہے کہ تُو خدا کی دلیل و حجت سے ناواقف ہے۔ اچھا یہ بتا اگر میں اَیسا کر دوں، تو کیا میں ایسا کرنے سے نبی بن جاؤں گا۔

اے عبداللہ مخزومی! طائف میں آج تیرے باغات موجود ہیں جہاں پہلے سخت زمین تھی اور سنگریزے

وغیرہ تھے۔ تو نے اس کو صاف کیا اور پھر اس میں نالیاں بنائیں اور زمین کھود کر پانی کے چشمے جاری کئے۔ اور اسی طرح اور لوگ بھی ہیں جنہوں نے تیری طرح زمین کی اصلاح کر کے نہریں بنائی ہیں اور باغ لگائے ہیں۔ تو کیا تو اور وہ لوگ جنہوں نے تیری طرح باغات اور نہریں بنائی ہیں یہ سب نبی بن گئے؟ عبداللہ نے جواب دیا نہیں نبی نہیں بنے۔ تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ پھر تو محمدؐ سے ایسا مطالبہ کیوں کرتا ہے کہ جو پورا بھی کر دیا جائے تو دلیلِ نبوت نہیں بن سکتا۔

اے عبداللہ پھر تیرے مطالبہ کے معیار کے مطابق یہ کہنا درست ہوگا کہ ہم ایمان نہیں لائیں گے جب تک تم زمین پر چل پھر کر نہیں دکھاؤ گے اور ہماری طرح کھانا نہیں کھاؤ گے۔ (یعنی جس طرح تیرے معیار پر نہریں اور باغات دلیلِ نبوت بن سکتے ہیں اسی طرح چلنا، پھرنا، کھانا پینا بھی دلیل نبوت بن سکتا ہے کیونکہ وہ بھی بندہ کے اختیار میں ہے اور یہ بھی۔ مترجم)

اور اے عبداللہ تیرا یہ مطالبہ کہ "انگور اور خرمے کے باغات ہوں جس سے خود بھی کھائے اور ہمیں بھی کھلائے اور ان باغات میں نہریں بہہ رہی ہوں" تو یہ بتا کہ طائف میں لوگوں کے اور خود تیرے اسی قسم کے باغات نہیں ہیں جن کا تو مطالبہ کر رہا ہے۔؟ عبداللہ نے کہا کہ ہاں ایسے باغات ہیں۔ تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تو اس صورت میں نبی بن جائے گا؟ عبداللہ نے کہا نہیں۔

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ پھر تم نے خدا کے رسول سے ایسا مطالبہ کیوں کیا ہے کہ اگر وہ اس مطالبہ کو پورا کر دے تب بھی اس کی نبوت وصداقت کی دلیل نہیں بن سکتا بلکہ اس کا اپنی ہمت سے ایسے کام کر کے دکھانا اس کے کذب ہی کی دلیل ہوگا کیونکہ وہ ایسی چیز کو دلیلِ نبوت بنا رہا ہے جو درحقیقت دلیل نہیں ہو سکتی۔ اور اس غلط دلیل سے کمزور لوگوں کی عقلوں اور اُن کے دین کو دھوکا دیتا ہے۔ اور خدا کا رسول اس سے بلند وبالا ہے کہ لوگوں کو دھوکا دے۔

اس کے بعد جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے عبداللہ مخزومی تو نے جو یہ کہا ہے کہ "یا تم آسمان کے ٹکڑے ہمارے اُوپر اپنے زعم کے مطابق گرا دو"۔ اس کے متعلق خداوند عالم نے فرمایا ہے اور تمہارے قول کا پتہ دیا ہے جیسا کہ خدا فرماتا ہے کہ:

"اگر یہ لوگ آسمان کے ٹکڑے گرتے ہوئے دیکھیں گے تو کہہ دیں گے کہ یہ تو تہہ بہ تہہ ابر ہے"

اے عبداللہ یقین کر لے کہ آسمان کے ٹکڑے تم پر گرنے سے تمہاری ہلاکت اور موت ہوگی۔ کیا تو رسولؐ اللہ سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ خدا کا رسول تجھے ہلاک کر دے حالانکہ خدا کا رسولؐ بہت زیادہ رحم والا ہے اور وہ کسی کو ہلاک کرنے نہیں آیا ہے بلکہ وہ خدا کی حجت ودلیل پیش کرنے آیا ہے اور خدا کے دلائل وبراہین جو اس نے اپنے نبی کو دیئے ہیں وہ تمہارے بے سوچے سمجھے مطالبات کے مطابق نہیں ہیں کیونکہ تمہیں علم نہیں ہے کہ کون سی چیز اصلاح کے لئے مناسب ہے اور کون سی چیز فساد کی وجہ سے نامناسب ہے۔ مطالبات

اکثر مختلف اور متضاد ہوتے ہیں جن کا وجود و وقوع امر محال ہوتا ہے۔ خدائے عزوجل تمہارے لئے طبیب ہے اس کی تدبیر ایسی نہیں ہو سکتی جس سے امر محال لازم آئے۔

اس کے بعد جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ اے عبداللہ کیا تو نے کبھی یہ دیکھا ہے کہ طبیب کی دوا مریض کے بے سمجھے مطالبہ کے مطابق ہو۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ طبیب وہ دوا دیتا ہے جس میں مریض کا فائدہ ہو خواہ مریض اس کو پسند کرے یا نہ کرے۔ پس تم لوگ درحقیقت مریض ہو اور خدا تمہارا طبیب ہے۔ لہٰذا اگر تم نے اس کی مجوزہ دوا کو استعمال کیا تو وہ تمہیں شفا عطا کرے گا۔ اور اگر تم نے سرکشی کی تو وہ تمہیں بیمار ہی چھوڑ دے گا۔

اے عبداللہ اس کے علاوہ تو نے کیا کبھی یہ دیکھا ہے کہ کوئی شخص اپنے حق کا دعوےٰ کسی پر کرے تو حاکم کیا اس کو مجبور کرے گا کہ اپنا ثبوت مدعا علیہ کی مرضی اور اس کے بے سوچے سمجھے مطالبہ کے مطابق پیش کرے؟ اگر ایسا رویہ اختیار کیا جائے تو پھر نہ کسی کا کوئی دعویٰ ثابت ہوگا اور نہ حق و باطل میں اور نہ ظالم و مظلوم میں کوئی فرق ہو سکے گا، اور نہ جھوٹا اور سچا معلوم ہو سکے گا۔ اور اے عبداللہ تو نے جو یہ کہا ہے کہ "خدا اور فرشتوں کو ہمارے سامنے ضامن بنا کر لاؤ تاکہ ہم انہیں دیکھیں" یہ مطالبہ تو قطعاً ایک امر محال ہے۔ اور یہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ خداوند عالم ہرگز مخلوق کی طرح نہیں ہے کہ آئے اور جائے اور حرکت کرے اور کسی شے کے سامنے آئے تو پھر اس کو کس طرح لایا جا سکتا ہے۔ تم نے اپنے اس مطالبے میں امر محال کا سوال کیا ہے۔ یہ صفت تو تمہارے کمزور اور ناقص بتوں کی ہے جو نہ سنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں اور نہ کچھ جانتے ہیں اور نہ تمہیں اور نہ کسی اور کو مستغنی کر سکتے ہیں۔

اس کے بعد آپؐ نے فرمایا اے عبداللہ! کیا تمہارا مال و متاع اور باغات اور مکانات اور ساز و سامان اور جائیداد مکہ میں نہیں ہے اور اس سب کے انتظام کے لئے تمہارے نمائندے مقرر نہیں ہیں؟ عبداللہ نے کہا کہ ہاں سب کچھ ہے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ کیا تو اپنی اس تمام جائیداد کی دیکھ بھال خود کرتا ہے یا کوئی اپنا سفیر مقرر کیا ہے جو تیرے اور تیری جائیداد کے پٹہ دار اور مزارعین اور نوکروں وغیرہ کے درمیان تیری مرضی کے مطابق خدمت انجام دیتا ہے؟ عبداللہ نے کہا کہ ہاں میں نے سفیر مقرر کئے ہیں۔

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اگر تیرے پٹہ دار اور ہل چلانے والے مزارع اور نوکر وغیرہ تیرے سفیر سے کہیں کہ ہم تیری سفارت کو تسلیم نہیں کرتے تو اپنے مالک عبداللہ بن ابی امیہ مخزومی کو ہمارے سامنے لا تاکہ ہم اس سے بالمشافہ باتیں کریں اور خود اس کی زبانی معلوم کریں کہ تو اس کا سفیر ہے یا نہیں تو کیا تو ان کی اس بات کو پسند کرے گا؟ یا ان کے لئے یہ مطالبہ تیری نظر میں مناسب ہوگا؟ عبداللہ نے کہا نہیں۔

آنحضرتؐ نے فرمایا پھر اس صورت میں تیرے سفیر کے لئے کیا چیز لازمی ہوگی کیا اس کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وُہ سفیر تیری طرف سے ایک ایسی صحیح نشانی لے جائے کہ جو تیری عطا کردہ سند ہونے کی دلیل ہو، اور سفیر کی صداقت کا مکمل ثبوت ہو اور ان لوگوں پر واجب ہو جائے کہ وُہ اس کی تصدیق کریں۔ عبداللہ نے کہا ـــــ "ہاں"۔

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اے عبداللہ اگر تیرا سفیر ان لوگوں کی باتیں سُن کر تیرے پاس آجائے اور تجھ سے کہے کہ اے عبداللہ کھڑا ہو، میرے ساتھ چل، وُہ لوگ مطالبہ کر رہے ہیں کہ عبداللہ کو ساتھ لاؤ تو اس صورت میں وُہ سفیر تیرا نافرمان نہیں ہوگا اور کیا تُو اس سے نہیں کہے گا کہ اے شخص تُو میرا سفیر ہے مشیر نہیں ہے اور نہ تُو میرا حاکم ہے۔ عبداللہ نے کہا کہ ہاں ٹھیک ہے۔

اس اقرار کے بعد آپؐ نے فرمایا کہ اے عبداللہ پھر تجھے یہ حق کس طرح پہنچتا ہے کہ تو خدائے رب العالمین کے سفیر سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ خدا کو ہمارے سامنے لاؤ جب کہ تُو اپنے لئے پسند نہیں کرتا کہ تیرے نوکر اور ملازم اور پٹہ دار تیرے سفیر سے مطالبہ کریں کہ عبداللہ کو سامنے لاؤ۔ اور تُو نے کس طرح یہ خواہش کہ رب العالمین کا سفیر اپنے رب کے پاس جا کر داخلہ کی جرأت کر کے اس کو امر و نہی کرے جبکہ تو اپنے لئے ایسی بات پسند نہیں کرتا ہے کہ تیرا سفیر تجھے ایسا کہہ سکے۔

اے عبداللہ یہ وُہ دلیل قاطع ہے کہ جس کے بعد مزید تفصیل کی ضرورت نہیں ہے۔

اس کے بعد آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اے عبداللہ تُو نے جو یہ کہا ہے کہ تمہارے پاس سونے کے مکان ہوں تو کیا تجھے معلوم نہیں ہے کہ مصر میں ایک عظیم الشان شخص کے سونے کے مکان موجود ہیں؟ عبداللہ نے کہا کہ جی ہاں معلوم ہے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ کیا وہ اس مکان زرنگار کی وجہ سے نبی بن گیا؟ عبداللہ نے کہا نہیں۔ پھر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اگر محمدؐ کا بھی اسی طرح کا مکان ہوتا تو کیا وُہ بھی نبی بن سکتا تھا۔ پھر محمدؐ کس طرح خدا کے دلائل کے مقابلہ میں تمہاری جہالت کے مطالبہ کو غنیمت سمجھ سکتا ہے۔

اس کے بعد حضرتؐ نے فرمایا کہ اے عبداللہ تُو نے جو یہ کہا ہے کہ آسمان پر چڑھ کر دکھاؤ اور پھر یہ بھی کہا ہے کہ اگر تم آسمان پر چڑھ بھی گئے تب بھی ہم ایمان نہیں لائیں گے جب تک تم ہمارے اُوپر کتاب نہ اُتار دو جس کو ہم پڑھیں گے۔ اے عبداللہ آسمان پر چڑھنا زیادہ مشکل ہے بہ نسبت اترنے کے اور تو خود اعتراف کرتا ہے کہ اگر چڑھ بھی گئے تو ایمان نہیں لائیں گے۔ اور پھر اسی طرح اُترنے پر بھی تُو ایمان نہیں لائے گا۔ اس کے بعد تُو نے کہا ہے کہ ہم پر کتاب اتار دو جس کو ہم پڑھیں گے۔ اور اس کے بعد یہ کہتا ہے کہ ہمیں معلوم نہیں کہ ہم ایمان لائیں گے یا نہیں لائیں گے۔ پس اے عبداللہ تو خود اقرار کر رہا ہے کہ تُو خدا کے دلائل و براہین سے عناد رکھتا ہے لہٰذا ایسے آدمی کی دوا بس یہی ہے کہ خداوند عالم اپنے اولیاء کے ذریعہ یا اپنے ملائکہ محافظین

کے ذریعہ تیری تادیب کرے۔

حالانکہ خداوند عالم نے مجھ پر ایک ایسی حکمتِ بالغہ نازل کی ہے جو تمام مطالبات کے باطل کرنے پر حاوی ہے۔ اور مجھے حکم دیا ہے کہ اے محمدؐ کہو

سُبۡحَانَ رَبِّیۡ هَلۡ كُنۡتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوۡلًا ۝

"خدا ہر عیب سے پاک اور اس سے اجل وارفع ہے کہ وہ جاہلوں کے جاہلانہ ناجائز مطالبات پر عمل کرے اور نہیں ہوں میں مگر صرف بشری شکل میں رسولؐ" یعنی میں اس کا رسول بشری شکل میں ہوں۔ مجھ پر لازم ہے کہ اس کی عطا فرمودہ دلیل وحجت پیش کروں۔ اور میں چونکہ سفیر ہوں اس لئے مجھے یہ حق نہیں ہے کہ میں اپنے رب پر حکم چلاؤں اور اُسے کسی چیز سے رد کوں اور نہ یہ حق ہے کہ اس کو میں مشورہ دوں اور اس سفیر کے مانند ہو جاؤں کہ جس کو کسی بادشاہ نے اپنے مخالفوں کے پاس بھیجا ہو اور وہ اپنے بادشاہ کے پاس واپس آکر اس کو حکم دے کہ اے بادشاہ تو اپنی مخالف قوم کے جائز وناجائز مطالب کو پورا کر۔

یہ سن کر ابوجہل لعین نے کہا کہ اے محمدؐ ایک بات رہ گئی ہے اور وہ یہ کہ تمہارا یہ خیال تو نہیں ہے کہ قوم موسیٰ نے نزول برق کا مطالبہ کیا تھا جبکہ انہوں نے کہا تھا کہ اے موسیٰ تم خدا کو علانیہ طور پر دکھادو پس اگر تم نبی ہو تو ہم ضرور جل جائیں گے یعنی ہم پر بجلی ضرور گرے گی۔ کیونکہ ہم نے قوم موسیٰ سے بھی زیادہ شدید سوال کیا ہے۔ کیونکہ ان کا تو خیال ہی خیال تھا اور انہوں نے کہہ دیا کہ ہمیں خدا کو ظاہر بظاہر دکھادو۔ مگر ہم تو صاف صاف کہہ رہے ہیں کہ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک تم خدا اور ملائکہ کو ضامن بنا کر ہمارے سامنے حاضر نہیں کردگے کہ جس کا ہم خود معائنہ کریں گے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اے ابوجہل تجھے حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کے قصہ کا علم نہیں ہے جبکہ ان کو اٹھا کر ملکوت میں پہنچایا گیا جیسا کہ میرے پروردگار کا ارشاد ہے:۔

وكذالك نرى ابراهيم ملكوت السمٰوٰت والارض وليكون من الموقنين

اور اسی طرح ہم نے ابراہیمؑ کو آسمانوں اور زمین کے پوشیدہ مملوکات اور قوتیں دکھائیں تاکہ وہ موقنین (عین الیقین والوں) میں شمار ہوں"۔

خدا نے ان کی بصارت میں قوت عطا کر دی جبکہ ان کو آسمان کے نیچے بلند کر دیا یہاں تک کہ انہوں نے زمین اور زمین کی ظاہر و پوشیدہ چیزوں کو دیکھا۔ پس انہوں نے ایک مرد اور ایک عورت کو کارِ بد کرتے دیکھا تو دعائے بد ان کی ہلاکت کے لئے کی اور وہ دونوں ہلاک ہو گئے۔ پھر دو اور دیکھے ان کے لئے بھی ہلاکت کی دعائے بد کی وہ بھی ہلاک ہو گئے۔ پھر دو اور بھی دیکھے ان کے لئے بھی دعائے بد کی وہ بھی ہلاک ہو گئے۔ اس کے بعد دو اور دیکھے اور پھر دعائے بد کا ارادہ کیا ہی تھا کہ خداوند عالم نے وحی کی کہ اے ابراہیم میرے بندوں

اور میری کنیزوں کے لئے دُعائے بد روک دو۔ میں خود غفور و رحیم ہوں اور جبار و بردبار ہوں مجھے بندوں کے گناہ ضرر نہیں پہنچا سکتے جس طرح ان کی اطاعت مجھے فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ اور میں ان کے معاملات کی تدبیر اپنے غیظ و غضب کو ٹھنڈا کرنے کے لئے نہیں کرتا ہوں جس طرح تم نے تدبیر کی ہے۔ تم اپنی دعائے بد کو میرے بندوں اور کنیزوں کے متعلق روک لو۔ کیونکہ تم ڈرانے والے عبد ہو تم میرے شریک نہیں ہو۔ اور تم مجھ پر اور میرے بندوں پر حاکم و نگران نہیں ہو۔ میرے بندے میرے ساتھ تین قسم کا تعلق رکھتے ہیں۔ یا تو وُہ ہیں جو گناہوں سے توبہ کر لیتے ہیں اور میں توبہ قبول کر لیتا ہوں اور ان کے گناہوں کو معاف کر دیتا ہوں اور ان کے عیبوں کی پردہ پوشی کرتا ہوں یا میں خود ان پر اپنا عذاب اس لئے روک لیتا ہوں کہ ان کی صلب میں ایسی ذریت ہے جو مومن ہونے والی ہے۔ اور میں ان کے کافر والدین کے ساتھ نرمی کا سلوک کرتا ہوں اور عذاب کو ان سے ہٹا دیتا ہوں تاکہ یہ مومنین ان کی صلب سے نکل آئیں۔ جب یہ مومنین ان سے جُدا ہو جاتے ہیں تو پھر عذاب کر دیتا ہوں اور میری بلائیں ان کو گھیر لیتی ہیں۔ اور اگر وُہ وجہ بھی نہ ہو اور یہ وجہ بھی نہ ہو تو تیسری بات یہ ہے کہ میں نے ان کے لئے آخرت میں وُہ عذاب مہیا کیا ہے جو تمہارے ارادۂ ہلاکت سے عظیم تر ہے۔ کیونکہ میرا عذاب میرے جلال اور میری کبریائی کے مطابق ہوتا ہے۔ اے ابراہیم! تم میرے اور میرے بندوں کے درمیان کوئی مداخلت نہ کرو کیونکہ میں جبار بھی ہوں اور صاحبِ حوصلہ بھی۔ اور علیم بھی ہوں اور صاحبِ حکمت بھی۔ میں ان کی تدبیر اپنے علم کے مطابق کرتا ہوں اور اپنے فیصلے نافذ کرتا ہوں۔

اس کے بعد آنحضرتؐ نے فرمایا اے ابو جہل! تجھ پر بجلی کا عذاب اس لئے نہیں آیا ہے کہ تیری پشت سے عنقریب نیک اولاد ظاہر ہونے والی ہے۔ ایک تیرا بیٹا عکرمہ ہے جو مسلمانوں کے معاملات کا انتظام کرے گا اور جب تک وُہ خدا کا فرمانبردار رہے گا اس وقت تک خدا کے نزدیک عزت دار رہے گا۔

اے ابو جہل! اگر یہ بات نہ ہوتی تو تجھ پر عذاب نازل ہو جاتا اور تیری ہی طرح ان تمام قریشیوں کا حال ہے جو اس قسم کے سوال کر رہے ہیں۔ ان کو بھی اسی لئے عذاب سے مہلت دی گئی ہے کیونکہ خدا کو علم ہے کہ ان میں سے کچھ مومن ہو جائیں گے اور انہیں سعادتِ ایمان نصیب ہو گی۔ کیونکہ خدا اس سعادت کو ان کے لئے قطع کرنا نہیں چاہتا اور نہ وُہ بخل کرتا ہے۔

اور یا ان کی اولاد میں مومن ہونے والے ہیں اس لئے خدا نے باپ کو بچایا ہوا ہے کہ اس کے بیٹے کو سعادت نصیب ہو جائے اور اگر یہ مصلحت نہ ہوتی تو تم سب پر عذاب نازل ہو جاتا۔

اس کے بعد آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ذرا آسمان کی طرف دیکھ۔ اس نے نظر کی تو کیا دیکھا کہ دروازے آسمان کھُلے ہوئے ہیں اور آتش نازل ہو رہی ہے جو ان تمام لوگوں کے سروں کی طرف مائل ہو رہی ہے اور ان کے بالکل نزدیک آتی جا رہی ہے یہاں تک کہ انہوں نے اس کی حرارت کو محسوس کر لیا کہ ان کے کاندھوں تک پہنچ چکی ہے

بس اب کیا تھا کہ ابو جہل اور اس کی تمام جماعت کے باز دتھرانے لگے۔
جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا ڈرو نہیں۔ خدا تمہیں اس آگ سے ہلاک نہیں کرے گا۔ یہ معجزہ تو تمہاری عبرت کے لئے ظاہر کیا گیا ہے۔ ابھی کچھ دیر نہ گذری تھی کہ ان کی پشتوں سے انوار نکلنے لگے اور وہ اس آگ کے مقابلہ میں آگئے اور آگ کو رفع دفع کرنے لگے یہاں تک کہ اس آگ کو واپس آسمان کی طرف اسی طرح لوٹا دیا جس طرح وہ آئی تھی۔ جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا کہ ان انوار میں سے بعض نور تو اُن کے ہیں جن کو خدا جانتا ہے کہ وہ ایمان کی سعادت حاصل کریں گے اور کچھ انوار تم ہی میں سے بعض ان لوگوں کی ذرّیت کے ہیں جو خود تو ایمان نہیں لائیں گے مگر ان کی اولاد مومن ہوگی۔

سرکارِ دو عالمؐ کے جوابات کے نتائج

ہم نے مکمل طور پر جناب رسالتمآبؐ کا مناظرہ تحریر کر دیا ہے اس سے ہماری تحقیق لفظ "معجزہ" کی پوری پوری تائید ہوتی ہے۔ یعنی یہ امر واضح ہو گیا کہ اصطلاحی معجزہ کا وجود خال خال ہوتا ہے اور وہ مد مقابل کے مطالبہ کے وقت دکھایا جاتا ہے اور وہ سفارت کی سند کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ اس میں سفیر خدا کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ وہ صرف سند کا اظہار کرنے پر مامور ہوتا ہے۔ نہ وہ اس کو تبدیل کر سکتا ہے اور نہ مبعوث الیہم کے (جن کی طرف سفیر بنا کر بھیجا گیا ہے) اعتراضات اور جاہلانہ مطالبات سے متاثر ہوتا ہے کیونکہ وہ اپنے بھیجنے والے پر کامل ایمان رکھتا ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں، اس سے بڑھ کر کوئی حکیم نہیں۔ اس سے بڑھ کر کوئی قادر نہیں۔ اس نے جو سند تجویز فرمائی ہے اور سفیر کو دے کر بھیجا ہے یہی درست ہے۔ اور ناقابل اعتراض ہے اور اس میں کسی تبدیلی کا خیال بھی ایمان سے خروج ہے۔ خواہ کوئی قبول کرے یا نہ کرے۔ مگر سفیر کو یہ حق نہیں ہے کہ اپنے مرسل کو کوئی مشورہ دے کیونکہ یہ اقدام عہدہ سفارت کے بالکل خلاف ہے۔

لہٰذا جناب رسالتمآبؐ مخالفین کے جواب میں صرف یہی فرما سکتے تھے کہ میں تو خدا کا سفیر ہوں اور بس کیونکہ مخالفین کے کسی بھی اعتراض یا مطالبہ سے متاثر ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ خدا کی تجویز کو ناقص سمجھا گیا ہے۔ اسی لئے جناب رسالتمآبؐ نے ان سب کا جواب حسب ارشادِ قدرت یہی دیا ہے "سُبْحَانَ رَبِّي" یعنی خداوند عالم ہر نقص و عیب سے بری ہے وہ غلط یا ناقص سند تجویز نہیں کر سکتا۔
لہٰذا جو مخالف کسی نئی سند کا مطالبہ کرے گا یا اس سند میں کوئی نقص سمجھے گا یا کوئی مؤلف ان مخالفین کے مطالبات کو کوئی اہمیت دے گا اس نے درحقیقت خدا کی ذات میں نقص و عیب کو تجویز و تسلیم کر لیا۔ لہٰذا اب یہ کہنا کہ "اگر رسُول میں کوئی قوت ہوتی اور کوئی کمال ذاتی ہوتا تو وہ اپنی طاقت کا مظاہرہ کر کے کافروں کا مُنہ بند کر دیتے اور ان کے مطالبات کو پُورا کر کے ان کو شکست دے دیتے"۔ یہ انتہائی جہالت پر

مبنی ہے اور خداوند عالم کی ذات میں نقص و عیب تسلیم کرنے کی دلیل بیّن ہے۔

لہٰذا مؤلف کا یہ دعوے کہ رسُول میں کوئی قوت نہ تھی اور نہ کوئی کمال تھا بلکہ وُہ مجھ کی طرح تھے، انتہائی جہالت اور انتہائی جنون و عناد کی دلیل ہے کیونکہ یہ سفارت کے معنی اور سفیر کے حدود ہی کو نہیں سمجھتے۔ بلکہ ان کا یہ اعتراض دلالت کرتا ہے کہ خدا میں نقص و عیب کے قائل ہیں اور خدا کی سبحانیت کے منکر ہیں۔

اسی طرح مؤلف کا یہ سمجھنا کہ "وُہ ایک عاجز بشر تھے اور ہماری نوع کے تھے اس لئے وُہ کوئی کمال نہ دکھا سکے اور صرف اپنی بشریت کا اظہار کر کے اپنا عجز ظاہر کر دیا"۔ بندہ خدا! وُہ اپنی سفارت کے حدود میں رہے اور جاہلانہ مطالبہ کو قبول نہیں کیا۔ یہ بھی اِن لوگوں کی انتہائی نافہمی کا ثبوت ہے کیونکہ خدا کی اس تجویز پر اعتراض ہے کہ اس نے بشریت کو سفارت کے لئے کیوں تجویز کیا۔ اسی لئے مؤلف نے اس بشریت کو اپنی نوع کی طرح سمجھ کر رسُول کو عاجز اور مجبور بنا دیا حالانکہ بشریت صرف تعلیم اور ہدایت و ارشادِ نوعِ بشر کی وجہ سے خدا نے تجویز کی تھی نہ کہ بشر کی عاجزی کا مظاہرہ مقصود تھا جیسا کہ مؤلف سمجھے ہیں۔ اور اسی لئے خدا نے صرف بشریت کا اظہار نہیں کرایا بلکہ یہ فرمایا کہ "یہ بشری صورت میں رسُول ہیں" نہ کہ صرف بشر ہیں اور اسی لئے آنحضرت صلعم نے مخالفین کی جماعت پر آگ نازل کر کے اور اُن کے سروں تک پہنچا کر اُن کے اس خیالِ ناقص کو باطل کر دیا کہ یہ صرف ہماری طرح کے عاجز و بے بس بشر ہیں۔

لہٰذا مؤلف کو مفہومِ سفارت سمجھنے کی کوشش کرنا چاہئے اور بشریت کی غرض و غایت کو معلوم کرنا چاہئے اور اپنی نافہمی اور جہالت سے رسُول کو کافروں کے مطالبات پُورے نہ کرنے کی وجہ سے عاجز و بے بس نہیں کہنا چاہئے۔

اسی طرح مؤلف صاحب کا یہ کہنا کہ نبوت و امامت اسی طرح ایک عارضی چیز ہے جس طرح فقیری اور امیری ان کی حماقت کی دلیل بیّن ہے۔ کیونکہ آنحضرتؐ نے یہ مثالیں تو صرف خدا کے آزادانہ اختیار کے ثبوت میں پیش کی ہیں کہ خداوندِ عالم کو اختیار ہے جس کو جیسا چاہے بنا دے۔ اس میں کسی کو دخل نہیں ہے اور نہ اس پر اعتراض کرنے کا حق ہے کہ فلاں کو غنی کیوں بنایا مجھے کیوں نہ بنایا۔ اور فلاں کو شریف کیوں بنایا مجھے کیوں نہ بنایا۔

اسی طرح اس کو اختیار حاصل ہے جس کو چاہے اپنا سفیر بنا دے اور جس کو چاہے نہ بنائے۔ لہٰذا خدا کے اختیار میں کسی کو دخل نہیں ہے کہ اس پر اعتراض کرے کہ بشری شکل میں کیوں سفیر بنایا اور غریب آدمی کو کیوں بنایا کسی فرشتہ کو سفیر بنا کر کیوں نہیں بھیجا اور کسی امیر کبیر کو اپنی سفارت کا عہدہ کیوں نہ دیا۔ جنابِ رسالتمآبؐ نے مکرر، سہ کرر مثالیں دے کر خدا کے اختیارِ کلی کا اظہار فرمایا ہے۔ مگر مؤلف صاحب ان مثالوں کی غرض و غایت باوجود وضاحت کے بھی نہیں سمجھے اور رسالت کو ایک عارضی عہدہ سمجھنے لگے۔ حالانکہ آنحضرتؐ نے یہ بھی مثالیں دے کر سمجھایا کہ معجزہ بشری فطرت میں داخل نہیں ہے ورنہ معجزہ ہی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ایک پرندہ اگر ہوا میں اُڑتا ہے تو وُہ پرندوں کے لئے معجزہ نہیں ہے کیونکہ پرندوں کی تمام قسمیں اُڑتی ہیں

ہاں اگر کوئی آدمی اُڑنے لگے تو وُہ بشر کے لئے معجزہ ہو گا کیونکہ بشر کی فطرت میں اُڑنا داخل نہیں ہے۔

جناب رسالتمآبؐ کے اس بیان سے بالکل واضح ہو گیا کہ طبائع بشر میں قوت معجزہ نہیں ہے کیونکہ نبی جب معجزہ دکھاتا ہے تو بشر اس کو اس لئے قبول کرتا ہے کہ اس کے طبائع میں یہ قوتِ اعجاز نہیں ہے اور اسی لئے وُہ اپنی عاجزی کا اعتراف کر لیتا ہے لہٰذا بشریت کے ساتھ کمال رسالت و امامت کو ملانے کے بعد معجزہ کی قوت عطا ہوتی ہے جو خالص بشر میں نہیں ہوتی ہے۔ لہٰذا منبعِ اعجاز کمال نبوت و امامت ہوتا ہے اور معجزہ اس کمالِ ذاتی اور جوہرِ ذاتی کا اثر قرار پاتا ہے جس کی وجہ سے نبوت ملی ہے۔

موٴلف کو توجہ کرنا چاہئے کہ آثار اعجاز کا ظہور ایسی قوت کا نتیجہ ہے جو عارضی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ عرض کا قیام بغیر جوہر محال ہے۔ اور اگر عارضی طور پر ظہورِ اعجاز ہو گا اور یہ طاقت وقتی طور پر دی جاتی ہو گی، تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ جس پر بھی ظہورِ معجزہ ہو گا وُہ صاحبِ معجزہ ہو گا اور اس کو نبی یا امام تسلیم کرنا پڑیگا یا کم از کم ولی کا درجہ تو ضرور ہی دینا پڑے گا۔ لہٰذا جن اشیاء سے تعلق خرق عادت ہو گا وُہ چیز مظہر معجزہ اسی طرح ہو گی جس طرح نبی یا امام۔ کیونکہ نبی یا امام بھی اس صورت میں مظہر یا لجبر ہے اور یہ اشیاء بھی مظہر یا لجبر ہیں۔ نہ اس میں ذاتی قوتِ اعجاز ہے اور نہ ان اشیاء میں اور فاعل ظہور دونوں کے لئے یکساں طور پر خدا ہے لہٰذا جس چیز سے بھی خرق عادت ظاہر ہو گا وُہ اس کا اختیاری فعل نہیں ہو سکتا۔ اور جب اختیاری نہیں ہے اور خدا نے اس کو ظہور خرق عادت کے لئے مظہر بنایا ہے اور وُہ صرف بے اختیار مظہر ہے جس طرح نبی بے اختیار مظہر ہے اسی طرح یہ چیز بھی بے اختیار مظہر ہے تو پھر موٴلف کی نگاہ میں دونوں قابلِ مدح نہیں ہو سکتے کیونکہ مدح و ذم کا تعلق صرف اختیاری فعل کے ساتھ ہوتا ہے نہ کہ جبری افعال کے ساتھ۔ اسی لئے آپ آگ کے جلانے کی صفت کا قصیدہ آگ کی شان میں نہیں پڑھتے کیونکہ جلانا اس کا جبری فعل ہے۔ اور اسی طرح آپ سانپ اور بچھو کے لئے ان کے کاٹنے کے فعل پر ہجو نامہ نہیں پڑھ سکتے کیونکہ اس کا ڈنگ مارنا اور اس کا ڈسنا اس کا اختیاری فعل نہیں ہے بلکہ جبری ہے اور یہ وُہ عقلی نظریہ ہے کہ جس کو صبیان بھی سمجھتے ہیں۔

لہٰذا جس پر ظہور معجزہ ہو گا وُہ ہرگز قابل مدح نہیں ہو سکتا۔ مگر ہم دیکھتے ہیں اور موٴلف صاحب خود بھی دیکھ رہے ہیں کہ انبیاء و آئمہ طاہرین علیہم السّلام اور اولیاء کرام کی عظمتیں اور ان کی فضیلتیں انہی معجزات کے ذریعہ بیان کی جا رہی ہیں اور ان کے درجات انہی کمالات کے ذریعہ قائم کئے جا رہے ہیں۔ اور کافروں نے ان ذواتِ مقدسہ سے انہی کمالات کا مطالبہ کیا ہے اور آئمہ طاہرین علیہم السّلام نے ان ہی آثار کو معیار فضیلت قرار دیا ہے جیسا کہ ہم ائمہ طاہرین کے احادیث متواترہ سے پیش کریں گے۔ اب اگر موٴلف صاحب کا اصُول تسلیم کر لیا جائے تو مٹی جو پرند بن کر اُڑنے لگی اس میں اور حضرت عیسےٰ علیہ السّلام میں کیا فرق ہے۔ مظہر خرق عادت ہونے کی وجہ سے نبی کیوں نہیں بنی۔ اور اسی طرح وُہ سنگریزے جنہوں نے تسبیح پڑھی اور مظہر خرق عادت بنے اُن میں اور حضرت رسالتمآبؐ میں کیا فرق ہے۔ وُہ مظہر خرق عادت کی وجہ سے نبی کیوں نہیں بنے۔ عصائے موسٰی علیہ السّلام

اژدہا بن کر مظہر خرق عادت بنا مگر نبی نہیں بنا۔ ناقہ نبی سے باتیں کر کے نبی نہیں بنا۔ ماہتاب دو ٹکڑے ہو کر نبی نہیں بنا۔ آفتاب اپنی رجعت سے نبی نہیں بنا حالانکہ ان سب پر ظہور خرق عادت ہوا۔

لہٰذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ نبی یا امام با اختیار مظہر تھے، اور یہ اشیائے مذکورہ بے اختیار مظہر تھیں۔
اور جب افعال کا صدور کسی با اختیار سے ہوتا ہے تو وہی اس کا فاعل قرار پاتا ہے؛ اور پھر مدح و ذم کا تعلق اُسی سے ہوتا ہے۔

اس حقیقت کے انکشاف کے بعد تسلیم کرنا پڑے گا کہ قوت معجزہ کا خالق خدا ہے اور اس کا فاعل نبی یا امام ہے یعنی اس کے ہاتھوں سے ظاہر ہوتا ہے اور اسی لئے وُہ قابل مدح وستائش ہے ورنہ دیگر اشیاء جو مظاہرِ اعجاز بنے ہیں ان میں اور انبیاء و آئمہ طاہرین میں کوئی فرق نہیں ہو سکتا۔ اب تک تو ان مولف صاحب نے ان ذوات مقدسہ کو مچھر اور مکھی کے برابر سمجھا تھا لیکن ہماری اس تحقیق کے بعد بھی اگر ضد پر اڑے رہے تو ان ذوات مقدسہ کو سنگریزوں اور درختوں اور جانوروں کے مقابلہ میں لے آئیں گے کیونکہ ظہور خرق عادت میں یہ سب مساوی ہیں۔

مولف صاحب کو نصیحت کی جاتی ہے کہ ان اشیاء سے ظہور خرق عادت ان کا کمال ذاتی نہیں ہے اور نہ ان کے اختیار میں ہے بلکہ کسی دوسری طاقت نے مجبور کیا ہے اور اسی لئے ان افعال کے ظہور کی وجہ سے ان کی مدح وثنا نہیں کی جاتی یعنی عصائے موسیٰؑ اور سنگریزوں اور درختوں، آفتاب و ماہتاب کے قصیدے نہیں پڑھے جاتے ہیں۔ کیونکہ کوئی مجبور قابل مدح و ذم نہیں ہوتا ہے بلکہ جس نے اپنے کمال سے ان امور کا اظہار کیا ہے وُہ قابل مدح اور لائق ثنا ہو گا۔

اب اگر نبی یا امام کو بھی مجبور تسلیم کر لیا جائے گا تو اس کے افعال معجزانہ کا ظہور بلا اختیار ہو گا تو نبی اپنے معجزات میں اسی صف میں شمار ہو گا جس صف میں سنگریزے اور درخت ہیں حالانکہ عقل و قرآن اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ انبیاء و آئمہ علیہم السلام کے افعال معجزانہ ان کے فضائل میں محسوب ہیں۔ کیونکہ ان کے کمال ذاتی کے آثار ہیں اور اسی لئے قابل مدح وستائش ہیں۔ ان کے شق القمر اور رجعتِ شمس اور قلع خیبر اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے احیاء موتیٰ اور ابرائے اکمہ و ابرص اور خلق طیر اور حضرت داؤدؑ کے نرمیٔ آہن اور حضرت سلیمانؑ کے منطق الطیر اور تسخیر ہوا اور اطاعتِ جن و انس و وحش و طیر کو ان کی مدح وثنا کا اہم باب قرار دیا گیا ہے۔

لہٰذا علی الرغم تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ حضرات با اختیار فاعل ہیں اور ان کی قوتوں کا خالق خدا ہے اور یقیناً خدا ہے۔ اور یہ قوت اعجاز وقتی و عارضی نہیں ہے بلکہ کمال ذاتی ہے جس سے ظہور خرق عادت ہوتا ہے۔
اب اگر خالق و معطی قوت کو فاعل حقیقی گردانا جائے اور خداداد قوتوں کے استعمال کرنے والوں کو مجازاً فاعل قرار دیا جائے تو تمام بندگانِ خدا جن کو قوتِ فعل خدا نے عطا کی ہے اور تمام افعالِ خیر و شر، نیک و بد، نماز و زنا،

صوم و شراب سب اسی خداداد قوت کے آثار ہیں تو ان تمام افعال کا فاعل حقیقی خداوند عالم قرار پائے گا اور بندگانِ خدا "من باب المجاز" فاعل قرار پائیں گے۔

پھر اس صورت میں سزا و جزا کا مستحق کون ہوگا فاعلِ حقیقی یا فاعلِ مجازی؟ خدارا قوم پر رحم کیجئے اور اپنے لفظ "من باب المجاز" کو اپنے مدارس ہی میں رکھئے تاکہ آپ کے مدارس بقعۂ نور بن جائیں اس ظلمت کی قوم کو ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ آپ کو ابھی تک یہ علم بھی نہیں ہے کہ خلقِ قوت اور چیز ہے اور استعمال قوت اور شے ہے۔ قوتِ فعل کا خلق کرنا سببِ استعمالِ قوت نہیں بلکہ اس کا استعمال، بندگانِ خدا کے اختیار و اقتدار میں ہے۔ خواہ معصیت میں استعمال کریں خواہ طاعتِ خدا میں۔ لہٰذا یہ خود ہی فاعل حقیقی ہیں نہ کہ فاعل مجازی۔ اسی طرح خلقِ قوتِ اعجاز کا فاعل حقیقی خدا ہے نہ کہ فاعل مجازی۔ اور مدح و ثنا استعمالِ قوت پر ہے نہ کہ خلقِ قوت پر۔

نیز آپ کو یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ جب فعلِ معجزہ خدا کی طرف منسوب ہو تو اس سے مراد فعل خلق ہے یعنی خلق کرنا خود فعل ہے اور اس کا فاعل خدا ہے نہ کہ تلبس بالفعل کیونکہ خدا اس سے اجل و ارفع ہے

ارشادِ پیغمبرؐ اسلام تازیانہ عبرت ہے

عن حسین بن علی ابن ابی طالب قال ان المسلمین قالوا لرسول اللہؐ لو اکرھت یا رسول اللہؐ من قدرت علیہ من الناس الی الاسلام لکثر عددنا وقوتنا علیٰ عدونا فقال رسول اللہؐ ما کنت لالقی اللہ عزوجل ببدعۃ لم یحدث الی فیہا شیئا وما انا من المتکلفین فانزل اللہ تعالیٰ علیہ یا محمدؐ لو شاء ربك لامن من فی الارض کلھم جمیعا علیٰ سبیل الالجاء والاضطرار فی الدنیا کما یومن عند المعاینۃ ورویۃ الیاس فی الآخرۃ ولو فعلت ذلك بھم لم یستحقوا منی ثوابا ولا مدحا ولکنی ارید منھم ان یومنوا مختارین غیر مضطرین یستحقوا منی التراضی والکرامۃ ودوام الخلود فی جنۃ الخلد افانت تکرہ الناس حتیٰ یکونوا مومنین۔ (احتجاج طبرسی صفحہ ۲۰۹)

حضرت امام حسین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ مسلمانوں نے میرے جد بزرگوار رسولؐ خدا سے عرض کی کہ یا رسولؐ اللہ اگر آپ ان لوگوں کو جن پر آپ کا اقتدار ہے اسلام لانے پر مجبور کر دیں تو ہماری کثرت ہو جائے گی اور دشمنوں کے مقابلہ میں طاقت بڑھ جائے گی تو رسولؐ خدا نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ میں ایسا نہیں ہوں کہ اپنے خدا کے دربار میں ایسی بدعت لے کر جاؤں کہ جس کی قطعاً خدا نے مجھے اجازت نہیں دی ہے۔ اور میں جبر کرنے والوں میں سے

نہیں ہوں۔

پس خداوند عالم نے آنحضرتؐ پر اپنا یہ حکم نازل فرمایا کہ "اے محمدؐ اگر تمہارا رب چاہتا تو تمام اہل زمین یقیناً ایمان لے آتے۔ دُنیا میں جبر و اضطرار کے طریقہ پر جس طرح آخرت میں عذاب اور مایوسی دیکھ کر ایمان لے آئیں گے۔ اگر میں ایسا کرتا تو یہ لوگ نہ ثواب کے مستحق ہوتے اور نہ مدح و ثنا کے۔ اسی لئے میں نے ارادہ کیا ہے کہ یہ لوگ با اختیار ہو کر ایمان لائیں مضطر ہو کر ایمان نہ لائیں۔ تاکہ یہ میرے تقرب اور میری کرامت کے مستحق قرار پائیں۔ اور ہمیشہ ہمیشہ جنت الخلد میں رہیں اے رسولؐ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ لوگوں کو مجبور کر کے مومن بناؤ؟"

اس حدیثِ رسولؐ سے معلوم ہوا کہ خدا نے جبر کی اجازت نہ رسولؐ کو دی ہے اور نہ خود جبر کرتا ہے ورنہ تمام دنیا مومن بن جاتی۔ اور یہ جبر اس لئے نہیں کیا کہ وُہ اس صورت میں مستحق مدح و ثنا نہیں ہو سکتے۔

لہٰذا استحقاق مدح و ثنا فاعل مختار ہی کے لئے مخصوص ہے بغیر اختیار نہ استحقاق ثواب ہے اور نہ استحقاق مدح و ثناء۔ اس حدیث کی روشنی میں بالتحقیق ثابت ہو گیا کہ قوتِ اعجاز جبری قوت نہیں ہے، بلکہ خدا نے قوت عطا فرما کر استعمال کا اختیار دے دیا ہے اور یہ اسی طرح ہے جس طرح نبوت عطا فرما کر مجبور نہیں کیا ہے بلکہ کارِ نبوت میں نبی کو مختار بنایا گیا ہے۔ ورنہ کوئی نبی اپنی نبوت کے خدمات انجام دینے میں مدح و ثناء کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ عطائے نبوت فعلِ خدا ہے اور ہدایتِ خلق و تبلیغ احکام فعلِ نبی ہے لہٰذا اگر عطائے نبوت کے بعد نبی اپنے کارِ تبلیغ کا فاعل ہے اور مستحق مدح و ستائش بھی ہے تو عطائے قوتِ معجزہ کے بعد نبی اپنے استعمالِ معجزہ کا فاعل ہے اور مستحق مدح و ثنا بھی ہے۔ اس صورت میں عطائے نبوت اور عطائے قوتِ معجزہ میں قطعاً کوئی فرق نہیں ہے۔ لہٰذا افعالِ نبوتی اور افعالِ معجزاتی دونوں کی ایک ہی حیثیت ہے۔ لہٰذا نبی دونوں صورتوں میں فاعل حقیقی ہے جس طرح خلق قوتِ نبوت اور خلق قوتِ اعجاز کا فاعل حقیقی خدا ہے اور جس طرح عطائے نبوت کے بعد قول و فعل نبی مطابق مشیتِ خدا ہوتا ہے اور نبی بالجبر کارِ نبوت انجام نہیں دیتا اسی طرح قوتِ اعجاز حاصل ہونے کے بعد مطابق مشیتِ خدا اعجاز دکھاتا ہے اور دونوں صورتوں میں قابلِ مدح و ثنا ہوتا ہے۔

ہمارے اس بیان سے یہ مطلب واضح و آشکار ہو جاتا ہے کہ انبیاء و آئمہ طاہرین علیہم السّلام کو قوتِ اعجاز اور قوت خرقِ عادت خود خدا نے عطا کی ہے اور اس کا خالق و فاعل خود خدا ہے مگر اس کا استعمال انبیاء و آئمہ علیہم السّلام کے اختیار میں دے دیا ہے۔ اور اسی وجہ سے وُہ معجزات کے خود فاعل ہیں اور مستحق مدح و ثناء ہیں۔ لہٰذا کارِ تبلیغ رسالت جس طرح قابل مدح و ثنا ہے اسی طرح اظہارِ معجزات بھی قابلِ مدح و ثنا ہے۔

سندِ سفارت اور سندِ عظمت دونوں خرقِ عادت ہیں

اظہارِ معجزات مثل اظہارِ نبوت تابع مشیتِ خدا ہے خواہ اس کا اظہار وقت پیدائش ہی کرادے، یا چالیس سال انتظار کے بعد کرائے۔ یعنی خداوند عالم نے ان ذواتِ مقدسہ میں ایک ایسی قوت خلق فرمائی ہے جو ان کی ذات کا جوہر ہے اور اسی کے آثار خرقِ عادات و تسخیر کائنات اور ہبوط ارواح و ملائکہ اور نزول اوامر و نواہی ہیں اور ان تمام امور کا ظہور مشیتِ خداوندی کے تابع ہے۔ لہٰذا بلحاظ خلق ان افعال کی نسبت خدا کی طرف ہے اور بلحاظ تلبس و استعمال ان ذواتِ مقدسہ کی طرف ہے۔

ان ذواتِ مقدسہ اور دیگر بندگانِ خدا میں فرق یہ ہے کہ بندگانِ خدا اس قوت خداداد کا استعمال امر وارادہ خدا کے خلاف بھی اپنے اختیارات کے ماتحت کر لیتے ہیں مگر انبیاء و ائمہ طاہرین علیہم السلام باوجود اختیارات کے خدا کے ارادہ کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھاتے۔

"لایسبقونہ بالقول وھم بامرہ یعملون"

اب صرف ایک مسئلہ باقی رہ جاتا ہے اور وہ بین جبر و اختیار ایک امر ہے یعنی انبیاء و ائمہ علیہم السلام نہ بالکل مجبور ہیں اور نہ بالکل مختار بلکہ بندگانِ خدا کی طرح ان حضرات میں بھی من وجہ جبر ہے اور من وجہ اختیار۔ اور ان کی ایک حیثیت جبر ان کی خلقت ہے۔ یعنی خداوند عالم نے ان کو اپنے ارادہ و مشیت کے مطابق خلق فرمایا ہے۔ اس تخلیق میں ان حضرات کو کوئی مدخلیت حاصل نہیں ہے۔ جس کو جس کمال پر چاہا خلق فرمادیا ہے تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض (ہم نے خود ان رسولوں میں بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے) جس میں جتنی قابلیت و استعداد چاہی ہے خود خلق کر دی ہے لہٰذا اس حیثیت سے یہ حضرات مجبور ہیں لیکن ان میں جو قوت ودیعت فرمادی ہے اور اس کے استعمال کا اختیار بھی دے دیا ہے اس کے استعمال میں یہ حضرات مختار ہیں۔ اور اسی طرح اوامر و نواہیِ خداوندی میں بھی ان دونوں صنفوں یعنی انبیاء و آئمہ اور دیگر بندگانِ خدا کا کوئی دخل نہیں ہے۔ یہی وہ نازک مسئلہ ہے جس کو تمام مذاہب کے پیشوا نہیں سمجھ سکے اور صرف آئمہ طاہرین علیہم السلام نے مشکل کشائی فرمائی ہے:-

فاما التفویض الذی ابطلہ الصادق وخطاء من دان بہ فھو قول القائل ان اللہ عزوجل فوض الی العباد اختیار امرہ ونھیہ واھملھم وھذا الکلام دقیق لم یذھب الی غورہ ودقتہ الا الائمۃ المھدیۃ علیھم السلام من عترۃ آل الرسول صلوات اللہ علیھم فانھم قالوا لو فوض اللہ الیھم علی جھۃ الاھمال لکان لازما لہ رضا ما اختیارہ واستوجبوا بہ الثواب ولم یکن علیھم فیما اجترموا العقاب اذکان الاھمال واقعا ویتصرف

هذه المقالة على معنيين اما ان تكون العباد تظاهروا عليه فالزموه قبول اختيارهم بآرائهم ضرورة كره ذالك ام احب فقد لزموا الوهن اويكون جل وتقدس عجز من تعبدهم بالامر والنهي على ارادته ففوض امره ونهيه اليهم واجراهه على محبتهم اذ عجز عن تعبدهم بالامر والنهي على ارادته فجعل الاختيار اليهم في الكفر والايمان۔ (احتجاج ص ۲۳۲)

لیکن وُہ تفویض کہ جس کو حضرت صادق علیہ السلام نے غلط فرمایا ہے اور جو اس کو اختیار کریگا، اس کو بھی خطا کار فرمایا ہے۔ وُہ تفویض یہ ہے کہ کوئی یوں کہے کہ "خدا نے بندوں کو بالکل آزادی دے دی ہے اور اپنے امر و نہی کا اختیار بندوں کے حوالہ کر دیا ہے" یہ کلام اتنا دقیق ہے کہ اس کی نزاکت اور باریکی کی طرف کسی کی نظر نہ پہنچ سکی سوائے ائمہ طاہرین کے جو عترت آل محمد صلے اللہ علیہم ہیں۔ اگر خدا نے بندوں کو آزادی دے دی ہے تو پھر خدا کے لئے لازم ہوگا کہ وُہ جو کچھ پسند کریں خدا اس پر راضی ہو۔ اور وُہ لوگ اس پسند پر ثواب کے حق دار بھی ہوں، اور جو بھی گناہ کریں ان پر عتاب کا حق نہیں ہوگا کیونکہ اس نے خود آزادی دی ہے اور اس قول آزادی کی دوٗ صورتیں ہوں گی۔ یا تو یہ آزادی اس لئے دی گئی کہ بندے خدا پر غالب آگئے اور انہوں نے خدا کو مجبور کر دیا کہ وُہ ان کی اختیار کردہ رائے کو ضرور قبول کرے۔ خواہ اس کو ان کی رائے ناگوار ہو یا گوارا۔ اس صورت میں خدا یقیناً کمزور ثابت ہوگا۔ اور اگر یہ آزادی اس لئے دی گئی ہے کہ وہ ان سے اپنے امر و نہی کی اطاعت اپنے ارادہ کے مطابق کرانے میں عاجز رہا اس لئے اپنا امر و نہی اُن کے سپُرد کر دیا اور امر و نہی کو ان کی محبت کے مطابق قرار دے دیا کیونکہ وُہ اپنے ارادہ کے مطابق اطاعتِ امر و نہی نہ کرا سکا اس لئے کفر و ایمان کی پسندیدگی ان کے سپُرد کر دی۔ کیونکہ وُہ عاجز ہوگیا۔ اس سے بھی خدا کی کمزوری ثابت ہوتی ہے۔"

اس بیان کا مطلب یہ ہے کہ بندوں کی آزادی کی دوٗ وجہیں ہو سکتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ بندے خدا پر غالب آگئے اور وُہ مغلوب ہو کر ان کی مرضی کا پابند ہوگیا اور اُن کو آزادی حاصل ہوگئی۔ اور دُوسری وجہ یہ ہے کہ بندے اس کے قبضہ میں نہ آسکے، اور وُہ اپنی مرضی کے مطابق اطاعت نہ کرا سکا اس لئے اُن کو آزادی حاصل ہوگئی۔

یہ دونوں طریقے خدا کے عجز، اور اس کی کمزوری کو ثابت کرتے ہیں اور اس کی قدرت کا انکار لازم آتا ہے لہٰذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان کو یہ آزادی حاصل نہیں ہے کہ جس چیز کو وُہ پسند کریں وُہ خدا کی بھی پسندیدہ ہو جائے اور جس چیز کو ناپسند کریں وُہ خدا کی بھی ناپسندیدہ ہو جائے۔ اور جب صورت مذکورہ باطل ہے تو پسندیدگی یا

ناپسندیدگی کا اختیار صرف خدا کو ہوگا اور اس پر عمل کرنے یا نہ کرنے کا اختیار بندوں کو ہوگا۔ لہٰذا بندے من وجہ مجبور ہیں اور من وجہ مختار ہیں۔ نہ ان کو بالکلیہ مجبور کیا گیا ہے اور نہ بالکلیہ مختار بنایا گیا ہے۔ یہ تفویض جس کی وضاحت کی گئی ہے ان ذوات مقدسہ کے لئے بھی حاصل نہیں ہے اور نہ دیگر بندگان خدا کے لئے

حضرت امیر المومنینؑ کا ارشاد گرامی

عتابہ بن ربعی سئل امیر المومنین علیہ السلام عن الاستطاعۃ فقال امیر المومنین علیہ السلام تملکھا من دون اللہ او مع اللہ فسکت عتابہ بن ربعی فقال لہ قل یا عتابہ قال وما اقول قال ان قلت تملکھا مع اللہ قتلتک او قلت تملکھا من دون اللہ قتلتک قال وما اقول یا امیر المومنین قال تقول تملکھا باللہ الذی تملکھا من دونک فان ملکھا کان ذالک من عطائہ وان سلبکھا کان ذالک من بلائہ وھو مالک لما ملکک والمالک لما علیہ اقدرک اما سمعت الناس یسئلون حیث یقولون لاحول ولا قوۃ الا باللہ فقال الرجل وما تاویلہ یا امیر المومنین قال لاحول بنا عن معاصی اللہ الا بعصمتہ ولا قوۃ لنا علیٰ طاعۃ اللہ الا بعون اللہ قال فوثب الرجل وقبل یدیہ ورجلیہ

(احتجاج طبرسی ص ۲۳۳)

عتابہ بن ربعی اسدی نے حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے بندوں کی استطاعت کا مطلب دریافت کیا تو جناب امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ اے عتابہ تم جس استطاعت کے مالک ہو یعنی فعل و ترک پر قدرت رکھتے ہو یہ استطاعت بغیر خدا کے حاصل ہے یا خدا کے ساتھ مل کر حاصل ہے؟ یہ سُن کر عتابہ خاموش ہوگیا۔ حضرتؑ نے فرمایا کہ بولو عتابہ کچھ بولو۔ اس نے عرض کی کہ مولا میں کیا عرض کروں؟ حضرتؑ نے فرمایا کہ اگر تم یہ کہو گے کہ خدا کی معیت میں تم اس استطاعت کے مالک ہو یعنی دونوں کے باہم ہوجانے سے تمہیں استطاعت حاصل ہے تو میں تمہیں قتل کردوں گا کیونکہ تم شریک خدا بن گئے، اور اگر تم یہ کہو گے کہ تم بغیر خدا اس استطاعت کے مالک ہو تب بھی میں تمہیں قتل کردوں گا کیونکہ تم مثل خدا بن گئے، عتابہ نے عرض کی پھر یا مولا میں کیا کہوں۔ حضرتؑ نے فرمایا کہ یوں کہو کہ تم اس استطاعت کے مالک اس خدا کے ذریعہ سے بنے ہو جو تمہارے بغیر وہ خود اس کا مالک ہے۔ پس اس نے اگر تمہیں مالک بنا لیا ہے تو یہ اس کی عطا ہے اور اگر اس استطاعت کو

سلب کرلے تو یہ اس کا امتحان ہے۔ اور اے عبایہ وہ اس کا بھی مالک ہے جس کا تمہیں مالک بنایا ہے اور اس کا بھی مالک ہے جس پر تمہیں قدرت عطا کی ہے۔ کیا تم نے نہیں سُنا ہے کہ لوگ سوال کرتے ہیں جب کہ اپنی زبان پر یہ لفظ جاری کرتے ہیں لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ عبایہ نے عرض کی یا مولا اس کا مطلب سمجھائیے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب بندے کہتے ہیں لاحول تو اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ خدا کے گناہوں سے بچنے کی طاقت ہم میں نہیں ہے بلکہ اسی کے بچانے سے ہم بچتے ہیں۔ اور ولا قوۃ کا مطلب یہ ہے کہ اس کی اطاعت کی قوت ہم میں نہیں ہے بلکہ ہم اسی کی مدد سے اطاعت کرتے ہیں۔ یہ سُن کر عبایہ خوشی میں اُچھلا اور فوراً آپ کے دست مبارک اور پائے مبارک کے بوسے لینے لگا۔ (امام کے دست مبارک کے ساتھ قدم مبارک کا بوسہ بھی ایمانی رفعت ہے) فافھم ولا تکن من الجاھلین۔

جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں

ان اللہ خلق الخلق فعلم ماھم الیہ یصیرون فامرھم ونھاھم فما امرھم بہ من شئ فقد جعل السبیل الی الاخذ بہ وما نھاھم عنہ من شئ فقد جعل السبیل لھم الی ترکہ ولا یکونون اٰخذین ولا تارکین الا باذنہ وما جبر اللہ احدا من خلقہ علیٰ معصیتہ بل اختبرھم بالبلوی کما قال "لیبلوکم ایکم احسن عملا" قولہ" ولا یکونون اٰخذین ولا تارکین الا باذنہ ای بتخلیتہ وعلمہ۔ (احتجاج ص۱۹۸)

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ بالتحقیق خداوندِ عالم نے خلائق کو پیدا کیا اور اسے علم تھا کہ یہ کس طرف مائل ہوں گے اس لئے ان کو امر اور نہی فرمائی۔ اور جس چیز کا بھی امر کیا اس کے حاصل کرنے کی سبیل بھی بنادی اور جس چیز سے بھی روکا اس کے ترک کرنے کی بھی سبیل بنادی۔ اور امر پر عمل کرنے اور نہی کے ترک کرنے میں اس کا اذن ساتھ ہوتا ہے۔ اور خدا نے کسی کو معصیت پر مجبور نہیں کیا بلکہ ان کو آزمائش کے لئے تکلیف دی جیسا کہ خود فرماتا ہے کہ تمہیں اس لئے پیدا کیا ہے تاکہ تمہارا امتحان لے تاکہ معلوم ہوسکے کہ تم میں عمل کے لحاظ سے کون بہتر ہے"۔

اس ارشادِ امام" میں جو یہ لفظ ہے کہ عمل نیک اور گناہ اذنِ خدا کے ساتھ ہوتے ہیں اس کا

مطلب یہ ہے کہ ہر پابندی کو ہٹا لیتا ہے۔ اور خدا کو اس کا علم ہے۔ یعنی خدا نے دونوں صورتوں میں مجبور نہیں کیا ہے۔"

(نتیجۂ ارشاداتِ معصومین علیہم السلام)

یعنی خداوند عالم نے جس طرح اپنے بندگان کو قوتِ فعل عطا کی ہے اسی طرح انبیاء و آئمہ علیہم السلام کو بھی عطا کی ہے۔ نہ بندگان کو مجبور کیا ہے اور نہ انبیاء و آئمہ طاہرین علیہم السلام کو۔ کیونکہ جو فعل بھی جبر کے ذریعہ ہوگا اس کی مدح و ثنا نہیں ہو سکتی۔ اور یہ دونوں صورتیں صنفِ انبیاء و ائمہ اور اُمت کے لئے برابر ہیں۔ اور اسی طرح حالتِ جبر میں نہ بندگانِ خدا جزائے فعل کے مستحق ہو سکتے ہیں نہ انبیاء و ائمہ علیہم السلام۔ اور اسی طرح خدا کے امر و نہی کی تعیین و تجویز میں نہ بندگانِ خدا کو اختیار ہے اور نہ انبیاءً و ائمہ علیہم السلام کو۔

اسی لئے آنحضرتؐ نے فرمایا ہے" مایکون لی ان ابدل من تلقاء نفسی" (قرآن)، مجھے یہ حق نہیں ہے کہ میں خود اپنی خواہشِ نفس سے کوئی تبدیلی کر سکوں"۔

اور آنحضرتؐ نے ایک طویل خطبہ میں فرمایا ہے:۔

معاشر الناس و کل حلال دللتکم علیه او حرام نهیتکم عنه فانی لم ارجع عن ذالك ولم ابدل فاذکروا ذالك واحفظوه و تواصوبه ولا تبدلوه ولا تغیروه۔ (احتجاج طبرسی ص ۳۴)

اے گروہِ مردم! میں نے تمہیں جس حلال کی رہنمائی کی ہے اور جس حرام سے منع کیا ہے میں نے یقیناً اس سے روگردانی نہیں کی ہے اور نہ میں نے اس میں کوئی تبدیلی کی ہے تم میرے اس اعتراف کا ذکر لوگوں سے بیان کرتے رہنا اور اس کو یادداشت میں رکھنا اور اس کی وصیت بھی کرتے رہنا۔ اور دیکھو تم بھی اس میں تبدیلی اور تغیر نہ کرنا"۔

نیز آنحضرت صلعم نے اپنی آخری زندگی کے آخری خطبہ میں ارشاد فرمایا ہے:۔

لا حلال الا ما احلله الله ولا حرام الا ما حرمه الله عرفنی الحلال والحرام وانا افضیت بما علمنی ربی من کتابه وحلاله وحرامه الیه۔

(احتجاج طبرسی ص ۳۱)

اور اے لوگو یاد رکھو کہ حلال بس وہی ہے جس کو خدا نے حلال کیا ہے۔ اور حرام بھی بس وہی ہے جس کو خدا نے حرام کیا ہے۔ خدا نے خود مجھے حلال و حرام کی معرفت کرائی ہے۔ اور میں نے وہ سب کچھ جو اس نے مجھے پڑھایا تھا یعنی اس کی کتاب اس کا حلال اس کا

حرام۔ سب کچھ علی ابن ابی طالبؑ کو پہنچا دیا ہے۔"

ہمارے ان دلائل و براہینِ قرآن و حدیث سے ثابت ہو گیا کہ انبیاء و ائمہ طاہرین علیہم السلام کو اُمورِ تشریعی میں تبدیلی کا حق نہیں ہے۔ لہٰذا جو تفویض بمعنی اختیار فعل ہے وُہ صحیح و درُست ہے یعنی بندگانِ خدا اور انبیاء و ائمہ علیہم السلام کو خدا نے جو قوتیں اور قدرتیں عطا فرمائی ہیں ان کے استعمال کا حق تفویض فرمایا ہے اور اس میں جبر نہیں کیا ہے۔ لہٰذا انبیاء و ائمہ علیہم السلام کو امور تکوین و امور تخلیق کے جو اختیارات عطا فرمائے ہیں ان امور میں مجبور نہیں ہیں تابع مشیتِ خدا ہیں۔

ہم نے سابق اوراق میں انبیاء و ائمہ طاہرین علیہم السلام کے بعض اختیارات تحریر کئے ہیں اور خلق و رزق اور ایتاء و منع اور علم ماکان و مایکون کے آثار اور تمام کائنات پر اقتدار کا تذکرہ حوالۂ قرطاس کر دیا ہے۔ مگر اب ایک ایسی جامع حدیث تحریر کرتے ہیں کہ اس کے بعد ناصبیوں کے تمام اعتراضات کا مکمل جواب ہو جائے گا اور پھر ان کے لئے جائے دم زدن باقی نہیں رہے گی۔

حضرت امام رضا علیہ السّلام کا ارشادِ حق بُنیاد!

حضرت امام رضا علیہ السلام نے غالیوں اور مفوضہ کی گمراہی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا اور ان کی وجۂ گمراہی پر روشنی ڈالی کہ یہ اپنی ناقہمی اور نالائقی سے حجتِ خدا کے کمالات اور اقتدار کی علت نہ سمجھنے کی وجہ سے اس کو خدا کا شریکِ کار اور خدا کو معمولی حیثیت کا قادر مختار سمجھ بیٹھے اور گمراہ ہو گئے۔

ارشاد فرمایا ہے:۔

اذلم یعلموا انہ القادر بنفسہ والغنی بذاتہ الذی لیست قدرتہ مستعارۃ ولا غناہ مستفادا والذی من شاء افقرہ ومن شاء اغناہ ومن شاء اعجزہ بعد القدرۃ وافقرہ بعد الغنی ما نظروا الی عبد قد اختصہ اللہ یقدرۃ لیبین بھا فضلہ عندہ واثرہ بکرامۃ لیوجب بھا حجۃ علی خلقہ۔

(احتجاج طبرسی ص۲۲۳)

ان غالیوں اور مفوضہ نے چونکہ نہیں سمجھا کہ خداوند عالم قادر اور غنی بالذات ہے اور وُہ وہ ذات ہے کہ جس کی قدرت عاریت لی ہوئی نہیں ہے اور اس کی بے نیازی اور لاپرواہی کسی سے حاصل کی ہوئی نہیں ہے۔ وُہ وُہ ذات ہے کہ جس کو چاہے فقیر کر دے اور جس کو چاہے غنی کر دے اور جس کو چاہے قادر بنا کر عاجز کر دے اور غنی بنا کر فقیر بنا دے۔ (اس شانِ کبریائی کو غالی نہیں سمجھے)

ان لوگوں نے جب خدا کے ایسے بندہ خاص پر نظر ڈالی کہ جس کو خدا نے ایک ایسے اقتدار کا مالک بنا دیا ہے یعنی ایسی قدرت کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے کہ جس کے ذریعہ وُہ اپنی درگاہِ احدیت میں اس کا مرتبہ و فضل ظاہر کرنا چاہتا ہے اور اس کو ایسی کرامت سے نوازا ہے کہ جس کے ذریعہ وُہ اپنی حجت کو لازمی طور پر مخلوق سے منوانا چاہتا ہے۔ (تو یہ لوگ اس راز کو نہ سمجھ سکے اور قدرت و کرامت کو دیکھ کر گمراہ ہو گئے)

امام رضا علیہ السّلام کے اس بیان سے واضح ہو جاتا ہے کہ خدا نے ان ذواتِ مقدسہ کو جو خدا کے عبد خاص ہیں ایسی بے پناہ قدرت و کرامت عطا کر دی ہے کہ جس سے ان کی شان کے جلوے نظر آتے ہیں اور تمام خلائق کی عاجزی ظاہر ہو جاتی ہے۔ مگر یہ قدرت و کرامت اس لئے دی تھی کہ لوگوں کو ان کی عظمت کا احساس ہو اور خدا کی بارگاہ میں ان کا تقرب خاص معلوم ہو سکے۔ اور پھر لوگ ان کی اطاعت کریں اور ان سے خدا کے احکامات حاصل کریں اور اپنے ضروریات کو ان کے ذریعہ پورا کریں۔ مگر غالیوں اور مفوضہ نے یہ راز نہ سمجھا اور گمراہ ہو گئے۔

ناظرین کرام ہر سلیم الطبع اور صاحبِ عقل انسان سمجھ سکتا ہے کہ ان ذوات مقدسہ سے یقیناً ایسے امور ظاہر ہوئے جو غالیوں کے لئے خدا یا شریکِ خدا تسلیم کر لینے کا سبب قرار پائے اور یہ امور ان کی قدرت و کرامتِ خداداد کے آثار تھے۔ لہٰذا اگر یہ امور صرف احکام شرعیہ ہی ہوتے تو کوئی معمولی عقل والا بھی ان کو خدائی کا درجہ نہ دیتا اور نہ شریکِ خدا قرار دیتا۔ کیونکہ حلال و حرام کی تبلیغ اور امر و نہی کی اطلاع اور وُہ بھی لا اکراہ فی الدین کو ملحوظ رکھ کر کسی طرح بھی خدا یا شریکِ خدا منوانے کا سبب نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا یہ اقتدار امورِ تکوین و امورِ تخلیق ہی میں عطا کیا گیا ہے۔ اور صرف اسی لئے دیا گیا تھا کہ اس کے ذریعہ سے خلائق کو ان کے سامنے جھکا دیا جائے اور لوگ اپنی عاجزی تسلیم کر لیں تاکہ انسانی فطرت کے تقاضے ان کی اطاعت پر مجبور کر دیں اور پھر اس کے بعد ان حضرات کے لئے احکامِ خداوندی کی تعمیل کرانا آسان ہو جائے۔ لہٰذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس قدرت و کرامت کا تعلق امورِ تکوین و تخلیق ہی سے ہے اور ان کی گمراہی کا سبب درحقیقت یہ ہے کہ وُہ ان حضرات کے صاحبِ کمالات و کرامات و معجزات ہونے کی علتِ غائی اور من جانب اللہ اس اقتدار کے عطا کئے جانے کی صحیح وجہ نہ سمجھے اور اپنی رائے اور اپنے قیاس کی وجہ سے مثلِ خدا یا شریکِ خدا بنا دیا۔ مگر ان کی غلطی کو ان کی گمراہی قرار دیا جا سکتا ہے اور ان پر لعنت بھی کی جا سکتی ہے اور ان کی توہین و تذلیل بھی۔ مگر یہ کہاں کی منطق ہے کہ غلطی غالیوں اور مفوضہ سے سرزد ہو اور اقتدار محمد و آلِ محمد سے سلب و غصب کر لیا جائے اور پھر ان ذوات عالیہ کی قدرت و کرامت کی نفی کی جائے۔ اور اُن کے مراتب کو غلط ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا جائے، اور ان کے ذوات مقدسہ میں کیڑے نکالے جائیں اور ناصبیت کے تقاضوں کو پورا کیا جائے۔

اگر غالی اپنی قیاسی غلطی سے غالی بن گئے تو یہ لوگ اپنی قیاسی غلطی سے ناصبی قرار پائے۔ یعنی گمراہ دونوں ہیں۔ ایک نے حد سے بڑھا دیا اور دُوسرے نے حد سے گرا دیا۔ "محب غال و محب قال" دونوں ہی ہلاک ہیں۔ یعنی وُہ دوست جو حد سے بڑھا دے اور وُہ دشمن جو حد سے گھٹا دے۔ (ناصبیت مُردہ باد)

لہٰذا درمیانی درجہ اور صحیح مسلک یہی ہے کہ ان ذوات مقدسہ کے کمالات و معجزات و مراتب حیرت انگیز و تعجب خیز کو تسلیم کرتے ہوئے اور ان کی شانِ عالی کے ادراک سے اظہارِ عجز و قصور کرتے ہوئے ان حضرات کو عبدِ خدا مانا جائے۔ اور صرف خدا ہی کو ان بزرگواروں کا حاکم و مالک تسلیم کیا جائے۔ اور ان حضرات کے اقوال و افعال کو خدا کے اقوال و افعال سمجھ کر حجۃ اللہ علے الخلق تسلیم کیا جائے اور ان حضرات کی کسی فضیلت کا نہ انکار کیا جائے اور نہ اس کی رد کے لئے قیاس آرائی اور تاویلات سخیفہ کی زحمت کی جائے۔ کیونکہ یہ صورت باعثِ ہلاکت اور ناصبیت کی نشانی ہے۔

البتہ اگر کوئی فضیلت ایسی ہو جو قرآن مجید کے آیات محکمہ کے یا احادیث متواترہ کے یا دلائل قطعیہ عقلیہ کے یا ضرورتِ دین کے خلاف نظر آئے تو پہلے تاویل کرو۔ اور اگر قابل تاویل نہ ہو تو پھر اس کو غالیوں کے ہفوات سمجھو۔ مگر کسی خالصی کے انکار سے تم کوئی اثر نہ لو۔ خواہ وُہ کتنا ہی بڑا متکلم و محدث ہو۔ کیونکہ وُہ معرفتِ اہلبیت سے قاصر و عاجز ہے۔ اور اس کے عدم علم و معرفت کی وجہ سے فضیلتِ اہلبیت کا عدم لازم نہیں آتا ہے۔

یہ ہے وُہ اصول و معیار جس کو غواص بحار اخبار علامہ مجلسیؒ نے تحریر فرمایا ہے۔ اور ان سے بہتر سمجھ بھی کون سکتا ہے۔ اس معیار کے بعد کسی مؤلف کا بار بار لکھنا کہ اعتقاد کے لئے اخبار آحاد کافی نہیں ہیں بلکہ اخبار متواترہ کی ضرورت ہے، بالکل لایعنی اور لغو بات ہے۔ کیونکہ جب مسلمہ عقیدہ یہ ہے کہ محمد و آل محمد علیہم السلام خدا کے بعد تمام عالمین سے افضل ہیں اور جامع کمالات امکانیہ ہیں اور تمام کمالات و معجزات انبیاء بلکہ ان سے افضل ان کی ذوات مقدسہ میں موجود ہیں تو اس دلیل قطعی اور برہان عقلی، اور ثبوت قرآنی اور حجت نقلی کے بعد اخبار احاد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ خواہ ایسے مضامین سند کے لحاظ سے ضعیف ہوں یا قوی۔ خطبۃ البیان میں ہوں یا کسی مقطوع السند حدیث میں ان کو رد نہیں کیا جا سکتا اور نہ ان ذوات مقدسہ کو ایسے فضائل سے عاری و خالی کہا جا سکتا ہے۔ جب تک کہ اقسامِ غلو میں سے کسی قسم کے غلو میں داخل نہ ہوں اور یا مذکورہ بالا چار معیار صحت کے خلاف نہ ہوں۔

ہمارے اس بیان کو موالیانِ اہلبیت اپنے دلوں پر نقش کر لیں اور کسی ناصبی مُلّا کے نہ فریب "احاد" میں آئیں اور نہ "من باب المجاز" کے دام میں گرفتار ہوں اور نہ متکلمین و محدثین کے عجز و قصور سے مرعوب ہوں۔ کیونکہ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا مرتبہ ان میں سے کسی کو بھی حاصل نہیں ہے۔ اور وُہ بزرگوار خود

فرماتے ہیں کہ اگر میں کچھ حصہ ان ذوات مقدسہ کا بیان کر دوں تو لوگ مجھے مجنون کہہ دیں گے اور میرے قاتل کے لئے مغفرت کی دُعا کریں گے۔

اہلبیت کے باب میں اعتقادِ سلمانؓ پر ربوبیت کا الزام

جناب سلمان فارسی رضی اللہ عنہ وُہ بزرگ ہستی ہیں کہ جن کے وصی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ اور اسی لئے ان بزرگوار کی تجہیز و تکفین جناب امیر علیہ السلام نے اپنے دستِ حق پرست سے فرمائی ہے۔ کیونکہ نبی یا وصیِ نبی کو نبی یا وصیِ نبی ہی غسل و کفن دیتا ہے جیسا کہ ہم اپنے رسالہ قرآن، سلمان، ایران میں مفصل تحریر کر چکے ہیں۔

ان بزرگوار نے بعد وفات رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم حضرت امیر علیہ السلام کے استحقاقی خلافتِ ظاہری کے دلائل پیش کئے اور فرمایا کہ اگر تم لوگ جناب علی مرتضےٰ علیہ السلام کو اپنا ہادی اور ولیٔ امر تسلیم کر لیتے تو تمہارے تحت و فوق میں نعمات ہوتیں۔ اور اگر تم ہوا میں اُڑتے ہوئے پرندوں کو بلاتے تو وُہ لبیک کہتے ہوئے حاضر ہو جاتے۔ اور اگر تم دریاؤں کی مچھلیوں کو پکارتے تو وُہ بھی لبیک کہتی ہوئی حاضر ہو جاتیں۔ مگر تم نے رسولؐ کے فرمان کو پس پُشت ڈال دیا، اب قیامت میں عذاب کے لئے تیار رہو۔ یہ سُن کر ایک صحابی نے جو خاص طور پر "ثانی" کے لفظ سے پہچانے جاتے ہیں سلمان کو یہ جواب دیا کہ اے سلمان اب تم جو چاہو کہو اب جو ہونا تھا ہو گیا۔ خدا نے امرِ خلافت اہلبیت سے جدا کر دیا جن کو تم نے اپنا "رب" بنایا ہوا ہے۔ سلمان فارسیؓ نے یہ سُن کر ایک آیت جہنم و عذاب کی بابت پڑھی۔ (احتجاج طبرسی ص۴۸)

اس حدیث سلمانؓ سے بالکل واضح ہو گیا کہ خرق عادت خود ذات امیر المومنین علیہ السلام کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ اگر حضرت کو تمام لوگ ولی امر مان لیتے تو ان کے لئے بھی خوارق عادات ظاہر ہوتے اور ہوا کے پرندے اور دریا کی مچھلیاں اُن کی آواز پر لبیک کہتیں۔ "ثانی" نے سلمان کے لئے یہ لفظ کہے کہ تم نے اہلبیت کو "رب" بنایا ہوا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہو کہ سلمان فارسی ایسا اعتقاد رکھتے تھے کہ جس کی وجہ سے "ثانی" نے سلمان فارسی سے کہا کہ تم اہلبیت کو "رب" کا درجہ دیتے ہو۔

اب مؤلف صاحب بتائیں کہ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کیا ان ذوات مقدسہ کو رب سمجھتے تھے۔ نہیں نہیں۔ رب نہیں سمجھتے تھے۔ اور نہ یہ لفظ ان کی شان میں استعمال کرتے تھے۔ بلکہ ان کے عقائد سے "ثانی" نے یہ سمجھا کہ یہ لوگ اہلبیت کو رب سمجھتے ہیں۔ آج "ثانی" کے مقلدین و تابعین ان کی سُنت پر عمل کر رہے ہیں اور ہمیں غالی کہتے ہیں۔ یعنی گویا ان کی نظر میں ہم نے اہلبیت کو رب

بنایا ہُوا ہے۔ لہٰذا ہمارا حشر سلمان فارسی کے ساتھ ہوگا۔ اور ہمیں غالی کہنے والوں کا حشر "ثانی" کے ساتھ ہوگا۔

معجزات کا تعلق امورِ تکوین و تخلیق سے وابستہ ہے

لفظ "معجزہ" کا مطلب ہم سابق میں بیان کر چکے ہیں اور اس کا استعمال بھی قرآن وحدیث میں بکثرت موجود ہے۔ اور اس کے عام معنی کسی کو عاجز کر دینا بھی ہیں خواہ اس کے اسباب عجز کچھ ہوں مگر انبیاء و ائمہ علیہم السلام کے لئے امورِ تکوین اور امورِ تخلیق میں تبدیلیاں پیدا کرنے کے معنی میں مستعمل ہے۔ یعنی خارق عادت فطری ہوتا ہے اور اس کے متعدد و مختلف طریقے ہیں۔ کبھی خرق عادت تبدیلیٔ جنس کے ذریعہ ہوتا ہے جیسے عصا کو اژدہا بنانا۔ سنگریزوں کو انگور بنانا۔ پانی کو زمرد و یاقوت بنانا۔ اور کبھی فطری طاقت کو سلب کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ جیسے حضرت سارہ کی طرف بادشاہ نے ہاتھ بڑھایا اور وُہ خشک ہوگیا۔ کبھی مومنین کو نجات دینے کے لئے ہوتا ہے جس کے شواہد ہزاروں بلکہ لاکھوں ہیں اور اب بھی ایسے معجزات ہوتے رہتے ہیں۔

اور کبھی عظمت نبی و امام ظاہر کرنے کے لئے جیسے شکمِ مادر میں باتیں کرنا اور پیدا ہوتے ہی کلمہ پڑھنا۔ اور قصرِ کسریٰ کے کنگرے گرنا۔ نہر سادہ کا خشک ہو جانا۔ آتش کدہ فارس کا خاموش ہو جانا۔ والدین کی پیشانیوں سے قبلِ پیدائش نور ظاہر ہونا وغیرہ وغیرہ۔ یہ تمام خوارق عادات کسی مدِ مقابل کو شکست دینے کے لئے نہیں ہیں۔ لہٰذا لفظ معجزہ اور معنی معجزہ کو صرف مقابلہ ہی کے لئے مخصوص کرنا جہالت ہے اور کثرت معجزات کو تماشہ خانہ لکھنا گمراہی بلکہ صریحی ناصبیت ہے۔

خرقِ عادت کے طریقے

خرقِ عادت کے طرق کا احصار تو مشکل ہے مگر متقدمین نے مندرجہ ذیل طرق تحریر فرمائے ہیں:۔

۱۔ مقابلہ اور تحدی ۔ وُہ خوارق عادات جو بطور چیلنج ظاہر ہوں۔
۲۔ ارھاص ۔ وُہ خوارق عادات جو قبل بعثت ظاہر ہوں۔
۳۔ کرامت ۔ وُہ خوارق عادات جو صلحائے مومنین سے ظاہر ہوں۔
۴۔ استدراج ۔ وُہ خوارق عادات جو اشرار سے ظاہر ہوں اُن کی سزا کے لئے۔
۵۔ معونت ۔ وُہ خوارق عادات جو مومنین کی گلو خلاصی کے لئے ظاہر ہوں۔
۶۔ اہانت ۔ وُہ خوارق عادات جو اشرار سے ظاہر ہوں اُن کی توہین کے لئے۔
۷۔ اعظام ۔ وُہ خوارق عادات جو ائمہ و انبیاء سے ان کے اظہار عظمت کے لئے ظاہر ہوں۔

۸۔ اقوال بالآثار ۔ وُہ خوارقِ عادات جو اقوال انبیاء و آئمہ سے ظاہر ہوں جیسے درخت کو بلانا، جانوروں سے باتیں کرنا۔

۹۔ اخبار بالمستقبلات و الماضیات :۔ وُہ خوارقِ عادات جو آئندہ و گزشتہ واقعات سے متعلق ہوں۔

یہ تمام طرق خرق عادت ہیں۔ اور ان میں سے بعض کا خالق و فاعل خدا ہوتا ہے اور بعض کا فاعل نبی یا امام ہوتا ہے مگر خالق خدا ہی ہوتا ہے۔

"کثرتِ معجزات رحمتِ خدا ہے نہ کہ تماشہ"

مؤلف صاحب نے اپنی اصول الشریعہ میں تحریر فرمایا ہے کہ اگر ہر وقت خرق عادت کا ظہور ہوگا تو نبی و امام کی بزم تماشہ خانہ بن جائے گی۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں ملاحظہ فرمائیے :۔

صاحبِ اعجاز کا کام صرف دُعا کرنا ہے۔ معجزہ کا اظہار خدائے قہار کرتا ہے۔ کسی خارق عادت امر کی دُعا پکار اور اس کے نتیجہ کے اظہار کا نام معجزہ ہے۔

معجزہ میں تکرار و تعدد ضروری نہیں ہے۔ پس جب نبی و امام اپنے دعوٰی کے اثبات پر معجزہ دکھادیں اگرچہ ایک مرتبہ ہی کیوں نہ ہو تو پھر یہ لازم نہیں آتا کہ ہر وقت لوگوں کی خواہش کے مطابق مختلف معجزات دکھا کر اپنی بزمِ نبوت و امامت کو تماشہ خانہ عجائب و غرائب بناڈالیں۔ (اصول الشریعہ صفحہ ۱۲۳)

معترضین صاحبان کو کتاب "مدینۃ المعاجز" کا مطالعہ کرنا چاہئے اور جناب سرکار علامہ مجلسیؒ کی تحقیق کو تسلیم کر لینا چاہئے جس میں صاف صاف یہ عبارت ہے :۔

واجری طاعتھم علیھا ای اوجب والزم علیٰ جمیع الاشیاء طاعتھم حتی الجمادات من السماویات والارضیات کشق القمر و اقبال الشجر و تسبیح الحصاۃ و امثالھا مما لا یحصٰی۔ (بحار الانوار جلد ۲ صفحہ ۳۶۳)

یعنی خداوند عالم نے ان ذواتِ قدسیہ کی اطاعت تمام اشیاء عالم پر واجب و لازم قرار دی ہے حتیٰ کہ جمادات بھی اطاعت کرتے ہیں اور تمام اشیاء سماوی و ارضی اطاعت کرتے ہیں جیسے شق القمر اور درختوں کا حاضر ہونا اور سنگریزوں کا تسبیح کرنا اور اسی طرح دیگر معجزات جن کا شمار ہی نہیں ہو سکتا۔" علامہ کی اس تحقیق کے بعد مؤلف صاحب اپنا سر دیوار سے دے ماریں۔

عام مسلمانوں نے بھی ایک ہزار سے زیادہ معجزات کی تعداد تحریر فرمائی ہے اس پر بھی نظر رکھنا چاہئے۔ اور

سرکار علامہ مجلسی کے محققانہ ارشاد کے مطابق کائنات کو تابع فرمانِ محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام سمجھنا چاہئے اور اسی کو اقتدار معجزہ کہتے ہیں۔ الحمدللہ کہ ہم موالیانِ اہلبیت کا یہی اعتقاد ہے۔ اسی پر زندہ ہیں، اسی پر مریں گے انشاء۔

حضرت شیخ صدوق علیہ الرحمۃ نے نبی و امام کی شناخت کے لئے فرمایا ہے:۔

قال صدوق وانما لایکون لہ فئی لانہ مخلوق من نور اللہ۔

(بحار الانوار ج ۲۵ ص ۲۹۶)

یعنی ان حضرات کے جسم کا سایہ نہیں ہوتا ہے چونکہ ان کی خلقت نورِ خدا سے ہوئی ہے۔ کیا یہ خرق عادت نہیں ہے۔ کیا کسی موئف کے لئے آج تک کبھی ایسا ہوا ہے کہ جسم کا سایہ ہی نہ ہو۔ اور مطابق احادیث صحیحہ نبی و امام کی یہ شان ہے کہ "یریٰ من خلفہ کما یریٰ من بین یدیہ۔ (بحار الانوار ج ۲۵ ص ۲۹۶)

یعنی یہ حضرات جس طرح آگے دیکھتے ہیں اسی طرح پیچھے بھی دیکھتے ہیں۔ (کیا کسی موئف کے لئے بھی یہ بصارت و بصیرت ہے)، کیا یہ خرق عادت نہیں ہے۔ اور یہ معجزات وُہ ہیں جو ہر وقت ہر حالت میں ان کی ذات سے جُدا نہیں ہوتے ہیں بلکہ ان حضرات کی نبوّت و امامت کی علامات ہیں۔ موئف صاحب کیا ان ذوات قدسیہ کو "تماشہ" کہہ کر اسلام کو سلام کرنا چاہتے ہیں۔

انکارِ معجزات تو دہریوں کا اعتقاد ہے؛ مسلمانوں نے کبھی معجزات کا مذاق نہیں اڑایا ہے اور نہ کمالات کو "تماشہ خانہ" جیسے گستاخانہ الفاظ سے یاد کیا ہے۔ ہم اس کی رد سابق اوراق میں سپرُدِ قلم کر چکے ہیں اور یہ بتا چکے ہیں کہ قوتِ معجزہ کا خالق خدا ہے اور اس کا فاعل حجۃ اللہ ہے۔ اور یہ معجزات محمد و آلِ محمد علیہم السلام کے لئے اختیاری ہیں بلکہ وُہ خود معجزہ ہیں۔ اب ہم صرف اتنا دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ خرق عادت کا ظہور اگر کسی شخص کافر پر ہو تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ وُہ شخص صاحب معجزہ ہے۔ اور یہ معجزہ خدا نے دکھایا ہے۔ وہی اس کا فاعل ہے تو اس صورت میں اشرار و کفار کے لئے کیا صورت ہوگی۔ کیونکہ ظہور خرق عادت کا محل و مقام دشمن خدا ہے۔ فرعون ہے۔ نمرود ہے۔ تو کیا ان کافروں اور فرعونوں کو صاحب معجزہ کہا جائے گا اور ان کافروں اور انبیاء و ائمہ میں محل و مقام ظہور کے لحاظ سے کیا فرق ہوگا۔ کیونکہ عدم قابلیت میں دونوں یکساں ہیں اور دونوں میں فاعل خدا ہے۔ اور وُہ محض محل و مقامِ ظہور ہیں۔ تو اس صورت میں جس طرح "من باب المجاز" نبی و امام کے لئے معجزہ کا اطلاق مؤلف نے تحریر کیا ہے اسی طرح "من باب المجاز" کفار و اشرار بھی فاعلِ معجزہ ہوں گے۔ ان کے اس عقیدۂ باطلہ کو موالیانِ اہلبیت کس طرح برداشت کر سکتے ہیں۔ اس سے زیادہ توہینِ انبیاء و آئمہ اور کیا ہو سکتی ہے۔ اور یہ نتیجہ ہے اس اعتقاد کا کہ انبیاء و ائمہ علیہم السلام میں کوئی کمالِ ذاتی نہیں ہے بلکہ عارضی اور وقتی طور پر ظہور خرقِ

عادت ہوتا ہے جیسے اشرار و کفار پر بھی ہوتا ہے۔ مگر ان ذوات مقدسہ کے اجسام کا سایہ نہ ہونا، اور آنکھوں کا سونا اور دل کا جاگنا، اور آگے پیچھے یکساں دیکھنا وغیرہ جو عارضی اور وقتی آثار نہیں ہیں اُن کے لئے کیا فیصلہ کریں گے۔ کیونکہ ہر وقت اور ہر لمحہ چیخ و پکار اور دُعا بھی ثابت نہیں ہے جس کو معجزہ بتایا گیا ہے اور کافروں اور فرعونوں کے لئے تو قطعاً دُعا کا وجود ہی نہیں ہے۔ مگر معجزہ ان پر ظاہر کیا گیا۔ موٴلف نے دُعا پکار کا نظریہ پیش کر کے اپنی انتہائی جہالت کا مظاہرہ کیا ہے جو آج تک کسی کو نہ سُوجھا۔

لہٰذا ان کو اپنا نظریہ بدلنا ہی پڑے گا۔ اور خرقِ عادت کے لئے نہ چیخ و پکار اور نہ دعا و طلب کی شرط لازمی ہوگی اور نہ ظہور خرق عادت کا محل بن کر کوئی صاحب معجزہ بن سکے گا۔ جیسا کہ ہم سابق اوراق میں لکھ چکے ہیں بلکہ ان لوگوں کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ انبیاء و آئمہ علیہم السلام میں کمالِ ذاتی من جانب اللہ موجود ہے جس کے آثار خوارق عادات ہیں۔ یہ کمال ذاتی وقتی اور عارضی نہیں ہوتا ہے۔ البتہ صلحاء مومنین میں خرق عادت بہ سبب کرامت ظہور پذیر ہوتا ہے مگر نبی و امام کی ذات میں یہ قوت پیدائشی ہوتی ہے اور وہ شکمِ مادر میں بھی باتیں کرتا اور سنتا ہے اور خلافِ فطرتِ بشر پیدا ہوتے ہی تکبیر کہتا ہے اور قرآن کی تلاوت بھی کر لیتا ہے۔ اور مختون پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ تمام امور خرق عادت ہیں اور فطرت نوعِ انسانی کے خلاف ہیں اور بغیر چیخ و پکار اور بغیر دُعا و طلب حاصل ہیں۔ لہٰذا موٴلف صاحب کا یہ اجتہاد کہ "دعا و پکار سے جو خرق عادت ظاہر ہو وہ معجزہ ہے"۔ بالکل باطل بلکہ قیاس ابلیسی ہے بلکہ جہل مرکب ہے بلکہ نیا فتنہ ہے نئی بدعت ہے۔ خداوندِ عالم اس مکر و فریب سے پناہ دے۔

معجزہ نبی و امام کے لئے فضلِ خدا ہے جس کے لئے امام رضا علیہ السلام نے اپنے خطبۂ تعریفِ امام میں یہ کلمات ارشاد فرمائے ہیں:۔

مخصوص بالفضل کله من غیر طلب منه ولا اکتساب بل اختصاص من المفضل الوهاب۔ (اصول الشریعہ ص ۲۳۹)

یعنی امام اس خدا کی طرف سے جو بہترین فضل و عطا والا ہے "کل فضل" کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے اور یہ فضل و کمال نہ دُعا و پکار سے ملتا ہے اور نہ اکتساب سے حاصل ہوتا ہے۔ بلکہ یہ عطیۂ خدائے وہاب و مفضال ہے"۔

اب موٴلف کو چاہئے کہ ٹھاٹھیں مارتے ہوئے دریا اور اُبلتے ہوئے چشمۂ معرفت سے کوئی قطرہ حاصل کر لیں اور چیخ و پکار اور دُعا و طلب والا نظریہ جہلِ مرکب قرار دیں۔ اور اسی کمال ذاتی کو تسلیم کر کے معجزات کو اسی کے آثار مان لیں اور اسی کمال کو قوت معجزہ کا مبدء و منشاء قبول کر کے اس کا با اختیار استعمال نبی و امام کے لئے منظور فرما لیں۔ یہی حق ہے۔ یہی صدق ہے، یہی صحیح ایمان ہے اور یہی صحیح اعتقاد ہے۔ اس میں نہ غلو ہے نہ ناصبیت۔ درمیانی مسلک ہے اور نجات کا ضامن ہے اور ہم

نجات کے بحمد اللہ ٹھیکیدار ہیں اگر یہ شرط آپ قبول کر لیں۔ کیونکہ ہمیں اہلبیت طاہرین نے یہ حق دیا ہے کہ جن کے شکوک وشبہات ہم نے رفع کئے ہیں انہیں اپنے ساتھ جنت میں لے جائیں۔

کثرتِ معجزات سے مومنین کے دل قوی ہوتے ہیں اور شاکین ومرتابین کے شکوک زائل ہوتے ہیں اور کافرین ومنکرین کو دعوتِ حق نصیب ہوتی ہے۔ اس لئے یہ تماشا نہیں ہے بلکہ رحمتِ پروردگار ہے مگر ناصبیوں کے لئے عذابِ خدا ہے۔

مؤلف کو اپنی اجتہادی تعریفِ معجزہ (دعا وپکار) سے توبہ کرنی چاہئے اور اپنی اکڑ کو اپنے طالب علموں تک ہی محدود رکھنے میں خیریت وعافیت ہے۔ کیونکہ اس جاہلانہ تعریفِ معجزہ کو طالب العلم مجبوراً قابلِ واہ واہ سمجھیں گے۔ مگر باضمیر وباحمیت طلبہ اس فتنہ کو کبھی قبول نہیں کریں گے۔ ایسی تعریفِ معجزہ آج تک نہ متقدمین نے کی ہے نہ متاخرین علماء نے۔ یہ مدعیٔ اجتہاد ہی کا حصہ ہے جس سے ذریتِ ابلیس خوش ہوگی اور موالیانِ اہلبیت بے شمار کریں گے۔ یہ سب کچھ شانِ اہلبیتؑ گھٹانے کے اوچھے ہتھیار ہیں۔

باب المعجزات

اب ہم حضرات محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام کے کچھ معجزات تحریر کرتے ہیں تاکہ موالیانِ اہلبیت طاہرین علیہم السلام کے قلوبِ صافیہ میں جلا پیدا ہو اور ناصبیوں کے لئے صاعقہ طور ثابت ہو۔

ان ذوات قدسیہ کے معجزات کا احصار ناممکن ہے جس طرح ان کے فضائل کا احصار ہماری طاقت سے باہر ہے۔ مگر خاص معجزات پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں تاکہ امور تکوین و تخلیق میں اُن کے خداداد اقتدار کا پتہ لگے، اور ان ذوات مقدسہ کو صرف ایک بڑا عالم سمجھنے کا نظریہ باطل ہو جائے۔ لہٰذا پہلے ہم سردارِ دو جہاں سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقتدار کی مثالیں پیش کرتے ہیں:۔

معجزاتِ رسولؐ اور جنگِ تبوک!

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ کچھ فاجروں نے حضرت رسالتمآبؐ کے قتل کی سازش کی اور کچھ منافقوں نے حضرت علی علیہ السلام کے قتل کی اسکیم بنائی۔ اور یہ اس وقت کا واقعہ ہے کہ جب آنحضرتؐ غزوہ تبوک کے لئے روانہ ہوئے اور حضرت علیؑ کو مدینہ میں اپنی جگہ مقرر فرمایا۔ حضرت رسالتمآبؐ کے قتل کی سازش "لیلۃ العقبۃ" کے نام سے مشہور ہے۔

اور یہ سازشیں اس لئے کی گئیں کہ آنحضرتؐ علیؑ کو کیوں بلند کرتے ہیں اور کیوں اتنی عظمت و عزت دیتے ہیں۔ اس حسد کی وجہ سے یہ اسکیمیں بنائی گئیں مگر خداوند عالم نے ان کو ناکام بنا دیا۔

جب آنحضرتؐ جنگِ تبوک کے ارادہ سے عازم سفر ہوئے تو جبرائیلؑ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خدا کی طرف سے تحفۂ درود و سلام پہنچا کر یہ پیغام دیا کہ یا آپ مدینہ میں رہیں اور علی بن ابی طالب کو روانہ کر دیں اور یا آپ خود تشریف لے جائیں اور علیؑ کو مدینہ پر اپنی نیابت میں مقرر فرمائیں۔ کیونکہ میں نے دو چیزوں میں سے ایک چیز کے لئے علیؑ کو مخصوص کیا ہے اور میری اس اطاعت سے جو عظمت و جلالت حاصل ہوگی اور جو ثواب عظیم حاصل ہوگا اس کا علم میرے سوا کسی کو نہیں ہو سکتا ہے۔

چنانچہ آنحضرتؐ نے علیؑ کو مدینہ میں مقرر کر دیا اور خود آنحضرتؐ تبوک کی طرف روانہ ہو گئے۔ مدینہ میں علی بن ابی طالب کے قیام کی وجہ سے منافقوں نے طعن و تشنیع کی اور کہنے لگے کہ آنحضرتؐ کو علی کی ہمراہی ناگوار خاطر تھی اور ان کو اپنے ساتھ رکھنا پسند نہیں کرتے تھے اس لئے ان کو اپنے سے جُدا کر دیا اور مدینہ میں چھوڑ کر خود اپنے اصحاب کے ہمراہ غزوۂ تبوک کے لئے تشریف لے گئے ہیں۔

اس قسم کی توہین آمیز اور طعنہ زنی کی باتیں حضرت علی کو ناگوار گذریں اور آپ نے ارادہ کیا کہ آنحضرتؐ

سے راستہ میں ملول اور ان لوگوں کی یہ طعن آمیز گفتگو حضور کے گوش گزار کروں۔ چنانچہ حضرت علیؑ نے عزمِ سفر کیا اور آنحضرتؐ سے کسی منزلِ سفر میں ملاقی ہوئے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ مدینہ کو چھوڑ کر یہاں آنے کا سبب کیا ہے؟ حضرت علیؑ نے تمام حال سُنایا اور لوگوں کی طعنہ زنی سے جو رنج ہُوا تھا اس کا اظہار کیا۔ جنابِ رسالت مآبؐ نے فرمایا کہ

یا علی اما ترضیٰ ان تکون منی بمنزلة ھارون من موسیٰ الا انه لا نبی بعدی

اے علی کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تمہیں مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون کو موسےٰ سے حاصل تھی۔ مگر فرق صرف اتنا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

حضرت علی یہ خوشخبری سُن کر مدینہ کی طرف واپس ہُوئے۔ اس اثناء میں منافقوں نے نہایت تیزی کے ساتھ اس راستہ میں کہ جس سے گزرنا لازمی تھا ایک گہرا گڑھا کھود لیا اور اس پر نرکل کی لمبی لمبی شاخیں اور گھاس ڈال کر چھپا دیا اور ہلکی ہلکی مٹی اُدپر ڈال دی کہ گڑھے کا پتہ نہ لگے اور اس گڑھے کے چاروں طرف پتھر ہی پتھر جمع کر لئے۔ ان منافقوں نے یہ سازش کی کہ جب علی گھوڑے سمیت اس گڑھے میں گر جائیں گے تو ان کو پتھروں سے مار مار کر ہلاک کر دیں گے۔

چنانچہ جب حضرت علیؑ رسُولِ خداؐ سے رخصت ہو کر اپنے فرس پر سوار ہُوئے اور مدینہ کی طرف واپس روانہ ہوئے اور اس گڑھے کے نزدیک پہنچے تو گھوڑے نے اس جگہ کو دیکھ لیا اور چلتے چلتے رُک گیا۔ اور اپنا مُنہ حضرت علی کے کان کے برابر کیا خدا نے اس کی گردن کو اتنا طویل کر دیا کہ اس کا مُنہ حضرت کے کان تک پہنچ گیا اور اس نے عرض کی مولا آگے گڑھا ہے اور آپ کے دشمنوں نے آپ کے قتل کا ارادہ کیا ہے، اور آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ خدا تجھے اس کا اجر عطا کرے جو تُو نے مجھے اطلاع دی ہے۔ خداوند عالم تجھے اپنی مرحمت جمیل سے محروم نہیں کرے گا۔ چنانچہ گھوڑا چل پڑا۔ مگر جب بالکل گڑھے کے کنارے پر پہنچا تو پھر رُک گیا اور خوف زدہ ہُوا۔ حضرت نے فرمایا کہ باذنِ خدا روانہ ہو۔ قدم بڑھا سلامتی کے ساتھ استواری کے ساتھ شانِ عجیب کے ساتھ، نئے انداز کے ساتھ۔ چنانچہ گھوڑا روانہ ہو گیا۔ اور آپ نے اس سے فرمایا دیکھ لے زمین کو خدا نے سخت کر دیا ہے، اور بالکل اصلی حالت پر موڑ دیا ہے۔ اب کوئی گڑھا نہیں ہے۔ دیگر زمین کی طرح پختہ ہو چکا ہے۔ جب حضرت نے گڑھے کو پار کر لیا تو پھر گھوڑے نے آپ کے کان کے برابر مُنہ کیا اور عرض کرنے لگا کہ آپ کو خدا نے کس قدر بزرگی عطا کی ہے کہ آپ کو اس خطرناک جگہ سے گزار دیا۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا خداوند عالم نے تجھے بھی یہ سلامتی اس لئے عطا کی ہے کہ تُو نے مجھے اس خطرناک جگہ کی اطلاع دی تھی۔ پھر گھوڑے کا مُنہ اس کے پچھلے حصّہ کی طرف کر دیا اور اسی وقت کچھ لوگ آپ کے آگے اور کچھ پیچھے تھے اور آپس میں کہنے لگے کہ چلو ذرا اس گڑھے کو دیکھیں۔ چنانچہ جب

انہوں نے گھاس وغیرہ اٹھا کر دیکھا تو وہ اسی طرح گہرا گڑھا تھا جس سے کوئی نہیں گزر سکتا تھا۔ اگر گزرتے تو گڑھے میں اوندھا جاگرتے۔ یہ معجزہ دیکھ کر خوف زدہ بھی ہوئے اور سخت متعجب ہوئے۔ (ناصبیت مُردہ باد)

حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا اے قوم تمہیں معلوم ہے کہ کس نے یہ سازش کی تھی؟ انہوں نے جواب دیا ہمیں معلوم نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ میرا گھوڑا جانتا ہے کہ کس نے یہ سازش کی ہے، اور کس طرح کی ہے۔ چنانچہ گھوڑے نے عرض کی یا امیرالمومنین جب خداوند عالم جُہال قوم کی سازش کو توڑنے کا فیصلہ کرلے یا ان کے پختہ ارادوں کو توڑدے تو خدا ہمیشہ اپنے فیصلہ میں غالب ہوتا ہے اور مخلوقات مغلوب ہوتی ہے۔ یا امیرالمومنین یہ سازش فلاں فلاں نے کی تھی۔ دس نام گھوڑے نے صاف صاف بتادیئے۔ اور اسی سلسلہ میں چوبیس نام ان لوگوں کے بتادیئے جنہوں نے رسُولِ خداؐ کے قتل کی سازش کی ہوئی تھی کہ جب آنحضرتؐ شب کے وقت پہاڑ کی خطرناک گھاٹی سے گزریں تو انہیں غار میں گرا کر قتل کر دیا جائے۔ حضرت امیرؑ کے بعض اصحاب نے یہ سُن کر عرض کی مولا آپ اس سازش کی اطلاع تحریری طور پر رسُولِ خداؐ کو جلد بھیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ خدا کا قاصد اس کے رسولؐ کے پاس پہنچنے میں زیادہ سریع ہے اور اس کا خط پہلے ہی اس کے رسُولؐ کو پہنچ چکا ہے لہٰذا تم کسی بات کی فکر نہ کرو۔

چنانچہ جب آنحضرتؐ اس گھاٹی کے نزدیک پہنچ گئے کہ جہاں منافقوں نے سازش کی تھی اور ان کی رسوائی ہونے والی تھی تو آنحضرتؐ نے اس جگہ نزولِ اجلال فرمایا اور لوگوں کو جمع کر کے ارشاد فرمایا کہ:۔

"دیکھو یہ جبرئیلؑ ہیں۔ انہوں نے مجھے خبر دی ہے کہ علی کے قتل کی سازش کی گئی تھی اور اس اس طرح کی گئی تھی۔ مگر خدا نے اپنے لطف و کرم اور معجزات عجیبہ کے ذریعہ جو اس اس طرح ظہور پذیر ہوئے تھے اس سازش کو ناکام بنادیا اور زمین سخت کردی گئی اور گھوڑا اور علی کی ساتھی جماعت اپنے قدم رکھتے ہوئے وہاں سے بخیر و عافیت گزر گئے۔ اور پھر وہ گڑھا اپنی حالت پر آگیا۔ اور گھاس ہٹا کر دیکھا تو وہ گڑھا موجود تھا۔ یہ کرامتِ علیؑ کا اظہار خدا نے کیا تھا۔ اس وقت لوگوں نے علیؑ سے کہا کہ آپ بہت جلد اس سازش کی خبر رسُولِ خداؐ کو پہنچادیں تو علیؑ نے کہا کہ خدا کا قاصد ہمارے قاصد سے سریع تر ہے اور وہ خط پہنچانے میں سابق تر ہے۔

آنحضرتؐ نے اپنے قتل کی سازش کی خبر نہیں دی کہ علیؑ نے یہ بھی کہا ہے کہ رسُولِ خداؐ کے قتل کی جو سازش منافقوں نے کی ہوئی ہے خدا اس کو بھی ناکام بنادے گا۔

جب ان چوبیس منافقوں نے آنحضرتؐ سے یہ قصہ اور سازش قتل کی ناکامی کا واقعہ سُنا تو آپس میں کہنے لگے کہ محمدؐ کتنا ہوشیار کاہن اور ماہر جادوگر ہے۔ اس کو مدینہ سے قتلِ علیؑ کی خبر پہنچ چکی

ہے اور ہمارے آدمی سازش میں کامیاب ہو چکے ہیں۔ مگر یہ اس کو اُلٹا بیان کر رہا ہے تاکہ اپنے ہمراہیوں کو تسکین دے کر اپنے ساتھ ملائے رکھے اور کوئی مخالف اس کو نقصان نہ پہنچائے حالانکہ علیؑ کو مدینہ میں موت آچکی ہے اور اس کو بھی موت ہی گھیر کر لائی ہے۔ وہ ہلاک ہو چکا ہے اور یہ بھی ہلاک ہونے والا ہے۔ لیکن ہم سب اس کے پاس چلیں اور اس کو علی کی سلامتی کی تہنیت دیں اور خوشی و مسرت کا اظہار کریں تاکہ ہم پر اس کو اطمینان و تسلی رہے اور ہم اپنی تدبیر و سازش میں کامیاب ہو جائیں۔

چنانچہ یہ لوگ آنحضرتؐ کی خدمت میں آئے اور علیؑ کی سلامتی پر مبارکباد دی اور اپنی مسرت و خوشی کا اظہار کیا کہ خدا نے علیؑ کو دشمنوں سے بچالیا۔ پھر کہنے لگے کہ یا رسولؐ اللہ ہمیں یہ بتائیے کہ علیؑ افضل ہیں، یا ملائکہ مقرب ہیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ملائکہ کو جس قدر بھی شرف ملا ہے وہ صرف اس لئے کہ علیؑ و محمدؐ سے محبت رکھتے ہیں اور ان کی ولایت کے قائل ہیں۔ اور علیؑ کا جو دوست پاکیزہ قلب اور عیبوں سے محفوظ اور گناہوں سے مجتنب ہوگا۔ وہ بھی ملائکہ سے افضل ہے۔ اور خداوند عالم نے فرشتوں کو سجدۂ آدم کا حکم اس لئے دیا تھا کہ فرشتے اپنے نفوس میں یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ ان سے افضل و اعلےٰ کوئی مخلوق ہی نہیں اور یہی سب سے دین و علم میں افضل ہیں۔

خداوند عالم نے ان کے اس اعتقاد اور گمان کو غلط ثابت کرنے کے لئے آدمؑ کو پیدا کیا اور انہیں اسمائے مبارکہ کی تعلیم دی۔ اور فرشتوں سے سوال کیا تو وہ ان اسمار کے مسمیٰ بتانے سے عاجز آگئے۔ اور آدمؑ نے اُن کے اسمائے مبارکہ بتادیئے اور آدمؑ کی فضیلت اُن پر واضح کردی۔ پھر آدمؑ کے صلب سے ایسی ذریت پیدا کی جن میں انبیاؑ و رسل اور بہترین عباد منتخب فرمائے جن میں سب سے افضل محمدؐ اور اُن کی آل ہے۔ اور اُن کے بعد اُن کے اصحاب جو بہترین اُمت ہیں اور خدا نے فرشتوں کو بتایا کہ یہ سب اُن سے افضل ہیں کیونکہ ان ہستیوں نے بڑے بڑے بار برداشت کئے ہوئے ہیں اور بڑی بڑی تکلیفیں جھیل رہے ہیں۔ شیطانوں سے الگ مقابلہ اور اپنے نفوس سے علیحدہ جہاد اور اپنے اہل و عیال کا بار جُدا۔ اور پھر حلال روزی کے لئے سعی و کوشش الگ۔ اور دشمنوں کے خوف کی اذیت برداشت کرنا علیحدہ۔ اور ان پر بادشاہوں کے ظلم و ستم الگ۔ اور صعوبات سفر جُدا اور ہر قسم کے راستوں کی تکلیفیں جُدا اور اپنے اور اپنے عیال کے لئے کمائی کی مشقتیں علیحدہ۔

خداوند عالم نے فرشتوں کو بتایا کہ مومنین باتمکین ان مصائب کو برداشت کرتے ہیں اور اپنی خلاصی ان بلاؤں سے کرتے ہیں اور شیطانوں سے جہاد کرتے ہیں اور ان کو شکست دیتے ہیں اور اپنے نفوس سے بھی جہاد کرتے ہیں۔ خواہشاتِ نفس کو شکست دیتے ہیں حالانکہ ان میں خواہشات مردانہ اور خواہشاتِ لباس و غذا و عزت و ریاست و برتری و فخر موجود ہیں۔ اور پھر ابلیس سے مقابلہ کر کے تکلیفیں جھیل کر اس کو شکست دیتے ہیں۔ اور شیطانوں کے لشکر سے مقابلہ کرتے ہیں جو اُن کو بہکاتا ہے

اور مکر و فریب کرتا ہے اور پھر طعن و تشنیع دشمنانِ خدا پر صبر کرتے ہیں اور اولیاء اللہ پر جو لوگ سب و شتم کرتے ہیں اس کی اذیت کو برداشت کرتے ہیں اور باوجود ان مصائب و آلام کے اپنی روزی بھی کماتے ہیں۔ اور کبھی دشمنانِ دین سے دُور بھاگنے کی تکلیف گوارا کرتے ہیں اور کبھی دشمنانِ دین سے کیں دین کی جستجو کرتے ہیں۔

خداوند عالم نے ملائکہ سے فرمایا کہ اے ملائکہ تم ان تمام تکالیف و مصائب سے محفوظ ہو نہ تم میں مردانہ قوت ہے جو تمہیں اُبھارے، اور نہ تم میں خواہشِ طعام ہے جو تمہیں حقیر کرے اور نہ تمہیں دنیا و دین کے دشمنوں کا خوف ہے جو تمہارے دلوں میں رنج و غم پیدا کرے۔ اور نہ تمہارے پاس کوئی ابلیس ہے جو تمہیں ورغلائے۔

اے ملائکہ جو شخص ان بنی آدم میں سے میری عبادت کرے گا اور اپنے دین کو تمام عیبوں سے محفوظ رکھے گا تو اس نے اپنے پہلو میں میری وہ محبت رکھ لی ہے جس بار کو تم نہیں اٹھا سکتے۔ اور اُس نے میرا وُہ تقرب حاصل کر لیا ہے جو تم نہیں حاصل کر سکتے۔

جب خداوند عالم نے فرشتوں کو محمدؐ عربی اور شیعیانِ علیؑ کے فضائل سے آگاہ کیا اور ان کی قوت برداشت محبت کا ذکر فرمایا جو ملائکہ برداشت نہیں کر سکتے اور بنی آدم کے مخیر و متقی حضرات کا فضل و کمال جتا کر فرمایا کہ اے ملائکہ اسی وجہ سے تمہیں آدمؑ کے سجدہ کا حکم دیا ہے کہ آدمؑ کی پُشت میں ان بزرگواروں کے انوار موجود ہیں اور یہ سجدہ آدمؑ کو نہ تھا بلکہ آدمؑ تو قبلہ تھے کہ جن کی طرف رُخ کر کے خدا کو سجدہ کیا گیا تھا اور اسی وجہ سے وُہ معظم و مکرم بنے کہ انہیں قبلہ بنایا گیا اور کسی شخص کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وُہ خدا کے سوا کسی کو ایسا سجدہ کرے جس طرح خدا کے سامنے کرتا ہے اور خدا کی عظمت کا اظہار کرتا ہے۔ اور اگر میں سجدہ کا حکم غیر خدا کے لئے دیتا تو تمام کم علم شیعوں اور تمام مکلفین کو حکم دیتا کہ اس عالم کو سجدہ کرو جس نے وصیِّ رسُولؐ علی ابن ابی طالب کے علوم پہنچائے ہیں اور محمدؐ عربی کے بعد علی بن ابی طالبؑ کی محبت پیدا کرائی ہے۔ اور اس کی نشر و اشاعت و ترویج میں تکالیف اور مصائب برداشت کئے ہیں۔ اور ہمارے اور خدا کے حقوق کی نگرانی کی ہے اور ان کا انکار نہیں کیا ہے۔

اس کے بعد آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ابلیس اس لئے ہلاک ہُوا کہ اس نے آدمؑ پر تکبر کر کے خدا کی نافرمانی کی تھی۔ اور آدمؑ نے درخت کا پھل کھایا مگر تکبر کی وجہ سے حکم عدولی نہیں کی تھی اس لئے وُہ ہلاکت سے محفوظ رہے کیونکہ انہوں نے محمدؐ و آلہ الطاہرین پر اپنی بڑائی نہیں کی تھی۔

اور در حقیقت بات یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ سے کہا تھا کہ:۔

اے آدم! تم پر ابلیس نے تکبر کر کے میری نافرمانی کی تھی اس لئے وُہ ہلاک ہو گیا اگر وُہ تمہارے

سامنے میرے حکم کی عزت کرتے ہوئے جھک جاتا تو ضرور نجات و فلاح حاصل کر لیتا جس طرح اے آدم تم نے درخت کا پھل میرے حکم کے خلاف کھایا مگر محمدؐ و آل محمدؐ کے سامنے تم جھک گئے اس لئے تم فلاح یافتہ ہو جاؤ گے اور لغزش معاف ہو جائے گی۔ لہٰذا تم محمدؐ و آل محمدؐ کے وسیلہ سے دعا کرو۔

چنانچہ آدمؑ نے محمدؐ و آلہ الطاہرین کے وسیلہ سے دعا کی اور مکمل کامیابی حاصل کر لی کیونکہ انہوں نے ہم اہلبیتؑ کے دامن سے تمسک کر لیا۔

جناب رسالتمآبؐ نے اس خطبہ بلیغہ کے بعد آدھی رات کے اول حصہ میں کوچ کے لئے منادی کا حکم دیا کہ یہ اعلان کر دیا جائے کہ قافلہ کا کوئی آدمی رسولؐ اللہ سے آگے اس گھاٹی پر نہ چڑھے جو خطرناک گھاٹی ہے جب تک رسولؐ اللہ اس گھاٹی کو عبور نہ کر لیں۔

اس کے بعد حضرتؐ نے حذیفہ بن یمان کو حکم دیا کہ گھاٹی کے نچلے حصہ میں چھپ کر بیٹھ جائے اور دیکھتا رہے کہ کون اس گھاٹی پر رسولؐ خدا سے پہلے گزرتا ہے اور اس کی خبر رسولؐ خدا کو پہنچائے۔ اور آنحضرتؐ نے اس کو حکم دیا کہ پتھر کی شکل اختیار کر کے بیٹھے کہ لوگوں کو پتہ نہ لگے۔ حذیفہ نے عرض کی

یا رسولؐ اللہ میں جب اس ارادہ سے چھپ کر بیٹھوں گا کہ ان کی سازش کا پتہ لگاؤں اور لشکر کے سرداروں کی تفتیش کے لئے کوشش کروں، تو یا رسولؐ اللہ مجھے یہ خطرہ ہے کہ اگر ان میں سے کوئی آپ سے پہلے وہاں پہنچ گیا اور آپ کے قتل کی تدبیر کے لئے دیکھ بھال کرنے لگا اور مجھے دیکھ لیا، تو مجھے قتل کر دے گا۔

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ :-

جب تم گھاٹی کے نچلے حصہ میں پہنچو اور اس کے قریب ایک بڑے پتھر تک پہنچو تو اس پتھر سے یہ کہو کہ "اے پتھر خدا کے رسولؐ نے تجھے یہ حکم دیا ہے کہ تو اپنے درمیان میں مجھے جگہ دے اور شگافتہ ہو جا اور یہ حکم بھی دیا ہے کہ مجھے اندر لے کر اپنے شگاف کو ملا لے اور اپنے اندر ایک اتنا سوراخ کر لے کہ میں اپنی آنکھوں سے سازش کرنے والوں کو دیکھتا رہوں اور مجھے تازہ ہوا بھی آتی رہے کہ ہلاکت سے بچ جاؤں"۔ (معجزہ فعل نبی پائندہ باد) اے حذیفہ جب تم میرا یہ حکم پتھر کو دو گے تو وہ باذن خدا فوراً تعمیل کرے گا۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ حذیفہ نے حضرت کا پیغام پہنچایا اور پتھر نے حرف بحرف حضورؐ کے حکم کی تعمیل کی اور حذیفہ اس پتھر کے اندر اطمینان سے بیٹھ گئے اور سوراخ سے دیکھنے لگے۔ چنانچہ حذیفہ نے دیکھا کہ چوبیس آدمی اپنے اونٹوں پر سوار اور ان کے آگے آگے کچھ لوگ پیادہ پہنچ گئے اور آپس میں کہنے لگے کہ اگر کوئی شخص یہاں نظر آئے تو فوراً اس کو قتل کر دو خواہ وہ کوئی بھی ہو تاکہ محمدؐ کو یہ خبر نہ دے دے کہ کچھ لوگ آپ سے

پہلے خطرناک گھاٹی پر پہنچ گئے ہیں یہ سُن کر محمدؐ واپس نہ ہو جائے اور شب کے بجائے پھر دن کو سفر کا انتظام کرے اور ہماری تدبیر ناکام ہو جائے۔

ان لوگوں کی اس بات کو حذیفہ نے خوب اچھی طرح سُن لیا اور اپنے دل میں محفوظ کر لیا۔ پھر ان لوگوں نے ہر طرف دیکھ بھال شروع کی اور پُوری تسلّی کی کہ کوئی شخص اس جگہ نہیں ہے۔ مگر خدا نے حذیفہ کو چھپایا ہُوا تھا جو کہ ایک ایک حرکت دیکھ رہا تھا۔

پس یہ لوگ اپنی اسکیم کے مطابق جُدا جُدا تقسیم ہوئے۔ کچھ پہاڑی پر چڑھ گئے اور معروف راستہ سے الگ ہو کر چھُپ گئے اور کچھ پہاڑی کے دائیں بائیں بٹ گئے اور چھُپ گئے۔ اور آپس میں کہنے لگے کہ اب دیکھیں گے کہ محمدؐ نے کس طرح دھوکہ دے کر لوگوں کو گھاٹی پر چڑھنے سے روکا تھا تاکہ وہ سب سے پہلے گھاٹی کو عبُور کر کے نکل جائے۔ ہم اپنی سازش میں کامیاب ہوں گے۔ خداوند عالم ان لوگوں کی تمام باتیں حذیفہ تک پہنچا رہا تھا اور حذیفہ اپنے دل میں محفوظ کر رہا تھا۔

جب ان لوگوں نے قتلِ رسولؐ کا مکمل انتظام کر لیا تو پتھر نے حذیفہ سے کہا کہ اب تو تمام حالات رسُولِ خداؐ کی خدمت میں جا کر بتا دے۔ حذیفہ نے کہا اگر میں تجھ سے باہر نکلوں گا تو وُہ مجھے دیکھ لیں گے اور فوراً قتل کر دیں گے اس خیال سے کہ کہیں یہ رسُولؐ خدا کو تمام حالاتِ سازش نہ بتا دے۔ پتھر نے کہا:

"جس خدا نے تجھے خوف سے بچایا اور پتھر میں جگہ دی اور سُوراخ سے ہوا آتی رہی وہی خدا تجھے رسُولؐ تک پہنچائے گا اور دشمنوں سے محفوظ رکھے گا۔"

یہ سُن کر حذیفہ تیار ہُوا اور قدرتِ خدا سے پتھر شگافتہ ہُوا اور حذیفہ ایک طائر کی شکل میں ہو کر ہَوا میں اُڑا۔ چکر لگاتا ہُوا آنحضرتؐ کے سامنے اُترا۔ اور پھر اپنی شکل میں عوُد کر آیا اور تمام ماجرا جو دیکھا تھا اور سُنا تھا رسُولؐ خدا کی خدمت میں عرض کر دیا۔ (تماشائے قدرت زندہ باد)

آنحضرتؐ نے فرمایا اے حذیفہ تم نے ان سب کو اچھی طرح پہچان لیا ہے؟ حذیفہ نے عرض کی یارسُول اللہ وُہ لوگ اپنے چہروں پر کپڑے لپیٹ کر اپنے مُنہ چھپائے ہوئے تھے لیکن ان کے اُونٹوں کے ذریعہ اکثر کو پہچان لیا تھا۔ مگر جب انہوں نے دیکھا کہ کوئی غیر یہاں نہیں ہے اور پُوری تسلّی کر لی تو انہوں نے اپنے ڈھاٹے کھولے اور چہرے صاف نمایاں ہو گئے۔ اور میں نے خوب ایک ایک کو پہچان لیا اُن کے جسم بھی اُن کے نام بھی۔ اور یارسُولؐ اللہ وہ فلاں فلاں ہیں۔ یہاں تک کہ حذیفہ نے چوبیس آدمی نام بنام گِن کر بتا دیئے۔

پس رسُولِ خداؐ نے فرمایا اے حذیفہ جب خدا محمدؐ کو رکھنا چاہتا ہے تو ان کی بلکہ تمام دُنیا کی کیا مجال ہے کہ محمدؐ کو مٹا سکیں۔ اللہ تعالےٰ محمدؐ کے بارہ میں جو فیصلہ کر چکا ہے وُہ پُورا ہو کر رہے گا' خواہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار ہو۔

پھر حضرتؐ نے فرمایا اے حذیفہ اُٹھو تم اور سلمان اور عمار میرے ساتھ تیار ہو جاؤ اور خدا پر توکل کرو۔ جب ہم اس خطرناک گھاٹی سے بخیریت گزر جائیں تو پھر تم لوگوں کو آواز دو کہ وُہ بھی ہمارے پیچھے آجائیں۔

پس رسولؐ خدا اُونٹنی پر سوار ہوئے اور سلمان و حذیفہ ناقہ کے آگے اور پیچھے ہو گئے۔ ایک نے مہار پکڑلی اور دُوسرا پیچھے ہنکاتا رہا اور عمار اُونٹنی کے برابر برابر چلتے رہے۔ اور وُہ لوگ کچھ اپنے اُونٹوں پر اور کچھ پیادہ اس خطرناک گھاٹی کے موڑوں پر تھے۔ ان لوگوں نے جو اوپر کی جانب تھے ایک کپّہ میں پتھر بھر کر لڑھکایا تاکہ وُہ کسی جگہ رُک نہ جائے اور یہ تدبیر آنحضرتؐ کی اُونٹنی کو بھڑکانے کے لئے کی گئی تاکہ اُونٹنی ڈر کر اِدھر اُدھر غار میں گر جائے جو اتنا گہرا تھا کہ اُوپر سے دیکھنے والا بھی خوفزدہ ہو جائے۔ جب وُہ کپّہ اُوپر سے چل کر آنحضرتؐ کی سواری کے نزدیک پہنچا تو خدا نے اس کپّہ کو اُوپر کی جانب بلند کر دیا کہ وہ کافی اُونچا ہو گیا اور آنحضرتؐ کی اُونٹنی موڑوں سے گزر گئی۔ پھر وُہ کپّہ نیچے گرا اور پہاڑیوں سے ٹکراتا ہوا غرغراہٹ کرتا ہوا غار میں گر گیا۔ مگر اس غرغراہٹ کی آوازیں آنحضرتؐ کی اُونٹنی کے کان میں پہنچتی تھیں۔ (تماشائے قدرت زندہ باد)

پھر حضرتؐ نے عمار سے کہا کہ ذرا پہاڑی پر چڑھ کر جہاں یہ لوگ کھڑے ہوئے ہیں اپنا عصا ان کی سواریوں کے مُنہ پر لگاؤ۔ چنانچہ عمار نے جب ایسا کیا تو ان کی سواریاں بھڑک گئیں اور کوئی کدھر گرا کوئی کدھر۔ کسی کی ٹانگ ٹوٹ گئی کسی کا بازو ٹوٹ گیا کسی کا پہلو شکستہ ہو گیا اور شدت کا درد ہوا۔ ہائے وائے کرنے لگے۔ جب یہ زخم اچھے ہو گئے تب بھی نشانات باقی رہے اور مرتے دم تک نشانات نہیں مٹے۔

اسی لئے جناب رسُول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حذیفہ اور امیر المومنین اچھی طرح منافقین کو پہچانتے ہیں کیونکہ حذیفہ نے تو خود پتھر میں بیٹھ کر پہچان لیا تھا کہ کون کون ہیں جو رسُولؐ اللہ سے پہلے گھاٹی سے گزرے ہیں۔ اور علی سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ خداوند عالم نے خود اپنے رسُولؐ کی حفاظت کی اور منافقوں کی سازش کو ناکام بنا دیا اور آنحضرتؐ بسلامتی وارد مدینہ ہوئے اور خداوند عالم نے ان لوگوں کو ذلت ورُسوائی کا لباس پہنا دیا جو آنحضرتؐ کو چھوڑ گئے تھے اور جنہوں نے قتل کی سازش کی تھی اور خدا نے حضرت علی علیہ السلام کو محفوظ رکھا اور سازش کو ناکام بنا دیا۔ (احتجاج طبرسی صفحہ ۲۶-۲۷)

(تماشائے قدرت زندہ باد)

حضرت امیر المومنین علیہ السّلام کا معجزہ

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام اپنے آباء طاہرین کے سلسلہ سے بیان فرماتے ہیں کہ ایک روز

حضرت امیر المومنین علیہ السلام تشریف فرما تھے کہ ایک یونانی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا جو فلسفہ اور فن طب میں کمال کا مدعی تھا۔ اس نے کہا اے ابوالحسن مجھے تمہارے صاحب رسول محمد مصطفےٰؐ کے متعلق خبر ملی ہے کہ (معاذ اللہ) اُن کو جنون کا مرض ہے۔ میں اُن کے علاج کے لئے آیا ہوں۔ مگر یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ وُہ وفات پا چکے ہیں۔ اور مجھے اُن کے علاج کا موقعہ نہیں مل سکا۔ اور مجھے بتایا گیا ہے کہ آپ اُن کے عم زاد برادر اور داماد ہیں۔ میں آپ کی حالت دیکھ رہا ہوں کہ آپ مرض صفرہ میں مبتلا ہیں صفرہ غالب آگیا ہے اور آپ کی پنڈلیاں بہت زیادہ کمزور ہو چکی ہیں جو آپ کے جسم کا بار بھی برداشت نہیں کر رہی ہیں۔

میرے پاس مرض صفرہ کی دوا تو موجود ہے مگر پنڈلیوں کے لئے کوئی علاج کی صورت نظر نہیں آتی کہ ان کو فربہ کیا جائے۔ مگر آپ ایسا کریں کہ ٹانگوں پر بار کم ہو، چلنا پھرنا کم کر دیں، اور آہستہ آہستہ چلا کریں اور اپنی کمر پر یا سینہ سے لگا کر کوئی بار اٹھائیں مگر وُہ بھی بہت کم ہو۔ پنڈلیوں پر زیادہ وزن نہ پڑے کیونکہ آپ کی پنڈلیاں بہت کمزور ہیں زیادہ وزن اٹھانے میں خطرہ ہے کہ پنڈلیاں کج نہ ہو جائیں یا ہڈی شکستہ نہ ہو جائے۔

ہاں مرض صفرہ کی دوا میرے پاس موجود ہے اور وُہ یہ دوا ہے۔ چنانچہ یونانی نے دوا نکال کر کہا لیجئے اس کو استعمال کیجئے۔ اس سے آپ کو کوئی تکلیف و اذیت نہیں ہوگی لیکن آپ کو چالیس روز تک گوشت سے پرہیز کرنا ضروری ہوگا آپ کا یہ مرض بالکل زائل ہو جائے گا۔ حضرت امیر المومنین نے فرمایا:۔

اے یونانی! تم نے یہ دوا میرے صفرہ کے لئے فائدہ بخش بتائی ہے مگر یہ تو بتاؤ کہ مرض صفرہ کس چیز سے زیادہ ہو سکتا ہے اور کس چیز سے اس کو زیادہ نقصان پہنچ سکتا ہے؟

یونانی نے کہا کہ اس دوا کے ایک دانہ نخود کی برابر کھانے سے نقصان پہنچ سکتا ہے اور مریض صفرہ اگر کھالے تو اُسی وقت مر جائے گا۔ اور جس کو مرض صفرہ نہ ہو اور وُہ کھالے تو یہ مرض پیدا ہو جائے اور اُسی وقت مر جائے گا۔

حضرت نے فرمایا کہ ذرا یہ دوائے ضرر رساں دکھاؤ۔ اس نے آپ کی خدمت میں پیش کر دی۔ آپ نے فرمایا کہ یہ کتنی ہوگی۔ اس نے کہا یہ دو مثقال ہوگی اور ایک دانہ کے برابر سم قاتل ہے۔ حضرت نے وُہ تمام دو مثقال دوا نوش فرمالی۔ اور ذرا سا پسینہ آیا اور بس۔ (اقتدار اہلبیت پائندہ باد)

یونانی نے یہ دیکھ کر تھرّاتے ہوئے کہا کہ میں ابو طالب کے فرزند علیؑ کی موت کا ذمہ دار بنایا جاؤں گا۔ اور ان کے قتل کا الزام مجھ پر ہوگا۔ اور کوئی شخص یہ میرا عذر قبول نہیں کرے گا کہ غلطی فرزندِ ابو طالب کی ہے۔

یہ سُن کر حضرت علیؑ مسکرائے اور فرمایا اے بندۂ خدا دیکھ میرا بدن صحیح و سالم ہے اور کسی قسم کا

کوئی نقصان تیری، اس دوا نے نہیں پہنچایا ہے۔ جس کو تو زہر قاتل سمجھتا تھا۔ (عقیدہ نوع واحد مردہ باد) اس کے بعد حضرت نے یونانی کو حکم دیا کہ ذرا اپنی آنکھیں بند کرلے اس نے آنکھیں بند کیں آپ نے فرمایا کھول لے اس نے آنکھیں کھول لیں اور حضرت کے چہرہ مبارک پر نظر ڈالی تو کیا دیکھتا ہے کہ چہرہ پر نور سُرخ و سفید ہے جیسے جسم ومبارک کو سُرخی پلا دی گئی ہو۔ یونانی یہ حال دیکھ کر کانپنے لگا اور حضرت مسکراتے رہے اور فرمایا اے یونانی وہ مرض کہاں گیا جو تو نے میرے لئے تجویز کیا تھا۔ یونانی کہنے لگا کہ آپ وہ نہیں ہیں کہ جن کو میں نے پہلے دیکھا تھا آپ پہلے ضرر رسیدہ مریض تھے اور اس وقت آپ گلاب کے پھول کی طرح ہیں، آپ نے فرمایا کہ مرض صفرد تیرے اس زہر کی وجہ سے رفع ہو گیا جس کو تو زہر قاتل کہتا تھا۔ اس کے بعد آپ نے یونانی سے فرمایا کہ یہ میری پنڈلیاں دیکھ کیونکہ تو کہتا ہے کہ یہ بہت کمزور ہیں اور مجھے آرام کے ساتھ چلنا چاہیے اور بار نہیں اٹھانا چاہیے ورنہ یہ پنڈلیاں ناقص ہو جائیں گی۔ میں تجھے خدا کا علم طب دکھاتا ہوں جو تیرے علم طب کے بالکل خلاف ہے یہ کہ کر آپ نے ایک بہت بڑے لکڑیوں کے بنے ہوئے مکان پر ہاتھ ڈالا جس کے بالائی حصہ پر بیٹھنے کی ہموار جگہ تھی اور اس کے اوپر دو حجرے تھے ایک پر دوسرا بالا خانہ تھا حضرت نے اس کو حرکت دے کر دست مبارک پر اٹھا لیا اس کی سطح اور دیواریں اور اس کے روشن دان وغیرہ بلند کر دیا اور صرف ایک ہاتھ پر اٹھا لیا۔ (تماشائے قدرت زندہ باد)

یہ دیکھ کر یونانی کو غش آ گیا۔ بے ہوشی طاری ہو گئی۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ اس پر پانی چھڑ کو۔ چنانچہ پانی کے چھینٹے مارے گئے جس سے کچھ ہوش میں آ گیا اور کہنے لگا خدا کی قسم آج جو عجائبات دیکھے ہیں وہ کبھی نہیں دیکھے تھے۔ (اقتدار مظہر العجائب پائندہ باد)

حضرت نے فرمایا کہ یہ علم آنحضرتؐ ہی کے علم سے ہے اور یہ فہم بھی ان ہی کے فہم سے ہے اور یہ قوت بھی ان ہی کی قوت سے ہے۔ اے یونانی! آنحضرتؐ کی خدمت میں ایک ثقفی حاضر ہوا تھا جو عرب کا سب سے بڑا طبیب تھا اور آنحضرتؐ سے عرض کی کہ میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ اگر آپ کو مرض جنون ہے تو میں اس کا علاج کروں۔ آنحضرتؐ نے جواب دیا کہ ثقفی کیا تو یہ پسند کرے گا کہ میں تجھے ایک معجزہ دکھاؤں جو تیری طب سے مستغنی کر دے اور تجھے خود میری طب کی ضرورت پڑے۔ ثقفی نے کہا ہاں دکھایئے۔ وہ کیا معجزہ ہے آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تو اس سبز شجر کو پکار اور آپ نے ایک طویل درخت خرما کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے درخت کو پکارا تو وہ فوراً اپنی جڑوں سمیت

زمین سے نکلا اور زمین کو شگافتہ کرتا ہوا سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ (فعل نبی پائندہ باد)
آنحضرتؐ نے فرمایا کہ کیا یہ معجزہ تیرے لئے کافی ہے اس نے عرض کی۔ نہیں۔ آپؐ نے فرمایا کیا چاہتا ہے۔ اس نے عرض کی۔ آپ اس درخت کو حکم دیجیے کہ یہ پھر اپنی جگہ پر اسی طرح واپس جا کر جڑوں سمیت قائم ہو جائے جس طرح پہلے تھا۔ آنحضرتؐ نے حکم دیا اور وہ درخت اپنی سابقہ حالت پر آ گیا اور اپنی جگہ پر قائم ہو گیا۔

(اقتدار محمدؐ وآل محمدؐ پائندہ باد)

یہ واقعہ سن کر یونانی نے حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کہ آپ نے جو کچھ بیان فرمایا ہے یہ محمدؐ کی بابت ذکر کیا ہے جو اس وقت موجود نہیں ہیں اور میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ اس سے بھی کم معجزہ دکھا دیں۔ میں آپ سے دور ہوں آپ مجھے پکاریں اور قریب کر لیں اور میں آپ کا حکم قبول نہیں کروں گا پس اگر آپ مجھے اپنے پاس لے آئے تو یہ آپ کا معجزہ ہو گا۔ حضرت نے فرمایا یہ معجزہ صرف تیرے ہی لئے ہو گا کیونکہ تو خود ہی اس بات کو جانتا ہے کہ تو نے ارادہ نہیں کیا تھا اور میں نے تیرے اختیار کو زائل کر دیا بغیر اس امر کے کہ تیرے جسم کا کوئی حصہ مجھ سے ملا ہو یا کسی ایسے شخص کا کوئی حصہ جسم تجھ سے ملا ہو جس کو میں نے حکم دیا ہو کہ تیرے جسم سے ملے ممکن ہے کوئی کہہ دے کہ یہ باہمی مشورہ ہو گا یعنی یہ معجزہ تمام لوگوں کے لئے نہیں ہو سکتا میں تجھے اختیار دیتا ہوں کہ تو جو معجزہ چاہتا ہے طلب کر

(اقتدار اہلبیت پائندہ باد)

یونانی نے عرض کی کہ آپ اس درخت خرما کو حکم دیں کہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ایک ایک جز الگ الگ ہو جائے اور پھر آپس میں مل کر مثل سابق درخت بن جائے۔ حضرت نے فرمایا کہ مجھے یہ معجزہ دکھانا منظور ہے اور میں تجھے اپنا پیغامبر بناتا ہوں تو خود اس درخت کے پاس جا کر کہہ دے کہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصی تجھے حکم دیتا ہے کہ تو ریزہ ریزہ ہو جا اور تمام اجزا جدا جدا ہو جائیں۔ چنانچہ یونانی نے آپ کا پیغام پہنچایا اور جس وقت درخت کو جناب امیر المومنین علیہ السلام کا حکم پہنچا وہ فوراً ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور اس کے تمام اجزا جدا جدا ہو گئے۔ اور اس قدر باریک ریزہ ریزہ ہوا کہ نظر نہیں آتا تھا گویا کہ درخت کا وجود ہی نہ تھا۔ یہ دیکھ کر یونانی کانپنے لگا اور اس کے بازو تھرانے لگے پھر یونانی نے کہا کہ آپ نے مجھے مطالبہ کا اختیار دیا تھا آپ نے میرا مطالبہ پورا کر دیا اب آپ میرا یہ مطالبہ بھی قبول فرمائیے کہ یہ درخت اپنی اصلی حالت پر آ جائے۔ حضرت نے فرمایا کہ جا میری طرف سے پھر اس کو حکم دے کہ اپنی

اصلی حالت پر آجائے۔ چنانچہ یونانی نے کہا کہ اے درخت تجھے محمدؐ عربی کا وصی حکم دیتا ہے کہ اپنی اصلی حالت پر آ جا۔ یہ حکم سنتے ہی فوراً اس کے اجزاء جو غبار کی طرح ظاہر ہوئے اور آپس میں ملنے لگے۔ یہاں تک کہ شاخیں بنیں پتے بنے اور جڑ اور تنا اور پھر اس میں کچا پھل بھی لگا اور اپنی جگہ پر مکمل درخت بن گیا (امر امام پائندہ باد)

پھر یونانی نے عرض کی کہ اس میں تازہ تازہ پھل لگیں اور پختہ ہو سرخ ہو جائیں اور آپ مجھے اور تمام حاضرین کو اس کے پھل کھانے کا موقعہ عطا کر دیں۔ آپ نے فرمایا تو میرا پیغامبر ہے جا اس کو کہہ دے کہ علی ابن ابی طالب نے حکم دیا ہے کہ فوراً تازہ تازہ رطب پختہ خرمے تیار ہوں۔ یہ کہنا تھا کہ فوراً مطابق خواہش یونانی تازہ رطب تیار ہو گئے۔

(اقتدار اہلبیت پائندہ باد)

اس کے بعد یونانی نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ میرا ایک ہاتھ اتنا طویل ہو جائے کہ میں اس کے خرمے اپنے ہاتھ سے لے سکوں اور دوسرا ہاتھ اصلی حالت پر رہے اور خود شاخ خرمہ جو رطب سے لدی ہوئی ہو میرے پاس آجائے۔ حضرت نے فرمایا کہ جس ہاتھ کو طویل کرنا چاہتا ہے اس کو آگے کر اور یہ کلمات زبان پر جاری کر۔

" یا مقرب البعید قرب یدی منها " اے بعید کو قریب کرنے والے میرے ہاتھ کو اس کے پھلوں سے ملا دے۔ یہ کلمات کہے تھے کہ فوراً ہاتھ لمبا ہو گیا۔ اور رطب توڑ لئے، پھر آپ نے فرمایا۔ اب جس ہاتھ میں خود رطب کو بلانا چاہتا ہے اس کو بند کرے اور یہ کلمات زبان پر جاری کر۔

" یا سهل العسیر سهل لی تناول مابعد عنی منها " اے مشکل کو آسان کرنے والے جو رطب مجھ سے دور ہیں مجھ تک پہنچا دے۔ یہ کلمات کہے تھے کہ خرمہ کی شاخیں طویل ہو گئیں اور رطب اس کے ہاتھوں تک پہنچ گئے۔ (تماشائے قدرت پائندہ باد)

اس کے بعد حضرت نے فرمایا کہ اگر تو یہ خرمہ کھا کر ایمان نہیں لائے گا تو پھر خدا ایسے عذاب میں تجھے مبتلا کرے گا کہ عاقل و جاہل سب کے لئے عبرت ہو۔ یونانی نے کہا اب بھی اگر میں کافر رہوں پھر تو میرا یہ انتہائی عناد ہے اور اپنے آپ کو ہلاکت کے پیش کر رہا ہوں۔ میں یہ گواہی دیتا ہوں کہ آپ خدا کے مخصوص بندہ ہیں اور اپنی ہر بات میں سچے ہیں اب آپ جو دل چاہے مجھے حکم دیجئے میں تعمیل کروں گا۔ حضرت نے فرمایا کہ تو اقرار کر کہ خدا اپنی وحدانیت میں یکتا ہے اور جود و حکمت والا ہے اور عبث و فساد سے مبرّا ہے اور اپنی کنیزوں اور اپنے بندوں سے عدل و انصاف کرتا ہے ان

پر ظلم نہیں کرتا اور گواہی دے کہ یہ علیؑ جنہوں نے تجھے معجزات دکھائے ہیں جو بھی دکھائے ہیں اور تجھے خدا کی نعمت سے نوازا ہے جتنا بھی نوازا ہے وہ بعد محمد مصطفےؐ تمام خلائق سے افضل و اعلیٰ ہیں اور مقام محمدؐ عربی کے سب سے زیادہ حق دار ہیں۔ شریعت واحکام خدا کا انتظام کرنے میں اوران کے دوست خدا کے دوست اوران دشمن خدا کے دشمن

(احتجاج طبری ۱۱۰) (اقتدار اہلبیت پائندہ باد)

"معجزات معصومینؑ حصر واحصار سے بلند ہیں"

مسئلہ خرق عادت کے ہر پہلو کو پیش نظر رکھ کر ہم نے ثابت کر دیا کہ قوت اعجاز عطیہ خدا ہے اور فعل اعجاز نبی وامام سے صادر ہوتا ہے اور یہ حضرات خود بھی جس پر معجزہ ظاہر کرنا چاہیں تو اس کی زبانی حکم معجزہ عطا کر دیتے ہیں اوران ذوات مقدسہ کا قول اور امر بھی معجزہ ہے اور یہ طاقت بھی خدا ہی کا عطیہ ہے اور خدا ہی نے ان بزرگواروں کو یہ اقتدار عطا کیا ہے یہ قوت اعجاز وقتی نہیں ہے بلکہ ہر وقت ان کی ذات میں موجود ہے اوراسی کمال ذاتی کے آثار ظاہر ہوتے رہتے ہیں اوراس کے اظہار کا بھی اختیار خدا ہی نے عطا فرمایا ہے کیونکہ ان حضرات کی مشیت تابع مشیت خدا ہے لہذا ان کو کلی اختیارات حاصل ہیں۔ کائنات میں تصرفات کر سکتے ہیں اور کرتے رہتے ہیں کیونکہ حجۃ اللہ علی الخلائق ہیں اور واسطہ ظہور صفات خدا بھی چنانچہ حضرت محسن الاسلام علامہ فیض صاحب تفسیر صافی تحریر فرماتے ہیں۔

وقال الصادق علیه السلام نحن والله الا سماء الحسنیٰ التی لا یقبل الله من العباد عملاً الا بمعرفتنا و ذلک لا نهم علیهم السلام وسائل معرفته ذاته و سائط ظهور صفاته سبحانه (کتاب الحقائق ۲۰۱)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ خدا کی قسم ہم خدا کے اسماء حسنیٰ ہیں خداوند عالم اپنے بندوں کا کوئی عمل قبول نہیں کرتا ہماری معرفت کے بغیر اور یہ اس لئے کہ یہ ذوات مقدسہ علیہم السلام ذات خدا کی معرفت کا وسیلہ ہیں اور اللہ سبحانہ کے صفات کے ظہور کا ذریعہ وواسطہ ہیں۔

اس کے بعد علامہ فیض علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں۔

الحجة بمنزلة روح العالم جسده فکما ان الروح انما ید بر الجسد و یتصرف فیه بما یکون له القوی الروحانیة و الجسمانیة

کذلک الحجة یدبر العالم و یتصرف فیه باذن بواسطة الاسماء الالهیة التی اودعها فیه وعلمها ایاہ ورکبها فی فطرتہ فانها منه بمنزلة القوی من الروح ولهذا تخرب الدار الدنیا بانتقال الحجة عنها کما ان الجسد یبلی ویفنی بمفارقة الروح عنه۔

(کتاب الحقائق ص۲۰۱)

حجت خدا بمنزلہ روح عالم ہے اور عالم اس کا جسد ہے لہٰذا روح جس طرح ہمارے جسم کی مدبر ہے اور تصرّف کرتی ہے اُن روحانی و جسمانی قوتوں کے ذریعہ جو جسم میں موجود ہیں اسی طرح باذنِ خدا حجت خدا بھی تدبیر عالم کرتا ہے اور عالم میں تصرفات کرتا ہے۔ اور اس کے لئے وُہ اسمائے الٰہیہ جو خدا نے اس میں ودیعت کر دیئے ہیں اور اس کو تعلیم دے دیئے ہیں اور اس کی خلقت و فطرت میں جزو ترکیبی قرار دے دیئے ہیں یہ اس کی قوتیں اور طاقتیں ہیں جن کے ذریعہ مدبر و متصرف عالم ہے اور چونکہ حجت خدا روحِ عالم ہے اس لئے جب وُہ عالم سے جُدا ہو جائے گا تو عالم فنا ہو جائے گا جس طرح رُوح نکلنے کے بعد ہمارا جسم فنا ہو جاتا ہے۔ (اقتدار اہلبیت زندہ باد)

اس بیان سے واضح ہو گیا کہ حضرات محمدؐ و آل محمد علیہم السّلام کو امور شریعت کے علاوہ امورِ تکوین و تخلیق میں بھی اقتدار حاصل ہے اور اس اقتدار کی وجہ سے ان کا حجت خدا ہونا ثابت ہوتا ہے اور اسی اقتدار کی وجہ سے کمالات خدا کی معرفت ہوتی ہے اور اسی لئے جس قدر ان حضرات کی معرفت بلند ہو گی اسی قدر خدا کی معرفت بلند ہو گی۔

ان حضرات کے خوارق عادات و معجزات کا حصر و احصاء اسی طرح ناممکن ہے جس طرح ان حضرات کے فضائل کا۔ لہٰذا ان حضرات کی بزم کو تماشا خانہ تحریر کرنا اور سمجھنا عدم معرفت و عدم علم و عدم فہم کی دلیل ہے بلکہ ناصبیت کے آثار ہیں۔

چنانچہ علامہ فیض علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں:۔

کثرت معجزات کو تماشہ کہنا دلیلِ ناصبیت ہے

والاخبار فی کراماتہم علیہم السلام من الاخبار بالضمائر والمغیبات والمعرفة بمنطق الطیر وجمیع اللغات وابراء اصحاب الامراض المزمنة دفعة واحیاء الاموات وسائر المعجزات وخوارق العادات تتجاوز عن حد الحصر والاحصاء (کتاب الحقائق ص۲۰۰)

ان ذوات مقدسہ علیہم السّلام کے کرامات و معجزات و خوارق عادات غیب کی خبریں دینا اور لوگوں کے قلوب کی خبریں بتانا، اور پرندوں سے باتیں کرنا اور تمام کائنات کی زبانوں کا جاننا اور مزمن بیماریوں کو دفعتاً دور کر کے صحت مند کر دینا اور مُردوں کو زندہ کر دینا وغیرہ کے باب میں اس قدر احادیث کثیرہ وارد ہیں کہ جن کا شمار اور جن کی حد بندی نہیں کی جا سکتی۔

حضرت علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ نے تحریر فرمایا ہے کہ ان ذوات مقدسہ کی اطاعت جمیع اشیأ پر لازم ہے:۔

واجری طاعتھم علیھا ای اوجب والزم علیٰ جمیع الاشیاء طاعتھم حتی الجمادات من السماویات والارضیات کشق القمر واقبال الشجر وتسبیح الحصاۃ وامثالھا مما لایحصیٰ۔ (بحار الانوار ج۷ ص ۳۶۳)

خداوند عالم نے ان ذوات مقدسہ کی اطاعت تمام اشیاء پر واجب و لازم قرار دے دی ہے حتیٰ کہ جمادات بھی مطیع فرمان ہیں اور کل سماوی و ارضی اشیاء تابع حکم ہیں جیسے شق القمر اور حضوری شجر اور تسبیح سنگریزہ، اور اسی طرح کے بے شمار معجزات جن کا احصاء ناممکن ہے"۔

مولف اصول الشریعہ نے کثرتِ معجزات کو تماشہ تحریر کر کے اپنی جہالت و عداوتِ اہلبیت کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ حضرت علامہ مجلسیؒ و علامہ کاشانیؒ کے مقابلہ میں جاہلِ مطلق ہیں۔

تحقیق معنی امر و والیانِ امر!

لفظ امر کے معنی متعدد ہیں اور ان کی تخصیص بذریعہ استعمال ہوتی ہے جیسا کہ کتب لغت میں مرقوم ہے۔ چنانچہ قرآنِ مجید میں بھی اس کا استعمال متعدد و مختلف معانی میں وارد ہوا ہے۔

اس کے صحیح معنی کی تعیین محمدؐ و آل محمد علیہم السّلام کے ارشادات ہی سے ہو سکتی ہے جو مہبط وحی اور مفسر حقیقی ہیں۔ لہٰذا جن آیات کی تفسیر کلامِ معصوم سے ثابت ہو اس میں رائے زنی اور قیاس آرائی باطل ہے اور مطابق حدیث معصوم بالرائے تفسیر کرنا جہنم میں اپنی جگہ بنانا ہے۔ اس لئے سب سے مقدم حدیثِ معصوم ہی قرآن فہمی کا ذریعہ ہے۔

لہٰذا ہم آیۂ قرآن "اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ" کی تفسیر کلام معصوم سے پیش کرتے ہیں۔

ایک سائل نے حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے امر کے معنی دریافت کئے ہیں اور حضرتؑ نے تفصیلی جوابات عطا فرمائے ہیں:-

قال السائل من ھؤلاء الحجج قال ھم رسول اللہ ومن حل محلہ من اصفیاء اللہ الذین قرنھم اللہ بنفسہ و رسولہ وفرض علی العباد من طاعتھم مثل الذی فرض علیھم منھا لنفسہ ھم ولاۃ الامر الذین قال اللہ فیھم اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم۔ وقال فیھم ولو ردوہ الی الرسول والی اولی الامر منکم لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم قال السائل ما ذالک الامر قال علیہ السلام الذی بہ تنزل الملائکۃ فی اللیلۃ التی یفرق فیھا کل امر حکیم من خلق و رزق واجل وعمل وعمر وموت وعلم غیب السمٰوٰت و الارض والمعجزات التی لا ینبغی الا اللہ واصفیائہ والسفراء بینہ وبین خلقہ۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے ایک شخص نے دریافت کیا کہ وہ حجۃ اللہ کون ہیں، جن کو خدا نے اقتدار عطا فرمایا ہے۔ تو حضرت نے فرمایا کہ وہ حجج اللہ خدا کا رسولؐ ہے اور ان کے نائب جن کو خدا نے برگزیدہ فرمایا ہے اور انہیں اپنے اور اپنے رسولؐ کے ساتھ مقرون کیا ہے اور بندگانِ خدا پر ان کی اطاعت اسی طرح فرض کی ہے جس طرح اپنی اطاعت۔ اور یہی والیان امر ہیں۔ اور ان ہی کے لئے ارشادِ رب العزت ہے اطیعو اللہ واطیعو الرسول واولی الامر منکم (اللہ کی اطاعت کرو اور رسولؐ اور اولی الامر کی اطاعت کرو جو تم میں سے ہیں)، اور انہیں کے لئے فرمایا ہے ولو ردوہ الی الرسول والیٰ اولی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم۔ (اگر رسول و اولی الامر کے سپرد اس معاملہ کو کر دیتے تو یقیناً اندرونی حالات معلوم کرنے والوں کو صحیح علم ہو جاتا)، سائل نے دریافت کیا کہ اولی الامر میں لفظ امر کا مطلب کیا ہے؟ یعنی یہ حضرات جس امر کے والی و ولی ہیں اس کے معنی کیا ہیں؟ تو حضرت نے فرمایا اس امر کے معنی وہی ہیں جو لیلۃ القدر میں فرشتے لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور لیلۃ القدر میں جو فیصلہ شدہ امر ان کی خدمت میں فرشتے پہنچاتے ہیں اس کے معنی خلق، رزق، اجل، عمر، عمل، حیات، موت، علم غیب، ارض و سما اور وہ معجزات جو خدا اور حضرات سفراء و حجج اللہ ہی کے لئے مخصوص ہیں۔"

اسں تفسیر سے معلوم ہوگیا کہ آیہ " اطیعوا اللہ " میں جو " اولی الامر " کا فقرہ ہے اس میں امر سے مراد وُہ تمام صفات و کمالات ہیں جو لیلۃ القدر میں فرشتے اُن کی خدمت میں پیش کرتے ہیں اور خدا کے وُہ تمام فیصلے ہیں جو سال بھر کے لئے فرماتا ہے۔ لہٰذا آیۃ مذکورہ میں امر سے مراد خلق کرنا، رزق دینا، مدت مقرر کرنا، عمر کی کمی و زیادتی اور عمل کا دیکھنا، اور حیات و موت کا فیصلہ اور علم غیب اور تمام معجزات جو خدا اور ان حضرات کے لئے مخصوص ہیں۔

اب کسی قیاس یا رائے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ جناب امیر علیہ السلام نے اولی الامر کے معنی جو مراد خدا ہیں اس کی تشریح فرمادی ہے۔ لہٰذا محمدؐ و آلِ محمدؐ علیہم السلام چونکہ امر خدا کے والی و ولی اور صاحبانِ امر ہیں اس لئے ان کے اقتدار میں خلق و رزق، اور احیاء و اماتت داخل ہیں اور یہی اقتدار اولی الامر کی شناخت ہے نہ کہ بادشاہت و سلطنت جیسا کہ لوگ سمجھتے ہیں اور صاحب حکومت بادشاہ کو اولی الامر کہہ دیتے ہیں۔

مولف صاحب کی خدمت میں التماس ہے کہ وُہ اپنے احتمالات و شکوک و شبہات کو اس حدیث کے بعد دفن کر دیں اور پھر اس تفسیر معصوم کے بعد گڑھے مردے نہ نکالیں کیونکہ صاحبانِ وحی و الہام کے مقابلہ میں کسی مولوی کا قول کوئی وزن نہیں رکھتا۔ زیادہ سے زیادہ وُہ ایک رائے ہوسکتا ہے۔ مگر رائے کو دین میں کوئی دخل نہیں ہے۔ لہٰذا یا ذنِ خدا اُن کو خالق و رازق و محی و ممیت تسلیم کیجئے ورنہ شیعیت سے دست بردار ہو جائیں۔

شب قدر میں فرشتوں کی حاضری صرف سلام کے لئے ہی نہیں ہوتی بلکہ ان کا کام سفارت ہے جو خدا اور حجج اللہ کے درمیان انجام دیتے ہیں۔ اور چونکہ وُہ زمین پر حاکم و خلیفہ یا امام و نبی بن کر نہیں آتے ہیں جیسا کہ حضرات معصومین علیہم السلام نے تشریح فرمادی ہے اور ہم سابق میں تحریر کر چکے ہیں اس لئے تسلیم کرنا پڑے گا کہ " الملائکۃ خدامنا " کا یہی مطلب ہے کہ وُہ بھی تابع فرمان ہیں جس طرح تمام کائنات تابع فرمان ہے اور ان کی فضیلت بھی ان ہی حضرات کی خدمت کا نتیجہ ہے اور چونکہ ہبوط فیصلہ ہائے خدا اور نزولِ ارادۂ مقدراتِ خدا ان کی خدمت میں ہوتا ہے اور پھر ان ہی حضرات کے دربار سے اجرائے حکم ہوتا ہے اور تمام فیصلہ جات کی تعمیل کرائی جاتی ہے جس کے لئے فرشتے مامور ہیں۔ لہٰذا اجرائے احکام صرف لیلۃ القدر ہی سے تعلق نہیں رکھتا ہے بلکہ سال بھر کے فیصلے تمام سال اپنے اپنے مقررہ اوقات پر جاری ہوتے رہتے ہیں اس لئے اولی الامر کا تعلق تا سال آئندہ تمام امور سے رہتا ہے۔ ہاں سال بھر کے فیصلوں کا نزول صرف لیلۃ القدر سے مخصوص ہوتا ہے اور یہ سلسلہ اسی طرح تا قیامت جاری رہے گا۔ لیلۃ القدر آتی رہے گی ؛ خداوند عالم فیصلے فرماتا رہے گا ؛ اور اولی الامر اجراء کرتے رہیں گے ؛ اور فرشتے تعمیل حکم پر مامور ہو کر یہ خدمت انجام دیتے رہیں گے ورنہ تصدیق مومن بیوت کی تخصیص ہی غلط ہو جائے گی۔

یعنی صدورِ حکم تمہارے ہی گھروں سے ہوتا ہے۔ لہٰذا مولف کو چاہئے کہ اب اس تفسیرِ معصوم کے بعد اپنی شکست تسلیم کرکے تکبر پر لعنت بھیجتے ہوئے ان ذوات مقدسہ کی تفسیر و حدیث پر ایمان لے آئیں۔ ورنہ جو حشر زندیق کا ہوگا اس کا تصور رکھیں۔ اور تفسیر بالرائے کا ارتکاب کرکے خود جہنم میں اپنی جگہ نہ بنائیں۔

انبیاء و ائمہ کے معجزات دلیلِ ربوبیت نہیں ہیں

مولف صاحب کا درحقیقت یہ خیال خام ہے کہ اگر معجزات فعلِ نبی و امام ثابت ہوگئے تو وُہ خدا بن جائیں گے اور شرک لازم آئے گا۔ درحقیقت اسی خیال سے انہوں نے معجزات کو فعلِ خدا قرار دیا ہے۔ یہ ان کی احتیاط ممدوح ہوتی اگر خدا کو معجزات میں محدود کر دینا ممکن ہوتا۔ مگر خدا کی حد بندی امر محال ہے اور کسی مخلوق کا طائرِ فہم اس کی نہ صفات تک پہنچ سکتا ہے نہ اس کی ذات تک۔

اسی لئے امام محمد باقر علیہ السّلام نے فرمایا ہے کہ تم لوگ اپنے عقول میں جس قدر بھی دقیق سے دقیق تصورِ توحید پیدا کرو گے وُہ تمہاری عقل کی حد ہے خدا کی حد نہیں ہے۔ اور وُہ تصور تمہارا مخلوق ذہنی ہے جو تمہاری ہی طرف رد کر دیا جائے گا۔ لہٰذا معجزہ دلیلِ توحید نہیں ہے بلکہ عظمتِ توحید کی دلیل ہے۔ کیونکہ جب خدا کے سفراء و امناء کو یہ اقتدار حاصل ہے تو ان کا خالق کیسا مقتدر ہوگا جس نے یہ اقتدار عطا کیا ہے۔

درحقیقت معجزہ اُمت کے لئے معجزہ ہے اور اُمت ہی کے لئے خرقِ عادت ہے نوعِ انسان کی فطری طاقتوں سے بالاتر ہے۔ اسی لئے انسان کو اپنی عاجزی تسلیم کرنا پڑتی ہے مگر انبیاء و ائمہ طاہرین علیہم السّلام کے لئے ان کی عادت ہے جو آدمؑ سے حضرت صاحب الامر تک مسلسل چلی آئی ہے۔ جیسا کہ ہم سابق اوراق میں مفصل تحریر کر چکے ہیں۔ جو لوگ مؤلف کی طرح خدا کا محدود تصور رکھتے تھے وُہ لوگ گمراہ ہوگئے اور صاحبِ معجزہ کو خدا کہہ دیا کیونکہ ان گمراہوں کا نظریہ بھی مؤلف ہی کی طرح کا تھا کہ وُہ معجزہ کو فعلِ خدا سمجھتے تھے اور خدا کا محدود تصور رکھتے تھے۔ حالانکہ خدا نے یہ قوتِ معجزہ ان ذوات مقدسہ کو عطا فرما کر بشری شکل میں مبعوث فرمایا تھا مگر پھر بھی گمراہ ہوگئے۔ اور معجزات دیکھ کر ان حضرات کو ربوبیت کا درجہ دے دیا۔ اور جو لوگ ان حضرات کو بشر سمجھے اور اپنی نوع کے افراد سمجھتے رہے وُہ کافر ہو گئے اور صاف صاف کہہ دیا کہ تم ہماری نوع کے افراد ہو اس لئے ہم تم پر ایمان نہیں لائیں گے۔

ان دونوں میں سے ایک فرقہ حد سے بڑھ گیا، خدا کہہ دیا۔ اور دوسرے نے حد سے گرا دیا کافر

ہو گیا۔ حضرت امام رضا علیہ السلام نے اس مسئلہ کو نہایت وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے اور ایک نصرانی سے مناظرہ فرمایا ہے:-

قال الرضا علیہ السلام لقد اجتمعت قریش الی رسول اللہ نسئلوہ ان یحیی لھم موتاھم فوجہ معھم علی بن ابی طالبؑ فقال اذھب الی الجبانۃ فناد باسماء ھؤلاء الرھط الذین یسئلون عنھم یا علی صوتک یا فلان یا فلان یا فلان یقول لکم رسول اللہ محمد قوموا باذن اللہ عزوجل فقاموا ینقضون التراب عن رؤسھم فاقبلت قریش تسئلھم عن امورھم ثم اخبروھم ان محمدا بعث نبیا فقالوا وددنا ان ادرکنا فنومن بہ وقد ابرأ الاکمہ والابرص والمجانین وکلمہ البھائم والطیر والجن والشیاطین ولم نتخذہ ربا من دون اللہ عزوجل ولم ننکر من ھؤلاء فضلھم فان اتخذتم عیسی ربا جاز لکم ان تتخذوا الیسع والحزقیل ربین نانھما قد صنعا مثل ما صنع عیسی بن مریم علیھما السلام من احیاء الموتی وغیرہ۔ ثم ان قوما من بنی اسرائیل خرجوا من بلادھم من الطاعون وھم الوف حذر الموت فاماتھم اللہ فی ساعۃ واحدۃ فعمد اھل تلک القریۃ نغظروا علیھم خطیرۃ فلم یزالوا فیھا حتی نخرت عظامھم وصاروا رمیما فمر بھم نبی من بنی اسرائیل فتعجب منھم ومن کثرت العظام البالیہ فاوحی اللہ عزوجل الیہ اتحب ان یحییھم لک فتنذرھم قال نعم یارب فاوحی اللہ عزوجل الیہ ان نادھم فقال ایتھا العظام البالیۃ قومی باذن اللہ عزوجل فقاموا احیاء اجمعون ینفضون التراب عن رؤسھم۔ ثم ابراھیم خلیل اللہ اتخذ الطیر فقطعھن قطعا ثم وضع علی کل جبل منھم جزء ثم ناداھن فاقبلن سعیا الیہ ثم موسی بن عمران واصحابہ السبعون الذین اختارھم صاروا معہ الی الجبل فقالوا الہ انک قد رایت اللہ فارناہ کما رأیتہ فقال لھم انی لم ارہ فقالوا لن نومن لک حتی نری اللہ

جهرة فاخذتهم الصاعقة فاحترقوا عن اٰخرهم فبقی وحید ا فقال رب اخترت سبعین رجلا من بنی اسرائیل فجئت بهم فاجمع انا وحدی فکیف یصدقنی قومی بما اخبرهم به فلو شئت اهلکتهم من قبل و ایای افتهلکنا بما فعل السفهاء منا فاحیاهم الله عزوجل من بعد موتهم وکل شیٔ ذکرت لك من هٰذا لا تقدر علیٰ دفعه لان التوراة والانجیل والزبور والفرقان قد نطقت به فان کان کل من احی الموتیٰ وابرأ الاکمه والابرص و المجانین یتخذ ربنا من دون الله فاتخذ هٰؤلاء کلهم اربابا ماتقول یا نصرانی فقال الجاثیق القول قولك و لا اله الا الله۔

(احتجاج ص۲۱۴)

حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ اے نصرانی ایک واقعہ سُن اور غور کر:۔
ایک مرتبہ کچھ قریشی لوگ رسُولؐ اللہ کی خدمت میں حاضر ہُوئے اور انہوں نے سوال کیا کہ آپ ہمارے مُردوں کو زندہ کر دیں۔ آپؐ نے یہ سوال قبول فرمایا اور اُن کے ہمراہ علی بن ابی طالب علیہ السلام کو بھیجا کہ ان کو صحرائے قبرستان میں لے جاؤ اور جن مُردوں کو یہ لوگ زندہ کرانا چاہتے ہیں تم ان کے نام لے کر پکارو اور بلند آواز سے کہو کہ اے فلاں اے فلاں اے فلاں۔ تمہیں رسُولؐ اللہ نے حکم دیا ہے کہ فوراً کھڑے ہو جاؤ باذن خدا۔ چنانچہ یہ کہنا تھا کہ وُہ تمام مُردے زندہ ہو گئے سروں کی خاک جھاڑتے ہُوئے سامنے آکھڑے ہوئے۔ قریش اُن سے حالات پُوچھنے لگے اور انہیں خبر دی کہ محمدؐ مبعوث برسالت ہو چکے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ آنحضرتؐ تک پہنچیں اور ایمان لائیں۔
اے نصرانی! حضرت رسُولؐ اللہ نے مادر زاد اندھوں کو بھی بینا کر دیا ہے اور مبروص اور مجنونوں کو بھی صحت بخشی ہے۔ اور آنحضرتؐ سے چوپائیوں اور پرندوں اور جنات اور شیاطین نے گفتگو کی ہے۔ مگر باوجود ان تمام معجزات و خوارق عادات کے ہم نے رسُولؐ اللہ کو اپنا رب نہیں سمجھا بلکہ خدائے عزوجل کو ہی رب تسلیم کیا ہے۔
اے نصرانی اگر تم نے عیسےٰ علیہ السلام کو اسی لئے رب تسلیم کیا ہے کہ وُہ مردوں کو زندہ کرتے تھے تو پھر حضرت یسع اور حضرت حزقیل کو بھی رب ماننا چاہئے کیونکہ ان دونوں نے بھی وہی معجزات دکھائے ہیں جو حضرت عیسےٰؑ نے دکھائے تھے، اور انہوں نے بھی

مُردوں کو حضرت عیسےٰؑ کی طرح زندہ کیا ہے۔
تمہیں معلوم ہے کہ ایک قوم طاعون کے خوف سے اپنے گھروں کو چھوڑ کر نکلی تھی ۔ اور یہ بنی اسرائیل میں سے کئی ہزار آدمی تھے جو موت کے ڈر سے نکلے تھے ۔
خداوند عالم نے ان سب کو آن واحد میں موت دے دی اور دیہاتیوں نے ان کی میتوں پر سردی اور گرمی سے بچانے کے لئے گھاس پھونس ڈالا یہاں تک کہ ان کی ہڈیاں بوسیدہ ہوگئیں اور وُہ ریزہ ریزہ ہوگئے۔ پھر بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے ایک نبی کا وہاں سے گزر ہُوا اور اس نے ہزاروں مُردوں کی بوسیدہ ہڈیوں کو دیکھا اور متعجب ہُوا۔
تو خدا نے وحی فرمائی کہ کیا تم چاہتے ہو کہ ان کو مَیں زندہ کر دوں اور یہ تمہاری اُمّت بن جائیں اور تم ان کو ہدایت و تنبیہ کرو ۔ اس نبی نے عرض کی ہاں اے میرے رب۔
پس خدا نے وحی کی کہ تم ان کو پکارو ۔ نبی نے آواز دی کہ اے بوسیدہ کھڑے ہو جاؤ باذن اللہ ۔ پس وُہ سب زندہ ہو کر کھڑے ہو گئے اور اپنے سروں سے خاک جھاڑنے لگے ۔
پھر اسی طرح اے نصرانی حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کو دیکھو جب انہوں نے چار پرندے پکڑے اور ان کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کر کے دس پہاڑوں پر ڈال دیا اور پھر ان گوشت کے ٹکڑوں کو پکارا اور وُہ زندہ ہو کر دوڑتے ہوئے اُن کے پاس آ گئے ۔
اسی طرح اے نصرانی حضرت موسیٰؑ اور اُن کے ستر ہمراہیوں کا واقعہ دیکھو جن کو وُہ منتخب کر کے کوہِ طور پر لے گئے تھے اور انہوں نے حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ ہمیں خدا کو دکھاؤ جس طرح تم نے دیکھا ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا کہ میں نے خدا کو نہیں دیکھا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم ایمان نہیں لائیں گے جب تک خدا کو ظاہر بہ ظاہر نہ دیکھ لیں۔ پھر ان پر بجلی گری اور وُہ سب جل گئے اور مُوسیٰؑ تنہا رہ گئے ۔
حضرت موسےٰؑ نے درگاہِ خدا میں عرض کی کہ اے میرے پالنے والے میں ان ستر آدمیوں کو ہمراہ لایا تھا اور اب میں تنہا رہ گیا ہوں۔ جب میں واپس اپنی قوم میں جاؤں گا اور انہیں اس واقعہ کی خبر دوں گا تو وُہ کس طرح میری تصدیق کریں گے ۔ اگر ہلاک کرنا چاہتا تھا تو پہلے ہی مجھے اور ان کو ہلاک کر دیتا۔ اے ہمارے مالک کیا ان طالب دیدار بے وقوفوں کی وجہ سے ہمیں ہلاک کرے گا۔ پس خداوند عالم نے ان کو زندہ کر دیا اُن کی موت کے بعد۔
اے نصرانی! میں نے تجھے جو کچھ بتایا ہے یہ ایسے واقعات ہیں جن کا تم انکار نہیں کر سکتے

کیونکہ یہ تمام واقعات انجیل توریت اور زبور و قرآن میں موجود ہیں۔ پس اگر مُردوں کو زندہ کرنے والا، مادر زاد اندھوں کو بینا کرنے والا، مبروص کو شفا دینے والا اور مجنونوں کو صحت دینے والا رب بنایا جاتا ہے تو پھر ان سب کو ارباب بناؤ۔ کیا خیال ہے تمہارا اے نصرانی؟ یہ سُن کر نصرانی جاثلیق نے عرض کی جو کچھ آپ نے بیان فرمایا ہے ایک ایک حرف صحیح و درست ہے لا الٰہ الا اللہ۔

اس حدیثِ امام رضا علیہ السلام سے ثابت ہو گیا کہ جن لوگوں نے انبیاء علیہم السلام کو خدا بنا لیا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے انبیاء علیہم السلام کے معجزات دیکھے اور اپنی نافہمی اور جہالت کی وجہ سے گمراہ ہو گئے۔

اگر یہ معجزات فعلِ انبیاء نہ ہوتے تو حضرت رضا علیہ السلام ان کو سمجھاتے کہ تم غلطی پر ہو یہ معجزات فعلِ خدا ہیں انبیا کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے وہ تو ایک مچھر سے بھی یہی کام لے سکتا ہے جیسا کہ مؤلف اصُول الشریعہ کا خیال باطل ہے۔ مگر حضرت نے تصدیق فرما دی کہ معجزات فعلِ انبیاء ہیں اور مثالیں دے کر انبیاء کے احیاءِ موتیٰ اور ابراء اکمہ و ابرص وغیرہ کا ثبوت پیش کیا اور فرمایا کہ یہ ایسے معجزات ہیں کہ جن کا انکار دنیا میں کوئی نہیں کر سکتا۔ چاروں آسمانی کتابیں ان کی مصدق ہیں۔ اور باوجود ان معجزات کے ہم نے ان کو رب نہیں بنایا ہے۔

معلوم ہوا کہ معجزہ علامتِ ربوبیت نہیں ہے۔ اسی لئے امام رضا علیہ السلام کے فرمان کو موالیانِ اہلبیت اپنا ایمان سمجھتے ہوئے معجزات کو فعلِ نبی و امام سمجھتے ہیں۔ اور معجز نما کو خدا کا عبد تسلیم کرتے ہیں اور قوتِ معجزہ کا خالق خدا کو مانتے ہیں۔ مولف صاحب اپنے زعمِ باطل میں معجزات کو فعلِ خدا سمجھ کر نبی و امام کو مچھروں سے تشبیہہ دیتے ہیں اور نبی و امام پر ظہورِ معجزہ کو فعلِ خدا قرار دے کر نبی و امام کو بے اختیار اور مجبور ثابت کرتے ہیں جس کے بعد ان کا عقیدہ اور مجبرہ کا عقیدہ بالکل یکساں ہو جاتا ہے جس کے بعد ان کا ذبیحہ حرام، ان کی اقتداء میں نماز باطل، ان کی گواہی مردود، ان کو زکوٰۃ دینا گناہ ثابت ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث معصوم میں مجبرہ کے لئے امور مذکورہ کی حرمت ہم سابق اوراق میں مع حوالۂ حدیث تحریر کر چکے ہیں۔

معجزات انبیاء و ائمہ ان ہی کے افعال ہیں

حضرت امام رضا علیہ السلام نے یہودیوں سے گفتگو کے دوران ارشاد فرمایا ہے:۔

قال الرضا علیہ السلام ما الحجۃ علی ان موسیٰ ثبت نبوتہ قال الیھودی انہ جاء بما لم یجئ احد من الانبیاء قبلہ قال

علیہ السلام لہ مثل ماذا قال مثل خلق البحر و قلبہ العصا حیۃ تسعی وضربہ الحجر فانفجر منہ العیون و اخراج یدہ بیضاء للناظرین وعلامات لا یقدر الخلق علی مثلھا قال لہ الرضا صدقت فی انھا کانت حجۃ علی ثبوتہ انہ جاء بما لم یقدر الخلق علی مثلہ افلیس کل من ادعی انہ نبی ثم جاء بما لا یقدر الخلق علیٰ مثلہ وجب علیکم تصدیقہ قال لا لان موسیٰ لم یکن لہٗ نظیر لمکانہ من ربہ و قربہ منہ ولا یجب علینا الاقرار نبوۃ من ادعاہ حتیٰ یاتی من اعلام بمثل ماجاء قال الرضا علیہ السلام فکیف اقررتم با الانبیاء الذین کانوا قبل موسیٰ ولم یفلقو البحر ولم یفجروا من البحر اثنی عشرۃ علینا ولم یخرجوا ایدیھم مثل اخراج موسیٰ یدہ بیضاء ولم یقلبوا العصا حیہ تسعی قال لہ الیھودی قد خبرتک انہ متی جاء وا علیٰ نبوتھم من الآیات بما لا یقدر الخلق علیٰ مثلہ ولو جاء وا بما لم یجی بہ موسیٰ او کانوا علیٰ ماجاء بہ موسیٰ وجب تصدیقھم قال الرضاؑ یا راس الجات فما یمنعک من الاقرار بعیسیٰؑ بن مریم وقد کان یحیی الموتی ویبرالاکمہ والابرص ویخلق من الطین کھیئۃ الطیر ثم ینفخ فیہ فیکون طیرا باذن اللہ قال راس الجالوت یقال انہ فعل ذالک ولم نشھد قال الرضا ارائیت ماجاء بہ موسیٰ من الآیات وشاھدتہ الیس انما جاء الاخبار من ثقاۃ اصحاب مُوسیٰ انہ فعل ذالک قال بلیٰ قال فلذالک ایضا اتتکم الاخبار المتواترۃ بما فعل عیسی بن مریمؑ فکیف صدقتم بموسیٰ ولم تصدا بعیسی فلم یخرجوا یا فقال الرضا وکذالک امر محمدؐ وماجاء بہ وامر کل نبی بعثہ اللہ ومن آیاتہ انہ کان یتیما فقیرا راعیا اجیرا ولم یتعلم ولم یختلف الی معلم ثم جاء با القرآن الذی فیہ قصص الانبیاء علیھم السلام و اخبارھم حرفا حرفا من مضی ومن بقی الی یوم القیٰمۃ ثم

كان يخبرهم باسرارهم وما يعملون فى بيوتهم وجاء بآيات كثيرة لا تحصى قال رأس الجالوت لم يصح عندنا خبر عيسىٰ ولا خبر محمدؐ ولا يجوز لنا ان نقر لهما بما لا يصح قال الرضا فالشاهد الذى يشهد بعيسىٰ و محمدؐ وشاهد زور فلم يحرجوا بيا۔ (احتجاج طبرسی ص۲۱۵)

حضرت امام رضاؑ علیہ السلام نے راس الجالوت یہودی سے فرمایا کہ حضرت موسےٰؑ کی نبوّت کی کیا دلیل ہے؟ یہودی نے کہا کہ انہوں نے وُہ معجزات دکھائے جو ان سے پہلے کسی نے بھی نہیں دکھائے تھے۔ حضرت نے فرمایا مثلاً کیا دکھائے؟

یہودی نے کہا کہ انہوں نے دریا میں شگاف دیا، اور عصا کو دوڑتا ہوا سانپ بنا دیا اور پتھر پر عصا مار کر چشمے جاری کر دیئے۔ اور ہاتھ کو ید بیضا بنا کر ناظرین کو دکھایا۔ اور یہ معجزات وُہ ہیں کہ جس پر خلقِ خدا قادر نہیں ہے۔ امام رضاؑ علیہ السلام نے فرمایا بے شک تم نے سچ کہا ہے۔ یہ اُن کی نبوت کی دلیل تھی کہ انہوں نے ایسے کمالات دکھائے کہ خلقِ خدا اُن کے مثل لانے پر قادر نہیں ہے تو کیا ایسا نہیں ہے کہ ہر ایک مدعیٔ نبوت جو اپنی نبوت کے ثبوت میں ایسے معجزات دکھائے جن کے مثل پر خلقِ خدا قادر نہ ہو تو ایسے نبی کی تم پر تصدیق واجب ہے۔ یہودی نے کہا کہ نہیں۔ کیونکہ حضرت موسےٰ کا کوئی نظیر و مثل ہی نہیں ہے۔ ان کو خدا نے جو مرتبہ اور اپنا تقرب عطا کیا ہے وُہ کسی کے لئے حاصل ہی نہیں ہے۔ اس لئے ہم پر کسی نبی کی نبوّت کا اقرار واجب نہیں ہے جب تک وُہ حضرت موسیٰؑ ہی کی طرح معجزات نہ دکھائے۔ امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ پھر تم نے اُن انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کس طرح کی ہے جو حضرت موسےٰؑ سے پہلے گزر گئے اور انہوں نے نہ دریا شگاف کیا نہ پتھر سے چشمے نکالے اور نہ ید بیضا دکھایا اور نہ عصا کو اژدہا بنایا۔

یہودی نے کہا کہ میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ اُن انبیاء نے ایسے معجزات دکھائے تھے جن پر خلقِ خدا قادر نہیں ہے۔ اگرچہ وُہ حضرت موسیٰؑ والے معجزات نہ سہی مگر ایسے معجزات تھے کہ جن کے مثل پر خلقِ خدا قادر نہیں ہے اس لئے ان کی تصدیق واجب ہے۔ امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ اے راس الجالوت پھر تم حضرت عیسیٰ بن مریمؑ پر کیوں ایمان نہیں لائے حالانکہ انہوں نے بھی مُردوں کو زندہ کیا، اور مادر زاد اندھوں کو بھی بینا بنایا اور مبروص کو بھی شفا دی اور مٹی سے پرندے خلق کئے اور پھونک ماری اور

وُہ باذنِ خدا اُڑنے لگے۔

راسں الجالوت نے کہا کہ ہاں یہ باتیں کہی جاتی ہیں کہ عیسےٰؑ نے یہ کیا یہ کیا مگر ہم نے چونکہ خود مشاہدہ نہیں کیا ہے اس لئے تصدیق نہیں کی۔

امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ تم نے حضرت موسیٰؑ کے معجزات کا مشاہدہ بھی نہیں کیا ہے بلکہ معتبر اخبار کے ذریعے تم نے یہ معجزات تسلیم کئے ہیں۔ راسں الجالوت نے کہا کہ جی ہاں درست ہے۔

امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ اسی طرح حضرت عیسیٰؑ کے لئے بھی متواتر و معتبر اخبار موجود ہیں جس طرح حضرت موسےٰؑ کے لئے ہیں۔ پھر تم نے حضرت موسیٰؑ کی تصدیق کیوں کی اور حضرت عیسےٰؑ کی تصدیق کیوں نہیں کرتے۔ یہ سُن کر راس الجالوت سے کوئی جواب بن نہیں پڑا اور خاموش ہوگیا۔

امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ اے راس الجالوت بالکل یہی ثبوت حضرت محمدؐ مصطفےٰؐ کا بھی ہے۔ کہ ان کو خدا نے مبعوث برسالت فرمایا ہے۔ اور اُن کے معجزات میں سے ایک معجزہ یہ ہے کہ وُہ یتیم تھے۔ فقیر و محتاج تھے۔ بکریاں چراتے تھے۔ مزدوری کرتے تھے۔ اور انہوں نے کہیں تعلیم حاصل نہیں کی اور نہ کسی معلم کے پاس درس لینے کبھی گئے۔ اور پھر ایسا قرآن لائے ہیں کہ جس میں قصص الانبیاء ہیں۔ اور اُن کے اخبار و واقعات حرف بحرف موجود ہیں۔ اور اس میں گزشتہ کے واقعات بھی ہیں اور آئندہ کے بھی۔ اور قیامت تک کے حالات و واقعات موجود ہیں۔ اور اس کے علاوہ آنحضرتؐ لوگوں کے دل کی باتیں پوشیدہ راز بتلاتے تھے۔ اور جو کچھ لوگ اپنے گھروں میں کرتے ہیں وُہ بھی بتا دیتے تھے۔ اور آنحضرتؐ نے اتنے معجزات دکھلائے ہیں کہ جن کا شمار بھی نہیں نہیں ہو سکتا۔ راسں الجالوت نے کہا کہ ہمیں حضرت عیسے اور حضرت محمدؐ مصطفےٰؐ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی صحیح خبر نہیں پہنچی ہیں اس لئے بغیر صحت خبر ہم نے ان کی تصدیق نہیں کی ہے۔

حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ تو کیا یہ تمام شہادتیں غلط ہیں جو متواتر ثابت ہیں۔ یہ سُن کر راس الجالوت بالکل خاموش ہوگیا اور کوئی جواب بن نہ پڑا۔

حضرتؑ امام رضا علیہ السلام نے اس حدیث میں راس الجالوت کی تصدیق فرمائی ہے جس نے معجزاتِ حضرت موسےٰؑ بیان کئے ہیں اور حضرت نے ان معجزات کو افعالِ حضرت موسےٰؑ تسلیم فرماتے ہوئے تصدیق کی ہے کہ بے شک یہ حضرت موسیٰؑ ہی کے کمالات ہیں اور یہ بھی تصدیق فرمائی ہے کہ ہر

مدعی نبوت نے اپنا کمال پیش کیا ہے اور وُہ اسی کا فعل ہے۔

راس الجالوت نے صاف صاف امام کے سامنے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ یہ کمالات و معجزات موسےٰ علیہ السلام خدا کے عطا فرمودہ ہیں۔ کیونکہ حضرت موسیٰؑ کو انتہائی تقرب خدا حاصل تھا اس لئے یہ کمالات حاصل تھے۔

اب مولف صاحب کی تمام دیواریں جو ریت پر کھڑی کی تھیں راس الجالوت یہودی نے اپنی معرفتِ نبوت کے ذریعہ ڈھادیں۔ اور ان کو یہ سبق دے دیا کہ یہ کمالات حضرت موسیٰؑ کو تقرب خدا کی وجہ سے انہیں حاصل ہوئے تھے اور امام رضا علیہ السلام نے تصدیق فرمادی کہ معجزات کا حصول تقربِ خدا اور نبوت و رسالت کی نشانی ہے۔

لہذا معجزہ فعل نبی ہے؛ اس کو فعلِ خدا کہنا غلط، باطل، لغو اور قولِ مجبرہ ہے۔ بلکہ صحیح عقیدہ یہ ہے کہ نبی جو معجزہ دکھاتا ہے اُس کا فاعل وُہ خود ہے۔ اور قوتِ معجزہ کا خالق و فاعل خدا ہے اور نبی کی طرف معجزہ کی نسبت "حقیقتاً" ہے اور خدا کی طرف اس کی نسبت "مجازاً" ہے۔

مولف صاحب نے اس حقیقت و مجاز کو اپنی نافہمی کی وجہ سے اُلٹ دیا ہے اور قولِ مجبرہ کی تقلید و پیروی کی ہے جس کی وجہ سے وُہ حدیثِ معصوم کے مصداق قرار پاتے ہیں کہ ان کا ذبیحہ حرام، ان کی اقتداء میں نماز باطل، ان کی گواہی مردُود، ان کو زکوٰۃ دینا گناہ ہے۔ جیساکہ ہم مفصل تحریر کر چکے ہیں۔ مولف صاحب کو اپنی کوتاہ نظری بلکہ جہالت کا اعتراف کرتے ہوئے حضرت امام رضا علیہ السلام کی تصدیق پر ایمان لانا چاہئے۔ اس کے لئے صحیح راستہ تو یہ ہے۔ ورنہ اپنے کو شیعیت سے خارج سمجھیں۔

مظلومیتِ انبیاء و ائمہ علیہم السلام باعث حفاظتِ توحید ہے

حضرات انبیاء و ائمہ طاہرین علیہم السلام نے جب معجزات و کمالات دکھائے تو سفیہوں اور بے وقوں کی گمراہی کا خطرہ تھا کہ ان ذوات مقدسہ کو خدا نہ سمجھ لیں اس لئے خداوند عالم نے ان کی مظلومیت کا اظہار کرایا۔ چنانچہ حضرت حجت عجل اللہ وجہہ سے جناب حسین بن روح نے جو کچھ اس سلسلہ میں سماعت کیا تھا اس کو ہم احتجاج طبرسی سے بطور ترجمہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہے ہیں:

> ایک شخص نے جناب حسین بن روح سے دریافت کیا کہ کیا امام حسین علیہ السلام ولی اللہ تھے؟ آپ نے فرمایا کہ بے شک ولی اللہ تھے۔ پھر اس نے سوال کیا کہ ان کا قاتل عدوّ اللہ تھا؟ آپ نے فرمایا بے شک عدوّ اللہ تھا۔ اس نے عرض کی کہ کیا یہ جائز ہے کہ خدا اپنے ولی پر اپنے دشمن کو مسلط کردے؟

حضرت حسین بن روح نے فرمایا کہ میں جو کچھ بیان کرتا ہوں اُس کو سُن اور سمجھ :-
خداوند عالم بذاتِ خود کسی کے سامنے آ کر لوگوں سے خطاب نہیں کرتا ہے اور نہ اُن سے بالمشافہ کلام کرتا ہے۔ بلکہ اس کی ذات اجل و اعظم اور ارفع و اعلےٰ ہے۔ وُہ لوگوں کی ہدایت کے لئے اپنا سفیر بشری شکل میں مبعوث کرتا ہے جو ان کی جنس اور صنف میں ان کے مثل ہوتا ہے۔ اگر خدا ایسے رسُول "سفیر" مبعوث فرماتا جو ان کی صنف اور صورتوں کی طرح نہ ہوتے تو لوگ ان سے دور بھاگتے اور ان کی کوئی بات قبول نہ کرتے۔ پس جب خدا کے فرستادہ ان کے پاس آئے جو ان ہی کی جنس کے تھے۔ کھانا کھاتے اور بازار میں چلتے پھرتے تھے تو لوگوں نے ان سفیروں سے کہا کہ تم تو ہماری ہی مثل ہو، ہم تمہاری بات قبول نہیں کریں گے جب تک کہ تم ہمارے سامنے ایسا کمال نہیں دکھاؤ گے جس کے مثل سے ہم عاجز ہوں تاکہ ہمیں معلوم ہو جائے کہ تم مخصوص ہستی ہو اور ہم تمہارے جیسے کمال پر قادر نہیں ہیں۔ پس خداوند عالم نے ان حضرات کو ایسے معجزات عطا فرمائے جن سے تمام خلائق عاجز ہے۔
ان ہی میں سے ایک وُہ ہستی ہے کہ جس نے طوفان لا کر اپنا کمال دکھایا اور یہ اس وقت جب کہ اس نے اپنی حجت تمام کر دی اور لوگوں نے پھر بھی نہ مانا، اور سرکشی و نافرمانی کی، ایسے لوگ غرق ہو گئے۔
اور ایک وُہ ہستی ہے جس کو آگ میں ڈالا گیا اور اس کے کمال سے وُہ آگ سلامتی کے ساتھ ٹھنڈی ہو گئی۔ اور ایک وُہ ہستی ہے جس نے سخت پتھر سے اونٹنی نکال کر اپنا کمال دکھایا اور اس کے تھن سے دُودھ جاری کر دیا۔ اور ایک وُہ ہستی ہے کہ جس نے اپنے اظہار کمال کے لئے دریا کو شگافتہ کیا اور پتھر سے چشمے جاری کئے اور خشک لکڑی کو اژدہا بنا دیا جس نے جادوگروں کے کرتب کو فیل کر دیا اور ان کے رسّوں کو جو سانپ کی شکل میں تھے، نگل گیا۔ اور ایک وُہ ہستی ہے کہ جس نے مادر زاد اندھوں کو بینا اور کوڑھی کو صحتمند بنایا اور مردوں کو زندہ کر دیا اور یہ سب کمالات خدا کے اذن سے دکھائے اور لوگوں کو یہ بھی بتا دیا کہ انہوں نے اپنے گھر کیا کھایا ہے۔ اور یہ بھی بتا دیا کہ ان کے گھروں میں کیا کیا ذخیرہ ہے۔ اور ایک ہستی کا کمال یہ ہے کہ چاند کے دو ٹکڑے کر دیئے اور اونٹوں اور بھیڑیوں نے ان سے باتیں کیں۔
جب ان حضرات سفراء و امناء اللہ نے ایسے کمالات دکھائے جن سے خلائق عاجز ہو گئی۔ وُہ ایسے کمالات نہیں دکھا سکی تو خدا کی حکمت اور لطف کے پیش نظر ضروری قرار پایا کہ

وُہ ان انبیاء میں ایسے کمالات و معجزات کے ہوتے ہوئے ان کو کبھی دشمنوں کی ایذا رسانیوں کے مقابلہ میں غالب رکھے اور کبھی مغلوب۔ کبھی ظالموں پر غالب آجائیں اور کبھی مظلوم بن کر مغلوب ہو جائیں۔ کیونکہ اگر خدا ان کو ہمیشہ غالب رکھتا اور امتحان و ابتلاء اور مصائب میں نہ ڈالتا، تو لوگ ان ہی کو خدا تسلیم کر لیتے اور حقیقی خدا کو چھوڑ دیتے۔ اسی لئے ان کو آزمائشوں میں مُبتلا کیا۔

اس ارشاد حق بنیاد سے مولف کے تمام دلائل کی رگِ حیات قطع ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اگر معجزات و کمالات کے فاعلِ حقیقی انبیاء و ائمہ طاہرین علیہم السلام نہ ہوتے تو خدائی کا شبہ ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ اس سے ثابت ہؤا کہ یہ کمالات عطیہ خداوندی تھے جو ان کی ذات میں تھے۔ ورنہ لوگ ان کو بھی مکھی اور مچھر کی طرح عاجز و مجبور اور فاعلِ مجازی قرار دیتے جس طرح مولف کا اعتقاد ہے۔

دلیل الوہیت کامل بالذات ہونا ہے

قال امیر المومنین علیہ السلام لانہ علم ان براھین الانبیاء تکبر فی صدور اممھم وان منھم من یتخذ بعضھم الٰھا کالذی کان من النصاریٰ فی ابن مریم فذکرھا دلالۃ علٰی تخلفھم من الکمال الذی تفرد بہ عزوجل الم تسمع الٰی قولہ فی صفۃ عیسٰی حیث قال فیہ وامہ کانا یاکلان الطعام یعنی من اکل الطعام کان لہ ثقل ومن کان لہ ثقل فھو بعید مما ادعتہ النصاریٰ لابن مریم۔ (احتجاج ص ۱۲۴)

جناب امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ معجزاتِ انبیاء ان کی امتوں کے قلوب میں اس قدر عظیم ہو جاتے تھے کہ بعض لوگ ان کو خدا بنا لیتے تھے جس طرح ابن مریمؑ کو بنا لیا۔ لہٰذا خدا نے ان کے کمال بالذات کی نفی کا اظہار فرمایا جس کا مستحق صرف خدا ہی ہے۔ اور فرمایا کہ عیسٰی ابن مریم دونوں کھانا کھایا کرتے تھے۔ جو شخص کھانا کھائے گا اس میں ثقل ہوگا۔ اور جو ایسا ہوگا وُہ خدا نہیں ہو سکتا۔ یعنی کامل بالذات صرف خدا ہے اور انبیاءؑ میں یہ کمال بالذات نہیں ہے لہٰذا یہ خدا نہیں ہو سکتے۔

کمالِ علم امام کمالِ اقتدار کا سبب ہے

عن ابان بن تغلب قال کنت عند ابی عبد اللہ علیہ السلام

فدخل علیہ رجل من اھل الیمن فقال لہ یا اخا اھل الیمن عندکم علماء قال نعم قال فما بلغ من علم عالمکم قال یسیر فی لیلۃ سیرۃ شھرین یزجر الطیر و یقفوا الاثر فقال ابو عبداللہ علیہ السلام عالم المدینۃ اعلم من عالمکم قال فما بلغ من علم عالم المدینۃ قال یسیر فی ساعۃ من النھار مسیرۃ الشمس سنۃ حتیٰ یقطع اثنی عشر الف مثل عالمکم ھٰذا ما یعلمون ان اللہ خلق اٰدم و لا ابلیس قال فیعرفونکم قال نعم ما افترض علیھم الا ولایتنا والبرائۃ من عدونا۔ (بحار الانوار ج ص ۳۷۳)

ابان بن تغلب کا بیان ہے کہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک مرد یمنی آپ کی بزم میں داخل ہُوا۔ جناب نے فرمایا اے مرد یمنی تمہارے یہاں علماء ہیں؟ اس نے عرض کی جی ہاں۔ جناب نے فرمایا کہ ان کا مبلغ علم کتنا ہے؟ اس نے عرض کی کہ ہمارا عالم ایک شب میں دو ماہ کی مسافت طے کر لیتا ہے۔ تفاول اور کہانت جانتا ہے۔ جناب نے فرمایا عالم مدینہ تمہارے عالم سے زیادہ علم رکھتا ہے۔ اس نے عرض کی کہ اس کا مبلغ علم کتنا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ وُہ ایک ساعت میں آفتاب کی ایک سال کی مسافت طے کر لیتا ہے یہاں تک کہ وُہ اس تمہاری دنیا جیسے بارہ ہزار عالم کی مسافت قطع کر لیتا ہے۔ اور وُہ عالم ایسے ہیں کہ جن کو یہ بھی علم نہیں ہے کہ آدمؑ کو خدا نے پیدا کیا ہے اور نہ وُہ ابلیس ہی کے واقف ہیں۔ اس نے عرض کی کہ وُہ تمام عالم آپ حضرات کی معرفت رکھتے ہیں۔ جناب نے فرمایا بے شک۔ ان پر ہماری ولایت اور ہمارے دشمنوں سے برأت فرض ہے۔

چالیس جگہ مہمانی

اس حدیث سے ثابت ہو گیا کہ ائمہ طاہرین علیہم السلام سرعت رفتار کی وجہ سے چالیس جگہ کیا چیز ہے چالیس ہزار جگہ پہنچ سکتے ہیں۔ اور ہم لوگوں کو یہی معلوم ہو گا کہ ہمارے مہمان تھے۔ کیونکہ ہم جس وقت اور جس لمحہ کو بھی اپنے دماغوں میں تجویز کریں گے وُہ اس لمحہ میں دوسری جگہ بھی ہیں۔ کیونکہ ہم لمحات کی حد بندی کریں گے اور وُہ اس حد بندی سے بالاتر ہوں گے۔ لہٰذا ہمارے مجوزہ وقت واحد میں وُہ امکنہ متعددہ میں ہو سکتے ہیں۔ اور یہ محال ونا ممکن نہیں ہے بلکہ ہماری علمی و ذہنی کمزوری ہے جس طرح بجلی کے پنکھے میں کئی کئی خلا ہوتے ہیں مگر سرعت رفتار کی وجہ سے وہ خلا معلوم

نہیں ہوتے۔ اور خلا کے ساتھ ساتھ بالکل متصل پنکھے کے کئی کئی مادی حصّے ہوتے ہیں اور وہ مادی حصّے بھی سرعتِ حرکت کی وجہ سے سامنے والی چیز کے دیکھنے سے مانع نہیں ہوتے۔ آپ برابر نظر جمائے رکھئے آپ کو ہر لمحہ اس پنکھے کے پار کی چیز بالکل صاف نظر آئے گی اور پنکھے کے مادی حصّے اپنی سرعت کی وجہ سے مانع نہیں ہوں گے اور نہ خلاہی مادی حصّوں سے جُدا نظر آئے گا۔

ہماری نظر صحیح طور پر حقیقت کا احساس نہیں کر سکتی۔ اور چونکہ وقت کا کچھ حصّہ ہماری نظر کے لئے اس تصویر کو قائم رکھتا ہے جو ہم نے ایک بار دیکھی ہے اور یہ فطری قوت ہے جس کا انکار کوئی صحیح الدماغ نہیں کر سکتا۔ لہٰذا ایک دفعہ دیکھی ہوئی شے کی تصویر فوری طور پر ہمارے ذہن سے محو نہیں ہوتی بلکہ وہ تصویر ذہن میں باقی رہتی ہے تا وقتیکہ کہ دوسری تصویر اس کی جگہ قائم ہو۔ اور اس میں لمحہ کا جزوی حصّہ جو ہمارے عقلی احساس سے معقول ہوتا ہے وہ لازمی طور پر باقی رہتا ہے مگر نظری احساس اس کو جُدا نہیں کر سکتا۔ اس لئے ہم عجز نظر کی وجہ سے اس تصویر کو جداگانہ نہیں کر سکتے۔ مگر عقل اس کا فیصلہ کرتی ہے کہ وہ لمحہ کے جزوی حصّہ میں موجود ہے۔ لہٰذا ہمارے نظری احساس میں چالیس جگہ شے واحد کا وجود نظر نہیں آسکتا اس لئے ہم اس کا انکار کر بیٹھتے ہیں حالانکہ یہ عقلاً محال نہیں۔ کیونکہ سرعت حرکت کی حد بندی ہمارے احساس سے بالاتر ہے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل حدیث سے اس کی توضیح ممکن ہے:۔

سرعتِ حرکت کا تصوّرِ عقلی

شکی ابو ھریرہ الیٰ امیر المومنین علیہ السّلام شوق اولادہ فامرہ علیہ السّلام بغضّ الطرف فلما فتحما کان فی المدینۃ فی دارہ فجلس فیھا ھنیئۃ فنظر الی علی علیہ السّلام فی سطعہ وھو یقول ھلم ننصرف وغض طرفہ فوجد نفسہ فی الکوفۃ فاستعجب ابو ھریرہ فقال امیر المومنین علیہ السّلام ان اٰصف اورد تختا من مسافت شھرین بمقدار طرفۃ عین علیٰ سلیمان وانا وصی رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ واٰلہ وسلّم

(بحار الانوار ج ، ص ۲۷۶)

ابو ہریرہ نے حضرت امیر المومنین علیہ السّلام سے اپنی اولاد سے شوقِ ملاقات کی شکایت کی۔ جناب نے اس کو حکم دیا کہ اپنی آنکھیں بند کر۔ اس نے آنکھیں بند کیں اور فوراً کھولیں تو کیا دیکھتا ہے کہ وہ مدینہ میں اپنے مکان میں موجود ہے۔ ابھی تھوڑی

ہی دیر وہ بیٹھا تھا کہ مکان کی سطح پر حضرت علی علیہ السّلام کو دیکھا کہ جناب فرما رہے تھے جلدی کرو ہم واپس چلیں۔ اس نے آنکھ بند کی تو کیا دیکھتا ہے کہ وہ کوفہ میں موجود ہے۔ یہ معجزہ دیکھ کر ابوہریرہ کو تعجب ہونے لگا۔ جناب نے فرمایا آصف بن برخیا وزیر جناب سلیمانؑ نے دو ماہ کی مسافت سے تختِ بلقیس کو چشم زدن میں جناب سلیمانؑ کی خدمت میں پیش کر دیا تھا (حالانکہ وہ بعض کتاب کا علم رکھتا تھا)، اور میں تو حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کا وصی ہوں (حضرتؐ کو کل کتاب کا علم تھا)۔

اس حدیث سے بھی سرعت حرکت ثابت ہو جاتی ہے جو انسانی نظر سے بالاتر ہے۔ کوفہ کہاں اور مدینہ کہاں۔ مگر چشم زدن میں دونوں جگہ ابوہریرہ موجود تھے۔ جس سے یہ ثابت ہو گیا کہ یہ ذوات مقدسہ بذاتِ خود ہی ہر جگہ نہیں پہنچتے بلکہ جس کو چاہیں چشم زدن میں پہنچا دیتے ہیں۔ اور اس "چشم زدن" کے لمحہ کی اگر تقسیم کی جائے تو کوفہ اور مدینہ کی درمیانی مسافت کی تقسیم کے ساتھ ساتھ اس نظری تصور کا وجود معقول ہو سکتا ہے جو ایک شے کے دیکھنے کے بعد دوسری شے کے تصور تک ذہن میں باقی رہتا ہے۔

سرعتِ حرکت کا ذہنی تصوّر

عن حفص الابیض التمار قال دخلت علی ابی عبد اللہ ایام قتل المعلی بن خنیس وصلبه رحمه الله فقال لی یا حفص انی امرت المعلی بن خنیس بامر فخالفنی فابتلی بالحدید انی نظرت الیه یوما وهو کییب حزین فقلت مالك یا معلی کانك ذکرت اهلك ومالك وعیالك فقال اجل فقلت ادن منی فدنی منی فمسحت وجهه فقلت این تراك فقال ارانی فی بیتی هذه زوجتی وهؤلاء ولدی فترکته حتی یملاء منهم وسترت منه حتی نال ماینال الرجل من اهله ثم قلت ادن منی فدنی منی فمسحت وجهه فقلت این تراك فقال ارانی معك فی المدینة وهذا بیتك فقلت له یا معلی ان لنا حدیثا من حفظه علینا حفظه الله علیه دینه ودنیاه یا معلی لا تکونوا اسراء فی ایدی الناس بحدیثنا ان شاؤا امنوا علیکم وان شاؤا اقتلوکم یا معلی ان من کتم الصعب من حدیثنا جعله الله نورا بین عینه ورزقه العزة فی الناس ومن اذاع الصعب من

حدیثنا لم یمت یعضہ السلاح او یموت بخیل یا معلی وانت مقتول فاستعد ۔ (بحار الانوار ج ۴۷ ، ص ۸۷)

حفص ابیض تمار کا بیان ہے کہ میں اس عرصہ میں جب معلی بن خنیس قتل کئے گئے تھے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں تھا۔ جناب نے فرمایا اے حفص میں نے معلی بن خنیس کو حکم دیا تھا کہ ہماری مشکل باتوں کو چھپائے رکھو مگر وہ نہ چھپا سکا اور وہ مبتلائے صلیب ہو گیا۔ میں نے اس کو ایک روز غم زدہ اور رنجیدہ دیکھا تھا اور اس سے کہا تھا کہ اے معلی معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں اہل و عیال اور گھر بار یاد آرہا ہے اس نے کہا جی ہاں۔ پس میں نے کہا کہ آؤ میرے نزدیک آؤ۔ وہ میرے نزدیک آگیا میں نے اس کے چہرہ پر ہاتھ پھیر دیا اور دریافت کیا کہ بتاؤ تم کہاں ہو اس نے کہا کہ جناب میں اپنے گھر میں ہوں یہ میری زوجہ اور میری اولاد موجود ہے۔ میں نے کچھ دیر اس کو اپنے اہل و عیال سے ملنے کی مہلت دے دی اور میں پوشیدہ ہو گیا۔ جب وہ اپنے اہل و عیال سے مل چکا تو میں نے کہا کہ اے معلی ذرا میرے نزدیک آؤ۔ وہ نزدیک آگیا۔ پھر میں نے اس کے چہرے پر ہاتھ پھیر دیا اور دریافت کیا کہ بتاؤ اب تم کہاں ہو؟ تو اس نے کہا کہ آپ کے ساتھ مدینہ میں ہوں یہ آپ کا دولت کدہ ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ اے معلی، ہماری شان بیان کر کے ہمارے دشمنوں کے قیدی نہ بنو کہ وہ چاہیں تو تمہیں زندہ چھوڑ کر احسان کریں، اور چاہیں تو تمہیں قتل کر دیں۔ اے معلی جو شخص ہماری مشکل شان کو چھپائے گا تو خدا اس کی پیشانی میں نور پیدا کر دے گا اور اس کو لوگوں میں عزت عطا کرے گا۔ اور جو شخص اس مشکل شان کو ظاہر کر دے گا تو وہ قتل ہو کر مرے گا۔ اور معلی تو مقتول ہو گا، لہٰذا اس کے لئے تیار رہ۔ (اس حدیث سے بھی سرعت حرکت کا پتہ لگ جاتا ہے۔)

نیز حضرت امام حسن علیہ السلام نے دس چیزوں کی نشاندہی فرماتے ہوئے امر کا مفہوم اس طرح واضح فرمایا ہے:۔

واما عشرۃ اشیاء بعضها اشد من بعض فاشد شئ خلقہ اللہ الحجر واشد من الحجر الحدید یقطع بہ الحجر واشد من الحدید النار تذیب الحدید واشد من النار الماء یطفی النار واشد من الماء السحاب یحمل الماء واشد من السحاب الریح تحمل السحاب واشد من الریح الملک الذی یرسلها واشد من

الملك ملك الموت الذى يميت الملك و اشد من الملك الموت۔ الموت الذى يميت ملك الموت فاشد من الموت امر الله الذى يميت الموت۔ وقال الشامى اشهد انك ابن رسول الله حقا و ان عليا اولى الامر من معاوية۔ (احتجاج طبرسی ص۱۳۷)

ایک شامی نے سوال کیا کہ وہ دس چیزیں کیا ہیں جو ایک دوسرے سے سخت ہیں۔ تو حضرت امام حسن علیہ السلام نے فرمایا کہ خدا نے پتھر کو سخت پیدا کیا' اور پتھر سے لوہا سخت ہے جو پتھر کو توڑ دیتا ہے۔ اور لوہے سے زیادہ سخت آگ ہے جو اس کو پگھلا دیتی ہے، اور آگ سے زیادہ سخت پانی ہے جو آگ کو بجھا دیتا ہے۔ اور پانی سے زیادہ شدید بادل ہے جو پانی کو اٹھاتا ہے۔ اور بادل سے زیادہ شدید ہوا ہے جو بادل کو اٹھاتی ہے۔ اور ہوا سے زیادہ شدید وہ فرشتہ ہے جو ہوا پر حاکم ہے اور اس کو چلاتا ہے (نام اس کا اسماعیل ہے)، اور اس فرشتہ سے زیادہ شدید ملک الموت ہے جو ملک الہوا کو موت دے گا۔ اور ملک الموت سے شدید وہ موت ہے جو ملک الموت کو مار دے گی اور موت سے شدید امر خدا ہے جو موت کو بھی مار دے گا۔ یہ سن کر شامی نے کلمہ پڑھا اور کہنے لگا کہ آپ بالکل فرزند رسولؐ ہیں اور علی بن ابی طالب امر حکومت کے زیادہ حق دار ہیں معاویہ ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ (اولو الامر تسلیم کر لینے کے بعد ان کے اقتدار کا انکار جہل مرکب ہے)

حضرت صاحب الامر نے بھی اسی آیۃ اولی الامر کی تفسیر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ ہم اپنے رب کی صنعتیں ہیں اور ہمارے بعد تمام مخلوقات ہماری صنعتیں ہیں اور اس کا ثبوت اطیعوا اللہ میں اولی الامر کی اطاعت ہے یعنی کائنات ہمارے تابع فرمان ہے۔ لہٰذا اس سے مراد صرف شرعی امور نہیں بلکہ تمام امور خلق اس کے ماتحت ہیں اور سورہ دخان میں اسی لیلۃ القدر کے ذکر میں امرا من عندنا صاف طور پر موجود ہے کہ یہ ہماری طرف کا امر ہے لوگوں کا امر نہیں ہے۔

الفاظ قرآن سے مقصد ما عنی بہ اللہ ہے

قرآن مجید اس لئے نازل نہیں ہوا ہے کہ اس کے الفاظ یاد کر لئے جائیں۔ بلکہ قرآن کا مقصد یہ ہے کہ خدا کے نزدیک ان الفاظ سے جو مراد و مقصود ہے وہ حاصل ہو۔ اور وہ حاصل نہیں ہو سکتا جب تک ان ذوات مقدسہ سے حاصل نہ کیا جائے جن کو خدا نے خود اپنی مراد اور اپنا مقصد بتا دیا ہے۔ اسی لئے صرف قرآن کافی نہیں اور اسی لئے قرآن میں آیات متشابہات ہیں جن کے سمجھنے سے، انسان عاجز ہے،

اور مجبوراً ان ذوات مقدسہ کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس کی ضرورت و احتیاج کو تسلیم کرتے ہوئے کہتا ہے کہ آپ نہ ہوتے تو ہم ہلاک ہو جاتے۔

امیرِ شام نے ما عنی بہ اللہ کو ممنوع قرار دیا تھا

عبداللہ بن عباس کو جب حاکم شام نے فضائل و مناقبِ علیؑ و اہلبیت کے ذکر سے منع کیا تھا تو انہوں نے فرمایا کہ کیا آپ ہمیں قرأتِ قرآن سے روکتے ہیں؛ حاکم شام نے جواب دیا کہ نہیں۔ ابنِ عباس نے کہا کہ کیا تاویل و معنیٔ قرآن سے روکتے ہیں حاکم شام نے کہا کہ ہاں۔ ابن عباس نے کہا پھر اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ہم قرآن پڑھیں مگر اس کے جو معنی خدا نے مراد لئے ہیں وہ دریافت نہ کریں۔ پھر خدا نے ہم پر کیا چیز واجب کی ہے آیا صرف قرآن پڑھنا واجب ہے یا اس کے مقصد پر عمل کرنا واجب ہے؟ حاکم نے کہا کہ خدا نے عمل واجب کیا ہے۔ ابن عباس نے کہا کہ ہم اس پر کس طرح عمل کریں گے جبکہ ہمیں خدا کے مقصد و مراد ہی کا علم نہ ہوگا۔ حاکم نے کہا اس کے مقصد و معنی اہلبیت سے دریافت نہ کرو بلکہ دوسرے لوگ جو بیان کرتے ہیں اُن سے دریافت کرو۔ ابن عباس نے کہا کہ قرآن مجید نازل ہوا ہے اہلبیت پر، اور ہم معنی دریافت کریں آلِ ابوسفیان سے۔ کیا آپ ہمیں اس امر سے روکتے ہیں کہ ہم عبادتِ خدا قرآن کے ذریعے نہ کریں جس میں خدا نے اپنا حلال و حرام بیان فرمایا ہے۔ اگر اُمتِ رسُول مقصُود و معنیٔ خدا کو دریافت نہ کرے گی تو ہلاک ہو جائے گی اور اختلافات پیدا ہو جائیں گے حاکم شام نے کہا کہ اچھا قرآن کی تاویل و معنی کر لو۔ مگر جو کچھ اہلبیت کے بارے میں نازل ہوا ہے اُسے لوگوں تک نہ پہنچاؤ۔ ہاں اس کے علاوہ بیان کر سکتے ہو۔ ابن عباس نے کہا کہ خدا قرآن میں فرماتا ہے کہ لوگ نورِ خدا کو پھونکوں سے بجھانا چاہتے ہیں اور خدا چاہتا ہے کہ اس نور کو تمام و کمال رکھے خواہ کافروں کو یہ بات ناگوار ہی ہو۔ حاکم شام نے کہا اے ابنِ عباس سنبھل جاؤ اور اپنی زبان بند کرو۔ اور اگر ایسا کرنا ہی چاہتے ہو تو پوشیدہ رکھو اور کسی کو مت بتاؤ اور نہ کوئی تم سے اس بات کو سُننے پائے۔

یہ کہہ کر حاکم شام گھر آ گئے اور ایک لاکھ درہم دے کر اپنا آدمی عبداللہ کے پاس بھیج دیا۔ اور منادی کرا دی کہ جو شخص مناقب علی و اہلبیت میں کوئی حدیث بیان کرے گا تو اُس کے جان و مال کی حفاظت کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔

کوفہ میں جو شیعیانِ علی و اہلبیت تھے ان پر پہلے ہی سے سختیاں کی جا رہی تھیں وہاں ابن زیاد گورنر تھا جس کے ماتحت دونوں عراق تھے یعنی علاقۂ کوفہ و علاقۂ بصرہ۔ وہ شیعوں کو تلاش کر کے قتل کر رہا تھا جہاں بھی پتھروں اور ڈھیلوں میں چھپے ہوئے ملتے تھے۔ ان کو خوف زدہ بھی کیا جاتا تھا اور

اُن کے ہاتھ اور پاؤں بھی قطع کئے جاتے تھے اور سُولی بھی دی جاتی تھی، اور آنکھیں بھی نکالی جاتی تھیں اور اُن کو تنگ کر کے عراق سے باہر نکالا اور بھگایا جا رہا تھا۔ اس وقت جتنے مشہور و معروف شیعہ تھے وُہ قتل کر دیئے گئے یا سُولی پر لٹکائے گئے یا قید و بند میں رکھے گئے یا عراق سے باہر نکال دیئے گئے۔

حاکم شام نے تمام گورنروں کو حکم دے دیا کہ ہر شہر میں شیعیانِ علی کی نگرانی کرو اور ان کے ساتھ کوئی نیک سلوک نہ کرو اور ان کی شہادت بھی قبول نہ کرو۔ اور حضرت عثمان کے دوستوں اور اُن کے بہی خواہوں اور رشتہ داروں کے جو لوگ فضائل و مناقب بیان کریں ان کی تعظیم و تکریم بھی کرو، اور اُن کے ساتھ نیک سلوک کرو اور ان کو اپنی مسند پر جگہ دو۔ اور تمام شہروں میں یہ حکم جاری کر دو کہ جو شخص عثمان کے فضائل و مناقب بیان کرے گا اور اُن کے والد اور ان کے قبیلہ کا ان فضیلتوں میں ذکر کرے گا اس کو انعامات اور خلعتیں دی جائیں گی۔ چنانچہ ان کے فضائل و مناقب میں روایات کی بھرمار ہونے لگی۔ اور لوگوں نے انعامات اور جاگیریں اور مال و متاع حاصل کرنے اور حکومت میں عزو جاہ پیدا کرنے کے لئے حدیثیں وضع کرنا ایک مشغلہ بنا لیا۔ یہاں تک کہ جو شخص بھی کسی شہر سے گورنروں کے دربار میں آتا تھا حدیث و روایت منقبت و فضیلتِ عثمان لے کر آتا تھا۔ اس کا نام حکومت کے دفتر میں درج کیا جاتا تھا اور اس کو انعامات ملتے تھے۔ یہ سلسلہ کافی عرصہ جاری رہا۔

حاکم شام نے اپنے گورنروں کو تحریر کیا کہ حضرت عثمان کے بارے میں کثیر تعداد میں روایات مشہور ہو چکی ہیں اور شہروں میں کافی نشر و اشاعت بھی ہو چکی ہے۔ لہٰذا اب امیرِ شام کے لئے بھی یہی سلسلہ جاری کرو۔ اور اُن کے فضائل و مناقب میں روایات کی نشر و اشاعت کرو تاکہ اہلبیت کی سُبکی ہو اور اُن پر یہ گراں گزرے۔ چنانچہ اس پر عمل شروع ہو گیا اور منبروں پر، مساجد میں اور مدارس و مکاتب میں روایات بیان ہونے لگیں۔ اور معلمین کو حکم دیا گیا کہ ہر مدرسہ اور ہر مکتب میں معلمین اور طلبہ کو قرآن کی طرح یہ روایات پڑھائی جائیں اور یاد بھی کرائی جائیں۔ یہاں تک کہ یہ روایات تمام اسکولوں میں حفظ کرائی جانے لگیں اور لڑکوں کے علاوہ لڑکیوں اور عورتوں حتیٰ کہ غلاموں کو بھی یاد کرائی گئیں، اور حکومت کے محکمۂ تعلیم نے نہایت زور و شور سے اس کی اشاعت کی جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ تمام ملک میں امیرِ شام کی فضیلت و منقبت کا چرچا عام ہو گیا اور دیہات و قصبات اور شہروں میں ہر صغیر و کبیر اور ہر مرد و زن کو روایات یاد ہو گئیں۔ گورنر کوفہ نے امیرِ شام کو لکھا کہ ابھی کچھ لوگ ایسے پائے جاتے ہیں جو مذہب علیؑ پر عمل پیرا ہیں اور اُن کے تاویلات پر عمل کر رہے ہیں۔ امیرِ شام نے حکم دیا کہ ان کو قتل کر دو۔ اور ان کے ناک کان کاٹ دو۔ تمام شہروں میں یہ حکم جاری کر دیا گیا کہ جس شخص کے لئے ثبوت مل جائے کہ علی و اہلبیت سے محبت رکھتا ہے اُس کا نام دفتر سے خارج کر دو۔ اور جس پر بھی شک و شبہ ہو جائے کہ یہ ان کا شیعہ ہے اُس کو قتل

کردو خواہ ثبوت ملے یا نہ مل سکے صرف اتہام ہی پر قتل کردو۔ چنانچہ جس کی زبان پر اہلبیت اور علیؑ کا نام بھی آگیا اس کو قتل کیا جانے لگا۔

اگر کوئی کافر و زندیق ہوتا تھا تو اس کو کچھ نہیں کہا جاتا تھا بلکہ عزت کی جاتی تھی۔ مگر شیعۂ علی کسی شہر میں بھی محفوظ نہ تھا۔ خصوصاً کوفہ و بصرہ کے علاقہ میں نام و نشان بھی شیعوں کا باقی نہ رہا۔ یہاں تک کہ کوئی پوشیدہ طور پر مومن رہ گیا تھا تو وہ اپنے گھر میں بھی اس کا اظہار نہ کر سکتا تھا۔ نوکروں اور غلاموں سے خوف زدہ رہتا تھا۔ اور اگر کوئی مومن مل جاتا تو اس سے شدید قسم کا حلف لے کر راز کی طرح کان میں بتاتا تھا۔ فضائل و مناقب امیر شام کی روایات و احادیث اس قدر زور د زبان ہوگئیں کہ جو بچے اور بچیاں سن تمیز کو پہنچتی تھیں انہیں یہ حدیثیں یاد ہو جاتی تھیں۔

لوگ عابد و زاہد اور عالم و معلم کی شکل میں لباس پہنتے اور اپنے زہد و ورع اور خشوع و خضوع کا اظہار کر کے روایات و احادیث بیان کرتے تھے۔ شہروں کے قاضی ایسے لبادہ پوشوں کی بے حد عزت کرتے تھے اور اپنے پاس بٹھاتے تھے اور انعامات و خلعت عطا کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ یہ روایات و احادیث لوگوں کے لئے حق و صدق ثابت ہوگئیں اور لوگ اپنے رشتہ داروں کو اور اپنی اولاد کو تعلیم دینے لگے اور ان ہی کو صحیح عقیدہ و عمل بنا لیا گیا۔

اس عظیم شہرت و اشاعت کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو لوگ درحقیقت نیک اور متدین اور متشرع تھے وہ بھی نیک نیتی سے ان احادیث، فضائل و مناقب پر ایمان لے آئے اور انہی کو دین سمجھنے لگے۔ اگر کوئی ان حدیثوں میں شک کرتا تو اس پر ناراض ہوتے تھے۔

چنانچہ وہ لوگ ان احادیث کو حق سمجھ کر خود روایت کرنے لگے یعنی راویوں میں شامل ہوگئے اور اس کو اپنی دیانت و ایمان سمجھنے لگے اور محدث کہلانے لگے۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ حق باطل بن گیا اور باطل نے حق کی جگہ سنبھال لی۔ اور کذب، صدق کی جگہ آگیا اور صدق، کذب سے بدل گیا۔ اور یہ بلاء و مصیبت اور زیادہ اس وقت شدت اختیار کر گئی جب امام حسن علیہ السلام نے وفات پائی۔ اور کوئی مومن امن و امان میں نہ تھا۔ اور نہ کوئی روکنے ٹوکنے کی جرأت کر سکتا تھا۔ مومنین گھروں سے نکال دیئے گئے یا قتل کر دیئے گئے۔ اگر کہیں خال خال تھے بھی تو اظہار نہ کر سکتے تھے۔ تقریباً بیس سال اسی حالت پر گزر گئے۔ بوڑھے مر گئے، جوانوں نے یہی دین دیکھا، نوجوانوں کے لئے یہی صدق و حق تھا، بچے اسی ماحول میں پل رہے تھے۔

امیر شام کی وفات کے دو سال پہلے امام حسین علیہ السلام نے حج بیت اللہ ادا فرمایا اور آپ کے ہمراہ عبداللہ بن جعفر طیار اور عبداللہ بن عباس بھی تھے۔ اس وقت امام حسین علیہ السلام نے تمام بنی ہاشم کو جمع کیا اور تمام ہاشمی مردوں اور عورتوں اور ان کے نوکروں اور غلاموں اور اپنے مخلص دوستوں،

اور انصارِ مدینہ اور باقی ماندہ اصحاب رسولؐ اور ان کی اولاد اور تابعین اور جو بھی نیک اور متدین لوگ تھے سب کو جمع کیا۔ جو حج کر چکے تھے ان کو بھی اور جنہوں نے نہیں کیا تھا ان کو بھی۔ غرض تمام لوگ آپ کی خدمت میں مقام منیٰ پر جمع ہو گئے اور ہزار سے زیادہ مجمع ہو گیا جو مختلف شہروں اور دیہاتوں سے آئے تھے۔ اس وقت حضرت امام حسین علیہ السلام نے کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا اور حمد و ثنائے خدا کے بعد فرمایا۔

(اے لوگو!) اس سرکش امیر شام نے ہمارے اور ہمارے دوستوں کے ساتھ جو سلوک کیا ہے اُسے تم اچھی طرح جانتے ہو۔ اور تم نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور تم اس کے گواہ بھی ہو اور تمہیں مسلسل خبر بھی مل چکی ہے۔ میں تم سے چند سوال کرتا ہوں اگر میں درست کہتا ہوں تو تمہارے اُوپر تصدیق واجب ہے۔ اور اگر (معاذاللہ) غلط کہتا ہوں تو میری تکذیب کرو۔ میری باتیں سُنو اور دل میں بٹھالو۔ اور جب اپنے اپنے وطن واپس پہنچو تو اپنے اہل و عیال اور اپنے قبیلہ میں جن کو قابلِ اعتماد سمجھو انہیں میری یہ تعلیمات پہنچا دو۔ کیونکہ مجھے خطرہ ہے کہ حق تمہارے درمیان سے نہ نکل جائے اور اس کے نشانات نہ مٹ جائیں۔ اور خدا تو اپنے نور کو تمام کر کے ہی رہے گا خواہ کافروں کو کتنا ہی ناگوارِ خاطر ہو۔

پس حضرتؑ نے قرآن مجید کے وُہ آیات اور جناب رسالتمآبؐ کے وُہ احادیث بیان فرمائے جن میں اہلبیت کے فضائل و مناقب خصوصی طور پر بیان کئے گئے تھے۔ اور اپنی والدہ ماجدہ اور پدر بزرگوار کے بارے میں جو فضائل و مناقب تھے وُہ تمام بیان فرمائے۔ آپ جو کچھ بیان فرما رہے تھے اصحابِ رسولؐ آپ کی ایک ایک بات کی تصدیق و تائید کر رہے تھے اور خدا کو گواہ کر کے کہتے تھے کہ بے شک یہ صحیح ہے اور ہم نے بلا ریب آنحضرتؐ سے ایسا ہی سُنا ہے۔ اور ہماری موجودگی میں ایسا ہی آنحضرتؐ نے فرمایا ہے۔ ہم اس کے گواہ ہیں۔ اور تابعین کہتے تھے کہ خدا گواہ ہے کہ ہم سے ان اصحاب نے جن پر مکمل اعتماد اور وثوق ہے یہ احادیث بیان کی ہیں۔ چنانچہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے قرآن مجید کے وُہ آیات جن میں فضائل و مناقب اہل بیت ہیں اور وُہ احادیث رسولؐ جن میں مخصوص طور پر ان حضرات کے فضائل و مناقب مذکور ہیں پوری تصدیق کے ساتھ بیان فرمائے اور حاضرین کو قسم دے کر فرمایا کہ جب تم لوگ اپنے اپنے گھروں کو واپس ہو تو یہ سب کچھ بیان کرو اور جن پر تمہیں اعتماد ہو انہیں اچھی طرح پہنچا دو۔ اس کے بعد آپ نے خطبہ ختم فرمایا اور لوگ اپنے اپنے قلوب میں ان بیانات کو لے کر متفرق ہوئے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے اس بہترین موقعہ پر بہترین لوگوں کو قرآن مجید کے صحیح مقاصد و

تاویلات اور جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وُہ احادیث. جو اہلبیت کے باب میں تھے بیان فرماکر اور حلفیہ مواعید کے ذریعہ ملک کے گوشہ گوشہ میں اصحاب و تابعین کے ذریعہ پہنچادیئے ۔ اور معاویہ کی بیس سال کی تعلیم و نشر و اشاعت کو ناکام بنا دیا۔

حضرت کا یہ وُہ حکیمانہ عمل تھا کہ جس کے ذریعہ حق و باطل اور صدق و کذب جُدا جُدا نمایاں ہو گئے۔

لہٰذا ہمارا فرض ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے اس طریقۂ تعلیم پر عمل کریں — اور قرآن مجید کے صحیح مقصد اور صحیح معنی اور احادیثِ اہلبیت کو لوگوں تک پہنچائیں تاکہ قرآن مجید کی وُہ قیاسی اور غلط تاویلیں جو نشر و اشاعت کے ذریعہ لوگوں تک پہنچائی گئیں اور پہنچائی جا رہی ہیں اُن کا دفاع ہو جائے اور ائمہ طاہرین علیہم السلام کے بیان فرمود معانی و مقاصدِ قرآن لوگوں تک پہنچ جائیں ۔ اور حق و باطل اور صدق و کذب جدا جدا ہو جائیں ۔ کیونکہ تاریخ اپنے کو دُہراتی ہے ۔ اب بھی ایسے جدت پسند علماء موجود ہیں جو شامی طریقہ پر دین و ایمان کو اپنے قیاسی آراء کے ذریعہ مشتبہ کر رہے ہیں ۔ اور اہل بیت کے بیان فرمودہ معانی و مطالب کو نظر انداز کر کے اپنے قیاسات سے قرآن مجید کی تفسیر بالرائے کی اشاعت کر رہے ہیں ۔ اور نئے نئے طبع زاد خیالات کی تبلیغ کر رہے ہیں اور یہ لوگ ہم ہی میں شمار ہو رہے ہیں ۔ حالانکہ یہ تفسیرِ اہلبیت طاہرین علیہم السلام کی تکذیب کر رہے ہیں اور اپنے قیاسی تاویلات سے مومنین کے قلوب میں شک داخل کر رہے ہیں ۔

لہٰذا ہم پر فرض عائد ہوتا ہے کہ حسینی طرزِ تعلیم پر عمل کر کے حق کو باطل سے اور صدق کو کذب سے جدا کر کے سادہ لوح مومنین تک پہنچا دیں تاکہ شامی قیاسات ان کے دلوں میں شک و شبہ داخل نہ کر سکیں جن کی شناخت امام حسن عسکری علیہ السلام نے مفصل طور پر بیان فرمادی ہے اور آپ اس کتاب میں مطالعہ کر رہے ہیں کہ یہی ٹولہ علماء سوء ہے جو چند احادیث فضائل اہلبیت کی بیان کر کے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیتا ہے ۔ پھر اُن کے قلوب میں شک ڈالتا ہے ۔ یہ ٹولہ لشکرِ یزید سے بھی زیادہ ضرر رساں ہے ۔

شیعوں سے ائمہ طاہرین کی توقعات

حضرت امام حسین علیہ السلام کی دلی تمنا اس طرح پوری ہو گی کہ موالیان اہلبیت اطہار جب بھی کسی جگہ جمع ہوں اور باہم گفتگو کریں تو آلِ محمدؑ علیہم السلام کو فراموش نہ کریں ۔ ان ذوات مقدسہ کا ذکر ضرور کریں ۔ اور اپنے بچوں کو بھی یاد کرائیں ۔ چنانچہ حدیثِ ائمہ میں یہ فرمائش اہلبیت طاہرین اس طرح مذکور ہے :-

وفی الحدیث تزاوروا وتلاقوا وتذاکروا امرنا واحیوہ ای زوروا اخوانکم ویزورونکم ولاقوا اخوانکم و یلاقونکم وتذاکروا فیما بینکم امرنا وما نحن علیہ و احیوہ ولا تمیتوہ یعنی تدرسونہ (مجمع البحرین ص۳۱)

اے ہمارے دوستو تم لوگ آپس میں ایک دوسرے کی زیارت اور ملاقات کو آتے جاتے رہو اور ان ملاقاتوں میں ہمارا بھی ذکر کرتے رہو اور ہمارے فضائل و مناقب کو اپنے عمل سے زندہ رکھو یعنی تم اپنے بھائیوں کو ملنے جایا کرو اور وہ تمہیں ملنے آیا کریں اور دونوں صورتوں میں جب باہمی گفتگو کرو تو ہمیں فراموش نہ کرو ہمارا بھی ذکر کر لیا کرو اور ہمارا بھی حال بیان کر دیا کرو۔ اس طرح ہمارے ذکر کو زندہ رکھو اور اس ذکر کو مرنے نہ دو۔ اور اس کا درس دیتے رہو اور تعلیم جاری رکھو۔

اے موالیانِ اہلبیت! اپنے ائمہ طاہرین علیہم السلام کی دلی تمنائیں اور قلبی آرزوئیں تم نے سن لیں کہ تم سے کس محبتانہ انداز میں فرما رہے ہیں اور تم سے کس قدر توقعات اور امیدیں رکھتے ہیں کہ تم ضرور ان ستم رسیدہ مظلوموں اور فراموش کردہ ہادیوں کا ذکر کرو گے۔ اور اپنے آقاؤں کی توقعات کو پورا کرو گے اور زیادہ سے زیادہ اجتماعات کا انتظام کرو گے۔ کیونکہ حکومتوں نے ان بزرگواروں کا ذکر مٹانے اور ان ہستیوں کے فراموش کرنے میں کس قدر کوشش کی ہے۔ اور ان کا نام و نشان مٹانے کے لئے کیا کیا ظلم اور کیا کیا سازشیں اور کیا کیا انعامات کے سرکاری انتظامات کئے ہیں۔ مگر امام حسین علیہ السلام نے کس طرح ان سازشوں کو ناکام بنا دیا ہے؛ اس کو اپنا شیوہ بنا لو۔

لہٰذا آپ حضرات پر فرض عائد ہوتا ہے کہ اہل بیت طاہرین علیہم السلام کے تذکرے اپنی زندگی کا ایک حصّہ سمجھیں، اور ہر روز یہ محاسبہ کریں کہ آپ نے ذکر اہل بیت میں کتنا حصّہ لیا ہے۔

تبلیغِ حدیثِ امامت فرض ہے

قال رسول اللہ معاشر الناس انی ادعہا امامۃ وراثۃ فی عقبی الی یوم القیامۃ وقد بلغت ما امرت بتبلیغہ حجۃ علیٰ کل حاضر وغائب وعلیٰ کل احد ممن شہدا و لم یشہد ولد اولم یولد فلیبلغ الحاضر الغائب والوالد

الولد الی یوم القیمۃ۔ (احتجاج طبرسی ص۳۳)

جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا اے لوگو! میں تمہیں بتاتا ہوں کہ عہدہ امامت میرے ہی اہلبیت و نسل میں قیامت تک کے لئے مخصوص ہے۔ خدا نے مجھے جو حکم تبلیغ دیا تھا میں نے اچھی طرح تمہیں پہنچا دیا ہے۔ اور حاضر و غائب سب کے لئے حجت ہے۔ اور جو لوگ اس وقت حاضر ہیں ان پر فرض ہے کہ وُہ غائب تک پہنچائیں۔ اور ہر حاضر و غائب پر فرض ہے کہ وُہ اس پیغامِ امامت کو پہنچاتا رہے جو پیدا ہو چکا ہے اس پر بھی اور جو ابھی پیدا نہیں ہوا ہے اس پر بھی۔ یعنی والد پر فرض ہے کہ وُہ اپنے فرزند کو پہنچاتا رہے اور یہ سلسلہ قطع نہ ہو۔

اس تاکیدی حدیث سے ہم شیعوں پر خصوصی فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم اپنے بچوں سے ذکر امامتِ اہل بیت کرتے رہیں۔ اور اسی طرح وُہ اپنی اولاد سے اور نسلاً بعد نسل یہی ذکر جاری رہے۔ مگر یہ تبلیغ صرف عہدۂ امامت کی ہے جو آنحضرتؐ نے غدیر خم میں واضح طور پر بیان کی تھی۔ اس سے مراد تبلیغ شریعتِ اسلام نہیں ہے۔ یعنی لفظ تبلیغ صرف عہدۂ امامت سے مخصوص ہے اس کے بعد نشر و اشاعت اور ترویج و تودیع ہے نہ کہ تبلیغ شریعت۔ جیسا کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے بیان فرمایا ہے۔

لقب مبلغ مخصوص اہلبیتؑ کے لئے ہے

قال امیر المومنین علیہ السلام فو اللہ الذی اکرمنا اھل البیت بالنبوۃ وجعل منا محمدؐ و اکرمنا بعدہ بان جعلنا ائمۃ للمومنین لا یبلغ عنہ غیرنا ولا تصلح الامامۃ والخلافۃ الا فینا ولم یجعل لاحد من الناس فیھا معنا اھل البیت نصیبا ولا حقا اما رسول اللہ خاتم النبیین لیس بعدہ نبی ولا رسول ختم رسول اللہ الانبیاء الی یوم القیمۃ وجعلنا من بعد محمدؐ خلفاء فی ارضہ و شھداء علی خلقہ فرض طاعتنا فی کتابہ و قرن بنفسہ و بنبیہ فی غیر آیۃ من القرآن فاللہ عزوجل جعل محمدؐ نبیا وجعلنا خلفاء من بعدہ فی کتابہ المنزل ثم ان اللہ عزوجل امر نبیہ ان یبلغ ذالک امتہ فبلغھم کما امرہ اللہ فایکما احق بمجلس

رسول اللہ و مکانہ وقد سمعتم من رسول اللہ حین
بعثنی ببراءۃ فقال لا یبلغ عنی الا رجل منی انشدکم
باللہ اسمعتم ذالک من رسول اللہ قالوا اللھم نعم نشہد
انا سمعنا ذالک من رسول اللہ حین بعثک ببراۃ فقال
امیر المؤمنین علیہ السلام لا یصلح لصاحبکم ان یبلغ
عنہ صحیفۃ اربع اصابع ولن یصلح ان یکون المبلغ
عنہ غیری فایھما احق بمجلسہ ومکانہ الذی سمی
بخاصہ انہ من رسول اللہ ومن حضر مجلسہ من الامۃ
فقال طلحۃ قد سمعنا ذالک من رسول اللہ ففسر لنا
کیف لا یصلح لاحد ان یبلغ عن رسول اللہ غیرک وقد
قال لنا ولسائر الناس لیبلغ الشاھد الغائب فقال بعرفۃ
فی حجۃ الوداع نصر اللہ امرأ سمع مقالتی فوعاھا ثم بلغھا
غیرہ فرب حامل فقہ لہ ورب حامل فقہ الی من ھو افقہ
منہ ثلاث لا یحل علیھن قلب امرء مسلم اخلاص العمل للہ
عزوجل والسمع والطاعۃ والمناصحۃ لولاۃ الامر ولزوم
جماعتھم فان دعوتھم محیطۃ من ورائھم وقال فی غیر
موطن یبلغ الشاھد الغائب فقال علی علیہ السلام قال
رسول اللہ یوم غدیر خم ویوم عرفۃ فی حجۃ الوداع ف
اخر خطبۃ خطبھا حین قال قد ترکت فیکم امرین لن تضلوا
ما ان تمسکتم بھما کتاب اللہ واھلبیتی فان اللطیف الخبیر
قد عھد الی انھما لا یفترقا حتی یردا علی الحوض کھاتین
ولا اقول کھاتین فاشار الی سبابتہ وابھامۃ لان احدھما
قدام الاخر فتمسکوا بھما لن تضلوا ولا تزولوا ولا تقدموھم
ولا تخلفو عنھم وتعلموھم فانھم اعلم منکم انما امر
اللہ العامۃ جمیعا ان یبلغوا من لقوا من العامۃ ایجاب
طاعۃ الائمۃ من آل محمد علیھم السلام وایجاب حقھم
ولم یقل ذالک فی شئ من الاشیاء غیر ذالک وانما امر العامۃ

ان يبلغوا العامة حجة من لا يبلغ عن رسول الله جميع مابعثه الله به غيرهم الا ترى يا طلحة ان رسول الله قال لى وانتم تسمعون يا اخى انه لا يقضى عنى دينى ولا يبرئ ذمتى غيرك تبرء ذمتى وتودى دينى وغراماتى وتقاتل على سنتى فلما ولى ابو بكر قضى عن رسول الله عداته و دينه فاتبعوه جميعا فقضيت دينه وعداته وقد اخبرهم انه لا يقضى عنه دينه وعداته غيرى ولم يكن ما اعطاهم ابو بكر قضاء لدينه وعداته وانما كان الذى قضا من الذين والعدة هو الذى برء منه وانما بلغ عن رسول الله جميع ما جاء به من عند الله من بعد الائمة الذين فرض الله فى الكتاب طاعتهم وامر بولايتهم والذين من اطاعهم فقد اطاع الله ومن عصاهم فقد عصا الله قال طلحة فرجت عنى ما كنت ادرى ما عنى بذالك رسول الله حتى فسرته لى فجزاك الله يا ابا الحسن عن جميع امة محمدؐ الجنة۔ (احتجاج طبرسی ص۱۵۷)

حضرت امیر المومنین علیہ السّلام نے مجمع اصحاب میں ارشاد فرمایا:۔
اس خدا کی قسم جس نے ہم اہلبیت کو نبوت کے ساتھ بزرگی عطا فرمائی اور ہم ہی میں سے محمدؐ کو قرار دیا اور ان کے بعد ہمیں یہ بزرگی عطا فرمائی کہ ہمیں مومنین کے لئے ائمہ قرار دیا ہمارے سوا کوئی ان کی شریعت کی تبلیغ کا حق نہیں رکھتا۔ اور امامت و خلافت کو جو صلاحیت حاصل ہے وہ صرف ہم ہی میں رہ کر حاصل ہے۔ امامت میں ہمارے ساتھ خدا نے کسی شخص کے لئے بھی دنیا میں سے کوئی حصہ و حق مقرر نہیں کیا۔
آنحضرتؐ خاتم النبیین ہیں۔ ان کے بعد نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ رسول۔ آپ کے ذریعے خدا نے قیامت تک انبیاء کے سلسلہ کو ختم کر دیا ہے اور ہمیں آنحضرتؐ کے بعد اپنی زمین میں خلیفہ مقرر فرمایا ہے اور اپنی مخلوق پر ہمیں گواہ مقرر فرمایا ہے۔ اور اپنی کتاب میں ہماری اطاعت کو فرض کر دیا ہے۔ اور اپنی ذات اور اپنے نبی کے ساتھ ساتھ ہمیں قرآن مجید کی کتنی آیتوں میں ہمنشین و شریک قرار دیا ہے۔
خداوند عالم نے محمدؐ کو نبی اور ہمیں ان کے بعد خلیفہ مقرر کیا ہے اپنی کتاب منزل میں

پھر نبیؐ کو حکم دیا ہے کہ اُمت کو اس کی تبلیغ کریں۔ پس انہوں نے مطابق امرِ خدا تبلیغ کر دی ہے۔

اب کیا تم لوگوں میں سے کوئی حقدار ہو سکتا ہے کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مسند اور مقام پر قدم رکھ سکے؟ تمہیں خبر ہے کہ جب آنحضرتؐ نے مجھے سورۂ برأت دے کر بھیجا تھا تو فرمایا تھا کہ میری طرف سے کوئی تبلیغ نہیں کر سکتا مگر وُہ مرد جو مجھ ہی میں سے ہو۔ میں تمہیں قسم دے کر دریافت کرتا ہوں کہ کیا یہ واقعہ نہیں گزرا ہے۔ سب نے خلفیہ بیان کیا کہ بے شک درُست ہے۔ ہم نے آنحضرتؐ سے یہ بیان سُنا ہے جب انہوں نے آپ کو تبلیغ سورۃ برأت کے لئے بھیجا تھا۔

حضرت نے فرمایا کہ تمہارا ساتھی تو چار انگشت کے ورق کی تبلیغ کی صلاحیت بھی نہیں رکھتا۔ تو پھر پُوری شریعت کی میرے سوا کوئی بھی ہر گز تبلیغ نہیں کر سکتا ہے اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ تم لوگوں میں سے کوئی بھی اس امر کا حق دار نہیں ہے کہ رسُولؐ اللہ نے جس کو مخصوص طور پر فرمایا ہو کہ "یہ مجھ سے ہے"۔ یہ خصوصیت بھی صرف مجھے حاصل ہے جو اُمّت کے کسی فرد کو بھی حاصل نہیں۔

طلحہ نے کہا درست ہے۔ ہم نے یہ حدیث خود آنحضرتؐ سے سماعت کی ہے مگر ہم آپ سے ایک امر کی تشریح چاہتے ہیں اور وُہ یہ ہے کہ اگر آپ کا یہ استدلال درست ہے کہ آپ کے سوا آنحضرتؐ کی شریعت کا کوئی مبلغ نہیں ہو سکتا اور شریعت محمدیہ کی تبلیغ صرف آپ ہی کی ذات سے مخصوص ہے۔ تو آنحضرتؐ نے یہ کیوں فرمایا تھا فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ۔ یعنی حاضرین پر فرض ہے کہ وُہ غائبین کو تبلیغ کریں اور یہ حکم تبلیغ ہم سب کو دیا تھا۔ اور قیام عرفہ میں حجۃ الوداع کے موقعہ پر بھی فرمایا تھا کہ خدا اس شخص کی مدد کرے جو میری بات کو سُن کر یاد کرے اور پھر دوسروں تک تبلیغ کرے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ شاہد کا فرض ہے کہ غائب کو تبلیغ کرے۔

حضرت امیرالمومنین نے فرمایا بالتحقیق جو کچھ رسُولؐ اللہ نے یوم غدیر اور یوم عرفہ حجۃ الوداع میں فرمایا تھا اپنے آخری خطبہ میں جب کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ اے لوگو میں تم میں دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں اگر ان سے تمسک رکھو گے تو تم کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ ایک خدا کی کتاب ہے اور دوسرے میرے اہلبیت ہیں۔ کیونکہ مجھے خدائے لطیف و خبیر نے پختہ خبر عطا کی ہے کہ یہ دونوں باہم جُدا نہ ہوں گے یہاں تک

کہ میرے پاس حوضِ کوثر پر پہنچ جائیں۔ جس طرح یہ دو میری انگشت ہیں۔ اور آنحضرتؐ نے انگشت اور انگوٹھے کو ملا کر فرمایا تھا۔ پس ان دونوں سے تمسک کرو اور ان سے ملے رہو اور ان سے آگے بھی مت بڑھو اور ان سے جدا بھی نہ ہو۔ اور انہیں تعلیم بھی نہ دو یہ تم سے زیادہ عالم ہیں۔ خداوند عالم نے تمام عامۃ المسلمین کو یہ حکم دیا کہ تم لوگ جن عامۃ المسلمین سے ملاقات کرو ان کو یہ تبلیغ کرو کہ آلِ محمدؐ امام ہیں ان کی اطاعت اور ان کا حق ادا کرنا واجب ہے۔ اس کے علاوہ اور کسی بھی چیز کے بارہ میں حکم تبلیغ نہیں دیا تھا۔ یعنی عامۃ المسلمین کو یہ حکم دیا تھا کہ آلِ محمدؐ ہی حجت خدا ہیں اور ان ہی کو حق دیا ہے کہ رسولؐ اللہ کو خداوند عالم نے جس شریعت کے ساتھ مبعوث کیا ہے اس کو ان کے سوا رسولؐ کی طرف سے کوئی تبلیغ نہیں کر سکتا۔ (کیونکہ غیر معصوم اگر مبلغ شریعتِ رسول ہوگا اور غلطی کر بیٹھے گا، تو وہ غلط بات خدا و رسولؐ کی طرف منسوب ہو جائے گی)، پھر حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ اے طلحہ مجھ سے رسولؐ اللہ نے فرمایا تھا اور تم لوگ سن رہے تھے کہ اے بھائی علی! میرے دین اور میری ذمہ داریوں کو تم ہی پورا کرو گے۔ تمہارے سوا میری ذمہ داریاں کوئی پورا نہیں کر سکتا۔ اور میرا دین اور میرے متعلقہ فرائض تمہارے سوا کوئی ادا نہیں کر سکتا۔ اور تم اے علی میری سنت پر قتال کرو گے۔ میں نے ہی رسولؐ اللہ کی تمام ذمہ داریاں پوری کی ہیں اور فرائض دین بھی ادا کئے ہیں اور ان کے وعدے بھی پورے کئے ہیں۔ اور یہ حق ان ہی ائمہ کا ہے جن کی اطاعت قرآن میں فرض کی گئی ہے۔ اور ان کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے اور ان کی نافرمانی خدا کی نافرمانی ہے۔

طلحہ نے عرض کی کہ یا علی آپ نے میری مشکل آسان کر دی اور اب میں خوب سمجھ گیا، کہ رسولؐ خدا نے صرف اس امر کی تبلیغ کا حق دیا تھا کہ ائمہ کی اطاعت کرو۔ خدا آپ کو جزائے خیر عطا کرے تمام اُمتِ محمدیہ کی جانب سے۔

اس حدیث مبارک سے واضح ہو گیا کہ تبلیغ دین کا حق جناب رسالت مآبؐ کے بعد صرف ائمہ معصومین کو حاصل ہے اور یہی لفظ "مبلغ" کے حقدار ہیں۔ کیونکہ مفہوم تبلیغ کا مطلب یہ ہے کہ خدا اور رسولؐ کے نزدیک جو معنی معین ہیں ان کو خدا و رسولؐ کی طرف سے پہنچائے۔ جس کا علم انسان کو بغیر وحی و الہام ممکن نہیں ہے۔ اس لئے غیر معصوم کے لئے لفظ مبلغ کا استعمال کسی طرح جائز اور درست نہیں ہے البتہ تبلیغ امامت ائمہ طاہرین علیہم السلام فرض ہے اسی طرح ان کے فضائل و کمالات کی تبلیغ بھی فرض ہے

مگر مبلغ اسلام اور مبلغ دین من جانب خدا صرف محمدؐ و آلِ محمد علیہم السّلام ہیں۔

الفاظِ قرآن کا مقصد لغت سے حل نہیں ہو سکتا

قرآن مجید میں الفاظ بالتحقیق عربی ہیں اور اسی زبان پر وہ نازل ہوا ہے۔ لیکن ظاہری الفاظ کا ورد کرنا اور قرأت کرنا مقصودِ خدا نہیں ہے بلکہ اس کے معانی و مطالب اور تاویلِ مرادِ خدا ہے اور اس کا علم بغیر وحی و الہام نہیں ہو سکتا۔ مثلاً، صلوٰۃ، زکوٰۃ، حج۔ یا لفظ نبی و امام، رسول۔ یا لفظ ید، وجہ، ساق۔ یا لفظ غضب، رحمت، محبت۔ یا لفظ بیت، قریہ، مدینہ۔ یا لفظ علم، قدرت، ارادہ۔ یا لفظ صراط، سبیل، سُبل وغیرہ خدا کی طرف منسوب ہو کر لغوی معنی میں باقی نہیں رہتے۔ اس لئے ان الفاظ کے مقاصد و معانی خداوندی، کتب لغت سے حل نہیں کئے جا سکتے۔ جیسا کہ ہماری اس کتاب کے مطالعہ سے ثابت ہو جائے گا۔ لہذا مراد و مقصدِ خدا معلوم کرنے کے لئے وحی و الہام کی ضرورت ہے۔ اسی مطلب کو خداوند عالم نے اس آیۃ وافی ہدایۃ میں بیان فرمایا ہے:۔

وما یعلم تاویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم۔

جب مقصدِ خدا کا بغیر وحی و الہام علم ممکن نہیں ہے تو ہمارے علوم ناقصہ اور آرائے کاسدہ سے جو کچھ ثابت ہو گا وہ ہمارے ہی عقول کا مخلوق ہو گا اور اس پر عمل و اعتقاد بے دینی کہلائے گی۔ کیونکہ دین صرف امر و نہی خدا کا نام ہے نہ کہ اپنے طبع زاد آراء کا۔

قری مبارکہ کا مقصد کیا ہے؟

عن ابی حمزۃ الثمالی قال دخل قاضی من قضاۃ اھل الکوفۃ علیٰ علی بن الحسین فقال لہ جعلنی اللہ فداك اخبرنی عن قول اللہ عزوجل وجعلنا بینھم وبین القری التی بارکنا فیھا قری ظاھرۃ وقدرنا فیھا السیر وسیروا فیھا لیالی وایاما آمنین۔ قال لہ مایقول الناس فیھا قبلکم بالعراق قال یقولون انھا مکۃ فقال وھل رایت السرق فی موضع اکثر منہ بمکۃ قال فما ھو قال انما عنی الرجال قال واین ذالك فی کتاب اللہ فقال اوما تسمع الیٰ قولہ عزوجل: و کاین من قریۃ عتت عن امر ربھا ورسلہ وقال وتلك

القریٰ اھلکناھم و قال اسئل القریۃ التی کنا فیھا فیسئل القریۃ التی و الرجال والعیر قال وتلی علیہ آیات فی ھذا المعنی قال وجعلت فداك فمن ھم۔ قال و نحن ھم وقولھم سیروا فیھا لیالی وایاما آمنین من الزیع (احتجاج ص۱۶۱)

ابو حمزہ ثمالی بیان کرتے ہیں کہ کوفہ کے قاضیوں میں سے ایک قاضی جناب امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضرت سے عرض کی کہ خدا مجھے آپ پر فدا کرے قرآن مجید میں اس آیت کا مطلب بیان فرمائیے: (ترجمۂ آیت) "اور ہم نے لوگوں کے اور ان قریوں کے درمیان کہ جن میں ہم نے برکتیں نازل کی ہیں ظاہری قریے بنائے ہیں اور ہم نے ان میں سیر کو مقدر کر دیا ہے۔ تم لوگ دنوں اور راتوں میں امن و امان کے ساتھ ان کی سیر کرو"۔

حضرت نے فرمایا کہ عراق میں لوگ اس کے کیا معنی کرتے ہیں؟ اس نے کہا کہ ان قریوں کا مطلب 'مکہ' بتاتے ہیں۔

حضرت نے فرمایا کہیں اور بھی اتنی چوریاں ہوتی ہیں جتنی مکہ میں ہوتی ہیں۔ پھر امن و امان کا وعدۂ خدا کہاں گیا، اس نے عرض کی پھر اس کے کیا معنی ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ خدا کا مقصد ان قری سے خاص خاص مرد ہیں۔

اس نے کہا اس کا ثبوت قرآن میں کہاں ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ قرآن میں تم نے یہ آیت پڑھی ہے (ترجمۂ آیت) کہ کتنے قریے ہیں کہ جنہوں نے اپنے رب اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی اور خدا نے فرمایا (ترجمہ آیت) اور یہ قریے وُہ ہیں جن کو ہم نے ہلاک کر دیا۔ کیونکہ انہوں نے ظلم کیا۔ اور خدا نے فرمایا ہے (ترجمۂ آیت) اور اس قریہ سے دریافت کرو جس میں ہم رہے اور اس قافلہ سے بھی جس میں ہم شامل ہو کر آئے۔ ان تمام آیات میں قریوں یعنی بستیوں کا ذکر ہے تو کیا بستیوں نے ظلم کیا ہے اور بستیوں نے خدا و رسُول کی نافرمانی کی ہے کیا بستی سے سوال کرنا چاہئے یا لوگوں اور قافلوں سے۔ ابو حمزہ کہتے ہیں حضرت نے متعدد آیات قرآن اس کے ہم معنی اور بھی تلاوت کیں۔

قاضیٔ کوفہ نے عرض کی میں آپ پر قربان پھر یہ خاص مَرد کون ہیں، حضرت نے فرمایا وُہ مرد ہم ہیں۔ اور یہ قول کہ تم شب و روز حاضر رہو امن و امان میں رہو گے اس کا مقصد

یہ ہے کہ گمراہی سے محفوظ رہو گے۔ (یعنی ہم سے علم حاصل کرو تاکہ گمراہی سے امن میں رہو)

اس حدیث سے ثابت ہوگیا کہ خدا کا مقصد لفظ "قری" سے بستیاں نہیں بلکہ حضرات محمدؐ و آل محمد علیہم السلام مرادِ خدا ہیں۔ ان ہی ذوات مقدسہ کی خدمت میں حاضری سے علوم حاصل ہوتے ہیں اور گمراہی سے امان ملتی ہے۔ مگر لغتِ عرب میں اس کے معنی عام بستیاں ہیں اور لوگوں نے اس سے مراد شام کی بستیاں لی ہیں۔ حالانکہ کسی بستی میں امن و امان نہیں ہے اور خدا کا وعدہ ہے کہ ان میں مکمل امن و امان ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور حسن بصریؒ کی گفتگو

آیت مذکورہ کے بارے میں فرزند امام زین العابدین علیہ السلام اور حسن بصری فقیہہ اہل بصرہ کی اس طرح گفتگو ہوئی:۔ ابوحمزہ ثمالی بیان فرماتے ہیں کہ حسن بصریؒ امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میں آپ سے قرآن مجید کے کچھ آیات کے متعلق سوال کرنا چاہتا ہوں میں اسی غرض کو لے کر حاضر خدمت ہوا ہوں۔ امام نے فرمایا کہ کیا تم فقیہہ اہل بصرہ نہیں ہو؟ انہوں نے عرض کی ہاں ایسا ہی کہا جاتا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ کیا بصرہ میں کوئی ایسی ہستی ہے کہ جس سے علوم حاصل کرتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ نہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ کیا تمام اہلِ بصرہ تم ہی سے علوم لیتے ہیں۔ انہوں نے کہا جی ہاں۔ حضرت نے فرمایا خداوند ہر نقص و عیب سے منزہ ہے۔ تم نے بہت گراں بار طوق اپنے گلے میں ڈال لیا ہے۔ مجھے ایک خبر تمہارے متعلق پہنچی ہے۔ یا تو لوگوں نے تم پر بہتان باندھا ہے یا تم ایسے ہی ہو۔ انہوں نے عرض کی وہ کیا خبر ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ تم لوگوں سے یہ بیان کرتے ہو کہ خداوند عالم نے بندوں کو پیدا کر کے ان کے تمام معاملات ان ہی کے سپرد کر دیئے ہیں۔ یہ سن کر حسن بصریؒ خاموش ہو گئے۔

حضرت نے فرمایا کہ جس کو خداوند عالم یہ وعدہ دے دے کہ تو مامون و محفوظ ہے تو آیا اس وعدہ کے بعد بھی اس کو کوئی خوف ہو سکتا ہے۔ حسن بصری نے کہا نہیں۔

حضرت نے فرمایا میں تمہارے سامنے ایک آیتِ قرآن پیش کرتا ہوں اور تمہیں خدا کے اس وعدہ کا مخاطب قرار دیتا ہوں۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ تم اس کی تفسیر خلاف مقصودِ خدا کرو گے۔ اگر تم نے ایسا کیا تو تم خود بھی ہلاک ہو جاؤ گے اور لوگوں کو بھی ہلاک کرو گے۔ حسن بصری نے عرض کی وہ کیا آیت ہے۔ حضرت نے فرمایا خدا کا ارشاد ہے:۔

وجعلنا بینھم وبین القری التی بارکنا فیھا قری ظاھرۃ

وقدرنا فیھا السیر سیروا فیھا لیالی و ایاما آمنین ○

اور ہم نے لوگوں کے اور ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکتیں اُتاری ہیں ظاہری بستیاں بنائی ہیں۔ اور ہم نے ان میں سیر کو مقدر و معین کر دیا ہے سیر کرو ان میں شب و روز امن و امان کے ساتھ۔

اے حسن بصری مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے ان بستیوں سے مکہ مراد لیا ہے اور لوگوں کو یہی تفسیر بتائی ہے۔ اے حسن بصری کیا جو لوگ مکہ میں حج کے لئے جاتے ہیں وہ راستے میں لوٹے نہیں جاتے۔ اور کیا اہل مکہ خوف زدہ نہیں ہوتے ہیں اور کیا ان کے مال نہیں نکل جاتے ہیں۔ پھر لوگ کس طرح امن و امان میں رہے؟

اے حسن بصری! یہ برکت والے قریے ہم ہیں۔ خدا نے ہمیں مراد لے کر یہ مثال بیان فرمائی ہے۔ پس جو شخص ہماری معرفت حاصل کرے گا اور ہماری فضیلت کا اقرار کرے گا اور ہمارے پاس علوم حاصل کرنے کے لئے آئے گا اس کے لئے خدا نے فرمایا ہے کہ لوگوں کے اور قریٰ مبارکہ کے درمیان ہم نے قریٰ ظاہرہ بنا دیئے ہیں۔ ہم سے علوم حاصل کرنے والے اور لوگوں تک ہمارے علوم پہنچانے والے قریٰ ظاہرہ ہیں اور ہم قریٰ مبارکہ ہیں اور "قدرنا فیھا السیر" یعنی ہم نے خلقت ہی میں قریٰ مبارکہ کے اندر علم مقدر کر دیا۔ یعنی برکت بھی دی ہے اور علم بھی مقدر کر دیا ہے۔ لفظ "سیر" سے ہمارے علم کی مثل بیان کی ہے۔ اور شب و روز سیر کرو گے، سے مراد یہ ہے کہ لوگ علم حلال و حرام حاصل کرنے کے لئے شب میں بھی آسکتے ہیں اور روز میں بھی۔ اور شب و روز ہم سے علوم حاصل کئے جاتے ہیں اور حاصل کرنے والوں کو امن و اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ حصولِ علم ایسی بستیوں سے کر رہے ہیں کہ جو خداوند عالم کی طرف سے معدنِ علم مقرر کئے گئے ہیں۔ اس لئے انہیں کوئی خطرہ گمراہی ہوتا ہی نہیں ہے۔ اور شک و شبہ سے محفوظ رہتے ہیں۔ اسی طرح ہم سے علوم حاصل کر کے لوگوں تک پہنچانے والے ہمارے محدثین ہیں جن کو پورا یقین ہے کہ ہم نے ان سے علم حاصل کیا ہے جو میراث علم کے وارث ہیں۔

اے حسن بصری! خداوند عالم نے آدمؑ سے لے کر آج تک جن کو مصطفےٰ بنایا ہے اور ان کی ذریت کو منتخب کیا ہے اس کا سلسلہ ہم پر منتہی ہوتا ہے۔ اصطفاء و انتخاب قدرت کا سلسلہ تمہارے اوپر منتہی نہیں ہوتا ہے! ہم ہیں وہ ذریت جن کو خدا نے چنا اور ذریۃ بعضھا من بعض " فرمایا ہے۔ وہ ذریت ابراہیمی ہم ہیں۔ تم جیسے نہیں ہیں۔ پس اگر میں تمہیں جاہلِ بصرہ کہہ دوں تو درست ہو گا۔ کیونکہ تم نے وہ دعوٰے کیا ہے جس کا تمہیں حق نہیں اور تم نے وہ بات بیان کی ہے جس کا تمہیں علم ہی نہیں ہے۔

دیکھو اے حسن بصری! خدا کا خوف دل میں رکھو اور کبھی نہ کہنا کہ خدا نے سب کچھ بندوں کے سپرد کر دیا ہے۔ خدا کمزور و ضعیف نہیں ہے۔ کہ سب کچھ بندوں کے سپرد کر دے اور خدا ظالم نہیں ہے کہ ان کو مجبور کر کے گناہ کرائے۔

(یہ حدیث بہت طویل ہے بقدر ضرورت بیان کر دیا گیا ہے)

(احتجاج طبرسی ص ۱۶۸)

بیوت اللہ و ابواب اللہ کا مطلب

عن اصبغ بن نباتہ قال کنا جالسا عند امیر المومنین علیہ السلام فجاء ابن الکواء فقال امیر المومنین من البیوت فی قول اللہ عزوجل ولیس البر بان تاتوا البیوت من ظہورھا ولکن البر من اتقی واتوا البیوت من ابوابھا قال علی علیہ السلام نحن البیوت التی امر اللہ بھا ان توتی من ابوابھا نحن باب اللہ وبیوتہ التی یوتی منہ فمن تابعنا واقر بولایتنا فقد اتی البیوت من ابوابھا ومن خالفنا وفضل علینا غیرنا فقد اتی البیوت من ظہورھا فقال امیر المومنین وعلی الاعراف رجال یعرفون کلا بسیماھم فقال علی علیہ السلام نحن اصحاب الاعراف نعرف انصارنا بسیماھم ونحن الاعراف یوم القیٰمۃ بین الجنۃ والنار ولا یدخل الجنۃ الا من عرفنا وعرفناہ ولا یدخل النار الا من انکرنا وذالک بان اللہ عزوجل لو شاء عرف الناس نفسہ حتی یعرفوہ وحدہ ویاتوہ من بابہ ولکنہ جعلنا ابوابہ وصراطہ وسبیلہ وبابہ الذی یوتی منہ فقال فیمن عدل عن ولایتنا وفضل علینا غیرنا فانھم عن الصراط لناکبون۔ (احتجاج ص ۱۱۱)

اصبغ بن نباتہ کا بیان ہے کہ میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا کہ ابن کواء آیا اور اس نے حضرت سے کہا یا امیر المومنین قرآن مجید میں جو خدا نے فرمایا ہے (ترجمہ آیت)

یہ نیکی نہیں ہے کہ تم بیوت میں پشت سے داخل ہو مگر نیکی تو یہ ہے کہ خدا سے ڈرو

یعنی اس کی نافرمانی سے بچو اور بیوت میں ان کے دروازوں سے داخل ہو۔"
حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ وُہ بیوت ہم ہیں جن کے بارہ میں خدا نے فرمایا ہے کہ ان کے پاس ان کے دروازوں سے داخل ہو۔ ہم باب اللہ ہیں اور ہم اس کے بیوت ہیں جن کے ذریعہ خدا تک پہنچا جاتا ہے۔ پس جو شخص ہماری پیروی کرے گا اور ہماری ولایت کا اقرار کرے گا تو وُہ بیوت میں دروازوں سے داخل ہو گیا۔ اور جو شخص ہماری مخالفت کرے گا اور ہم پر ہمارے غیر کو فضیلت دے گا تو وُہ بیوت میں پس پشت سے آیا۔ پس اس نے عرض کی کہ یا امیر المومنین اس آیت کا کیا مطلب ہے (ترجمہ آیت)
اور اعراف میں کچھ مرد ہیں جو پہچانتے ہیں سب کو ان کی نشانیوں سے۔" حضرت نے فرمایا ہم اصحاب اعراف ہیں ہم اپنے ناصروں کو پہچانتے ہیں ان کی نشانیوں سے اور روزِ قیامت ہم ہی اعراف ہیں جنت و دوزخ کا فیصلہ کرنے والے۔ اور جنت میں صرف وہ لوگ داخل ہوں گے جن کو ہماری معرفت ہوگی اور ہم انہیں پہچانتے ہوں گے۔ اور دوزخ میں صرف وُہ لوگ داخل ہوں گے جو ہماری معرفت نہیں رکھتے اور ہم انہیں پہچانتے ہوں گے اور یہ اس لئے کہ خداوند عالم اگر چاہتا کہ لوگوں کو اپنی معرفت کرائے کہ وہ اس کی خاص طور پر معرفت کرلیں اور اس کی بارگاہ میں اس کے دروازہ سے آئیں۔ مگر چونکہ اس کی شان یہ نہیں ہے کہ براہ راست اس کی بارگاہ میں پہنچ سکیں، اس لئے اس نے ہمیں اپنے ابواب اور صراط اور سبیل قرار دیا اور اسی دروازہ سے اس کی بارگاہ میں حاضری دی جا سکتی ہے۔ کیونکہ جو شخص ہماری ولایت سے منحرف ہوگا اور ہم پر اپنے غیر کو فضیلت دے گا اس کے لئے خدا نے فرمایا ہے (ترجمہ آیت) پس یہ لوگ صراط سے ہٹ گئے ہیں۔"
اور مفسر قمی علیہ الرحمتہ نے فرمایا ہے کہ یہ آیت حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے کیونکہ حضرت رسولؐ خدا کا ارشاد ہے (ترجمۂ حدیث) میں شہرِ علم ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔ لہٰذا آنحضرتؐ کا فرمان کہ تم شہر میں بغیر دروازہ کے داخل نہ ہو۔
تفسیر صافی میں ہے حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ خداوند عالم نے اپنے علم کے کچھ وارث بنائے ہیں اور بندوں پر ان کی اطاعت فرض کی ہے اور حکم دیا ہے کہ بیوت میں دروازوں کے ذریعہ آؤ۔ اور یہ بیوت درحقیقت بیوت العلم ہیں۔ اور تفسیر برہان میں ائمہ معصومین علیہم السلام کے احادیث سے ثابت ہے کہ بیوت سے مراد آل محمد علیہم السلام ہیں اور یہی خدا کے دربار

تک پہنچنے کے دروازے ہیں۔

ان تمام احادیث سے ثابت ہے کہ محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام بیوتِ علم خدا ہیں اور یہی ذواتِ مقدسہ ابواب اللہ ہیں۔ لہٰذا اگر علم و معرفت حاصل کرنا چاہو تو ان ہی سے علومِ خداوندی حاصل ہوں گے اور ان ہی سے خدا کی صحیح معرفت حاصل ہوگی۔

قرآن مجید کے الفاظ کا وُہ معنی اور مفہوم جو خدا نے مراد لیا ہے اور جو اصل غرض نزولِ قرآن ہے اس کا علم ان ہی حضرات کو بذریعہ وحی والہام حاصل ہے۔ لہٰذا قرآن کی قیاسی تاویلیں قطعاً غلط ہیں، اور اُن پر عمل کرنا قطعی گمراہی ہے۔ اسی لئے امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے:۔ کل علم لا یخرج من ھذا البیت فھو باطل واشار بیدہ الی بیتہ۔ (کتاب الحقائق صاحب تفسیر صافی علامہ فیض کاشانی ص۹)۔ جو علم اس بیت (گھر) سے نہ نکلا ہو وُہ باطل ہے۔ یہ فرما کر حضرت نے اپنے ہاتھ سے اپنے گھر کی طرف اشارہ کیا۔"

تاویلِ قرآن و احکامِ دین کے بارے میں قیاس عاجز ہے

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے ابو حنیفہ سے دریافت فرمایا کہ کیا تم مفتی عراق ہو؟ انہوں نے کہا جی ہاں۔ حضرت نے فرمایا کہ کیا تم عالم کتابِ خدا ہو، ناسخ و منسوخ اور محکم و متشابہ کو جانتے ہو؟ انہوں نے کہا جی ہاں۔ حضرت نے فرمایا اس قولِ خدا کا کیا مطلب ہے: وقدرنا فیھا السیر سیروا فیھا لیالی وایاما اٰمنین (ترجمہ آیت)

ہم نے اس میں سیر کو مقدر کر دیا ہے امن و امان کے ساتھ اس میں شب و روز آؤ جاؤ"

یہ کون سی جگہ ہے۔ ابو حنیفہ نے کہا کہ یہ جگہ مکہ و مدینہ کے درمیان ہے۔

حضرت صادق علیہ السلام حاضرین مجلس کی طرف ملتفت ہوئے اور فرمایا کہ مَیں تم لوگوں سے بقسمِ خدا دریافت کرتا ہوں کیا ایسا نہیں ہے کہ تم لوگ مکہ و مدینہ کے درمیان جب سفر کرتے ہو تو تم لوگ اپنی جانوں کے قتل اور اپنے اموال کے سرقہ سے مامون نہیں ہوتے ہو۔ سب نے عرض کی کہ جی ہاں۔ حضرت نے فرمایا وائے ہو تم پر۔ اے ابو حنیفہ خداوند عالم تو حق بات کہتا ہے (اور تم نے جو معنی بتائے ہیں وُہ خلاف ہیں)، اس کے بعد حضرت نے فرمایا کہ اس قولِ خدا کے معنی بتاؤ: وَمَنْ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا۔ ترجمہ آیت:۔

جو شخص اس مقام میں داخل ہوگا وُہ امن و امان میں رہے گا۔

اے ابو حنیفہ یہ کونسی جگہ ہے۔ ابو حنیفہ نے عرض کی یہ بیت اللہ ہے۔

حضرت صادق علیہ السلام حاضرین کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ میں تم لوگوں سے بقسم خدا

دریافت کرتا ہوں کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ عبداللہ بن زبیر اور سعید بن جبیر اس مقام میں داخل ہوئے اور قتل سے محفوظ نہ رہ سکے۔ سب نے عرض کی بے شک درست ہے۔

حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اے ابو حنیفہ خدا تو حق بات کہتا ہے (اور تم نے جو مطلب بتایا ہے وُہ وعدۂ خدا کے خلاف ہے)، ابو حنیفہ نے کہا کہ میں عالم کتاب نہیں ہوں۔ میں صاحب قیاس ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ تم اپنے قیاس کے ذریعہ بتاؤ کہ زنا زیادہ عظیم گناہ ہے یا قتل۔ ابو حنیفہ نے کہا قتل زیادہ عظیم ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ اگر ایسا ہے تو قتل کے لئے دو گواہ اور زنا کے لئے چار گواہ کیوں ہیں۔ پھر حضرت نے فرمایا کہ نماز افضل ہے یا روزہ انہوں نے کہا کہ نماز زیادہ افضل ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ پھر تمہارے قیاس کے مطابق عورت کو چاہئے کہ زمانۂ حیض میں قضا شدہ روزہ اور نماز میں بعد طہارت نمازوں کی قضا ادا کرے، روزہ کی قضا ادا نہ کرے حالانکہ خداوند عالم نے اس پر روزہ کی قضا کو ادا کرنا واجب کیا ہے نہ نماز کی قضا کو۔

حضرت نے فرمایا پیشاب زیادہ ناپاک ہے یا منی۔ ابو حنیفہ نے کہا پیشاب۔

حضرت نے فرمایا پھر تمہارے قیاس کے مطابق پیشاب کرنے پر غسل واجب ہونا چاہئے تھا نہ کہ خروج منی پر۔ ابو حنیفہ نے عرض کی کہ میں تو صاحب رائے ہوں۔ حضرت نے فرمایا:

ایک شخص نے اپنی شادی اور غلام کی بھی شادی ایک ہی شب میں کی اور دونوں اپنی اپنی زوجہ سے ہم بستر ہوئے اور پھر دونوں سفر پر روانہ ہو گئے، اور دونوں ایک ہی حجرہ میں ٹھہرا کر گئے۔ ان دونوں کو خدا نے دو لڑکے عطا فرمائے۔ ان دونوں پر حجرہ کی چھت گر گئی اور وُہ دونوں عورتیں مر گئیں اور ان دونوں کے دو بچے زندہ رہ گئے۔ اب تمہاری رائے میں ان دونوں میں آقا کون ہے اور غلام ہے۔ اور وارث کون ہے اور مورث کون ہے۔ ان دونوں میں مالک کون ہے اور مملوک کون ہے۔ یہ سنکر ابو حنیفہ نے کہا کہ میں تو صاحب حدود ہوں یعنی تعزیرات کا عالم ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ ایک نابینا نے دوسرے بینا کی آنکھ پھوڑی اور ایک دست بریدہ نے دوسرے کا ہاتھ کاٹ دیا۔ ان پر کس طرح حد جاری کرو گے۔ ابو حنیفہ نے کہا کہ میں عالم مبعث انبیاء ہوں۔ حضرت نے فرمایا:

جب حضرت موسٰی و حضرت ہارون علیہم السلام کو خداوند عالم نے فرعون کی طرف مبعوث فرمایا تو ان دونوں سے کہا لَعَلَّہٗ یَتَذَکَّرُ اَوْ یَخْشٰی ۔ (ترجمہ آیت، تا کہ وُہ قبول کرلے یا ڈر جائے) لَعَلَّ تمہارے لئے "شک" کے معنی میں ہے۔ یعنی شائد۔ تو کیا ایسا ہی خدا کے لئے بھی شک کے معنی میں ہے۔ کیونکہ اس نے اپنے لئے لعل خود استعمال کیا ہے جس کے معنی شائد ہیں۔

ابو حنیفہ نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ تمہارا یہ زعم تھا کہ کتاب اللہ کے ذریعہ فتویٰ بیان کرتے ہو۔ حالانکہ تم وارثانِ قرآن میں سے نہیں ہو۔ اور تم یہ زعم رکھتے ہو کہ تم صاحبِ قیاس ہو۔ حالانکہ سب سے اوّل ابلیس نے قیاس کیا تھا۔ اور دینِ اسلام کی بنیاد قیاس پر نہیں ہے۔ اور تم یہ زعم رکھتے ہو کہ تم صاحب الرائے ہو۔ حالانکہ صرف رسُولِ خدا کی رائے ہی صائب ہے اور دُوسروں کی غلط و خطا ہے۔ کیونکہ خداوند عالم نے فرمایا ہے "فاحکم بینھم بما اراك الله" (ترجمہ آیت) اے رسولؐ تم لوگوں کے درمیان خدا کی عطا فرمودہ رائے سے فیصلہ کرو"۔ اور یہ حق خدا نے کسی دُوسرے کو نہیں دیا ہے۔ اور تم یہ زعم کرتے ہو کہ تم صاحبِ حدود ہو۔ حالانکہ جس پر احکامِ حدُود نازل کئے گئے ہیں، تم سے وُہ بہتر عالمِ حدود ہے۔ اور تم یہ زعم رکھتے ہو کہ مبعث انبیاء کے عالم ہو حالانکہ جناب خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تم سے زیادہ اس کے عالم ہیں۔

اے ابوحنیفہ اگر یہ نہ کہا جاتا کہ ابوحنیفہ فرزندِ رسُول کے پاس پہنچے تھے مگر انہوں نے ابوحنیفہ سے کوئی سوال ہی نہیں کیا تو میں تم سے کبھی کوئی سوال نہ کرتا۔ اب بتاؤ قیاس کرو گے۔ ابوحنیفہ نے کہا کہ میں اب قیاس سے دینِ خدا کے فیصلے نہیں کروں گا۔ حضرت نے فرمایا ہرگز ایسا نہ ہو گا۔ محبتِ ریاست تمہیں نہیں چھوڑے گی۔ جیسے تم سے پہلے گزرنے والوں کو بھی نہیں چھوڑا۔ (احتجاج طبرسی مـ)

صراطِ مستقیم کا الٰہی مقصد

قال رسُول اللہ انا الصراط المستقیم الذی امرکم باتباعی ثم علی من بعدی ثم ولدی من صلبہ ائمۃ یھدون بالحق وبہ یعدلون ثم قرا الحمد للہ رب العلمین الی اخرھا وقال فی نزلت و فیھم نزلت ولھم عمت وایاھم خصت اولئك اولیاء اللہ لاخوف

جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قرآن مجید میں لفظ صراط مستقیم سے مراد میں خود ہوں (جو خدا تک پہنچانے کا صحیح اور سیدھا راستہ ہے) اسی لئے خدا نے میرے اتباع کا حکم دیا ہے۔ پھر میرے بعد صراط مستقیم علی ہیں۔ پھر ان کے صلب سے میری اولاد صراط مستقیم ہیں۔ اور وُہ ایسے ائمہ ہیں جو ہدایتِ حق کرتے ہیں اور حق ہی کے مطابق فیصلے کرتے ہیں۔ اس کے بعد آنحضرتؐ نے مکمل سُورۃ حمد کی تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ یہ سُورۃ میرے اور ان ہی کے ہی بارے میں نازل ہُوا ہے اور ان سب کے لئے

یکساں طور پر شامل ہے اور ان ہی سب کے لئے مخصوص ہے کوئی اور اس میں شامل نہیں ہے، یہی وہ اولیاء اللہ ہیں جن پر خوف وارد نہیں ہوتا اور نہ یہ حزن کرتے ہیں۔
اس حدیثِ پیغمبرؐ سے بھی ثابت ہُوا کہ الفاظ قرآن کے معنی لغوی سے منشاء ومرادِ خدا کو معلوم نہیں کیا جاسکتا۔

زیارتِ محمدؐ وآل محمدؐ علیہم السلام زیارتِ خدا ہے

عن عبد السلام بن صالح الهروی قال قلت لعلی بن موسیٰ الرضا علیه السلام یابن رسولؐ الله ما تقول فی الحدیث الذی یرویه اهل الحدیث ان المومنین یزورون ربهم من منازلهم فی الجنة فقال علیه السلام یا ابا الصلت ان الله تبارك وتعالیٰ فضل نبیه محمداً علی جمیع خلقه من النبیین والملائکة وجعل طاعته طاعته ومبایعته مبایعته وزیارته زیارته فی الدنیا والاخرة فقال عزوجل من یطع الرسول فقد اطاع الله - فقال ان الذین یبایعونك انما یبایعون الله ید الله فوق ایدیهم وقال النبیؐ من زارنی فی حیوتی اوبعد موتی فقد زار الله ودرجة النبیؐ فی الجنة ارفع درجات فمن زاره فی درجته فی الجنة من منزله فقد زار الله تبارك وتعالیٰ قال قلت یابن رسولؐ الله فما معنی الخبر الذی رووه ان ثواب لا اله الا الله النظر الی وجه الله فقال یا ابا الصلت من وصف الله بوجه کالوجوه فقد کفر ولکن وجه الله انبیاءه ورسله وحججه علیهم صلوات الله هم الذین بهم یتوجه الی الله عزوجل والی دینه ومعرفته فقال الله عزوجل کل من علیها فان ویبقیٰ وجه ربك - وقال الله عزوجل کل شیٔ هالك الا وجهه فالنظر الی انبیاء الله ورسله وحججه علیهم السلام فی درجاتهم ثواب عظیم للمومنین وقد قال النبیؐ من ابغض اهلبیتی وعترتی لم یرنی ولم اره یوم القیمة وقال علیه السلام ان فیکم من لایرانی بعد ان یفارقنی یا ابا الصلت ان الله تبارك وتعالیٰ لایوصف بمکان ولایدرك بالابصار والاوهام۔ (احتجاج)
عبد السلام بن صالح ہروی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علی بن موسےٰ الرضا علیہ السلام

سے عرض کی یابن رسول اللہ اہل حدیث نے ایک حدیث روایت کی ہے اور وہ حدیث یہ ہے: ان المومنین یزورون ربھم من منازلھم فی الجنۃ (مومنین جنت میں اپنی اپنی منزل سے اپنے رب کی زیارت کریں گے، اس حدیث کے بارے میں حضور کا کیا ارشاد ہے۔

پس حضرت نے فرمایا اے ابوصلت پروردگار عالم نے اپنے نبی محمدؐ کو تمام خلق پر فضیلت عطا کی ہے خواہ وہ انبیاء ہوں یا ملائکہ۔ اور خدا نے ان کی اطاعت اپنی اطاعت اور ان کی بیعت اپنی بیعت اور ان کی زیارت دنیا و آخرت میں اپنی زیارت قرار دی ہے۔ خداوند عالم نے فرمایا ہے (ترجمہ آیت) جو شخص رسولؐ کی اطاعت کرے گا اس نے یقیناً خدا کی اطاعت کر لی۔ اور جو لوگ تمہاری بیعت کرتے ہیں (اے رسولؐ) وہ درحقیقت خدا کی بیعت کرتے ہیں۔ خدا کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں پر ہے (یعنی حضورؐ کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ فرمایا ہے) اور جناب رسولؐ خدا نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے میری زیارت کی میری حیات میں یا میری وفات کے بعد کی اس نے درحقیقت خدا کی زیارت کی۔ نبی کا درجہ جنت میں سب سے ارفع ہو گا۔ پس جو شخص جنت میں اپنی منزل سے آنحضرتؐ کی زیارت کرے گا اس نے گویا خدائے تبارک و تعالیٰ کی زیارت کر لی۔

ابوصلت کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی یابن رسول اللہ اس حدیث کے کیا معنے ہیں جس کی روایت اہل حدیث نے کی ہے (ترجمہ حدیث) لا الہ الا اللہ کہنے کا ثواب خدا کے چہرہ پر نظر کرنے کی برابر ہے۔ حضرت نے فرمایا اے ابوصلت جو شخص خدا کے لئے دیگر چہروں کی طرح چہرہ بتائے وہ کافر ہے۔ درحقیقت خدا کا چہرہ اس کے انبیاء و رسل اور حجج اللہ ہیں صلوات اللہ علیہم اجمعین۔ یہ اس لئے وجہ اللہ یعنی خدا کا چہرہ ہیں کہ ان ہی کے ذریعہ سے خدا کی طرف توجہ کی جاتی ہے اور ان کے ذریعہ اس کے دین و معرفت کی طرف توجہ کی جاتی (یعنی ذریعۂ توجہ ہیں اس لئے وجہ اللہ ہیں) خداوند عالم نے خود فرمایا ہے کہ (ترجمہ آیت) جو لوگ بھی زمین پر ہیں سب فنا ہو جائیں گے اور تمہارے رب کا وجہ (چہرہ) باقی رہے گا اور ہر شے ہلاک ہو جائے گی مگر خدا کا وجہ ہلاک نہ ہو گا۔ اسی لئے انبیاء و رسل اور حجج اللہ کی طرف ان کے اپنے درجات میں نظر کرنا مومنین کے لئے ثواب عظیم ہے اور جناب نبی کریمؐ نے فرمایا ہے (ترجمہ حدیث) جو شخص میرے اہلبیت اور میری عترت سے بغض رکھے گا وہ نہ روز قیامت مجھے دیکھے گا اور نہ میں اس کو دیکھوں گا۔ اور آنحضرت علیہ السلام نے فرمایا ہے اے اصحاب تم میں وہ لوگ بھی ہیں جو ہم سے جدا ہونے کے بعد نہیں دیکھ سکیں گے۔

حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا اے ابوصلت خداوند عالم کے لئے کوئی مکان نہیں بتلایا جا سکتا

اور نہ اس کا ادراک ہماری آنکھوں کے نور سے ہو سکتا ہے اور نہ ہمارے وہم و خیال ہی اس تک پہنچ سکتے ہیں۔ اس سے معلوم ہُوا کہ خدا کی زیارت کا مطلب در حقیقت حضرات محمدؐ و آل محمدؐ علیہم السلام کی زیارت ہے۔

قال امیر المومنین علیہ السلام وما رمیت اذ رمیت ولٰکن اللہ رمی فسمی فعل النبی فعلا لہ۔ (احتجاج طبرسی ص۱۲۵)

حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ خداوند عالم کا ارشاد ہے (ترجمہ آیت) اے رسُولؐ جب تم نے سنگریزے پھینکے تو تم نے نہیں پھینکے بلکہ خدا نے پھینکے۔ پس اللہ نے فعل نبیؐ کو اپنے فعل کا نام دیا ہے۔ یعنی در حقیقت وقوع فعل نبی سے ہُوا ہے مگر خدا نے اس کو اپنا فعل قرار دیا ہے۔

جناب شیخ صدوق علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:۔

قال الصدوق زیارۃ اللہ زیارۃ انبیائہ وحججہ من زارھم فقد زار اللہ کما ان من اطاعھم فقد اطاع اللہ ومن عصاھم فقد عصی اللہ ومن تابعھم فقد تابع اللہ ولیس ذالک علی ما قالوا المشبھۃ تعالی اللہ عن ذالک علوا کبیرا۔ (مجمع البحرین ص۲۳۲)

جناب صدوق علیہ الرحمہ فرماتے ہیں خدا کی زیارت کا مطلب اس کے انبیاء و ائمہ علیہم السلام کی زیارت ہے۔ پس جس نے ان ذوات مقدسہ کی زیارت کی انہوں نے خدا کی زیارت کر لی جس طرح جس شخص نے ان کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی اور جس شخص نے ان کی نافرمانی کی اس نے خدا کی نافرمانی کی اور جس شخص نے ان کی پیروی کی اس نے خدا کی پیروی کی۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ خدا کی شبیہہ ہیں جیسا کہ گروہ مشبہہ کہتا ہے۔ خدا جسم و جسمانیت سے منزہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء و ائمہ علیہم السلام کے ساتھ جو تعلق ہو گا وہ اللہ کی طرف منسوب ہو گا۔

حجج اللہ پر ظلم خدا پر ظلم ہے

قال امیر المومنین علیہ السلام واما قولہ وما ظلمونا ولٰکن کانوا انفسھم یظلمون فھو تبارک اسمہ اجل واعظم من ان یظلم ولٰکن قرن امنائہ علی خلقہ بنفسہ وعرف الخلیقۃ جلالۃ قدرھم عندہ وان ظلمھم ظلمہ بقولہ وما ظلمونا ببغضھم اولیاءنا ومعونۃ اعدائھم علیھم ولٰکن کانوا

انفسھم یظلمون۔ (احتجاج طبرسی ص۱۲۹)
حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ قولِ خدا (ترجمہ آیت) اور نہیں ظلم کیا انہوں نے ہم پر مگر خود اپنے ہی نفسوں پر ظلم کرتے تھے خداوند عالم جس کا اسم صاحب برکت ہے وہ اس امر سے اجل و ارفع ہے کہ خود مظلوم ہو ہاں اس نے اپنے امین اپنے مخلوقات پر مقرر فرمائے ہیں انہیں اپنی ذات کا قرین قرار دیا ہے اور مخلوقات کو ان کی جلالت قدر کی معرفی کرائی ہے جو اس نے اپنی بارگاہ میں انہیں عطا کی ہے اِن ذواتِ مقدسہ پر ظلم درحقیقت خدا پر ظلم کے مترادف ہے جس کو خداوند عالم نے اپنے قول ظَلَمُوْنَا سے بیان کیا ہے یعنی ان لوگوں نے ہم پر ظلم کیا کیونکہ یہ ہمارے اولیاء سے بغض رکھتے ہیں اور اُن کے دشمنوں کی مدد کرتے ہیں۔ لیکن یہ ظلم انہوں نے اپنے نفسوں پر کیا ہے۔
اس حدیث مبارک سے واضح ہو گیا کہ خدا پر کوئی ظلم نہیں کر سکتا اور نہ وُہ مظلوم ہو سکتا ہے بلکہ اس نے اپنے سفراء اور امناء کو اپنے مخلوقات کے پاس بھیجا ہے اور اُن کی اطاعت کو اپنی اطاعت اور ان کی بیعت کو اپنی بیعت اور ان کی زیارت کو اپنی زیارت اور اُن پر ظلم کو اپنے اُوپر ظلم کے مترادف قرار دیا ہے۔
حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کا ارشاد گرامی بھی ارشاد مذکور کے قریب المعنی جیسا کہ تفسیر البرہان جلد۲ میں مذکور ہے:۔

عن محمد بن فضیل عن ابی الحسن الماضی قال قلت یدخل من یشاء فی رحمتہ قال فی ولایتنا والظالمین اعد لھم عذابا الیما الا تری ان اللہ یقول وما ظلمونا ولکن کانوا انفسھم یظلمون قال ان اللہ اعز و امنع من ان یظلم وان ینسب نفسہ الی الظلم و لکن اللہ اخلطنا بنفسہ فجعل ظلمنا ظلمہ و ولایتنا ولایتہ۔

محمد بن فضیل بیان کرتے ہیں کہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام سے میں نے دریافت کیا قرآن کی اس آیت کا کیا مطلب ہے کہ خدا جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے اس جگہ رحمت کا کیا مطلب ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ اس سے مراد ہماری ولایت ہے یعنی رحمتِ خدا ہماری ولایت ہے اور ظالمین کے لئے عذاب الیم مہیا کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم پر ظلم کرنے والے خدا پر ظلم کرنے والے ہیں کیا تم نے خداوند عالم کا یہ ارشاد نہیں دیکھا ہے:۔ وما ظلمونا ولکن کانوا انفسہم یظلمون۔ یعنی انہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا بلکہ خود اپنے نفسوں پر کیا ہے۔
خداوند عالم قوی تر اور مانع تر ہے اس امر سے کہ وُہ خود مظلوم بنے اور وُہ خود فرمائے کہ مجھ پر لوگوں نے

ظلم کیا ہے بلکہ خداوندِ عالم نے ہمیں اپنی ذات اقدس کے ساتھ اتنا ملا لیا ہے کہ ہم پر ظلم کو اپنے اوپر ظلم بتاتا ہے اور ہماری ولایت کو اپنی ولایت ظاہر کرتا ہے۔

اس حدیث سے بھی ظاہر ہو گیا کہ ان ذوات مقدسہ کے افعال کو اور ان سے مخلوقات کے تعلقات کو خدا اپنی ذات کی طرف منسوب کرتا ہے۔

لہٰذا ان ذوات مقدسہ کے لئے نیابتِ خداوندی تسلیم کر کے ان حضرات سے اپنے تعلقات کو یہ سمجھو کر خدا سے یہ تعلقات ہیں۔ اور پھر جو چاہو ان سے مانگو یہی ایمان ہے۔

تفسیرِ اولوالامر بکلامِ معصومین ع

ہم نے اس آیت کے متعلق سابقہ اوراق میں بھی کلامِ معصومین کے ذریعہ استدلال پیش کیا ہے اور لفظ امر کی تحقیق بھی پیش کی ہے۔ لیکن موالیانِ اہلبیت کے قلوب صافیہ میں مزید نورِ ایمان پیدا کرنے کے لئے معلومات میں اضافہ کی سعادت حاصل کرتے ہیں اور یہ تمام احادیث تفسیر صافی ص۱۵ سے نقل کرتے ہیں۔

یا ایھا الذین امنو اطیعو اللہ و اطیعو الرسول و اولی الامر منکم (ترجمہ آیت)

اے ایمان والو خدا کی اطاعت کرو اور رسُول و اولوالامر کی اطاعت کرو جو تم میں سے ہیں:

جناب امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ خداوند عالم کا مقصد اور اس کی مراد لفظ "اولی الامر" سے ہم ہیں اور مخصوص ہم ہیں۔ قیامت تک مومنین کو ہماری اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔

جناب امام محمد باقر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا جبکہ حضرت سے دریافت کیا گیا کہ کیا اولیاء کی اطاعت خدا کی طرف سے فرض ہے؟ حضرت نے فرمایا بے شک فرض ہے اور حضرت نے اسی آیت کو ثبوت میں تلاوت فرمایا اور آیت انما ولیکم اللہ کو بھی استدلال میں بیان فرمایا۔

نیز حضرت صادق آلِ محمدؐ علیہ السلام سے جب اسی آیت کے متعلق یہ عرض کی گئی کہ لوگ کہتے ہیں خداوندِ عالم نے علی بن ابی طالب اور اہلبیت طاہرین کا نام کیوں ظاہر نہیں کیا۔ تو حضرت نے فرمایا جو لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں ان سے یہ کہو۔ خدا نے "نماز" نازل کی مگر رکعتیں تین یا چار نہیں بتائیں رسُول اللہ نے اس کی تفسیر بیان کی اور زکوٰۃ نازل کی مگر خدا نے نہیں فرمایا کہ چالیس درہم میں سے ایک درہم ادا کرو، رسُول اللہ نے تفسیر بیان کی۔ اور حج نازل کیا مگر سات مرتبہ طواف کا ذکر نہیں فرمایا؛ رسُول اللہ نے اس کی تفسیر بیان فرمائی۔

یہی وہ رسُولؐ اللہ ہیں جنہوں نے "اطیعو اللہ و اطیعو الرسول و اولی الامر" کی تفسیر بیان فرمائی ہے اور فرمایا ہے علیؑ کے بارے میں "من کنت مولاہ" اور وصیت کی اہلبیت کے بارے میں اور کتاب خدا کے بارے میں اور فرمایا کہ یہ دونوں حوضِ کوثر تک جدا نہ ہوں گے اور فرمایا کہ اہلبیت کو علم نہ سکھاؤ وہ تم سے زیادہ علم رکھتے ہیں اور یہ تم کو بابِ ہدایت سے باہر نہیں نکلنے دیں گے۔ اور بابِ ضلالت میں نہیں داخل ہونے

دیں گے۔ پس اگر رسولؐ اللہ لفظ اہلبیت فرما کر سکوت فرما لیتے تو آل فلاں اور آل فلاں اہلبیت بننے کا دعوےٰ کر دیتے۔ مگر خداوند عالم نے اپنے نبیؐ کی تصدیق کے لئے آیۂ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا نازل فرما دی اور حضرت ام سلمہ کے گھر میں علی و فاطمہ و حسن و حسین کو اپنی کساء میں داخل فرمایا اور خداوند عالم سے عرض کی کہ ہر ایک نبی کے اہل اور ثقل ہیں۔ یہ حضرات تحت کساء میرے اہلبیت ہیں اور میرا ثقل ہیں۔ ام سلمہ نے عرض کی یا رسولؐ اللہ میں آپ کے اہل میں داخل نہیں ہوں آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تم نیکی کی جانب ہو لیکن یہی ہیں میرے اہل بیت اور میرے ثقل۔

نیز صادق آل محمد علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ وُہ ارکان اسلام کیا ہیں جن کو حاصل کر لینے سے عمل پاکیزہ ہو جائے اور جہالت نقصان نہ پہنچائے۔ آپ نے فرمایا کہ خدا کی توحید اور رسُولؐ کی رسالت کی گواہی اور جو کچھ آنحضرتؐ خدا کی طرف سے لائے ہیں اس کا اقرار اور اموال کی پاکیزگی کے لئے زکوٰۃ برحق ہے اور ایمان کے لئے ولایت برحق ہے جس کا امر خدا کی طرف سے ہے اور وُہ ولایتِ آلِ محمدؐ ہے۔ کیونکہ رسُولؐ اللہ نے فرمایا ہے کہ جو شخص اپنے امام کی معرفت کے بغیر مر جائے اس کی موت جاہلیت کی موت ہے۔ اسی لئے خدا نے فرمایا ہے اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسُولؐ و اولی الامر منکم۔ پس اولی الامر میں پہلے علی ہیں پھر اُن کے بعد حسن ہیں پھر ان کے بعد حسین پھر ان کے بعد علی بن الحسینؑ ہیں پھر ان کے بعد محمد بن علی ہیں پھر اسی طرح (بارہ تک) امر خدا ہے گا۔ کیونکہ زمین بغیر امام باقی نہیں رہ سکتی۔ اس حدیث میں اطاعت خدا و رسول و اطاعت اولی الامر بیان فرما کر حضرت نے واضح فرما دیا کہ جو کچھ ان ذوات مقدسہ کی اطاعت ہے وہی ارکان اسلام ہے۔ اسی اطاعت کے ماتحت تمام فرائض و واجبات ہوتے ہیں۔ اور زکوٰۃ کا تعلق چونکہ مال کے ساتھ تھا اس لئے اس کو الگ کر دیا تاکہ جان و مال دونوں کے لئے ضرورت ہے کہ پاکیزہ ہوں۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا جبکہ سلیم بن قیس ہلالی نے حضرت سے دریافت کیا مولا وُہ کم سے کم کیا چیز ہے کہ آدمی گمراہ ہو جاتا ہے۔

حضرت امیر علیہ السلام نے فرمایا وُہ یہ ہے کہ آدمی اس ہستی کو نہ پہچانے جس کی اطاعت خدا نے فرض کی ہے اور اس کی ولایت فرض کی ہے اور اس کو اپنی زمین پر حجت قرار دیا ہے اور اپنی مخلوقات کا گواہ بنایا ہے۔ سلیم نے دریافت کیا یا امیر المومنین وُہ حضرات کون ہیں؟

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا وُہ ہستیاں وُہ ہیں جن کو خدا نے اپنی ذات اقدس اور اپنے نبی کا قرین بنایا ہے اور فرمایا ہے یا ایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسُول و اولی الامر منکم۔ سلیم کہتے ہیں کہ میں نے فوراً حضرت کے سر اقدس پر بوسہ دیا اور عرض کی یا حضرت آپ نے واضح فرما دیا اور میری مشکل کو حل کر دیا اور میرے قلبی واردات کو رفع فرما دیا۔

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری بیان کرتے ہیں کہ جب آیۂ مذکور نازل ہوئی تو میں نے آنحضرتؐ کی خدمت میں عرض کی یا رسُولؐ اللہ ہم خدا اور رسُولِؐ خدا کی معرفت حاصل کر چکے ہیں مگر یہ اولی الامر کون ہیں جن کی اطاعت کو خدا نے

آپ کی اطاعت کا قرین قرار دیا ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا وہ میرے خلفاء اور ائمہ مسلمین میرے بعد ہیں اول ان میں علی ابن ابی طالب ہیں ان کے بعد حسن پھر حسین پھر علی بن الحسین پھر محمد بن علی ہیں جو تورات میں باقر کے لقب سے معروف ہیں۔ اے جابر تم ان سے قریبی زمانہ میں ملاقات کرو گے۔ جب ملاقات ہو تو میرا سلام انہیں پہنچا دینا پھر ان کے بعد جعفر بن محمد پھر موسٰی بن جعفر پھر علی بن موسٰی پھر محمد بن علی پھر علی بن محمد پھر حسن بن علی پھر میرے ہم نام محمد اور ہم کنیت (ابو القاسم) ہیں۔ یہ حجۃ اللہ ہیں خدا کی زمین میں اور بقیۃ اللہ ہیں اس کے بندوں میں فرزند حسن عسکری بن علی ہیں ان ہی کے ہاتھوں میں مشارق و مغارب زمین فتح ہوں گے۔ یہ اپنے شیعوں اور موالیوں سے پوشیدہ رہیں گے اور ان کی امامت پر بس وہی لوگ ثابت قدم رہیں گے جن کے ایمان کا امتحان خدا لے چکا ہے۔

جابر کہتے ہیں کہ میں نے دریافت کیا یا رسولؐ اللہ ان کی غیبت میں شیعوں کو فائدہ پہنچے گا؟ آنحضرتؐ نے فرمایا بے شک۔ اُس ذات کی قسم جس نے مجھے نبوت پر فائز کیا ہے شیعہ ان کے نُور سے روشنی حاصل کریں گے اور ان کی ولایت سے فائدہ حاصل کریں گے جس طرح لوگ حالت ابر میں آفتاب سے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ اے جابر یہ خدا کا راز پوشیدہ اور علم سربستہ ہے اس کو نا اہلوں سے پوشیدہ رکھنا ——— اس مضمون کی احادیث بکثرت موجود ہیں جن کا احصاء ممکن نہیں ہے۔ (تفسیر صافی)

حضرت امام حسین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے :-

قال الحسین علیہ السلام نحن حزب اللہ الغالبون وعترۃ رسولؐ اللہ الاقربون واھل بیتہ الطیبون واحد ثقلین الذین جعلنا رسولؐ اللہ ثانی کتاب اللہ تبارک وتعالٰی الذی فیہ تفصیل کل شئ لایاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ والمعول علینا فی تفسیرہ لا یبطینا تاویلہ بل نتبع حقائقہ فاطیعونا فان طاعتنا مفروضۃ ان کانت بطاعۃ اللہ ورسولہ مقرونۃ قال اللہ عزوجل اطیعوا اللہ واطیعوا الرسولؐ واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شئ فردوہ الی اللہ والرسول ولو ردوہ الی الرسول والی اولی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم ولولا فضل اللہ ورحمتہ لاتبعتم الشیطان الا قلیلا۔ (احتجاج طبرسی ص۱۵۲)

حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا ہے، ہم خدا کا غالب گروہ ہیں ہم رسولؐ اللہ کی سب سے زیادہ قرابتدار عترت ہیں اور ہم ان کے طیّب وطاہر اہلبیت ہیں۔ اور ہم دو ثقل میں سے ایک ثقل ہیں جو ثانی کتاب خدا ہے جس کے لئے خداوند عالم نے فرمایا ہے کہ اس کتاب میں ہر شے کی تفصیل موجود ہے اور اس میں باطل نہ آگے سے آسکتا ہے اور نہ پس پشت سے۔ اور اس کی

تفسیر کے مرجع بھی ہم ہی ہیں (یعنی ہمارے سوا کسی کو تفسیر کا حق نہیں ہے اور نہ تفسیر کر سکتا ہے کیونکہ خدا کی مراد کو بغیر وحی و الہام حاصل کرنا ممکن نہیں ہے) ہمیں اس کی تاویل میں کوئی دشواری نہیں بلکہ ہم تو اس کے حقائق کے پیرو ہیں۔ لہٰذا تمہارا فرض ہے کہ ہماری اطاعت کرو کیونکہ تم پر ہماری اطاعت فرض کی جا چکی ہے۔ کیونکہ ہماری اطاعت خدا و رسولؐ کی اطاعت سے ملی ہوئی ہے۔ خداوند عالم کا ارشاد ہے (ترجمۂ آیت) اے ایمان والو اطاعت کرو خدا کی اور اطاعت کرو رسولؐ کی اور اولی الامر کی جو تم ہی میں سے ہیں (یعنی کسی اور دین کے ماننے والے نہیں ہیں) پس اگر تم میں باہمی کسی مسئلہ میں تنازعہ ہو جائے تو (خود فیصلہ نہ کرو بلکہ) خدا اور رسول کی طرف رجوع کرو (یعنی قرآن اور سنتِ رسول کے ذریعہ حل کرو) اور خدا اور رسول نے تمہیں حکم دے دیا ہے کہ اولی الامر کی اطاعت کرو۔ لہٰذا ان حضرات سے تو تنازعہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان کی اطاعت فرض ہے اور جس کی اطاعت فرض ہو اس سے تنازعہ کیسا۔ کیونکہ تنازعہ ہو گا تو اطاعت فرض نہ رہے گی اور اطاعت فرض ہے تو تنازعہ نہیں ہو سکتا) اور اگر وہ اس معاملہ کو رسول اور اولی الامر کی طرف راجع کر دیتے تو اس کو وہ لوگ معلوم کر لیتے جو ان کے اندرونی راز سے واقف ہیں۔ اور اگر خدا کا فضل و کرم تم پر نہ ہوتا تو سوائے معدودہ چند کے سب ہی شیطان کے پیرو ہو جاتے۔

موالیانِ اہلبیت کو مباہلہ کی اجازت

ابو مسروق بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت صادق آل محمد علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی یا ابن رسول اللہ ہم آپ کے مخالفوں سے مناظرہ کرتے ہیں اور ہم ان پر حجت قائم کرتے ہیں اور قرآن مجید کی آیت اطیعوا اللہ و اطیعو الرسول و اولی الامر منکم سے استدلال پیش کرتے ہیں مگر وہ قبول نہیں کرتے اور کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو عام مومنین کے لئے ہے۔ اور ہم ان پر حجت پیش کرتے ہیں اور قرآن مجید کی آیت قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ سے استدلال پیش کرتے ہیں مگر وہ کہہ دیتے ہیں یہ تو مسلمانوں کے قرابتداروں کے لئے ہے۔ میں نے حضرت سے اس قسم کے کئی دلائل کا ذکر کیا جو مجھے یاد تھے۔ حضرت نے فرمایا جب مخالفوں کے انکار کا یہ حال ہو، تو پھر تم ان لوگوں کو مباہلہ کی دعوت دو۔

میں نے عرض کی مولا کس طرح عمل کروں؟ حضرت نے فرمایا کہ اپنے نفس کو نیکی کی طرف مائل کرو یعنی دل میں نیکی اور نیک نیتی رکھو اور اس کو دعوتِ مباہلہ دے دو۔ حضرت نے فرمایا دعوتِ مباہلہ دینے کے بعد روزہ رکھو اور غسل کرو اور تم اور مخالف قبرستان کی طرف نکلو اور تم اپنے داہنے ہاتھ کی انگلیوں کو اس کے ہاتھ کی انگلیوں میں پنجہ کی طرح ڈالو پھر اس کے ساتھ انصاف کرو پہلے اپنی جان کے لئے کہو اے معبود برحق ساتوں آسمانوں کے رب اور

ساتوں زمینوں کے رب پوشیدہ اور ظاہر کے عالم رحمن ورحیم اگر ابو مسروق نے انکار حق اور دعویٰ باطل کیا ہے تو اس پر آسمان سے بجلی اور دردناک عذاب نازل کر۔ پھر اپنے مخالف کے لئے دعائے بد کرو اور یوں عرض کرو کہ اگر اس نے انکارِ حق اور دعویٰ باطل کیا ہے تو اس پر آسمان سے بجلی اور دردناک عذاب نازل کر۔

پھر حضرت نے فرمایا کہ تمہیں کچھ دیر نہ گزرے گی کہ اس پر عذاب دیکھ لوگے۔ ابو مسروق کہتے ہیں کہ اس کے بعد میری دعوتِ مباہلہ قبول کرنے والا مجھے کوئی نہیں ملا۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ یہ مباہلہ طلوعِ فجر سے طلوعِ شمس کے درمیانی اوقات میں ہو۔

سلیم بن قیس کہتے ہیں کہ ایک شخص حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کی مجھے مطلع فرمائیے کہ بندہ کس ذریعہ سے مومن ہوتا ہے اور کس ذریعہ کافر ہوتا ہے اور کس ذریعہ گمراہ ہوتا ہے۔ میں نے سُنا کہ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا اے شخص سُن اور سمجھ بندہ کم سے کم جس چیز سے مومن ہو جاتا ہے وہ یہ ہے کہ خدا کی معرفت حاصل کرے اور اس کی اطاعت کا اقرار کرے اور اپنے نبی کی معرفت حاصل کرے اور ان کی اطاعت کا اقرار کرے اور اپنے امام کی معرفت حاصل کرے کہ جو حجتِ خدا اور گواہِ خلق ہے اور اس کی اطاعت کا اقرار کرے۔ پس میں نے عرض کی یا امیرالمومنین ان تینوں اطاعت و اقرار کے علاوہ خواہ تمام اشیاء کا جاہل ہو تب بھی وہ مومن ہے؟ حضرت نے فرمایا بے شک جبکہ اس کو امر کیا جائے تو فرمانبرداری کرے اور جب نہی کی جائے تو باز رہے۔ اور کم از کم وہ چیز جس سے بندہ کافر ہو جاتا ہے وہ یہ ہے کہ جس چیز کی خدا نے نہی کی ہے اس کو یہ گمان کرے کہ خدا نے اس کا حکم دیا ہے اور اس کو دین قرار دے کر اس میں تغیر کر کے یہ گمان رکھے کہ خدا نے اس کا حکم دیا ہے۔ یہ شخص شیطان کی عبادت کرتا ہے۔

اور کم از کم وہ چیز جس سے بندہ گمراہ ہو جاتا ہے وہ یہ ہے کہ حجت اللہ کو نہ پہچانے جس کو گواہِ خلق بنایا گیا ہے اور اس کی اطاعت و ولایت فرض کی گئی ہے۔ میں نے عرض کی حجتِ خدا کی شان بیان فرمائیے حضرت نے فرمایا یہ وہ ہیں جن کو خدا نے اپنی ذات کا اور اپنے نبی کا قرین بنایا ہے یعنی بالکل ساتھ رکھا ہے اور یوں ارشاد فرمایا ہے:۔

یا ایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول و اولی الامر منکم۔ الخ

اے ایمان والو اطاعت کرو خدا کی اور اطاعت کرو رسول اور اولی الامر کی۔"

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے آیۂ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول و اولی الامر منکم کی تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ جب تم کسی امر میں باہم تنازعہ کرو تو اس کو خدا اور رسول اور اولی الامر کی طرف موڑ دو۔ اور آپ نے فرمایا یہ کس طرح ممکن ہو سکتا ہے کہ خدا ان کی اطاعت کا امر فرمائے اور پھر ان سے تنازعہ کی بھی اجازت دے۔ خداوند عالم نے رجوع کا حکم اپنی طرف اور رسول کی طرف صرف مارقین کو دیا ہے نہ کہ مومنین کو وجو لوگ دینِ خدا سے خارج ہو کر خارجی بن گئے تھے اور حضرت علی سے دشمنی رکھی ان کو حکم ہے کہ خدا و رسول کی طرف

تو رجوع کر دوہ جو کچھ حکم دیں اس پر عمل کرو) جناب رسالتمآبؐ سے جناب امیر نے اسی آیت مذکورہ کی تفسیر دریافت کی تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اولی الامر میرے اوصیاء ہیں جن کی اطاعت کو خدا نے اپنی اور میری اطاعت سے متصل قرار دیا ہے۔ یہ میرے پاس حوض کوثر پر آئیں گے۔ ہر ایک ان میں کا ہادی اور مہدی ہے جو ان کو چھوڑ دے گا۔ وہ ان کا کوئی نقصان نہیں کر سکتا۔ یہ قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن ان کے ساتھ۔ نہ قرآن ان سے جدا اور نہ یہ قرآن سے جُدا۔

ان ہی اوصیاء کے ذریعہ میری اُمت کی نصرت و مدد کی جائے گی اور ان کے ذریعہ ان کو بارش دی جائے گی اور ان ہی کے ذریعہ مشکلات کا دفاع کیا جائے گا اور ان ہی کے ذریعہ دعائیں قبول کی جائیں گی۔
(تفسیر البرہان جلد ۱)

تفسیر انا انزلناہ فی لیلۃ القدر

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص سُورۂ انا انزلناہ کو مع تفسیر کے جانتا ہے اور اس پر ایمان لایا ہے اس کی فضیلت ایسے شخص پر جو نہیں جانتا اور ایمان نہیں لایا ہے، اتنی ہے کہ جتنی انسان کو جانوروں پر ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ سُورۃ انا انزلنا میں ملائکہ اور روح نازل ہوتے ہیں یہ روح ملائکہ کے علاوہ جو ملائکہ سے اعظم ہے اور ملائکہ میں سے نہیں ہے یہ رُوح شب قدر میں امام کی خدمت میں حاضر ہوتی ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ لیلۃ القدر میں تمام سال کے امور نازل ہوتے ہیں آیندہ آنے والی شب قدر تک اور ان تمام امور کے تفصیلات ولی الامر کو پہنچائے جاتے ہیں خود اس کی ذات کے متعلق بھی اور تمام لوگوں کے متعلق بھی۔ اور اس کے علاوہ دیگر علوم بھی ولی الامر کو ہر روز کے متعلق خدا اپنے پوشیدہ اور مخصوص علم سے عطا کرتا ہے۔ حضرت نے اس کے بعد یہ آیت تلاوت فرمائی (ترجمہ آیت اور اگر زمین کے تمام درخت قلم ہوں اور سمندر سیاہی بن جائے اس کے ساتھ سات سمندر اور مل جائیں، پھر بھی کلماتِ خدا کو ضبطِ تحریر میں نہیں لایا جا سکتا۔ یعنی یہ لامتناہی علوم بھی خدا ولی الامر کو عطا کرتا ہے۔

حضرات ائمہ طاہرین علیہم السلام نے فرمایا ہے کہ یہ شبِ قدر قیامت تک آتی رہے گی اور خدا کے کل امر بھی ولی الامر پر نازل ہوتے رہیں گے۔ اور یہ امور زمین پر اترتے ہیں نہ کہ آسمان سے آسمان پر کیونکہ وہاں اطاعت کے ساتھ معصیت نہیں ہے۔ اور امر کا اُترنا اس کی دلیل ہے کہ ولی الامر موجود ہے کیونکہ کل امر لے کر ملائکہ و روح کسی فاسق پر نازل نہیں ہو سکتے ہیں اور نہ یہ ہو سکتا ہے کہ فرشتے امر خدا لے کر آئیں اور زمین پر کوئی شے ہی نہ ہو جس کے پاس آئیں۔ اور چونکہ آیت میں تنزل ہے یعنی نازل ہوتے ہیں اور ہوتے

رہیں گے اس لئے ان کا نزول قیامت تک رہے گا۔ اگر رسولؐ خدا پر نزول ختم ہو جاتا تو صیغۂ ماضی کے ساتھ ہوتا اور معنی یہ ہوتے کہ فرشتے کل امر لے کر رسولؐ خدا پر نازل ہوتے تھے۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ بلکہ صیغۂ مضارع ہے لہٰذا شب قدر آتی رہے گی اور نزول ملائکہ دامِ خدا قیامت تک ولی الامر پر ہوتا رہے گا اسی لئے ہمارے آئمہ طاہرین علیہم السلام نے فرمایا ہے کہ شیعوں کے مخالفین پر فتح و نصرت کے لئے سورۂ انا انزلنا بہترین ثبوت و دلیل ہے۔

حضرات معصومین علیہم السلام نے فرمایا ہے کہ شب قدر تین ۳ راتیں ہیں۔ انیس، اکیس اور تئیس ماہِ رمضان مبارک۔ ۱۹ ماہ رمضان کو ایک سال کے تمام امور کی تقدیر و تعیین ہوتی ہے اور ۲۱ ماہ رمضان کو فیصلہ شدہ اُمور کا نزول ہوتا ہے اور ۲۳ ماہِ رمضان کو ان کا اجراء ہو جاتا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ چھ ماہِ رمضان کو تورات نازل ہوئی، بارہ ماہ رمضان کو انجیل اور اٹھارہ ماہِ رمضان کو زبور اور لیلۃ القدر میں قرآن نازل ہوا۔ (یعنی ۲۳ ماہِ رمضان جیسا کہ اکثر احادیث معصومین علیہم السلام سے نزول قرآن کے متعلق یہی تاریخ ظاہر ہوتی ہے اور صحیح علم ان ہی کو ہے)

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اگر لیلۃ القدر اٹھ جائے تو اس کے ساتھ قرآن بھی اٹھ جائے گا۔ نیز کل امر سے مراد رزق، موت، حیات، خیر، شر، سرسبزی، قحط اور جملہ حادثات ہیں جیسا کہ علی ابن ابراہیم قمی علیہ الرحمۃ کی تفسیر میں ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ کل امور میں خیر و شر، طاعت و معصیت، مولود و اجل اور رزق وغیرہ وہ تمام امور جو خدا نے مقدر فرمائے ہیں سب ہی داخل ہیں۔

الف شہر ہزار سال سے مراد دَورِ بنی اُمیہ ہے۔

لیلۃ القدر کی عبادت ایسے ہزار ماہ کی عبادت سے افضل ہے جس میں شب قدر شامل نہ ہو۔ ہر شب قدر میں سو رکعت نماز پڑھی جائے اگر کھڑے ہونے کی طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر ہی پڑھی جائے۔

لیلۃ القدر حضرت آدم سے شروع ہوئی ہے اور یہ اسی طرح جاری رہے گی۔ اور قائم آل محمد عجل اللہ فرجہٗ اس وقت صاحب الامر ہیں نزول ملائکہ و روح حضرت ہی کی خدمت میں ہوتا ہے۔

یہ تمام فرشتے خدا کے امور بھی پہنچاتے ہیں اور اول شب سے تا طلوعِ فجر محمد و آل محمد علیہم السلام پر درود و سلام بھی بھیجتے ہیں۔ (تفسیر البرہان جلد ۲ اقتباس)

تفسیر حٰمٓ وَالکتٰبِ المُبین بکلامِ معصومین

حٰمٓ والکتاب المبین انا انزلناہ فی لیلۃ مبارکۃ انا کنا منذرین. فیہا یفرق کل امر حکیم٥ (ترجمہ) حٰمٓ۔ قسم ہے کتاب مبین کی یقیناً ہم نے اس (قرآن) کو برکت والی شب میں

نازل کیا۔ یقیناً ہم ہی ڈرانے والے ہیں۔ اسی شب میں تمام حکمت والے امر کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔"

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا شب قدر ہر سال ماہ رمضان کے آخری دس دنوں کے اندر آتی رہے گی۔ اور قرآن شب قدر ہی میں نازل ہوا ہے۔ اور خدا نے فرمایا ہے کہ اسی شب میں تمام حکمت والے امر کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ اسی شب میں سال آیندہ آنے والی شب قدر تک کے تمام امور مقدر کئے جاتے ہیں خیر و شر، طاعت و معصیت، مولود، اجل و رزق جو کچھ اس سال میں ہونا ہے وہ خدا مقدر کر دیتا ہے جو یقینی ہوگا مگر ان تمام امور میں مشیت خدا ہی کے لئے ہے۔ سائل نے حضرت سے دریافت کیا شب قدر ہزار ماہ سے افضل ہونے کا کیا مطلب ہے؟ حضرت نے فرمایا عمل نیک یعنی نماز و زکوٰۃ اور تمام امور خیر اس شب میں ان ہزار ماہ سے افضل ہیں جن میں یہ شب شامل نہ ہو۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا خداوند عالم نے اپنی قدرت کے اظہار اور اپنی قوت کے اعلان اور اپنی حکمت کے برہان کو آشکار کرنے کے لئے مخلوقات کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا۔ پس اس نے جو چاہا اور جس طرح چاہا پیدا کیا اور بعض اشیاء کے فعل کو اپنے امناء کے ہاتھوں پر جاری کیا جن کا فعل خدا ہی کا فعل ہے اور جن کا امر خدا ہی کا امر ہے جیسا کہ خود فرماتا ہے کہ جس نے رسولِ خدا کی اطاعت کر لی اس نے خدا کی اطاعت کر لی۔ اور خدا نے آسمان و زمین کو ظرفِ فعل قرار دیا ہے ان ہستیوں کے لئے جن کو اپنی مخلوق میں سے چاہتا ہے (یعنی آسمان و زمین تابع فرمان کر دیئے ہیں)، تاکہ خبیث اور طیب کی جدا جدا شناخت ہو جائے (یعنی خدا کے امناء پر کون ایمان لاتا ہے اور کون انکار کرتا ہے)، حالانکہ اس کو پہلے ہی سے دونوں فریق کا علم ہے۔ اور زمین و آسمان کو اس لئے تابع فرمان قرار دیا ہے کہ اس کے اولیاء و امناء کے لئے مثال قرار پائے اور اس نے اپنے مخلوقات کو اپنے اولیاء کی بلند منزلت کی معرفت کرائی ہے۔ اور تمام مخلوقات پر ان کی اطاعت اسی طرح فرض کر دی ہے جس طرح اپنی ذات کے لئے فرض کی ہے۔ اور ان پر اپنی حجت کو اسی طرح لازم قرار دیا ہے کہ ان سے بایں طور خطاب کیا ہے جو دلالت کرتا ہے اس کی ذات کی انفرادیت و توحید پر اور مخلوقات پر واضح کر دیا ہے کہ اس کے لئے اولیاء مقرر ہیں جن کے افعال و احکام کو اپنے فعل کے بجائے قرار دیا ہے۔ یہی وہ بزرگ بندگان ہیں جو کبھی خدا پر سبقت نہیں کرتے ہیں اور اس کے امر پر عمل پیرا ہیں۔ ان کی تائید اپنی روح امری سے فرمائی ہے اور مخلوقات کو ان کے اقتدارِ علم غیب کی معرفت کرائی ہے اپنے اس قول کے ذریعہ (ترجمہ آیت)

"وہ عالم الغیب ہے پس کسی پر اپنے غیب کا اظہار نہیں کرتا مگر جس کو رسول سے پسند کر لیتا ہے اس پر اظہارِ غیب کر دیتا ہے۔ یہی اولیاء اللہ وہ نعمت ہیں جس کے بارے میں سوال کیا جائے گا کیونکہ خدائے تبارک و تعالیٰ نے ان ہستیوں کو ان کے تابعین کے لئے اپنا انعام قرار دیا ہے۔"

سائل نے عرض کی حجت ہائے خدا کون بزرگوار ہیں جن کی یہ شان آپ نے بیان فرمائی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ وُہ ہستیاں رسُول اللہ اور ان کے قائم مقام اصفیاء اللہ ہیں جن کو اپنی ذات اقدس اور اپنے رسول کے ساتھ ساتھ متصل قرار دیا ہے اور تمام بندگان پر ان کی اطاعت اسی طرح فرض کر دی ہے جس طرح اپنی ذات کے لئے فرض قرار دی ہے اور یہی والیان امر خدا ہیں کہ جن کی شان میں فرمایا ہے (ترجمہ آیت)

اطاعت کرو خدا کی اور اطاعت کرو رسُول کی اور اولی الامر کی۔ اور ان ہی کی شان میں فرمایا ہے (ترجمہ آیت) اور اگر وُہ اس معاملہ کو رسُول اور اولی الامر کی طرف موڑ دیتے تو یقیناً اس کو وُہ لوگ معلوم کر لیتے جو اس کے اندرونی راز کے واقف ہیں۔

سائل نے دریافت کیا کہ (مولا) اولی الامر میں لفظ امر کا کیا مطلب ہے۔ یعنی صاحبان امر کس امر کے والی امر ہیں۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا اس سے مُراد وہی امر ہے جس کو ملائکہ لے کر شبقدر میں نازل ہوتے ہیں۔ اور یہ وہی شبقدر ہے جس میں تمام حکمت والے امر کا فیصلہ کیا جاتا ہے از قبیل خلق و رزق و اجل و عمل و حیات و موت و علم غیب سموات و ارض اور وُہ معجزات جو صرف خدا اور اس کے اصفیاءؑ اور اس کے سفراء ہی کے لئے سزاوار ہیں جو اس کے اور اس کی مخلوقات کے درمیانی ہیں اور یہی حضرات ایسے وجہ اللہ ہیں جن کے لئے خدا نے فرمایا ہے (ترجمہ آیت)

تم جہاں کہیں بھی توجہ کرو وہیں اللہ موجود ہے یعنی بقیۃ اللہ ہیں یعنی وہ مہدی (ان ہی میں سے ہیں) جو انتظار کی مدت گزرنے پر آئیں گے اور زمین عدل و انصاف سے بھر دیں گے جس طرح وُہ ظلم و جور سے بھر چکی ہو گی۔ اور ان کی نشانیوں میں سے غیبت و پوشیدگی ہے جبکہ سرکشی عام ہو جائے گی اور انتقام جگہ لے گا۔

اے سائل اگر اس کا نزول جس کا مطلب میں نے تجھے سمجھایا ہے صرف نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مخصوص اور آنحضرتؐ کے بعد کسی دُوسرے کے لئے نزول کل امر نہ ہوتا تو خداوند عالم اس کا ذکر فعل ماضی سے کرتا جو دوامی نہ ہوتا اور نہ مستقبل کے لئے ہوتا۔ اور خدا بجائے تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ کے (یعنی نازل ہوتے ہیں اور ہوتے رہیں گے)، نزلت الملائکۃ فرماتا (یعنی نازل ہوئے ملائکہ)، اور اسی طرح بجائے یفرق فیھا کے (یعنی شب قدر میں فیصلہ کیا جاتا ہے ہر امر کا)، فرق فیھا فرماتا (یعنی فیصلہ کیا گیا شبقدر میں)،

یہ حدیث بہت طویل ہے انشاء اللہ آخر کتاب میں مکمل درج کی جائے گی۔ (البرہان صـ ۹۹)

حدیث مبارک کے مطالب

(۱) آیۂ اولی الامر میں امر سے مراد تمام امورِ خلق ہیں یعنی رزق و خلق و حیات و موت و اجل

عمل و علمِ غیب آسمان و زمین اور وُہ تمام معجزات جو خدا خود ظاہر کرے یا یہ ذوات مقدسہ خود ظاہر کریں۔

ان تمام مذکورہ بالا امور کا تعلق تکوین کے ساتھ ہے اور لفظ عمل میں امور شریعت بھی داخل ہیں۔
لہٰذا جناب رسالتمآبؐ اور ائمہ طاہرین علیہم السلام کے زیر اقتدار تمام امور مذکورہ ہیں۔

(۲) ان ذوات مقدسہ کا محل و مقام امور تکوین و امور تشریع میں محل و مقام خدا ہے یعنی ان حضرات کا امر امرِ خدا اور فعل فعلِ خدا اور حکم حکمِ خدا ہے۔ کیونکہ خداوعالم نے ان ذواتِ مقدسہ کو اپنی ذات اقدس سے متصل قرار دیا ہے اور ان حضرات کی اس منزلت کو تمام مخلوقات پر واضح فرماکر ان حضرات کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے اور ان کے افعال و احکام کو اپنی ذات اقدس کی قائم مقامی کا درجہ عطا فرمایا ہے۔

(۳) زمین و آسمان کو ان حضرات کے تابع فرمان قرار دیا ہے تاکہ مخلوقات کو معلوم ہو جائے کہ یہی ذوات قدسیہ اولیاء و امناءِ خدا ہیں اور یہی حجج اللہ ہیں جن کو نیابت خدا حاصل ہے تاکہ ان کی وجہ سے خبیث و طیب کا پتہ لگ جائے کون ان کی اس شان پر ایمان لاتا ہے اور کون انکار کرتا ہے۔

(۴) کل اشیاء عالم پر خدا حکم جاری ہے اور خود ان ذوات مقدسہ پر بھی جاری ہے۔ اگر ان حضرات کا حکم بھی خدا کی طرح کل اشیاء عالم پر جاری ہو تو شرک ہو جائے اس لئے حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے لفظ بعض ارشاد فرمایا ہے۔ یعنی کل اشیاء پر تو خدا کا حکم جاری ہے اور بعض پر ان حضرات کا حکم جاری ہے۔

مگر ہم لفظ بعض کی تعیین سے قاصر ہیں کیونکہ عوالم کا احصاء بھی ناممکن ہے اور پھر ہر عالم کی کل اشیاء کا احصاء بھی ناممکن ہے۔ لہٰذا ہم جس عالم میں ہیں یہ عالم بھی دیگر عوالم کے مقابلہ میں بعض ہے اور جمیع ارض و سماء بھی بعض ہی میں شامل ہیں۔ علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے جس مقام پر یہ تحریر فرمایا ہے کہ خدا نے جمیع اشیاء کو ان حضرات کے سامنے پیدا کیا یہ بھی بعض ہیں۔ کیونکہ یہ حضرات بھی تو اشیاء میں شامل ہیں۔ لہٰذا یہ حضرات مستثنیٰ قرار پائیں گے اور ان کے علاوہ جس قدر اشیاء ہیں وُہ بعض اشیاء قرار پائیں گی لہٰذا ہم لفظ بعض کا مطلب خود ان ہی حضرات کے حوالہ کرتے ہیں۔

بہرحال اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ان ذوات مقدسہ کا اقتدار و اختیار اور اجرائے حکم ثابت ہے اور ارضی و سماوی مخلوقات حتیٰ کہ جمادات بھی زیر نگیں ہیں جیسا کہ پیشتر گزر چکا ہے۔

(۵) فیصلہ امورِ خلق کا نزول ان ہی ذوات مقدسہ پر ہوتا ہے اور ہوتا رہے گا جیسا کہ صیغہ مضارع سے ثابت ہے اور فیصلہ جات کا اجراء فرماتے رہیں گے۔ کیونکہ یہی حضرات والیانِ امرِ خدا اور یہی

لئے ہی امرِ خدا ہیں۔ ان ہی کی امانت میں فیصلہ جات نازل ہوتے ہیں اور پھر ان ہی کے ذریعہ احکامات صادر ہوتے ہیں جیسا کہ ہم پیشتر بھی تحریر کر چکے ہیں۔

جناب علی بن ابراہیمؒ حٰمٓ والکتٰب المبین کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔

قرآن مجید شبِ قدر میں نازل ہوا۔ خداوند عالم نے کل قرآن پاک کو بیت المعمور میں اسی رات نازل کیا پھر بیت معمور سے حضرت نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بیس سال میں نازل ہوتا رہا۔

شب قدر وہ شب ہے جس میں کل امر کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ یعنی خداوند عالم مقدر فرماتا ہے تمام امورِ حق و باطل کو اور جو کچھ اس سال میں ہونے والا ہے۔ مگر خدا کے اختیار میں بداء اور مشیت ہے وہ جس چیز کو چاہے مقدم کرے اور جس کو چاہے مؤخر کرے۔ یعنی اجل و رزق و بلاء و مرض کی تبدیلیوں کا اختیار ہے اور ان میں کمی اور زیادتی کا بھی اختیار ہے۔

یہ تمام امور جناب رسالتمآبؐ پر نازل ہوتے ہیں اور آنحضرتؐ جناب امیر المومنین علیہ السلام کو اور حضرت امیرؑ آئمہ علیہم السلام کو پہنچاتے ہیں یہاں تک کہ حضرت صاحب الزمان علیہ السلام تک یہ تمام فیصلہ جات منتہی ہوتے ہیں۔ اور جن امور میں بداء و مشیت اور تقدیم و تاخیر ہوتی ہے اس کے شرائط بھی بتا دیئے جاتے ہیں۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ شب قدر ہم سے مخفی نہیں ہے۔ تمام شب فرشتے ہمارا طواف کرتے رہتے ہیں۔ یعنی صرف سلام کرکے اور امور فیصلہ شدہ پہنچا کر واپس نہیں جاتے بلکہ ہمارا طواف طلوعِ فجر تک کرتے رہتے ہیں۔ فرشتے صرف سفیر ہیں۔ فہم فیصلہ جات ان کا کام نہیں۔ جب ان کی ڈیوٹی لگتی ہے تب علم ہوتا ہے۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ

مؤلف صاحب اور ان کے ہم مشرب آیہ مذکورہ سے استدلال کرتے ہیں کہ جس طرح اِيَّاكَ نَعْبُدُ سے غیر خدا کی عبادت ممنوع ہے اسی طرح اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ سے غیر خدا سے مدد طلب کرنا ممنوع ہے کیونکہ یہ دونوں جملے حصر کے معنی میں ہیں یعنی "ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور ہم تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں" لہٰذا جس طرح غیر خدا کی عبادت ممنوع اسی طرح غیر خدا سے طلب مدد بھی ممنوع ہے۔ لہٰذا براہِ راست محمدؐ و آل محمدؐ سے مدد طلب کرنا ممنوع ہے۔ ہاں ان کو وسیلہ بنا کر خدا سے مدد طلب کر سکتے ہیں۔ براہِ راست طلب کرنے والا کافر ہے۔ (اصول الشریعہ ص۱۳۱)

تحقیق معنی عبادت و استعانت!

عبادت کے معنی لغوی حیثیت سے کسی کے سامنے اظہارِ فرمانبرداری کرنا ہیں۔

اس کی دو صورتیں ہیں۔ اوّل خدا کے سامنے دوم اُس کی مخلوقات کے سامنے۔ دوسرے معنی کا استعمال قرآن مجید میں بھی ہے اور کلام عرب میں بھی۔ چنانچہ خداوند عالم فرماتا ہے:۔

وتلك نعمة تمنها علی ان عبدت بنی اسرائیل (پارہ ۱۹ سورۃ الشعراء آیہ ۲۲)

اور یہ بھی کوئی نعمت ہے جسے آپ مجھ پر جتا رہے ہیں کہ آپ نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے (ترجمہ مولانا فرمان علی)

مجمع البحرین میں ہے ان عبدت بنی اسرائیل ای اتخذتھم عبیدا (ص۲۸۱)

یعنی عبّدت کے معنی غلام بنانا ہیں۔

اور اس معنی کے لحاظ سے خداوند عالم نے عباد (بندگان) کی دو قسمیں بتائی ہیں۔ ایک قسم خدا کا عبد اور دوسری قسم لوگوں کا عبد چنانچہ دوسرے معنے کے لئے خداوند عالم کا ارشاد ہے۔

وانکحوا الایامی منکم والصالحین من عبادکم وامائکم (پارہ ۱۸ رکوع ۱۰ سورۃ نور آیہ ۳۲)

اور نکاح کرو بے شوہر عورت اور بے زوجہ مرد کا اور اپنے عباد اور اماء کا جو نکاح کے قابل ہیں۔ اس آیت میں "عباد" کے معنی غلام ہیں اور "اماء" کے معنی کنیز ہیں۔

معلوم ہوا کہ لفظ عبد دو معنی میں استعمال ہوتا ہے ایک معنی خدا کے ساتھ نسبت دے کر جیسے عبداللہ یعنی بندۂ خدا، اور دوسرے معنی لوگوں کے ساتھ نسبت دے کر جیسے عبدالعلی یعنی بندۂ علی۔ اور چونکہ "عبد" کا ترجمہ بندہ اور غلام ہے لہٰذا غلام اللہ اور غلام علی دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ شریعت اسلام نے لفظ "عبد" یعنی فرمانبردار کو خدا اور غیر خدا کے لئے دو جدا جدا معنی کے لحاظ سے استعمال کیا ہے۔ خدا کے لئے جب عبد کا استعمال ہوگا تو اس کے معنی عَبْدُ العِبَادة ہوں گے یعنی بلحاظ عبادت فرمانبردار۔ اور جب غیر خدا کے لئے استعمال ہوگا تو اس کے معنی عَبْدُ الطاعة ہوں گے یعنی بلحاظ اطاعت فرمانبردار۔ لہٰذا لفظ "عبد" مشترک ہے خدا کا بھی عبد اور غیر خدا کا بھی عبد۔ مگر معنی جدا جدا ہیں۔ اب اگر باعتبار لغت دیکھا جائے تو لفظ "عبادت" خدا اور غیر خدا دونوں کے لئے صحیح ہے مگر معنی جدا جدا ہیں جیسا کہ ہم نے قرآن مجید کے آیات سے ثابت کر دیا ہے۔

لہٰذا ایاك نعبد کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم تجھ ہی کو معبود سمجھ کر تیری فرمانبرداری کرتے ہیں جیسا کہ کتاب "المنجد" لغت میں بھی ہے۔ لہٰذا خدا کے لئے لفظ عبادت اس معنی سے مخصوص ہوگا اور خدا ہی معبود قرار پائے گا۔ غیر خدا کی عبادت شرک ہوگی۔ اور لفظ عبادت یعنی فرمانبرداری کرنا بلحاظ آقا غیر خدا کے لئے بھی صحیح و درست ہوگا اور وہ آقا و مولا قرار پائے گا۔ یعنی "عبد" جس کے معنی "متعبد" ہیں یعنی فرمانبرداری کرنے والا، خدا اور غیر خدا دونوں کے لئے مستعمل ہے۔ مگر چونکہ عرفِ عام میں لفظ عبادت صرف خدا کے لئے مستعمل ہے اس لئے غیر خدا کی عبادت ممنوع ہے۔ مگر عبادت بمعنی فرمانبرداری آقا و مولا سمجھ کر بالتحقیق جائز و صحیح بلکہ محمد و آل محمد علیہم السلام کے لئے واجب و عین ایمان ہے جیسا کہ امام رضا علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ

الناس عبید لنا فی الطاعة موال لنا فی الدین فلیبلغ الشاھد الغائب (بحار ج ۷ ص ۳۴۲)

"یعنی لوگ ہمارے عبد ہیں ہماری اطاعت کرتے ہیں اور ہمارے موالی ہیں ہمارا دین قبول کرتے ہیں پس حاضر کو چاہئے کہ ہماری یہ بات غائب تک پہنچا دے۔" اس حدیث کو مولف صاحب پڑھ کر تسلیم کریں کہ عبد العلی و عبد الحسن و عبد الحسین پہنا درست ہے۔
حدیث مذکورہ کو ہم مفصل طور پر تحریر کر چکے ہیں جس میں عبد العباد مخصوص خدا ہی کے لئے ہے اور وہی معبود برحق ہے۔

انسان فطری طور پر محتاج استمداد ہے!

"إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ کا مطلب"

یہ امر بدیہی ہے محتاج دلیل نہیں ہے کہ نوع انسان فطری طور پر اپنے ضروریات زندگی میں محتاج تعاون ہے یعنی افراد انسانی کی کوئی فرد بھی ایک دوسرے کی مدد و اعانت اور استمداد و استعانت کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ نہ اپنے امور خوراک میں اور نہ لباس میں نہ حصول صحت میں نہ رفع مرض میں۔ یعنی جملہ امور معاش میں ایک دوسرے کی مدد کرتے بھی ہیں اور ایک دوسرے سے مدد لیتے بھی ہیں۔ دنیا میں کوئی شخص تنہا زندہ نہیں رہ سکتا۔ ایک لقمۂ نان کے لئے کتنے اسباب اور کتنی صنعتیں درکار ہیں اور اسی طرح بدن چھپانے کے لئے اور اسی طرح گرمی و سردی سے حفاظت کے لئے لاتعداد اسباب و ذرائع اور بے شمار صنعت و حرفت کی ضرورت ہے۔

اور اس امر میں بھی کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ ہر شخص اپنی مدد کے لئے ایسے شخص کا انتخاب کرتا ہے جس کو وہ اپنی ضرورت و حاجت براری کے لئے موزوں سمجھتا ہے اور اپنی حاجت و ضرورت کو اس لئے اس کے سامنے پیش کرتا ہے کہ وہ خود تنہا اس کو انجام نہیں دے سکتا یعنی اپنے عجز کا معترف ہے اور اس کے ساتھ ہی اس کے لئے ایک ایسی قوت اور ایسی قابلیت کا اعتراف و اقرار کرتا ہے جو اس شخص میں موجود ہے۔ قرآن مجید میں ایمان لانے والوں کو خداوند عالم نے امداد و تعاون کی طرف خصوصی توجہ دلائی ہے اور کبھی اس امداد کو صاحب قوت پر واجب کیا ہے اور کبھی سنت قرار دیا ہے اور کبھی مباح فرمایا ہے اور اس کے لئے حدود مقرر کر دیئے ہیں۔

چنانچہ ارشاد قدرت ہے :۔

تعاونوا على البر والتقوىٰ ولا تعاونوا على الاثم والعدوان۔ "باہمی امداد کرو نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں، اور گناہ و سرکشی کے کاموں میں امداد نہ کرو۔ هو الذی ایدك بنصره و با لمومنین (انفال)

لہٰذا مطابق حکم خدا امداد کرنا صاحب قوت کے لئے فعل ممدوح ہے جبکہ وہ نیکی و پرہیزگاری میں کسی کی امداد کرے اور اسی طرح صاحب حاجت کے لئے طلب مدد کا حکم ہے اور خود فطرت اس کو مجبور کرتی ہے کہ وہ صاحب قوت سے مدد طلب کرے تاکہ ہلاکت سے محفوظ رہے۔ وان استنصروکم فی الدین فعلیکم النصر (انفال) ہمارے اس بیان سے دو مطلب واضح ہو جاتے ہیں۔ مطلب اوّل ہر شخص اپنے ضروریات زندگی میں حاجتمند

ہے اور وُہ فطری طور پر محتاج استمداد ہے اور صاحب قوت و قدرت کی طرف طلب حاجت کے لئے
رجوع کرنا تقاضائے فطرت ہے۔ ان تنصروا اللہ ینصرکم۔ (قرآن)
مطلب دوم: صاحب قوت و قدرت پر عقلاً و شرعاً مدد کرنا کبھی واجب ہے کبھی سُنت اور کبھی
مباح۔ لہٰذا صاحب قدرت و قوت سے استمداد یعنی طلب مدد شرعاً و عقلاً ممنوع نہیں ہے بلکہ تقاضائے
فطرت ہے اور منجانب اللہ اس کی ہدایت ہے تاکہ ہلاکت سے محفوظ رہے اور اسی طرح صاحب قوت و
قدرت کا مدد کرنا شرعاً و عقلاً ممنوع نہیں ہے بلکہ مقتضائے انسانیت ہے۔

امداد و استمداد شرک نہیں!

جس طرح حاجت مند کے لئے غیر خدا سے طلب مدد شرک نہیں اسی طرح صاحب قوت و قدرت کے لئے
امداد و اعانت کرنا شرک نہیں۔ ان دونوں صورتوں میں شرک اس وقت متصور ہو سکتا ہے جب حاجت مند
کسی کو خدا سمجھ کر طلب کرے اور امداد کرنے والا اپنے کو خدا سمجھ کر مدد کرے چونکہ خدا ایک ہی ہے اور اس کے سوا
کوئی خدا نہیں ہے لہٰذا کسی مددگار کو خدا یا مثلِ خدا سمجھ کر پکارنا اور مدد طلب کرنا شرک ہے۔ یہی مطلب ہے
آیۂ ولا تدعوا مع اللہ الٰھا اٰخر کا۔ یعنی خدا کے ساتھ کسی کو دُوسرا خدا سمجھ کر نہ پکارو۔
اس آیت کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ کسی غیر خدا کو مددگار سمجھ کر مدد نہ مانگو۔ کیونکہ بغیر مدد زندگی محال ہے۔
لہٰذا جن کی مدد پر اعتماد ہے ان سے مدد مانگنا تقاضائے فطرت کے مطابق ہے۔
شیخ خالصی نے کتاب احیاء الشریعہ میں اس کے خلاف جو کچھ تحریر فرمایا ہے جس کو مولّف نے اصول الشریعہ
ص۱۶۴ پر درج کیا ہے وُہ ہر گز درست نہیں ہے۔ شیخ خالصی کا یہ فرمانا کہ "دُعائے فرج یعنی یا محمدؐ یا علی
اکفیانی فانکمانی کافیای وانصرانی فانکما ناصرای۔ یہ کلمات کفر ہیں اور آیۂ لا تدعوا مع اللہ
الٰھا اٰخر کے منافی ہیں"۔ عدم تدبّر و بے غوری کی دلیل ہے۔
شیخ خالصی اور اُن کے مریدوں نے اس دُعا کے پڑھنے والے کی نیت پر صریحی حملہ کیا ہے کیونکہ اس دُعا
کے پڑھنے والے اور اس کا ورد کر کے اپنے مقصد میں کامیاب ہونے والے مومنین مخلصین حضرت محمد مصطفےٰ و علی
مرتضٰے علیہم السلام کو خدا کے سوا دُوسرا خدا سمجھ کر نہیں پکارتے ہیں اور وُہ خود دوسرا خدا بن کر مدد بھی نہیں فرماتے ہیں
بلکہ ہم خدا کا محبوب نبیؐ اور خدا کا عزیز ولی سمجھ کر پکارتے ہیں اور وُہ بلا شک و شبہ حاجت روائی و مشکل کشائی فرماتے
ہیں۔ اگر ہم انہیں خدا سمجھ کر پکارتے تو ہم یقیناً کفر و شرک میں مبتلا ہو جاتے۔
مگر حاشا و کلّا ہم نے کبھی دُوسرا خدا سمجھ کر نہیں پکارا بلکہ خدائے وحدہٗ لاشریک کا خلیفہ و ولی سمجھ کر
پکارتے ہیں بلکہ خدا کا مقرر فرمودہ وسیلہ سمجھ کر فریاد کرتے ہیں اور ہم ان کو کافی بھی سمجھتے ہیں اور ناصر و مددگار
بھی۔ کیونکہ خود ان ذوات مقدسہ نے اپنے لئے یہ کلمات بالتحقیق بیان فرمائے ہیں: ونحن الولاۃ والکفاۃ

والحماۃ والرعاۃ یعنی ہم ہی خدا کی طرف سے تمہارے ناصر و مددگار اور تمہارے لئے کافی و وافی اور تمہارے حامی و محافظ اور تمہارے راعی و حاکم ہیں۔ جیسا کہ ہم پیشتر مفصل احادیث تحریر کر چکے ہیں۔ کتاب بلد الامین میں ہرگز خواب کا ذکر نہیں ہے۔ بلکہ بالمشافہ یہ دعا تعلیم دی ہے۔ نیز احادیث معصومین سے یہ مطلب ماخوذ ہے اور یہ دعا اور کلمات فرج عین ایمان بلکہ حسب نیت عین الیقین بلکہ حق الیقین ہیں۔ ان کلمات کے معجزانہ آثار سے قاصرین و عاجزین غافل ہیں۔ خداوند عالم ان لوگوں کو بھی توفیق دے کہ ان کلمات فرج سے فیوض و برکات حاصل کریں۔

موالیان اہلبیت طاہرین کو ایسے تشری مفتیوں اور اُن کے حلقۂ علمیہ کے قاصر طالب علموں کی تحریروں کو قابل اعتنا نہیں سمجھنا چاہئے بلکہ حضرت علامہ مجلسی کی تحقیق انیق کے مطابق ان لوگوں کو معرفت کمالات اہلبیت سے قاصر و عاجز سمجھنا چاہئے یہ لوگ ہمارے ایمان کا بوجھ نہیں اُٹھا سکتے۔

اسی طرح دوسری دُعائیں مثلاً یا صاحب الزمان ادرکنی اور اسی طرح یا سیدتی و یا مولاتی یا فاطمۃ اغیثینی اور اسی طرح ناد علی کا ورد کر کے ان صاحبان اقتدار و صاحبان معجزات و کرامات بندگانِ خدا سے اپنی حاجتیں پوری اور اپنی مشکلیں حل کرانی چاہئیں۔ کیونکہ یہی ذوات مقدسہ با اقتدار وسائط و وسائل خدا ہیں۔

جس طرح شریعت ان ذواتِ مقدسہ سے حاصل کی ہے اور یہ سمجھ کر کہ خدا نے ان حضرات کو وحی و الہام کے ذریعہ یہ علوم عطا کئے ہیں اس لئے یہی علوم صحیح ہیں۔ اسی طرح مشکلات و حاجات میں ان ہی ذوات مبارکہ کی طرف رجوع کرنا چاہئے کیونکہ فیوض و برکاتِ خداوندی کا منبع اور اس کی رحمتِ واسعہ اور یداللہ الباسطہ یہ بزرگوار ہیں۔ اور یہ سمجھ کر استمداد و استعانت و دُعا و پکار کرنا چاہئے کہ خدائے قادر و قیوم نے ان کو یہ کمالات بھی عطا کئے ہیں اور اختیار بھی عطا کیا ہے۔

امور تکوین اور قاصرین

ہم مفصل طور پر تحریر کر چکے ہیں کہ حاجت مند اس سے مانگتا ہے جس پر اعتمادِ حاجت براری ہوتا ہے اور اس کو صاحبِ قدرت و قوت سمجھتا ہے۔ اگر خدا سمجھ کر طلب کرے تو مشرک ہے اور اگر خدائے قادر کا مظہر اور اس کے فیوضات کا مخزن سمجھ کر دعا و پکار کرے تو خدا کی عظمت و قدرت کا اقرار و ایمان ہے کیونکہ یہ ذاتی قوت و قدرت سے نہیں بلکہ الٰہی قوت و خدائی قدرت سے مشکل کشا و حاجت روا ہے۔ مؤلف صاحب میں جس قدر قدرت و قوت ہے اس کے مطابق اپنے طالب علموں کی نصرت و مدد کرتے ہیں اور طالب علم ان سے علم کی بھی مدد لیتے ہیں اور دیگر ضروریات مثلاً خوراک و لباس کی بھی کیونکہ یہ حضرات جتنی قوت و قدرت رکھتے ہیں اتنی امداد فرماتے ہیں۔ اور طلبہ ان بزرگوں سے اتنی ہی دعا و پکار

کرتے ہیں جتنی ان کے بس میں ہے اور یہ امداد و استمداد نہ شرک ہے نہ کفر بلکہ عین مقتضائے فطرت ہے جس کا خود خدا نے حکم دیا ہے۔

اسی طرح حضرات محمدؐ و آل محمد علیہم السلام کی سرکار سے اتنی ہی طلب ہو گی جتنی ان ذوات مقدسہ میں قوت و قدرت ہے۔ اگر یہ حضرات مُردے زندہ کر دیتے ہیں، نابینا کو بینا بنا دیتے ہیں، مبروص کو شفا دے دیتے ہیں، سنگریزوں کو سونا بنا دیتے ہیں ریت کو آٹے میں تبدیل کر دیتے ہیں پانی کو یاقوت و زمرد بنا دیتے ہیں مشکلیں حل کر دیتے ہیں، قیدیوں کو چھڑا دیتے ہیں، چشم زدن میں ہزارہا میل پر پہنچا دیتے ہیں فقیر کو امیر کر دیتے ہیں، محتاج کو غنی بنا دیتے ہیں اور کائنات کا ذرہ ذرہ ان کے تابع فرمان ہے حتےٰ کہ جمادات بھی ان کی اطاعت میں ہیں جیسا کہ ہم مفصل تحریر کر چکے ہیں۔ تو جس قدر ان حضرات کو قوت و قدرت حاصل ہے اس کے مطابق ان حضرات سے استمداد اور طلب و پکار عین مقتضائے فطرت ہے۔

جتنی قدرت و طاقت حضرات محمدؐ و آل محمد علیہم السلام کو حاصل ہے اسی کے مطابق ان بزرگواروں سے دعا و پکار کر کے استمداد و طلبِ اعانت کر کے موالیانِ اہلبیت اپنے دامنِ مراد بھر لیتے ہیں۔ ان حضرات کی امداد و اعانت چونکہ نیابت و خلافتِ خداوندی میں ہے لہذا ان سے مانگنا درحقیقت خدا سے مانگنا ہے۔ اگر ان کی نیابت و خلافت کا لحاظ نہ رکھا بلکہ ان ہی کو خدا سمجھا گیا تو شرک ہے۔ کفر ہے۔ حرام ہے گناہ ہے گمراہی ہے۔

مگر موالیانِ اہلبیت علیہم السلام سرکار محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام سے صرف اس لئے مانگتے ہیں، کہ یہ حضرات عزیزِ خدا، خلیفۂ خدا، دستِ خدا، خزانۂ خدا ہیں۔ اور ان حضرات سے مانگتے وقت والہانہ طور پر کچھ کلمات ناز و فخر بھی نکل جاتے ہیں جیسے ہم آپ کے غلام ہیں، آپ کے نام لیوا ہیں، آپ کے در کے بھکاری ہیں، آپ کے دشمنوں سے مقابلے کرتے ہیں، آپ کی حمایت میں کیا کیا تکلیفیں برداشت کرتے ہیں۔ لوگ ٹھنڈی ہوا میں نرم بستر پر سوتے ہیں اور کچھ عیش و طرب میں محو تماشا ہیں اور ہم سب کچھ چھوڑ کر آپ کی مجلس میں خاک پر بیٹھے ہیں۔ نہ بچوں کی پرواہ ہے، نہ گھر کا خیال ہے۔ تو کیا اے مولا ہمارا خیال نہ کیجئے گا اور ہم غلاموں کی طرف نظرِ کرم نہ فرمائیے گا۔ مولا! ہم تو آپ ہی سے لیں گے اور ضرور لیں گے لے کر اٹھیں گے۔ آپ کے دربار میں آئے ہیں آپ ہمیں دیکھ رہے ہیں۔ غرض ایسے کلماتِ محبت ان حضرات کی خدمت میں عرض کر سکتے ہیں اور علم یا ضریح یا تعزیہ یا ذوالجناح پکڑ کر اور اپنا تصور مولا کی طرف جما کر طلب مدد اور استغاثہ و فریاد کر سکتے ہیں بلکہ کرتے ہیں بلکہ کرنا چاہئیے۔

مؤلف نے نجف اشرف و کربلائے معلی میں اور دیگر مزارات پر موالیوں کو دیکھا ہو گا کہ گردن میں رسی باندھ کر ضریح مقدس سے بندھے ہوئے ہیں اور اپنی اپنی مرادیں لے کر ہی جاتے ہیں۔

❁ ❁ ❁

آثار و تصرفات محمدؐ و آل محمد علیہم السلام

مولف نے یہ اقرار فرمالیا ہے کہ ان ذوات مقدسہ کے تصرفات ظاہری موت سے منقطع نہیں ہوتے ہیں بلکہ یہ سلسلہ جاری رہتا ہے اور ان کی حیات طیبہ برزخیہ کی حقیقت کو سمجھنا ہمارے عقول ناقصہ کی دسترس سے بالاتر ہے۔ چنانچہ اصول الشریعہ ص۱۴۱ پر تحریر فرماتے ہیں:

"یہ حقیقت بھی ناقابلِ انکار ہے کہ ان بزرگواروں کی موت سے ان کے آثار حیات کا خاتمہ نہیں ہوتا بلکہ ان آثار کا سلسلہ جاری رہتا ہے"

"اگرچہ ہم اپنے عقول ناقصہ کی نارسائی کی وجہ سے ان کی حیات طیبہ کی حقیقت کو نہ سمجھ سکیں یہ اور بات ہے۔ لیکن عدم وجدان کو دلیل عدم قرار نہیں دیا جاسکتا لہٰذا ان حضرات کی حیاتِ باطنیہ برزخیہ قرآن و حدیث کے نصوص صریحہ صحیحہ سے ثابت ہے لہٰذا ان کی موت سے ان کے آثار و تصرفاتِ حیات منقطع نہیں ہوتے"۔

مولف نے تصرفات محمدؐ و آل محمد علیہم السلام کو ناقابل انکار حقیقت قرار دے کر قہری طور پر تسلیم کرلیا ہے کہ ظاہری موت کے بعد بھی آثار و تصرفات کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ جب ان حضرات کی ظاہری موت کے بعد بھی آثار و تصرفات منقطع نہیں ہوتے تو حین حیات بدرجہ اُولیٰ یہ آثار و تصرفات ثابت ہیں۔ کیونکہ جب یہ حضرات بشری ہیکل میں تھے تو مردے بھی زندہ کرتے تھے اور بالتحقیق یہ حضرات بیماروں کو شفا بھی عطا فرماتے تھے۔ سنگریزوں کو انگور بنا کر کھلا دیتے تھے۔ چند آدمیوں کا کھانا ہزاروں کو کھلا شکم سیر کر دیتے تھے۔ پانی کو یاقوت و جواہر میں تبدیل کر دیتے تھے۔ شیر قالین کو مجسم شیر بنا کر کام لے سکتے تھے۔ درخت خشک کو سرسبز کر کے ثمر لگادیتے تھے۔ سنگریزوں سے تسبیح پڑھوا سکتے تھے۔ آفتاب کو پلٹا سکتے تھے۔ شق القمر کر سکتے تھے۔ جانوروں کی فریادیں سُن کر ان کی نصرت و مدد کر سکتے تھے اور آن واحد میں ہزاروں میل کا سفر طے کرا کے لوگوں کو ان کے وطن میں پہنچا کر اہل و عیال سے ملا کر واپس لا سکتے تھے۔ مدد کے لئے چشم زدن میں پہنچ سکتے تھے اور دشمنوں کے نرغہ سے بچا سکتے تھے اور یہ سب کمالات امور تکوین ہی کہلاتے ہیں لہٰذا ظاہری موت کی وجہ سے یہ تمام آثار و تصرفات منقطع نہیں ہوتے ہیں۔ ان کا سلسلہ اب بھی جاری و ساری ہے۔

(اقتدار اہلبیت پائندہ باد)

ہم ثابت کر چکے ہیں کہ انسان محتاج مدد ہے اور حاجت مند اپنے یقین کے مطابق اس ہستی سے مدد مانگتا ہے جو مدد کر سکتا ہو۔ لہٰذا ان والیانِ امر سے مدد مانگنا، دُعا پکار کرنا عین ایمان ہے کیونکہ ان کے تصرفات جاری و ساری ہیں۔ ہاں وہ لوگ امداد نہیں طلب کر سکتے جو ان کو اپنی نوع سمجھ کر اپنی طرح بے بس و عاجز سمجھتے ہیں۔ مگر دبی زبان سے اقرار تصرفات و آثار بھی کر لیتے ہیں لیکن پھر رگ ناصبیت پھڑکتی ہے

اور یوں تحریر فرماتے ہیں ملاحظہ کیجئے اصول الشریعہ ص۱۴۱ :۔

"ناقابل انکار دلائل قاطعہ و براہین ساطعہ سے اس امر کو ثابت کیا جا چکا ہے کہ امور تکوینیہ خلق و رزق، اماتت و احیاء اور شفاء وغیرہ میں ان بزرگواروں کا منصب و مقام سفارش کرنا ہے ان کی انجام دہی قطعاً ان کے متعلق نہیں نہ بطور تفویض نہ بطور توکیل اور نہ بطور آلات وغیرہ۔ تو اس سے ارباب عقل سلیم و طبع مستقیم کے لئے یہ معمہ خود بخود حل ہو جاتا ہے کہ جب یہ امور اُن کے قبضہ و اختیار میں نہیں تو پھر ان امور کو ان سے طلب کرنا اور براہ راست اس سلسلہ میں ان سے استمداد حاصل کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ اگر بفرض محال ان لوگوں کے خیال کے مطابق چند لمحات کے لئے تفویض غیر استقلال کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ بامر اللہ ان امور کی انجام دہی ان کے سپرد ہے تاہم ان امور میں ان کی طرف رجوع کرنا بے معنی ہے۔ کیونکہ بنابریں کرتا تو پھر بھی سب کچھ خدا ہے صرف ظہور ان سے ہوتا ہے۔ اپنی مرضی و منشاء سے وہ کچھ نہیں کرتے اور نہ کر سکتے ہیں"۔ (اصول الشریعہ ص۱۴۱)

دوسرا حوالہ ملاحظہ فرمائیے (اصول الشریعہ ص۱۵۴)

"جب خالق عالم نے امور تکوینیہ خلق و رزق اور امارت و احیاء و شفائے امراض وغیرہ کی انجام دہی سرکار محمدؐ و آل محمد علیہم السلام کے سپرد فرمائی ہی نہیں۔ بلکہ ان امور میں ان کا کام صرف سفارش کرنا ہے تو پھر اس سلسلہ میں ان بزرگواروں سے سوائے استدعاء سفارش کے اور کیا عرض کیا جا سکتا ہے۔"

مولف صاحب کی یہ ہجو ملیح حضرات محمدؐ و آل محمد علیہم السلام کے باب میں کس قدر حیرت انگیز گستاخانہ کردار ہے کہ جس پر کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ایک ایک لفظ سے تنقیص اہلبیت کا پہلو نمایاں ہے۔

مگر ہم موالیان اہلبیت علیہم السلام اتنا ضرور عرض کریں گے کہ جب یہ حضرات معصومین اپنی مرضی و منشاء سے کچھ نہیں کرتے اور نہ کر ہی سکتے ہیں اور بامر خدا بھی نہیں کر سکتے ہیں تو یہ حضرات عالی درجات مچھر سے بھی معاذ اللہ کمتر ہو گئے کہ بامر خدا مچھر نظام چلا سکتا ہے مگر یہ بزرگوار اس کے برابر بھی نہیں ہیں۔

اب مولف کے اس اعتراف کے بعد کہ محمد و آل محمد علیہم السلام کچھ کر ہی نہیں سکتے ہیں عقیدہ مجبرہ بالکل واضح ہو گیا لہٰذا ان کی گواہی مردود ان کی اقتداء میں نماز باطل زکوٰۃ دینا گناہ، ذبیحہ حرام۔ کیونکہ بالکل صاف طور پر "کر سکنے" کی نفی کر دی ہے جس کو جبر کہتے ہیں۔ لہٰذا فرقہ مجبرہ میں ان کا شمار خود ان کی تحریر اور اقرار و اعتراف سے ثابت ہے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

ایاک نستعین کی تفسیر

مولف صاحب نے آیہ مبارکہ کی تفسیر میں حضرت علامہ بلاغی علیہ الرحمہ کی تفسیر آلاء الرحمٰن ص۵۹ سے مندرجہ ذیل عبارت اپنے مقصد کے ثبوت میں اصول الشریعہ کے ص۱۴۵ پر تحریر فرمائی ہے ملاحظہ کیجئے :۔

قال اللہ تعالیٰ فی سورۃ المائدۃ تعاونوا علی البر والتقوی۔ اما المعاونۃ فی المناجات فھی احسان امر اللہ بہ ایضاً فی کتابہ بقولہ تعالیٰ فی سورۃ النحل ان اللہ یامر بالعدل والاحسان۔ وفی سورۃ البقرۃ وآل عمران ان اللہ یحب المحسنین۔ والمعلوم بالضرورۃ من سیرۃ النبیؐ واصحابہ والائمۃ والمسلمین انھم یستعینون فی غالب امورھم المباحۃ بالالات والدابۃ والخادم و الزوجۃ والصاحب والرسل والاجراء وغیرھم وفی سورۃ البقرۃ استعینوا بالصبر والصلوٰۃ وفی سورۃ النساء ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاءوک فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما۔ فقد لامھم علی عدم مجیئھم لا استعانۃ علی المغفرۃ باستغفار الرسول و ھکذا یکفی فی الجنۃ والدلالت علی ان الاعانۃ لیست بجمیع اقسامھا منحصرۃ باللہ وعلی انہ لا یلزمنا ان نعقر استعانتنا بقول مطلق علی اللہ تعالیٰ وتفصیل ذالک ھو انا ننظر الی استعانات البشر قولا و عملا فنراھا تکون علی نحوین (النحو الاول) ھو الاستعانۃ بالوسائل المجعولۃ من اللہ لنیل المقصود التی ھی وما فیھا من التسبیب من جعل اللہ تعالیٰ وخلقہ (النحو الثانی) وھو الاستعانۃ بالالہ بما ھو الہ معین، بالھیتہ وقدرتۃ الذاتیۃ المطلقۃ الفائقۃ ولاریب فی ان النحو الثانی من الاستعانۃ ھو المتیقن فی قصرہ علی اللہ لان الاستعانۃ بھذا النحو اذ کانت لغیر اللہ کانت تالیھا لذلک الغیر واشراکا باللہ ومما ذکرنا من الایۃ والسیرۃ واقتران ایاک نعبد وایاک نستعین فی سیاق توحید اللہ وتمجیدہ بالمجد الالٰھی تقوم الحجۃ وتنتصح الالۃ علی ان ھذا النحو من الاستعانۃ ھو التمام المقصود علی اللہ دون النحو الاول۔

خداوند عالم نے سُورۂ مائدہ میں ارشاد فرمایا ہے (ترجمہ آیت) نیکی و پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دُوسرے کی مدد کرو۔ ہاں مباح کاموں میں بھی مدد کرنا نیک سلوک ہے جس کے لئے سورہ نحل میں حکم دیا ہے (ترجمہ آیت) یقیناً خدا تمہیں انصاف کرنے اور نیک سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے اور سورہ بقرہ اور سُورہ آل عمران میں فرمایا ہے کہ خدا نیک سلوک کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ جناب رسُول خدا واصحاب وآئمہ مسلمین کی سیرت سے بالکل واضح طور پر معلوم ہے کہ وُہ اپنے اکثر مباح کاموں میں مدد لیتے تھے آلات وسواری وخادم وزوجہ اور ساتھی اور قاصد و نوکر وغیرہ سے۔ اور سورہ بقرہ میں

ہے (ترجمہ آیت) صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو۔ اور سُورہ نساء میں ہے (ترجمہ آیت) اور اگر وُہ لوگ جبکہ گناہ کر چکے تھے تمہاری خدمت میں حاضر ہو کر خدا سے معافی مانگتے اور رسُولؐ ان کی مغفرت کی سفارش کر دیتے تو یقیناً خدا کو توبہ قبول کرنے اور رحم کرنے والا پاتے۔ اور خداوند عالم نے ان لوگوں کی ملامت کی ہے کیونکہ رسُول کی خدمت میں سفارش حاصل کرنے کے لئے حاضر نہ ہوئے یعنی رسُول خدا سے مدد حاصل نہ کرنے وجہ سے مذمت کی ہے۔ یہی پیش کردہ آیات اس امر کے ثبوت وحجت کے لئے کافی ہیں کہ ہر قسم کی امداد خدا کے ساتھ مخصوص نہیں ہے اور نہ ہم پر یہ لازم ہے کہ ہر قسم کی مدد خدا ہی سے مانگیں۔

اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ ہر بشر قولی و عملی مدد مانگتا رہتا ہے اس کے مدد مانگنے کی دو قسمیں ہیں۔

قسم اوّل یہ ہے کہ ہر بشر ان وسیلوں سے مدد لیتا ہے جو خداوند عالم نے حصول مقصد کے لئے مقرر فرمائے ہیں یہ وسیلے خداوند عالم کی طرف سے حصولِ مقصد کے لئے معین کئے گئے ہیں، اور ان میں حصول مقصد کی جو سببیت پائی جاتی ہے وُہ خدا ہی کی خلق کردہ ہے۔ لہٰذا اس اعتراف کے ساتھ ان وسائل سے مدد مانگنا شرک نہیں ہے کیونکہ خدا ہی نے ان کو حصول مقصد کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ ہاں جن کو خدا نے وسیلہ نہیں قرار دیا ہے ان سے مدد مانگنا شرک ہے جیسے بتوں سے مدد مانگنا۔

دوسری قسم یہ ہے کہ معبود کو معبود سمجھ کر مدد مانگی جائے کہ وُہ اپنی معبودیت اور قدرت ذاتیہ مطلقہ فائقہ کی شان سے معین و مددگار ہے تو یہ طلب مدد بالیقین خدا ہی کے لئے منحصر ہے اس میں کوئی دُوسرا شریک نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اگر کسی کو معبود سمجھ کر مدد طلب کی جائے گی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ایک دُوسرا معبُود خدا کے سوا تسلیم کر لیا گیا ہے اور خدا کا شریک قرار دے لیا گیا ہے" اور ہم نے سابق میں جو آیات اور سیرت پیش کی ہے اس کی روشنی میں اور اِیَّاکَ نَعْبُدُ کے ساتھ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کا اتصال خاص اور توحید و تمجید خدا کا اس کی بزرگی کے ساتھ ایک ہی کڑی میں بیان ہونا اس امر کی حجت و دلیل واضح ہے کہ صرف یہی قسم استعانت یعنی طلب مدد خدا کے ساتھ مخصوص اور اسی کی ذات کے لئے مختص ہے پہلی قسم مخصوص نہیں ہے۔

علامہ بلاغی کی اس تفسیر سے مسئلہ استعانت یعنی طلبِ مدد بالکل واضح ہو گیا کہ کسی کو معبود سمجھ کر اس کی عبادت کرنا اور معبود سمجھ کر ہی مدد طلب کرنا شرک ہے، کفر ہے، ضلالت ہے، گمراہی ہے، خروج از دین ہے۔ مگر کسی کو وسیلۂ مقررہ خدا سمجھ کر اس سے مدد مانگنا دین ہے، ایمان ہے، معرفت ہے، یقین ہے۔

اس اعتقاد کے ساتھ حضرات محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام سے مدد طلب کرنا در حقیقت خدا ہی سے مدد

طلب کرنا ہے کیونکہ خود اسی نے ان ذوات مقدسہ کو وسیلہ قرار دیا ہے بلکہ ان کی غرض خلقت ہی وسیلہ بنانا ہے اور حصولِ مقصد اِن حضرات کے بغیر ممکن نہیں ہے خواہ اس کا تصور داعی کو ہو یا نہ ہو۔

اللہ کی طرف سے ہیں مشکل کشا علی !

موالیان اہلبیت اسی مصرعہ کو ایمان سمجھتے ہیں اور خصوصیت کے ساتھ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کو اپنی ہر مشکل و حاجت میں براہِ راست پکارتے ہیں کیونکہ حضرت کو خداوند عالم نے وسیلۂ نصرت خود مقرر فرمایا ہے اور جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ ہم سے اپنے لئے ناصر و مددگار طلب کرو تاکہ ہمارے مقرر کردہ ناصر ہی سے طلبِ مدد کرتے رہو۔ جب ضرورت پڑے اسی مددگار کو پُکارو۔ چنانچہ ارشاد قدرت ہے :۔

قل رب ادخلنی مدخل صدق و اخرجنی مخرج صدق و اجعل لی من لدنک سلطانا نصیرا۔ (بنی اسرائیل)

(اے رسول ؐ) یوں دُعا کرو میرے پالنے والے مجھے داخل کر (شہر میں) سچائی کا داخلہ اور مجھے نکال شہر سے سچائی کا خروج اور قرار دے میرے لئے اپنی جناب سے طاقتور مددگار۔

خداوند کریم نے اپنے نبی ؐ کی دُعا مقبول فرمائی اور انہیں علی بن ابی طالب عطا فرمائے گئے (تفسیر البرہان ج ۲ ص ۴۱۷)

حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے مجمع اصحاب میں فرمایا :۔

قال نشدتکم باللہ ھل فیکم احد قال لہ رسول اللہ اللھم اجعلہ لی عونا وعضدا و ناصرا غیری قالوا لا۔ (احتجاج ص ۶۹)

میں تم لوگوں سے خدا کی قسم دے کر دریافت کرتا ہوں کیا تم میں کوئی ایسا ہے جس کے لئے میرے سوا رسُول خدا نے خدا سے یہ دعا کی ہو لے خدا اس کو میرے لئے عون یعنی اعانت کرنے والا عضد یعنی میرا قوتِ بازو ناصر یعنی میرا مددگار بنادے۔ تمام اصحاب نے جواب دیا نہیں آپ کے سوا کسی کے لئے یہ دُعا نہیں کی ؟

درحقیقت یہ دُعائے رسُول تعمیل امر خدا ہی ہے۔ کیونکہ بغیر مشیت و امر خدا حضور سرورِ دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کچھ نہیں کرتے تھے۔ اور دُعا کا حکم آیت مذکورہ سے ثابت ہے کہ "اے رسول ۔ سے معین و مددگار مانگو" خدا کے حکم سے آنحضرت ؐ نے اپنے لئے عون، عضد، و ناصر علی بن ابی طالب کو مانگا ا خدا نے آپ کی دُعا قبول فرمائی اور اپنی جناب سے علی بن ابی طا ب کو عطا فرمایا۔

اس آیہ ے ظاہری کلمات سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ؐ کو طاقتور مددگار مانگنے کا حکم ہے جو نصیر ہو یعنی دوامی مدد کرنے والا۔ اگر خدا کو غیر سے استعانت ناپسند ہوتی تو مددگار مانگنے کے لئے خود حکم نہ دیتا اور نہ آنحضرت ؐ ہی ذات خدا سے مدد مانگنے کے بجائے کوئی مددگار مانگتے۔ اس سے صاف ثابت ہے کہ خدا کا معین کردہ

مددگار اور اس سے طلب مدد و استعانت نہ شرک ہے نہ کفر، نہ حرام ہے نہ گناہ۔ لہٰذا شیخ خالصی نے جو کچھ احیاء الشریعہ میں تحریر فرمایا ہے کہ ان ذوات مقدسہ سے براہِ راست مدد مانگنا کفر و شرک ہے یہ شیخ صاحب کی اپنی رائے ہے۔ اور ایسے قیاس موالیان اہلبیت کی نظر میں کوئی وقعت نہیں رکھتے جبکہ قرآن و حدیث سے استعانت و طلب امداد غیر خدا سے ثابت ہے مگر اس ہستی سے کہ جس کو خدا خود مقرر کرے۔

شیخ خالصی کی مدح سرائی

چنانچہ اصول الشریعہ صفحہ ۱۶ پر موٴلف نے ان کی شان میں یہ قصیدہ تحریر فرمایا ہے ملاحظہ کیجئے۔ علامۃ العصر حضرت آقا الشیخ محمد الخالصی قدس سرہٗ اپنی کتاب جلیل احیاء الشریعہ فی مذہب الشیعہ جلد ۱ صفحہ ۹ پر رقمطراز ہیں:۔

"یعنی بعض عوام کی زبان پر کچھ ایسے الفاظ جاری رہتے ہیں جو بظاہر توحید کے منافی ہیں اور جن سے غلو کی بُو آتی ہے جیسے ان کا یہ کہنا کہ تمہارا اجر جناب رسولِ خدا کے ذمہ ہے یا حضرت علی یا حضرت فاطمہ یا دیگر ائمہ ہدیٰ کے ذمہ ہے۔ یا ان کا یہ قول کہ حضرت امام حسین تمہیں رزق دیں یا حضرت عباس تمہیں شفا عطا فرمائیں یا اس قسم کے اور الفاظ (جس طرح ہمارے ہاں عوام کہتے ہیں اللہ و پنجتن پاک تمہیں مال اور اولاد دیں، اللہ و پنجتن پاک نے سب کچھ دے رکھا ہے، اللہ و پنجتن پاک آپ کو آباد و شاداب رکھیں وغیرہ) اور بعض لوگ براہ راست جناب رسولِ خدا یا دیگر آئمہ ہدیٰ سے رزق، شفاء اور اولاد یا مکروہات کے رفع کی دعائیں کرتے ہیں۔ پس اگر تو ان الفاظ سے ان لوگوں کا مقصد ان کے حقیقی معنے ہیں اور یہی ان کا اعتقاد ہے کہ یہ ذواتِ مقدسہ ہی یہ کام انجام دیتے ہیں، پھر تو یہ کافر ہیں ان پر تمام احکامات کفر مرتب ہوں گے۔

موٴلف نے شیخ خالصی صاحب کے اس بیان میں اپنی طرف سے جو بریکٹ میں تشریحات فرمائے ہیں وُہ بنظرِ غائر مطالعہ کیجئے۔ کیونکہ ان صاحب نے اللہ و پنجتن پاک کا لفظ تحریر فرمایا ہے اور پھر اس کے قائل کو کافر لکھا ہے خالصی صاحب نے صرف رسول و امام سے مانگنے والوں کو کافر فرمایا تھا۔ مگر ان صاحب نے اللہ و پنجتن پاک سے مانگنے والے کو بھی کافر لکھا ہے۔ ان کی من و عن پھر پڑھیئے۔ حالانکہ جناب امام محمد باقر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہمارے جد امجد حضرت محمد مصطفےٰ نے یہ اجازت دی ہے کہ خدا کے ساتھ ہمیں مشیت خدا میں اس طرح شامل کر سکتے ہو۔ ماشاء اللہ ثم شاء محمدؐ ثم شاء علیؑ۔ یعنی اگر خدا چاہے پھر محمدؐ چاہیں پھر علی چاہیں، تو اس صورت میں کوئی شرک نہیں ہے اور نہ خدا سے برابری و ہمسری ہے۔ لہذا اللہ و پنجتن پاک کو ملا کر دُعا و پکار بھی صحیح ہے اور آئندہ کے لئے انشاء اللہ میں ملا دینا بھی درست ہے۔ اس کے بعد رقمطراز ہیں:۔

اندیشہ ہے کہ کوئی جاہل اس عالم جلیل پر وہابی ہونے کا فتوےٰ نہ لگا دے۔ (اصول الشریعہ صفحہ ۱۶)

موٴلف کو فتوائے وہابی کا اندیشہ کیوں ہوا اور اپنے لئے کیوں نہیں ہُوا جبکہ پنجتن پاک کے ساتھ اللہ کو ملا کر دُعا کرنے والے کو بھی کافر تحریر کر رہے ہیں۔ شیخ خالصی نے صرف لکھا تھا کہ رسولِ خدا اور ائمہ

سے براہِ راست طلب کرنا کفر ہے۔ انہوں نے خدا کو شامل کئے بغیر رسُول و آلِ رسُول سے مانگنا کفر کہا تھا۔ مگر مولف صاحب خدا کو ملا کر مانگنے والے کو بھی کافر لکھ رہے ہیں۔ پھر ان کے لئے اندیشہ کیوں نہ ہو۔ ہماری تحقیق کے مطابق وہابیت کے بجائے آثار ناصبیت کہنا چاہیئے۔

فتوی کفر کا جواب حضرت علامۃ العصر شیخ محمد جواد بلاغی کی تفسیر الاء الرحمن ص۵۹ میں موجود ہے جس کو ہم نے سابق اوراق میں اصول الشریعہ ص۱۴۷ سے من وعن نقل کیا ہے۔

خدا ئے تہار نے ان صاحب سے صاف صاف لکھوا لیا ہے کہ صرف وُہ استعانت یعنی طلب مدد کفر ہے جو غیر خدا کو معبود برحق سمجھ کر طلب کی جائے۔ چنانچہ علامہ بلاغی کی عبارت عربی کا ترجمہ یہ کیا ہے۔

دوسری قسم کی استعانت وُہ ہے جو معبود برحق سے بحیثیت معبود برحق و قادر مطلق ہونے کے طلب کی جاتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ استعانت وُہ ہے جو خدا کے ساتھ مختص ہے۔ کیونکہ اس قسم کی استعانت جب غیر خدا سے حاصل کی جائے تو اس سے اس کا معبود برحق بنانا اور اس کا خدا کے ساتھ شریک ہونا لازم آتا ہے۔ (اصول الشریعہ ص۱۴۹)

ان کی نیت ان کی اس تحریر سے واضح ہو جاتی ہے۔ خود ہی تسلیم کر رہے ہیں کہ کسی کو معبود برحق و قادر مطلق سمجھ کر طلب کرنا خدا کے ساتھ مختص ہے اور اس طریقہ سے استعانت یعنی طلب مدد غیر خدا سے نہیں کی جا سکتی۔ لیکن اگر خلیفۂ خدا، وسیلۂ خدا، حجت خدا، دستِ خدا، عزیز خدا، محبُوب خدا، ولی خدا سمجھ کر مدد طلب کی جائے تو ہرگز نہ کفر ہے، نہ شرک ہے، نہ گناہ ہے نہ حرام۔ اور یہی مطلب ہے ایاك نستعین کا جس کو ہم تفصیل سے بیان کر چکے ہیں یعنی معبود سمجھ کر ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور معبود سمجھ کر تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔

لہٰذا موالیانِ اہلبیت اگر گستاخ مولف کے فتویٰ کفر کے اندیشہ سے پنجتن پاک کے ساتھ اللہ کو بھی شامل کر لیتے تھے اب وُہ ہرگز لفظ اللہ کو شامل نہ کریں بلکہ صرف پنجتن پاک سے مدد مانگیں اور اعتقاد یہ رکھیں کہ ان ذوات مقدسہ کو سب کچھ خدا نے ہی عطا کیا ہے اور یہ اسی قادر مطلق و قیوم برحق کے وسائط ہیں اور خوب چیخ چیخ کر چلّا چلّا کر مانگیے۔ یہی ایمان ہے، یہی دین ہے اور یہی طریقۂ قبولیت ہے۔

قسم اول استعانت کا ترجمہ مولف نے غلط کیا ہے ان کے ترجمہ کی روشنی میں تو بتوں سے مدد مانگنا بھی جائز ہو جائے گا۔ لوگ اگر کسی کو خود وسیلہ مقرر کر کے مدد طلب کریں گے تو ان کے ترجمہ کی بنا پر جائز ہو گا" کیونکہ انہوں نے لفظ خلق کے معنی مخلوق سمجھے ہیں حالانکہ اس عبارت میں خلق و جعل دو لفظ مذکور ہیں اور دونوں مصدری معنی میں مستعمل ہوئے ہیں۔ مگر اس کا ترجمہ مندرجہ ذیل کیا ہے ہم عربی عبارت اور ان کا ترجمہ دونوں پیش کرتے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے۔ اصول الشریعہ ص۱۴۹

" النحو الاول ھو الاستعانۃ بالوسائل المجعولۃ من اللہ لنیل المقصود

التی ھی ومافیہا من التسبیب من جعل اللہ تعالیٰ وخلقہ۔
پہلی قسم استعانت کی وُہ ہے جو خدا وخلق کے ان مقرر کردہ وسائل واسباب سے حاصل کی جاتی ہے جو مقصد برآری کے لئے مقرر ہیں۔"

مولف کے اس ترجمہ کو بنظر غائر پڑھئے تو اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وسائل استعانت کچھ خدا کے مقرر کردہ ہیں اور کچھ خلق کے یعنی تمام وسائل خدا ہی کے مقرر نہیں ہوتے ہیں بلکہ کچھ وسائل خود لوگ مقرر کرتے ہیں اور ان کے مقررہ وسائل سے مدد طلب کرنا صحیح ودرست ہے لہذا اگر کوئی شخص بتوں کو وسیلہ مقرر کرے اور اس کو خدا سمجھ کر نہیں بلکہ وسیلہ سمجھ کر مدد طلب کرے تو ان کے نزدیک صحیح ودرست ہوگا۔ جیسا کہ کافر کہتے تھے کہ ہم نے بتوں کو خدا نہیں بنایا ہے (لیقربونا الی اللہ زلفی)، بلکہ خدا کے تقرب کا ذریعہ بنایا ہے۔

حالانکہ صحیح مطلب اس عبارت کا یہ ہے کہ خداوند عالم نے جن کو حصول مقصد کا وسیلہ مقرر کیا ہے صرف ان ہی وسیلوں سے مدد طلب کرنا جائز ہے۔ یہ وسیلے خدا ہی نے مقرر کئے ہیں اور ان وسیلوں میں حصولِ مقصد کی سببیت خدا ہی نے خلق کی ہے نہ کہ لوگوں نے۔ لہذا خدا کے مقررہ وسیلوں سے استعانت درحقیقت خدا ہی سے استعانت ہے کیونکہ وہی جاعل وسیلہ ہے اور وہی حصول مقصود کے لئے خالق سببیت ہے۔

لہذا خدا نے جن کو وسیلہ حصول مقصد مقرر کیا ہے اسی سے مدد طلب کرنا صحیح ودرست ہے نہ کہ اپنے مقررہ وسائل سے جن کو خود لوگ بنالیں۔ افسوس ہے کہ لوگوں کے خود بنائے ہوئے وسیلوں سے مدد طلب کرنا صحیح ودرست سمجھتے ہیں مگر خدا کے مقررہ وسیلوں سے مدد مانگنا کفر وشرک بتلاتے ہیں اور ان پر احکامِ کفر جاری فرماتے ہیں۔ ایسے اجتہاد پر ہزار ابلیس قربان۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولف صاحب نے عبارتِ عربی کا ترجمہ موالیانِ اہلبیت پر غیظ وغضب کی حالت میں کیا ہے ورنہ ایسے تو گئے گزرے نہیں ہیں کہ عبارتِ عربی کا ترجمہ بھی نہ کرسکیں۔ مگر غصہ میں انسان کا توازنِ دماغی مفقود ہو جاتا ہے۔ لہذا ان کو اپنا فتوائے کفر اپنے ہی قیاسی وسیلوں سے استمداد پر فرمانا چاہئے۔ یہ ہے ناصبیت کی نقد سزا جو بقلم خود مولف صاحب کے سر پر مسلط ہے۔

افعالِ اولیاء وافعالِ خدا میں تفریق کفر ہے

ان الذین یکفرون باللہ ورسلہ ویریدون ان یفرقوا بین اللہ ورسلہ ویقولون نومن ببعض ونکفر ببعض ویریدون ان یتخذوا

بین ذالک سبیلا اولئک هم الکافرون حقا و اعتدنا للکافرین عذابا مهینا۔ (سورۃ نساء)

وہ لوگ جو خدا اور اس کے سفراء کا انکار کرتے ہیں اور یہ ارادہ کرتے ہیں کہ خدا اور اس کے سفراء میں تفریق پیدا کر دیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے اور یہ ارادہ کرتے ہیں کہ اس کا درمیانی راستہ اختیار کریں یہ لوگ بالتحقیق کافر ہیں اور ہم نے کافروں کے لئے اہانت کرنے والا عذاب مہیا کر رکھا ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت علامہ طالقانی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:۔

معصومین علیہم السلام نے بیان فرمایا ہے کہ کسی شخص کو خداوند یکتا کے ساتھ کوئی رابطہ و آشنائی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ انتہائی کمال و جلال و سلطنتِ بے زوال کا مالک ہے اور ہم انتہائی کمزوری و تاریکی و جہالت رکھتے ہیں وہ ہمارے حواسِ ظاہر چشم، گوش، دماغ و زبان اور دست و پا سے نہیں پہچانا جا سکتا اور اسی طرح ہمارے حواسِ باطن بھی اس کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتے اور ہمارے اور اس کے درمیان کوئی سوال و جواب، کوئی گفتگو و مکالمہ بھی نہیں ہو سکتا۔

اور نہ ہمارے اور اس کے درمیان کوئی نامہ و پیام ہی ہے۔

جو شخص تنہائی میں غور و فکر کرے گا اس کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس کے اور خدا کے درمیان کوئی رابطہ و آشنائی نہیں ہے اور براہِ راست اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

خداوند عالم نے اسی تعلق و آشنائی اور رابطہ و واسطہ کو قائم کرنے کے لئے اپنے اور ہمارے درمیان اپنے نائب و خلیفہ اور حکام دائمی مقرر فرمائے جن کو انبیاء و ائمہ کہتے ہیں۔

جس طرح بلا تشبیہ بادشاہانِ دنیا اپنی سلطنت کے انتظام کے لئے دُور و دراز مقامات پر اپنے حکام بھیجتے ہیں کیونکہ ان کی رعایا خود ان کے دربار میں، اور وہ خود اپنی رعایا کے پاس بذاتِ خود نہیں پہنچ سکتے ہیں (البتہ خدا کی قدرتِ کاملہ ہر ایک کی رگ گردن سے بھی قریب ہے مگر ہم اس کی ذاتِ مقدس سے باریابی نہیں رکھتے ہیں)

یہ امر محتاج دلیل نہیں ہے کہ خلیفہ و نائب ہر جہت سے وہی منزلت حکم رکھتا ہے جو بادشاہ کو حاصل ہے یعنی اس کی رضا اُس کی رضا اِس کی اطاعت اُس کی اطاعت اِس کا غضب اُس کا غضب اِس کی مخالفت اُس کی مخالفت اِس کی التفات اُس کی التفات اِس کی بے رخی اُس کی بے رخی، اِس کی بیعت اُس کی بیعت، اِس کی محبت اُس کی محبت، اِس کی عداوت اُس کی عداوت، اِس کی صلح اُس کی صلح اور اس کی جنگ اُس کی جنگ ہے۔

پس اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں خود بادشاہ سے تعلق رکھتا ہوں اور اس کے نائب و خلیفہ کو

حاکم نہیں مانتا ہوں تو درحقیقت اس نے بادشاہ کی مخالفت اور بادشاہ سے سرکشی کی ہے اور ایسا شخص مستحق سزا اور لائق عقوبت ہے کیونکہ وُہ بادشاہ کی سلطنت میں مداخلت کا مرتکب ہے۔ ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے اگر ایسا تسلیم نہ کیا جائے تو پھر خلیفہ و نائب کا مفہوم و مقصد ہی باطل ہو جائے گا۔ لہذا انبیاء و آئمہ علیہم السلام بلا تشبیہہ اسی طرح خدا کے نائب و خلیفہ ہیں جس طرح بادشاہ کی طرف سے مقرر کردہ حاکم ہے۔

خداوند عالم نے اپنے حاکم و نائب کے لئے لفظ خلیفہ ارشاد فرمایا ہے جس طرح حضرت آدم اور حضرت داؤد علیہما السلام کے لئے مذکور ہے۔

یہی مطلب ہے امام جعفر صادق علیہ السلام کی اُس حدیث کا جو تفسیر صافی اور کتاب کافی میں مندرج ہے کہ خدا کی رضا و غضب درحقیقت اس کے اولیاء کی رضا اور غضب ہے (جیسا کہ سابق میں تحریر کیا جا چکا ہے) اور منصب نیابت کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی طرف سے اُس کا نائب حاکم و مطاع ہے اور اس کی مخلوقات اس کے تابع فرمان ہے اور یہی نائب خدا کے فیوض و برکات مخلوقات تک پہنچانے اور مخلوقات کی درخواست خدا تک پہنچانے کے لئے واسطہ ہے اور اس کے بغیر خدا تک نہیں پہنچ سکتے۔ اور خدا کے اوامر و نواہی اور فیوض و برکات مخلوقات تک نہیں پہنچ سکتے۔ اور چونکہ محمدؐ و آل محمد علیہم السلام سے بہتر کوئی نائب و سفیر نہیں ہے اس لئے تمام عالم پر خدا کی طرف سے ان ہی ذوات مقدسہ کی فرمانروائی ہے۔

اور یہ امر واضح ہے کہ دنیا میں گمراہی کا سبب یہی ہے کہ خدا کے سفراء و نائبین کی معرفت و اطاعت حاصل نہیں کی اور اپنی قیاس آرائی پر اعتماد کر لیا اور گمراہ ہو گئے لہذا بغیر سفراء و خلفاء خدا تک پہنچنا محال ہے۔ اور خدا اور سفرائے خدا میں تفریق کرنا کفر ہے۔ اور وُہ تفریق یہ ہے کہ ان کے افعال و اقوال اور احکام کو خدا کے افعال و اقوال اور احکام کا درجہ نہ دیا جائے۔

(کاشف الاسرار ص ۱۶۳)

یہی مطلب ہے توقیع مبارک حضرت صاحب الزمان عجل اللہ فرجہٗ کا جو درحقیقت اس آیت کی تشریح ہے کہ

لافرق بینك وبینهم الا انهم عبادك وخلقك. (علم الیقین و مفاتیح الجنان)

یعنی اے خدا تجھ میں اور محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام میں کوئی فرق اس کے سوا نہیں ہے کہ وُہ تیرے بندے اور تیری مخلوق ہیں۔ یعنی تیری جانب سے وُہ تیری مخلوقات پر تیرے نائب و حاکم ہیں۔ گویا وُہ تو ہے اور تو وُہ نہیں۔

۳ انهم کهو ولیس هو کهم" یعنی حضرات محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام مثل اس کے ہیں امر و

نہیں اطاعت وبیعت ومحبت ونصرت اور قول وفعل اور غیظ وغضب اور رضا وخوشنودی میں مگر وُہ ان کے مثل نہیں ہے نہ ذات میں اور عینیت صفات میں۔

اب اس عقیدہ کے بعد ان ذواتِ مقدسہ سے مدد طلب کرنا درحقیقت خدا سے مُدد طلب کرنا ہے۔ کیونکہ یہ حضرات خدا کے سفراء وخلفاء وحُکام واُمناء ہیں اور ان کے تمام اختیارات خدا ہی کے عطا کردہ ہیں۔ لہٰذا ان حضرات کو اپنے مشکلات وحاجات میں پکارنا آیت مذکورہ پر عمل ہے۔ کیونکہ خدا اور اس کے سفیروں میں تفریق کرنا کفر ہے۔

ان الذین یکفرون باللّٰہ ورسلہ ویریدون ان یفرقوا بین اللّٰہ ورسلہ۔

یعنی جو لوگ کافر ہیں اور خدا اور اس کے سفراء میں تفریق کرتے ہیں وُہ عذاب کے مستحق ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان کو نیابت خداوندی سے کسی وقت بھی علیحدہ نہ کرو۔ عبد مانتے ہوئے تمام کمالات الٰہی کا مظہر اتم تسلیم کرو احیاء وامامت خلق ورزق شفاء وایتاء سب کچھ کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ کیونکہ ان صفات کے معانی کا مقصد ان ہی کے افعال کے ذریعہ سے سمجھا جاتا ہے اور یہی حضرت وسیلۂ معرفتِ ذات وصفات ہیں لہٰذا ان سے براہِ راست مدد طلب کرنا ہی تفریق سے بچنا ہے۔

علی ناصر کل انبیاء سرًّا وجہرًا

لقد ارسلنا بالبینات وانزلنا معھم الکتاب والمیزان لیقوم الناس بالقسط وانزلنا الحدید فیہ باس شدید ومنافع للناس ولیعلم اللّٰہ من ینصرہ ورسلہ بالغیب ان اللّٰہ قوی عزیز۔ ۲۵

(سورۃ حدید پارہ ۲۷)

یقیناً ہم نے اپنے سفیروں کو معجزات دے کر بھیجا اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب اور میزان کو نازل کیا تاکہ لوگ راہِ راست پر قائم رہیں۔ اور ہم نے خاص لوہے کو نازل کیا جس میں سخت رُعب وقوت اور لوگوں کے فائدے ہیں تاکہ خدا کو علم ہو جائے (یعنی لوگوں کو بتا دے) کہ وُہ کون شخص ہے جو خدا اور اُس کے رسولوں کی پوشیدگی کے ساتھ مدد کرتا ہے۔ یقیناً خدا زبردست غالب ہے۔

سابقہ اوراق میں قرآن وحدیث اور دلائل عقلیہ کے ذریعہ ثابت ہو چکا ہے کہ محمدؐ وآل محمدؐ علیہم السلام مخلوقِ اوّل ہیں اور لاشئے سے پیدا ہوئے ہیں اور تمام عوالم میں تعلیم عبادت ان ہی ذوات مقدسہ کا

فیض ہے۔ فرائض نبوت و امامت کی انجام دہی ان ہی حضرات سے متعلق رہی ہے۔ یہی حضرات معدن نبوت اور مہبط سرِ خدا و مرکز ولائت ہیں۔
ملائکہ کو تسبیح و عبادت اور جبرئیلؑ کو تعلیم معرفت خلائق کی نصرت و ہدایت فرماتے رہے ہیں۔
اس آیت میں میزان سے مراد امام ہے جیسا کہ تفاسیر اہلبیت سے ثابت ہے۔ چنانچہ تفسیر قمی ج ۲ ص ۳۵۲ طبع نجف میں ہے۔

قال المیزان الامام۔ یعنی میزان سے مراد امام ہے۔
اور تفسیر البرہان جلد ۲ ص ۱۰۹۳ میں امام محمد باقر علیہ السلام کا ارشاد ہے:۔
نحن المیزان وذالك قول اللہ عزوجل فی الامام لیقوم الناس بالقسط ومن کبر بین یدی الامام وقال لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریك له کتب اللہ له رضوانه الاکبر یجمع بینه وبین ابراھیمؑ ومحمدؐ والمرسلین فی دار الجلال قلت وما دار الجلال قال نحن الدار وذالك قول اللہ عزوجل تلك الدار الآخرة للذین لا یریدون فی الارض ولا فسادا والعاقبة للمتقین قال اللہ عزوجل تبارك اسم ربك ذوالجلال والاکرام نحن جلال اللہ وکرامته التی اکرم تبارك و تعالی العباد بطاعتھم۔
"ہم ہی میزان ہیں جو ہر نبی کے ساتھ بھیجے گئے ہیں تاکہ لوگ راہِ راست پر قائم رہیں۔ اور خدا کا مقصد اس میزان سے امام ہے۔ جو شخص حضورِ امام میں تکبیر کہے اور لا الہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک کلمہ ادا کرے تو خداوند عالم اس کے لئے رضوانِ اکبر لکھ دے گا اور اس کو حضرت ابراہیم و محمد مصطفےٰ و مرسلین کے درمیان دار الجلال میں جمع کر دے گا۔ راوی کہتا ہے میں نے دریافت کیا کہ دار الجلال کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ہم دار الجلال ہیں اور اس کا ذکر خدا کے اس قول میں ہے "یہ دار آخرت صرف ان کے لئے ہے جو زمین میں تکبر و فساد نہیں کرتے ہیں اور عاقبت متقین کے لئے ہے۔ خدا نے فرمایا ہے۔" تمہارے رب کا نام مبارک ہے جو صاحب جلال و اکرام ہے۔" پس ہم ہیں جلالِ خدا اور کرامتِ خدا جن کی اطاعت کی وجہ سے خداوند عالم نے بندوں کو عزت بخشی ہے۔
نیز تفسیر البرہان اور انوار نعمانیہ و مدینۃ المعاجز میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا نصرت انبیاء کرنا ثابت ہے۔ چنانچہ ان کتب متداولہ میں تحریر ہے کہ ایک جنی حضرت رسولؐ کی خدمت میں حاضر تھا کہ جناب امیر المومنین علیہ السلام تشریف لانے لگے وہ جنی

جناب امیرؑ کو دیکھ کر گھبرایا اور اپنے کو چھپانے کے لئے چڑیا کی شکل میں ہو گیا اور کہنے لگا۔ یا رسُول اللہ مجھے پناہ دیجئے۔ حضرتؐ نے دریافت کیا کہ کس سے پناہ چاہتا ہے اس نے عرض کی اس جوان سے جو سامنے سے آرہا ہے۔ حضرتؐ نے فرمایا کیا وجہ ہے اس نے عرض کی یا رسُولؐ اللہ میں کشتیٔ نوح میں سوراخ کرنے لگا تھا کہ کشتی معہ سواروں کے غرق کر دوں۔ میں نے یہ کام شروع ہی کیا تھا اور کشتی طوفان میں تھی کہ یہ جوان ظاہر ہُوا اور ایک ضرب مجھ پر لگائی، میرا ہاتھ کٹ گیا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ "بیشک تُو درست کہتا ہے، یہی وُہ جوان ہے"۔ (مدینۃ المعاجز ص۳ و تفسیر البرہان جلد۲ ص۱۳ و انوار نعمانیہ وغیرہ)

نیز دُوسرا یہ واقعہ تحریر ہے کہ ایک روز جناب رسالتمآبؐ کی خدمت میں ایک جنّی حاضر تھا کہ جناب امیر المومنینؑ تشریف لائے۔ جنّی نے آنحضرتؐ کی خدمت میں استغاثہ کیا اور عرض کی مجھے اس جوان سے بچایئے۔ حضرت نے فرمایا اس جوان نے تیرے ساتھ کیا کیا ہے اس نے عرض کی میں نے سلیمان پیغمبر کے حکم سے سرکشی کی تھی تو انھوں نے کچھ جنات میری گرفتاری کے لئے بھیجے تھے مگر میں اُن کے قابو میں نہیں آیا پھر یہ جوانِ فارس میرے سامنے آیا اور مجھے گرفتار کیا اور مجھے ضرب لگا کر زخمی کر دیا۔ یہ نشان اب تک اس کی ضرب کا موجود ہے"۔ (مدینۃ المعاجز ص۲)

جناب رسالتمآبؐ کی طرف سے جنات پر کچھ سردار مقرر تھے جو آنحضرتؐ سے احکام شریعت و آیاتِ قرآن کی تعلیم حاصل کر کے اپنی قوم کو تعلیم دیتے تھے۔ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد وُہ تمام سرداران جن جناب امیر المومنین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور آپ ہی اُن کو سرداریاں عطا فرماتے تھے اور ان کے جھگڑے چکاتے تھے"۔ (مدینۃ المعاجز ص۲ تفسیر البرہان جلد۲ ص۹۱ میں زیر تفسیر آیۂ :۔

سنشد عضدك باخيك ونجعل لكما سلطانا

تحریر ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ دربارِ فرعون میں داخل ہُوئے اور انہیں کچھ خطرات محسوس ہوئے تو فوراً ایک جوانِ فارس ان کے آگے ہو گیا اور فرعون سے کہا کہ ان دونوں پیغمبروں کی بات سُنو ورنہ تم کو قتل کر دوں گا۔ فرعون نے ڈرتے ہوئے کہا کہ صبح جواب دُوں گا۔ پس جب موسیٰؑ و ہارونؑ دونوں باہر چلے گئے تو فرعون نے پہرہ داروں کو بُلایا اور غصہ میں کہا کہ یہ جوانِ فارس ہمارے دربار میں کس طرح داخل ہو گیا ہماری اجازت کے بغیر۔ پہرہ داروں نے فرعون کی عزت کی قسم کھا کر کہا کہ ان دو پیغمبروں کے سوا اس دروازہ سے کوئی داخل نہیں ہُوا۔ یہ جوانِ فارس ہی علیؑ ہیں جن کے ذریعہ تمام پیغمبروں کی مدد خداوند عالم نے کرائی ہے پوشیدہ طور پر، اور محمدؐ مصطفےٰ کی مدد کرائی

ہے علانیہ طور پر۔ اور یہی علی خدا کا کلمہ کبریٰ ہیں جن کو خدا نے اپنے اولیاء کی مدد کے لئے جس صورت میں چاہا بھیجا ہے اور ان ہی کے ذریعہ مدد کی ہے اور اسی کلمہ کے ذریعہ خدا کے اولیاء دُعا کرتے ہیں اور خدا قبول فرماتا ہے اور انہیں مشکلات سے نجات دے دیتا ہے۔ اسی مطلب کو خداوند عالم نے موسٰیؑ و ہارونؑ کے لئے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے اے مُوسٰیؑ و ہارونؑ ہم تمہارے لئے ایک ایسا طاقت ور جوان اپنے معجزات کے ذریعہ مقرر کرتے ہیں کہ فرعون اور اس کے ہمنوا تم دونوں تک دسترس نہیں ہو سکتے تم اور تمہارے ہی پیرو غالب رہیں گے۔

ابن عباس کہتے ہیں کہ یہ آیت کبریٰ یہی جوان فارس ہے (نیز خود حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام نے فرمایا ہے کہ میں آیت کبریٰ ہوں۔ معراج میں جناب رسالتمآبؐ نے آیت کبریٰ ہی کو دیکھا تھا جیسا کہ آیت کی تفسیر میں معصومین علیہم السّلام کا ارشاد ہے۔)

حضرت علامہ جزائری علیہ الرحمۃ اپنی جلیل القدر کتاب میں تحریر فرماتے ہیں:

محققین جمہور سے صاحب کتاب قدسیات نے جناب رسالت مآبؐ سے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے جناب علی مرتضٰےؑ سے ارشاد فرمایا کہ مجھے میرے رب نے بتایا ہے کہ میں نے علیؑ کو تمام انبیاء کے ساتھ پوشیدہ طور پر بھیجا ہے اور تمہارے ساتھ ظاہری طور پر۔

جناب علامہ جزائری علیہ الرحمہ اس روایت کو نقل فرمانے کے بعد اپنی تحقیق انیق کا یوں اظہار فرماتے ہیں:۔

اقول ھٰذا الذی رواہ من بعثہ علیہ السّلام باطنا قد روی مضمونہ فی اخبار اھل البیت علیھم السّلام عن علی بن ابی طالب دھو اشارۃ الی سر الٰھی فی الغایۃ القصوی من التحقیق۔

یعنی میں کہتا ہوں کہ صاحب قدسیات نے جو حدیثِ رسُولؐ بیان کی ہے کہ خداوند عالم نے حضرت علیؑ کو ہر نبی کے ساتھ باطن میں بھیجا تھا یہی مضمون احادیث اہلبیت علیہم السّلام میں بھی مروی ہے۔ اور یہ انتہائی تحقیق میں خدائی راز کی طرف اشارہ ہے۔ (اسی لئے حضرت علی کا لقب سراللہ فی العالمین ہے یعنی علی خدائی راز ہیں تمام عالمین میں۔ اور یہ خدائی راز علی علیہ السلام کا ہر نبی کے ساتھ بھیجا جانا ہے۔ اس لقب مبارک کو مؤلف نے بھی اصُول الشریعہ میں تحریر کیا ہے۔ یہ حق کی چوٹ ہے جو باطل پر لگائی گئی ہے۔ کیونکہ حضرت علی کی ولایت کا یہ اعجاز ہے کہ منکر مد بھی حضرت کو سراللہ ماننے پر مجبور ہے۔

جناب علامہ جزائری علیہ الرحمہ اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں:۔

حضرت علی علیہ السلام سے جب یہ سوال کیا گیا تھا کہ آپ کی فضیلت انبیاء سابقین علیہم السلام پر کیا ہے جبکہ ان انبیاء علیہم السلام کو بلند معجزات معروفہ عطا کئے گئے تھے تو آپ نے فرمایا:-

فقال علیہ السلام واللہ قد کنت مع ابراھیم فی النار وانا الذی جعلتہ برداً و سلاماً وکنت مع نوح فی السفینۃ فی المھد وعلمتہ الانجیل وکنت مع یوسف فی الجب فانجیتہ من کید اخوتہ وکنت مع سلیمان علی البساط وسخرت لہ الریاح۔

حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا میں حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ تھا جبکہ انہیں آگ میں ڈالا گیا اور میں نے ہی آگ کو گلزار بنایا۔ اور میں جناب نوحؑ کے ساتھ کشتی میں تھا میں نے ہی طوفان سے بچایا۔ میں جناب موسیٰؑ کے ساتھ تھا میں نے انہیں تورات پڑھائی۔ اور میں نے ہی جناب عیسیٰؑ کو نطق عطا کیا اور گہوارہ میں انجیل پڑھائی اور میں ہی حضرت یوسفؑ کے ساتھ کنوئیں میں تھا میں نے ان کو مکر و فریب برادران سے پناہ دی۔ اور میں ہی سلیمانؑ پیغمبر کے ساتھ تھا میں نے تخت سلیمانؑ کے لئے ہواؤں کو تابع فرمان بنا دیا تھا۔

اب قرآن مجید کی آیت (وانزلنا معھم الکتاب والمیزان) میں لفظ میزان یعنی علیہ السلام کا ہر نبی کے ساتھ بھیجا جانا بالکل واضح ہو گیا۔ خداوند عالم نے حضرت علی علیہ السلام کو میزان فرمایا ہے اور ہر نبی کے ساتھ اس میزان کو بھیجا ہے۔

اس کے ساتھ آیت مجیدہ کا دوسرا جزو بھی شامل کر لیا جائے تو استدلال زیادہ واضح ہو جاتا ہے۔ یعنی خدا کا ارشاد ہے

"ہم نے خاص لوہا نازل کیا"

اس سے مراد کتب احادیث اہلبیتؑ میں "ذوالفقار" ہے۔ اور یہ مطلب اتنا واضح ہے کہ حوالہ جات کتب کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی ہے۔ جبرائیلؑ کا کلمہ شجاعت یہی ہے: "لا سیف الا ذوالفقار ولا فتی الا علی"۔

یعنی ذوالفقار کے سوا کوئی تلوار نہیں (جو آسمان سے نازل ہوئی ہو) اور علی کے سوا کوئی جوان نہیں (جس کے قبضہ میں رہ کر کافروں کا خون چوستی ہو)۔

یہ تلوار خداوند عالم نے کتاب کے ساتھ کیوں نازل کی، معصومین علیہم السلام نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی کتاب پر ایمان نہ لائے گا تو یہ آسمانی لوہا یعنی ذوالفقار کلمہ پڑھوائے گی۔

حضرات معصومین علیہم السّلام نے فرمایا ہے یہ ذوالفقار حضرت علی علیہ السلام کو دی گئی ہے اور خدا نے دُنیا کو بتا دیا ہے کہ یہی وُہ مرد ہے جو خدا کی نصرت اور تمام رسُولوں کی نصرت کرتا ہے جیسا کہ آیت کے الفاظ ہیں:

ولیعلم اللہ من ینصرہ و رسلہ۔ یعنی یہ مرد وُہ ہے جو نصرتِ خدا اور نصرت رُسُل کرتا ہے۔

اس آیت میں رسُول کا لفظ نہیں ہے بلکہ "رُسُل" کا لفظ ہے۔ اور صیغۂ جمع ہے اور یہ مردِ ناصر واحد ہے۔

"مَنْ" یعنی وُہ مرد "ینصرہٗ" جو نصرتِ خدا کرتا ہے اور "وَ رُسُلَہٗ" اور اس کے رسُولوں کی مدد کرتا ہے۔ یہ صاحبِ ذوالفقار تنہا ہے۔ مرد واحد ہے خدا کے رسُولوں کا مددگار ہے"۔

ایک مرد کا تمام رسُولوں کی مدد کرنا اُسی وقت درُست ہو سکتا ہے کہ یہ صاحبِ ذوالفقار اُن سب رسُولوں کے ساتھ ہو اور ہر ایک رسُول کے زمانہ میں موجود ہو اور یہ اُسی وقت درست ہوگا کہ آخری پیغمبرؐ کے ساتھ جب ظاہر میں آیا ہے تو یقیناً باقی پیغمبروں کے ساتھ باطن و پوشیدہ طور پر ہی آیا ہے۔ یہ مطلب اور زیادہ واضح ہو جاتا ہے جب فعل "یَنْصُرُ" کے ساتھ آیت کا لفظ "بِالْغَیْبِ" متعلق کر دیا جائے۔ یعنی یہ مرد رسُولوں کی نصرت کرتا ہے غیب کے ساتھ یعنی پوشیدہ ہو کر کیونکہ یَنْصُرُہٗ کے بعد رُسُلَہٗ ہے اور اسی کے ساتھ متصل "بالغیب" یعنی یہ مرد صاحبِ ذوالفقار مدد کرتا ہے رسُولوں کی پوشیدہ طور پر۔

لہٰذا آیاتِ قرآن و احادیثِ معصومین علیہم السّلام سے ثابت ہے کہ حضرت علی علیہ السلام جب تک اپنی خلقتِ نوری رُوحانی میں رہے تمام پیغمبروں کی پوشیدہ طور پر مدد کرتے رہے۔ اور جب ظاہری جسمانی شکل میں تشریف لائے تو رسالتمآبؐ کی مدد کرتے رہے۔

خداوند قہار نے مولف صاحب سے بھی اس مطلب کو کتاب احسن الفوائد میں لکھوا لیا ہے کہ ان کی وجودی حیثیت دو قسم کی ہے ایک باطنی اور دوسری ظاہری چنانچہ کتاب احسن الفوائد ص ۳۸۴ پر رقمطراز ہیں:۔

"انبیاءؑ کی خلقت بھی نور سے ہوئی ہے جیسا کہ "اوّل ما خلق اللہ نوری" وغیرہ احادیث اس مطلب پر دلالت کرتی ہیں ہاں چونکہ ان کی "ظاہری" خلقت میں عنصرِ طینی بھی شامل ہے اس لئے ان کی خلقت کو بعض اوقات طین کی طرف بھی منسوب کر دیا جاتا

ہے۔اس مطلب کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جسے علامہ جزائری نے انوارِ نعمانیہ میں درج کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ فریقین کی کتب میں موجود ہے۔اس کا حاصل یہ ہے کہ ایک مرتبہ جبرائیلؑ جناب سیدہؑ کے دولت سرا پر حاضر ہوئے۔اثنائے گفتگو میں جناب سیدہؑ نے ان کو یا عم (چچا) کہہ کر خطاب کیا۔جب جبرائیلؑ جناب رسولِ خداؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے جناب سیدہؑ کا ان کو عم کہہ کر خطاب کرنے کا تذکرہ کیا اور بطورِ تعجب کہا یہ کس طرح ہو سکتا ہے جبکہ ہماری خلقت نور سے ہے اور آپ کی خلقت طین سے ہے۔آنجنابؐ نے فرمایا جناب فاطمہؑ نے سچ کہا ہے یا جبرئیل۔

"نحن ایضاً مخلوقون من النور"۔ اے جبرئیل ہم بھی نور سے پیدا ہوئے ہیں۔
پھر جناب نے حضرت علیؑ کو بلایا اور اپنی پیشانی اقدس کو انکی پیشانی اطہر پر رگڑا۔اس سے اتنا نور ظاہر ہوا کہ جس سے آنکھیں خیرہ ہو جائیں۔آنجنابؐ نے فرمایا اے جبرئیل اس نور کو پہچانتے ہو؟ جبرئیلؑ نے عرض کیا ہاں "ھذا النور الذی کنا نراہ فی قوائم العرش" یہ وہی نور ہے جسے ہم قوائم عرش پر دیکھا کرتے تھے۔تب جنابؐ نے فرمایا اسی لئے جناب فاطمہؑ نے تجھے یا عم کہا ہے۔اس واقعہ پر اگرچہ جناب رسالتمآبؐ اور ان کی آل اطہار کا تذکرہ ہے لیکن بطور تنقیح مناط معلوم ہے کہ تمام انبیاء کی خلقت اسی طرح ہوئی ہے پس معلوم ہوا کہ یہ مفاضلہ فقط نورانی اور جسمانی میں نہیں ہے بلکہ ایک طرف فقط نورانیت ہے اور دوسری طرف نورانیت و جسمانیت دونوں ہیں اور ظاہر ہے کہ اگر ایک طرف فقط نور اور دوسری طرف نور اور جسم دونوں ہوں اور جسمانیت روحانیت کے محکوم و تابع ہو تو اس صورت میں عقلِ سلیم محض نورانی کے مقابلہ میں اُسی شئے کو ترجیح دے گی جو نورانیت و جسمانیت دونوں کی جامع ہے۔اِن حقائق سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام بشریت و ملکیت دونوں کے جامع ہوتے ہیں۔اور ان کی قوتِ ملکیتہ و روحانیہ ملائکہ کی رُوحانیت سے بدرجہا بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔

مولف صاحب نے خود اپنے قلمِ حق پوش سے اظہارِ حق کر دیا ہے اور یہ معصومین علیہم السلام کا اعجاز ہے۔ہم نے من و عن اُن کی عبارت درج کر دی ہے جس میں صاف طور پر اقرار ہے کہ جناب رسالتمآبؐ و علی مرتضےٰؑ اُس نور سے مخلوق ہیں جو جبرئیلؑ سے پہلے عرش پر موجود تھا اور جبرئیلؑ نے اقرار کیا ہے کہ ہم اسی نور کو دیکھا کرتے تھے۔یہ نور دو حصوں میں تقسیم ہو کر محمدؐ و علیؑ کی شکل میں اس وقت ظاہر ہوا جب جسمانی طور پر اُن کا ظہور ہوا اور ان کو جسم کی طرف بھی نسبت دی جانے لگی۔مگر

درحقیقت یہ باطنی طور پر نُور ہیں اور ان میں جو قوت موجود ہے وُہ فرشتوں سے بڑھ چڑھ کر بڑھی ہوئی ہے۔

اس بیان نے ہمارے مقصد کو بالکل واضح کر دیا کہ باطنی طور پر یہ موجود رہے ہیں اور اصلاب طاہرہ وارحام مطہرہ میں اپنی رُوحانی قوتوں کے ساتھ ان کا وجود حقیقی رہا ہے اور ظاہری طور پر مکہ میں جسمانی شکل میں تشریف لائے ہیں اور ظاہری نصرت کا تعلق جسمانی ظہور سے ہے اور باطنی نصرت کا تعلق رُوحانی ظہور سے ہے۔

اس عبارت سے ایک دُوسرا مقصد بھی واضح ہو گیا کہ مولف صاحب نے محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام کی حقیقی خلقتِ نوری کو تسلیم کر لیا اور ظاہری جسمانی خلقت کو ملا کر بشریت و رُوحانیت دُو جز و تسلیم فرمائے اور یہ بھی قبول کر لیا کہ ان کا رُوحانی جز و جبرئیل سے پہلے موجود تھا۔ اور ظاہری خلقت میں عنصرِ طینی شامل ہوا ہے۔ یعنی یہ بعد میں ملا ہے اور یہ دونوں مل کر نبی و امام کہلائے ہیں۔ جُداگانہ نوع کا مطلب بھی یہی ہے جس کے لئے ہم نے بار بار تنبیہہ کی ہے۔ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ۔ ہم باطل پر حق کی ایسی چوٹ لگاتے ہیں کہ باطل کا بھیجا نکل جاتا ہے۔"

آیاتِ قرآنیہ واحادیثِ معصومین علیہم السلام سے ثابت ہے کہ مردِ فارس صاحب ذوالفقار مصداقِ لافتیٰ نے باطنی طور پر تمام انبیاء کی نصرت کی ہے اور آنحضرتؐ کی ظاہری طور پر۔

مؤلف کا دبی زبان سے اقرار بھی قابلِ غور ہے۔ چنانچہ اصول الشریعہ ص۱۴۷ پر تحریر فرماتے ہیں:

"یہ بھی ممکن ہے کہ عالمِ ارواح میں سیّدِ اولیاء کو بھیج کر اپنے کسی برگزید نبی کی امداد فرمائی ہو۔ وما ذالك على الله بعزيز۔"

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ عالمِ ارواح میں انبیاء کا مدد کرنا سیّد اولیاء حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کے لئے رد نہیں کیا جا سکتا۔ اور خداوند عالم ایسا کرنے پر قادر ہے اور اس کے لئے یہ کوئی مشکل بات نہیں ہے۔

پس جب یہ اقرار ہے تو موالیانِ اہلبیت سے کیوں تکرار ہے اور حضرت شاہِ مرداں کی نصرت سے کیوں انکار ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ صفتِ نصرت ان کی ولائت کا اثر ہے۔ یا علی مدد ہماری گھٹی میں ہے۔ علی اور مدد لازم و ملزوم ہیں۔ مولف صاحب اس سے ... بلکہ خائب و خاسر ہیں۔

❖ ❖ ❖

اللہ کی طرف سے ہیں مشکل کشا علی!

ہم نادِ علی کے ذریعہ بڑی بڑی مشکلیں حل کرا لیتے ہیں حاجتیں پوری کرا لیتے ہیں۔ مگر مولف صاحب بقول علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ عدمِ معرفت اہلبیت کی وجہ سے قاصرین و عاجزین میں شامل ہیں اور اُن کے ہم مشرب ساتوں مولوی صاحبان معہ خالصی صاحب کے ان فیوض و برکات سے محروم ہیں۔ ہم اُن کے لئے دُعائے ہدایت کے سوا اور کیا کر سکتے ہیں۔ مگر جب یہ لوگ سرکار محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام کی شان میں گستاخی پر اُتر آتے ہیں تو ہم بھی بے شمار پر اُتر آتے ہیں۔

نادِ علی کے برکات

جناب علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے حیات القلوب میں تحریر فرمایا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے حیات القلوب جلد ۲ صفحہ ۵۶۳ طبع لکھنؤ۔

شارح دیوان حضرت امیر نے قصہ لافتی بیان کرنے کے بعد بسند ہائے بسیار روایت کی ہے اور پھر جنگِ اُحد میں نہ ندا آئی :-

نادعلیا مظہر العجائب + تجدہ عونا لک فی النوائب + کل ہم و غم سینجلی + بولایتک یا علی یا علی یا علی +

(مؤلف فرماتے ہیں) مشہور یہ ہے کہ نادِ علی کی ندا جنگ خیبر میں آئی تھی جیسا کہ اس کے بعد مذکور ہوگا انشاء اللہ۔

جناب علامہ مجلسی علیہ الرحمہ کتاب بحار الانوار جلد ۱ باب غزوۂ اُحد میں تحریر فرماتے ہیں :-

عکرمہ نے حضرت علی علیہ السلام سے اور جناب امیرؑ نے جناب رسولِ خدا سے روایت کی کہ آنحضرتؐ نے فرمایا اے علیؑ تم اپنی مدح و ثنا سماعت کر رہے ہو۔ ایک فرشتہ جس کا نام رضوان ہے وُہ اعلان کر رہا ہے لا سیف الا ذوالفقار و لافتی الا علی۔ راوی کہتا ہے کہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آنحضرتؐ کو اسی روز یہ ندا کی گئی : نادعلیا مظہر العجائب + تجدہ عونا لک فی النوائب + کل ہم و غم سینجلی + بولایتک یا علی یا علی یا علی +

بعض حضرات نے کہا ہے نادِ علی میں لفظ ھمّ سے مراد وُہ فکر ہے جو مشکل و مصیبت میں پیدا ہوتی ہے جس کے پیدا ہونے سے انسان خوف زدہ ہوتا ہے اور اس کے رفع ہونے کی اُمید کرتا ہے۔ اور لفظ غم سے مراد ہے جس میں یہ فکر نہیں ہوتی ہے۔ کیونکہ وُہ گزشتہ معاملہ سے تعلق رکھتا ہے۔" کلام شارح ختم ہُوا۔"

کتاب تحفہ احمدیہ باب ۶ جلد ۲ ص ۱۸۴ مصدقہ جناب ناصر الملۃ علامہ سید ناصر حسین صاحب قبلہ علیہ الرحمہ میں تحریر ہے" اور کھوئی ہوئی چیز دستیاب ہونے کے لئے اور گم شدہ کے لئے نادِ علی کا مکرر پڑھنا باعثِ حصولِ مطلب ہے اور وہ یہ ہے نادعلیا مظہر العجائب۔ تجدہ عونالك فی النوائب + کل ھم وغم سینجلی۔ بولایتك یا علی یا علی یا علی "

کتاب مصباح کفعمی (جنۃ واقیتہ) میں نادِ علی کے خواص مذکور ہیں۔

نیز کتاب مناقب صالح کشفی، کتاب احسن الانتخاب علی حیدر، کتاب شرحِ دیوان حضرت علیؑ کتاب مدارج النبوۃ جلد ۲ ص ۱۲۲ میں نادِ علی کے خواص و آثار موجود ہیں۔

تفسیر آیات الامامہ جلد دوم ص۱۱ طبع ایران میں ہے:۔

جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت امیر المومنین علیہ السلام کو" ذوالنعم " کا لقب عطا فرمایا تھا۔ چنانچہ بزرگانِ دین سے مندرجہ ذیل رباعی وارد ہے اور اس کے خواص میں تحریر ہے کہ جو شخص حصولِ مطلب و حاجت کے لئے اس رباعی کو مطابقِ عددِ نام حضرت علی علیہ السلام یعنی ایک سو دس مرتبہ پڑھے اور اپنا رُخ قبرِ مبارک حضرت امیر کی طرف کر کے پڑھے خواہ نزدیک ہو یا دُور، تو بعون اللہ اُس کی حاجت پوری ہوگی۔ رباعی یہ ہے:۔

يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ يَاذَا النِّعَمِ يَا اِمَامَ الْمُتَّقِيْنَ يَاذَا الْكَرَمِ

اِنَّمَا جِئْنَاكَ فِيْ حَاجَاتِنَا لَا تُخَيِّبْنَا وَقُلْ فِيْهَا نَعَمْ

ترجمہ:۔ اے امیر المومنین صاحبِ نعمات! اے امام المتقین صاحبِ کرم! ہم آپ کی خدمت میں اپنی حاجتیں لے کر حاضر ہیں۔ آپ ہمیں مایوس نہ فرمائیے بلکہ فرمائیے کہ ہاں منظور ہیں"۔

جناب رسالتمآبؐ نے جنگِ تبوک میں حضرت علی علیہ السلام کو مدینہ کی طرف رُخ کر کے بامرِ خدا پکارا ہے اور علیؑ مدینہ سے فوراً مدد کے لئے تبوک تشریف لائے ہیں جیسا کہ سابق اوراق میں تحریر کیا جا چکا ہے۔

جناب علامہ طبرسی نے احتجاج ص ۲۵۴ پر حضرت حجت عجل اللہ فرجہٗ کی توقیع مبارک تحریر فرمائی ہے اس میں جناب شیخ مفید کو تحریر فرمایا ہے کہ ہماری" برکت" سے خداوند عالم ہمارے شیعوں کو جمع کرے گا۔

نیز کتاب احتجاج طبرسی میں ص ۲۵۲ پر حضرت صاحب الامرؑ کی توقیع مبارک میں تحریر ہے کہ جب تم ہماری طرف توجہ کرو تو اس طرح ہمیں پکارو:۔

"السلام علیك ایها الغوث والرحمۃ الواسعۃ"

اس توقیع مبارک میں امام کے لئے لفظ" غوث" موجود ہے لہٰذا ان کو فریاد کرکے پکارنا

ان ہی کی تعلیم ہے ان حضرات میں فضل وکرم برکت ورحمت موجود ہے بلکہ خود رحمت واسعہ ہیں اور مفزع العباد ہیں یعنی بندوں کی جائے پناہ ہیں۔

فرشتوں کی طرح جنات بھی خادم ہیں!

احتجاج طبرسی ص۱۱۲ میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا احتجاج طویل یہودیوں کے مقابلہ میں مندرج ہے حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا:۔

لقد اعطی محمدؐ افضل من ھٰذا ان الشیاطین سخرت لنبوۃ محمدؐ الشیاطین بالایمان فاقبل الیہ من الجن التسعۃ من اشرافھم واحد من جن نصیبین والثمان من بنی عمرو بن عامر الاحجۃ منھم شضاہ ومصاہ والھملکان والمرزبان والمازمان ونضاہ وھاضب وھضب وعمروٌ ھم الذین یقول اللہ تبارک اسمہ فیھم واذصرفنا الیک نفرا من الجن یستمعون القراٰن وھم التسعۃ فاقبل الیہ الجن والنبیؐ ببطن النخل فاعتذروا بانھم ظنوا کما ظننتم ان لن یبعث اللہ احدا ولقد اقبل الیہ احد وسبعون الفا منھم فبایعوہ وھذا افضل مما اعطی سلیمان سبحان من سخرھا لنبوۃ محمدؐ بعد ان کانت تتمرد وتزعم ان اللہ ولدا ولقد شمل مبعثہ من الجن والانس مالا یحصی۔

حضرت رسالتمآبؐ کو خداوند عالم نے جو کچھ عطا کیا ہے وُہ سلیمان پیغمبرؑ سے کہیں زیادہ ہے سلیمانؑ پیغمبر کے لئے جنات مسخر تھے مگر وُہ کفر کی حالت میں رہے۔ اور آنحضرتؐ کے لئے جنات مسخر تھے مگر وُہ ایمان لائے۔ چنانچہ نو۹ نفر سرداران جن آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ایک سردار قوم نصیبین میں سے تھا اور آٹھ بنی عمرو بن عامر میں سے تھے۔ ان کے نام یہ ہیں:۔ شضاہ، مضاہ، ہملکان، مرزبان، مازمان، نضاہ، ھاضب، ھضب، عمروؒ۔ ان ہی جنات کے بارے میں خداوند عالم کا ارشاد ہے:

ترجمہ آیت:۔ اور ہم نے تمہاری طرف بھیج دیئے کچھ افراد جنات میں سے جو بغور قرآن کو سُنتے تھے، اور یہ نو۹ نفر سرداران جن تھے۔ جب آنحضرتؐ بطن نخل میں تشریف فرما تھے انہوں نے قرآن مجید سُن کر اپنا عذر پیش کیا کہ ہم بے خبر تھے ہمیں علم نہ تھا کہ خدا نے نبی بھیجا ہے۔ پھر یہ سرداران جن اپنی قوم کو لے کر حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مسلمان ہو گئے۔ ان کی تعداد اکہتر ہزار تھی۔

جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ وُہ فضیلت ہے جو سلیمان کو حاصل نہیں تھی۔ ہر عیب سے پاک ہے وُہ ذات جس نے ان جنات کو محمد مصطفےٰؐ کے لئے مسخر کر دیا۔ پہلے یہ جنات سرکش تھے اور خدا کے لئے ولد (یعنی لڑکا) کے قائل تھے۔ جناب رسالت مآبؐ کی بعثت جن و انس دونوں کے لئے ہے۔ جنات کا شمار ہی نہیں کیا جا سکتا۔

حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ میں بحکم رسُولؐ جنات کو شریعت کے احکام سکھاتا ہوں اور میں ہی ان کی تبلیغ پر مامور تھا۔ قومِ جنات میں مومن بھی ہیں اور کافر بھی۔ یہودی بھی ہیں اور مجوسی بھی۔ نصاریٰ بھی ہیں اور ناصبی بھی۔

احتجاج طبرسی صؐ ۴۶ پر ہے کہ جناب امیرالمومنین علیہ السلام نے خلافتِ رسُولؐ کے دعویداروں سے فرمایا کہ بتاؤ کہ تم میں سے کسی کو آنحضرتؐ نے احکامِ شریعت پہنچانے کے لئے قومِ جنات کی طرف بھیجا ہے سب نے اقرار کیا کہ نہیں۔ پھر کیونکر ایسے لوگ خلیفہ ہو سکتے ہیں جو آنحضرتؐ کی اُمت کو دیکھ بھی نہیں سکتے۔

جناب رسالتمآبؐ کی جانب سے قومِ جنات پر سردار مقرر تھے جُدا جُدا قبیلوں کے جُدا جُدا سردار تھے اور وُہ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے حضرت امیرالمومنین علیہ السلام ان کے پاس بھی جاتے رہتے تھے۔ بیر العلم کی جنگ کافر جنات ہی سے ہوئی تھی۔ انشاءاللہ مکمل حالات قومِ جن آیندہ مفصل طور پر پیش کئے جائیں گے۔

ایک مغالطہ کا ازالہ

مؤلفِ اصُول الشریعہ نے حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کے آسمان کی طرف تشریف لے جانے اور ملاء اعلےٰ کا قضیہ چکانے اور واپس تشریف لانے اور ذوالفقار سے خون ٹپکنے والی روایت پر غلط تبصرہ فرمایا ہے۔ کیونکہ اس روایت میں فرشتوں کا ذکر ہی نہیں ہے بلکہ آسمان اور زمین کے درمیانی مخلوق کا ذکر ہے اور جانبِ آسمان تشریف لے جانے کا ذکر ہے نہ کہ آسمان پر فرشتوں کا جھگڑا چکانے کا۔

اس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نے قومِ جن کا جھگڑا چکایا ہوگا نہ کہ فرشتوں کا جو معصوم ہیں اور جھگڑا نہیں کرتے ہیں۔ اور قومِ جن میں کافر، یہودی، نصاریٰ بلکہ ناصبی بھی ہیں جو مومن جنات کے دشمن ہیں۔ لہٰذا بہت ممکن ہے کہ ان کا فیصلہ کرنے تشریف لے گئے ہوں، نہ کہ ملائکہ کا۔ لہٰذا مولف صاحب کو چاہئیے کہ وُہ فضائل اہلبیت کو اگر نہ سمجھ سکیں تو یہ معاملہ ان ہی ذواتِ مقدسہ کی سپُرد کر دیں، اپنے خیال و قیاس سے رد نہ کیا کریں۔ کیونکہ یہ مومن متدین

کی شان کے خلاف ہے جیسا کہ حضرت علامہ مجلسی علیہ الرحمہ کی نصیحت ہے جن کے مقابلہ میں یہ صاحب خاکِ پا کے برابر بھی نہیں۔

ثبوت فضائل و مراتب اہلبیت عصمت کے لئے خبر واحد کافی ہے۔

مؤلف صاحب کو یہ غلط فہمی ہوگئی ہے کہ عقائد کے معاملہ میں جب تک خبر متواتر نہ ہو اس وقت تک کسی چیز کو عقیدہ قرار دینا غلط ہے۔

حالانکہ خود ان کا یہ فیصلہ غلط ہے۔ کیونکہ فضائل و کمالات اور مراتب و مقامات محمدؐ و آل محمد علیہم السلام کے لئے قرآن و حدیث اور دلائل عقلیہ سے ثابت ہے کہ ان ذوات مقدسہ میں وُہ تمام کمالات موجود ہیں جو جستہ جستہ دیگر انبیاء علیہم السلام کو عطا ہوئے ہیں بلکہ ان سے بھی زائد بلکہ ان حضرات کا مقابلہ کسی بھی مخلوق سے نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ اول المخلوقات و افضل الموجودات ہیں اور یہ مسلّم ہے کہ اوّل المعلولات اقوی المعلولات ہوتا ہے لہٰذا ہر کمال میں افضل الخلائق ہیں۔

اس عقیدۂ حقہ اور اس دلیل محکم و برہان مستحکم کے بعد کسی کمال سے ان ذوات قدسیہ کو محروم سمجھنا اور اخبار احاد کا بہانہ پیش کرنا سخت نالائق ہے۔ اسی لئے جناب علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے۔

وما ورد من الاخبار الدالة علی ذالك كخطبة البيان وامثالها فلم توجد الا فی كتب الغلاة واشباههم مع انه يمكن حملها علی ان المراد بها كونهم علة غائية لا يجاد جميع المكوفات وانه تعالیٰ جعلهم مطاعا فی الارضين والسموات و يطيعهم باذن الله تعالیٰ كل شئ حتی الجمادات وانهم اذا شاؤا امرا لا يرد الله مشيتهم لكنهم لا يشاؤن الا يشاء الله۔ (مرآة العقول شرح اصول کافی جلد ۱ صـ ۱۹۲ و بحار الانوار جلد ۷ صـ ۳۹۵)

یعنی جو احادیث وارده اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ ذوات مقدسہ تمام مخلوقات پر حکمران ہیں اور تمام امورِ کائنات خداوند عالم نے ان حضرات کے سپرد کر دیئے ہیں جیسا کہ خطبۃ البیان اور اسی قسم کے دیگر احادیث سے ثابت ہوتا ہے۔ تو یہ چیز اگر غالیوں ہی کی کتابوں میں مرقوم ہو تب بھی اس کو رد نہیں کرنا چاہئے کیونکہ ان اخبار و احادیث کا صحیح مقصد یہ ہو سکتا ہے کہ یہ حضرات جمیع موجودات کی علت غائی ہیں۔ اور خداوند عالم نے موجودات کے لئے ان حضرات کو حاکم و مطاع قرار دیا ہے۔ کل زمین و آسمان کا حاکم بنایا ہے اور کل کائنات باذن اللہ اُن کی مطیع و فرمانبردار قرار دی ہے۔ حتی کہ جمادات بھی تابعِ حکم ہیں اور خداوند عالم

ان ذوات عالیہ کی مشیت وارادہ کو رد نہیں کرتا ہے۔ اور یہ چاہتے بھی وہی ہیں جو خدا چاہتا ہے۔ اس لئے خطبۃ البیان اور اسی قسم کے دیگر روایات کو رد نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ ان کا حمل صحیح و درست معنی پر ہو سکتا ہے۔ اس تحقیق انیق حضرت علامہ مجلسی سے ثابت ہے کہ یہ حضرات کل عالمین کے حاکم ہیں کیونکہ ہر کمال میں جمیع موجودات سے افضل و اکمل ہیں لہٰذا ان کی کسی بھی فضیلت وشرف کے لئے خبر واحد کا بہانہ جہالت ہے۔

نیز جناب علامہ موصوف اسی بیان کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں:۔

قد ورد فی اخبار کثیرہ لا تقولوا فینا رباً و قولوا ما شئتم ولن تبلغوا و ورد ان امرنا صعب مستصعب لا یحتملہ الا ملک مقرب او نبی مرسل اومومن امتحن اللہ قلبہ للایمان و ورد لو علم ابو ذر ما فی قلب سلمانؑ لقتلہ وغیر ذالک مما مر و سیاتی فلا بد للمومن المتدین ان لا یبادر برد ما ورد عنھم من فضائلھم و معجزاتھم ومعالی امورھم الخ

بالتحقیق احادیث کثیرہ میں موجود ہے کہ اے شیعو تم ہمیں رب نہ کہو اور جو دل چاہے کہو مگر پھر بھی تم ہماری شان تک نہیں پہنچ سکتے ہو اور نہ ہماری فضیلت کا حق ادا کر سکتے ہو جس کے ہم مستحق ہیں۔ اور یہ حدیث بھی (کئی اماموں سے) وارد ہے کہ ہماری شان فی نفسہٖ مشکل اور اس کا سمجھنا بھی دشوار ہے۔ کوئی شخص ہماری شان کو برداشت نہیں کر سکتا مگر ملک مقرب و نبی مرسل اور وہ مومن جس کا خدا امتحان لے چکا ہو اور وہ ایمانی امتحان میں پاس ہو چکا ہو۔ پس یہ تین قسم کے حضرات برداشت کر سکتے ہیں (مُلا اس میں شامل نہیں ہے) اور یہ حدیث بھی موجود ہے کہ اگر ابوذر کو علم ہو جائے جو کچھ سلمان کے دل میں ہماری شان ہے تو ابوذر قتل کر دیں۔ (نیز سلمان نے کہا ہے کہ میں جو شانِ اہلبیت جانتا ہوں اس میں سے کچھ بیان کر دوں تو لوگ مجھے مجنون کہہ دیں گے اور میرے قاتل کی مغفرت کے لئے دعا کریں گے۔ احتجاج طبرسی، ایسی ہی کافی احادیث موجود ہیں جن میں سے کچھ تحریر کی جا چکی ہیں اور کچھ آئندہ تحریر کی جائیں گی۔

لہٰذا دیانت دار مومن پر لازم ہے کہ جلد بازی میں کسی حدیث کی رد نہ کرے جو ان کے فضائل و معجزات اور بلندیٔ شان میں ان حضرات سے وارد ہوئی ہیں (بحار الانوار)

علامہ مجلسی غواص بحار اخبار کو فضائل و کمالاتِ اہلبیت کے رد کرنے کی ہمت نہیں

جناب علامہ مجلسیؒ جیسی بلند پایہ ہستی نے یہ جرأت و ہمت نہیں کی ہے کہ فضائل اہلبیت کی کسی روایت کو رد کر دیں خواہ وُہ روایت غالیوں ہی سے کیوں نہ مروی ہو بلکہ خطبۃ البیان ہی کیوں نہ ہو کیونکہ ان روایات کا جب صحیح محمل اور درست مطلب ممکن ہے تو اس کی رد کے بجائے اس کا صحیح مطلب سمجھنے کی کوشش کرنا چاہئے۔ اور سمجھ میں نہ آئے تو ان ہی حضرات کے حوالہ کر دینا چاہئے؛ رد کرنے کی جسارت و جرأت نہ کرنی چاہئے۔ جب علامہ موصوف جیسی ہستی نے اپنی تحقیق انیق میں رد فضائل اہلبیت سے منع کیا ہے اور جو شخص فضیلتِ اہلبیت کو رد کرنے کی جسارت و جرأت نہ کرے اس کو دیانتدار مومن کہا ہے اور جو شخص جلد بازی سے رد کرے اس کو دیانتداری سے خارج کر دیا ہے۔ مولف نے بھی جناب علامہ موصوف کے لئے اقرار نامہ لکھ دیا ہے کہ علامہ موصوف سے افضل کوئی محدث نہیں ہے اور ان کے بیان کی کوئی رد نہیں کر سکتا جیسا کہ ہم کتاب اصُول الشریعہ سے نقل کر چکے ہیں۔ پھر ہمیں حق حاصل ہے کہ ہم علامہ مجلسی جیسی ہستی کے مقابلہ میں کہہ سکتے ہیں کہ یہ گستاخ مولف صاحب کس کھیت کی مولی ہیں۔

لہٰذا خطباء و ذاکرین جناب علامہ سید محمد سبطین صاحب مرحوم کے مضامین کو بلاخوف و خطر ناصبیوں کے علم الرغم بیان کریں اور ان کے صحیح تاویلات کو ضرور پیش کریں جو علامہ سرسوی مرحوم نے اپنی قابلیت سے مطابق ارشاد علامہ مجلسی علیہ الرحمہ تحریر فرمائی ہیں خدا و پنجتن پاک انہیں اس کا اجر عطا فرمائیں۔ میں نے اگرچہ کوکب دری نہیں پڑھی ہے مگر مولف صاحب کے اعتراضات سے آشنا سمجھتا ہوں کہ اس میں خطبۃ البیان کے صحیح محامل پیش کئے گئے ہوں گے۔ چنانچہ مولف نے مندرجہ ذیل تبصرہ اپنی کتاب احسن الفوائد میں تحریر کیا ہے جس کو ہم من و عن درج کر رہے ہیں۔ (احسن الفوائد ص۴۳۶ و ص۴۳۷)

"پس جب خطبہ کے غیر معتبر ہونے کی یہ کیفیت ہو آیا کوئی عقلمند دیندار اپنے عقائد کی دیوار کو اس پر استوار کر سکتا ہے۔ ہمیں رہ رہ کر تعجب ہوتا ہے کہ حضرت مولانا سید محمد سبطین صاحب سرسوی اعلے اللہ مقامہٗ پر جنہوں نے کوکب دری پر ۹۲ صفحات پر مشتمل ایک مبسوط مقدمہ محض اس خطبہ کے فقرات کی تاویلات کے بارہ میں لکھ دیا مگر یہ خیال نہ فرمایا کہ جس خطبہ کے فقروں کی تصحیح و تاویل کے لئے اس قدر سعی بلیغ کر رہے ہیں۔ آیا یہ حضرت

امیر علیہ السلام کا خطبہ ہے بھی سہی آیا اس کی کوئی ایسی اسناد ہے جس پر اعتماد ہو سکے۔؟
کیونکہ عقلائی ضرب المثل ہے "ثبت العرش ثم انقش" پہلے کوئی تختی ثابت کرو پھر اس پر کچھ لکھو۔ ورنہ سر بے صاحب تراشیدن والی مثال صادق ہے۔ ہاں اگر بسند صحیح یہ خطبہ آنجناب سے مروی ہوتا تو چونکہ اس کے ظاہری مطالب نصوص قرآنیہ کے مخالف تھے ہر مومن ان کی تاویل کرنے پر مجبور ہوتا اور ہم حضرت مولانائے مرحوم کی سعی کو مشکور سمجھتے؛ جب یہ خطبہ سرے سے ثابت ہی نہیں تو تصحیح فقرات میں زور بیان صرف کرنا چہ معنی دارد۔
ناظرین کرام جناب علامہ سرسوی علیہ الرحمہ نے خطبۃ البیان کی سند پیش نہیں کی ہے بلکہ اس کے مندرجات کے صحیح محامل تحریر کئے ہیں جیسا کہ مؤلف کی عبارت سے واضح ہوتا ہے یہ شناخت دیانتدار مومن کی ہے کہ وہ فضائل اہلبیت کی رد کے بجائے ان مضامین کی صحت پر دیگر مستند احادیث و روایات سے استدلال کرے تاکہ ضعف سند کا عذر قطع ہو جائے اور اصل مضمون دیگر روایات معتبرہ و دلائل عقلیہ کے ذریعہ محقق ہو جائے۔ دیندار عقلمند تو یہی کردار ادا کرے گا۔ اور یہ دلائل عقلیہ و نقلیہ در حقیقت تختی ہوں گے اور خطبۃ البیان اس پر نقش کر دیا جائے گا۔ تختی پر لکھنا آسان ہے مگر تختی کو اپنی جدوجہد اور تلاش بسیار کے بعد مہیا کرنا اور پھر لکھنا اس سے بہتر سعی مشکور کیا ہوگی۔ حضرت علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے بھی یہی قانون پیش کیا ہے جس کو علامہ سرسوی نے مشعل راہ بنا کر زورِ علم و بیان صرف کیا ہے۔ مگر بقول علامہ مجلسی علیہ الرحمہ جلد باز قاصرین، غیر متدین ہیں۔ اس کتاب کی جلد دوم میں زیادہ روشنی ڈالی جائے گی انشاءاللہ۔

استغاثہ کی دیگر مثالیں

جناب میثم تمار کا بیان ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے اشارہ فرمایا اور فوراً ایک ابر کا ٹکڑا حاضر ہو گیا اور اس نے یوں سلام عرض کیا:۔
السلام علیك یا امیر المومنین و یا سید الوصیین و یا امام المتقین و یا غیاث المستغیثین و یا کنز الطالبین و معدن الراغبین۔ اے فریادیوں کے فریادرس۔"
آپ نے اشارہ فرمایا وہ نزدیک ہو گیا اور حضرت خود اور عمار یاسر اس پر سوار ہو گئے اور ہماری نظروں سے غائب ہو گئے۔ کچھ دیر کے بعد آپ تشریف لائے اور خطبۂ شقشقیہ ارشاد فرمایا۔ عمار کہتے ہیں مولا مجھے چین کے ایک جزیرہ میں لے گئے تھے۔ اس معجزہ کو علم الھدیٰ سید مرتضے علیہ الرحمہ نے عیون المعجزات میں درج فرمایا ہے۔ (مدینۃ المعاجز ص ۹)

جناب سلمان فارسی کا بیان ہے میں اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام ایک باغ میں تھے کہ حضرت نے یہ الفاظ دُہرائے، لبیکؑ لبیک "میں حاضر ہوں میں حاضر ہوں میں حاضر ہوں۔ میں نے دریافت کیا تو حضرت نے فرمایا کہ مجھے رسُولؐ خدا نے جنگ تبوک میں یاد فرمایا ہے لشکر چھوڑ گیا ہے وھو یدعونی و یستغیث بی۔ حضرتؐ نے مجھے پکارا ہے اور استغاثہ کر رہے ہیں کہ جلد میری مدد کو پہنچو۔

بحکمِ امیر المومنینؑ صالح جنی سے استغاثہ

حضرت شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب الخصال میں تحریر فرمایا ہے:۔
جناب امیر المومنین علیہ السلام نے اصحاب کو ایک ہی مجلس میں چار سو باب علم کی تعلیم دی ہے جو ہر مسلمان کے لئے دین و دُنیا میں موجب فلاح ہیں۔ ان میں سے ایک باب علم یہ ہے:۔

من ضل منکم فی سفر او خاف علیٰ نفسہ فلیناد یا صالح اغثنی فان فی اخوانکم من الجن جنیا یسمی صالحا یسیح فی البلاد لمکانکم محتسبا نفسہ لکم فاذا سمع الصوت اجاب وارشد الضال منکم وحبس دابتہ۔

اے شیعو جب تم سفر میں راستہ بھول جاؤ یا جان کا خطرہ لاحق ہو جائے تو تم فوراً پکارو یَا صَالِحُ اَغِثْنِیْ اے صالح میری مدد کو پہنچو" کیونکہ تمہارے جنات بھائیوں میں ایک جن ہے جس کا نام صالح ہے وُہ تمہارے لئے شہر بہ شہر چکر لگاتا رہتا ہے اور اُس نے یہ ڈیوٹی اپنے لئے مخصوص کر لی ہے۔ جب وُہ تمہاری آواز سنتا ہے تو فوراً لبیک کہتا ہے، اور بھُولے ہوئے مسافر کو اس کی سواری روک کر راستہ بتاتا ہے"۔

مولف صاحب اگر آپ شیخ صدوق" کے اعتقادیہ کی شرح کو سعادت سمجھتے ہیں تو اُن کے بیان فرمودہ ہدایات پر عمل بھی کرنا چاہئے اور اپنے سابقہ عقیدے سے توبہ کر کے اولیاء اللہ سے استمداد و استغاثہ بھی کریں۔ یہ استغاثہ و استمداد احکام شریعت میں نہیں ہے کہ حلال و حرام کے مسائل دریافت کئے جائیں۔ بلکہ مسافرت میں ہلاکت سے بچنے کے لئے مولا علیؑ کے غلام کو امداد کے لئے پکارا جائے جو جنات میں سے ہے اور اُس کی ڈیوٹی ہے کہ وُہ شیعیانِ علیؑ کے استغاثہ پر فوراً مدد کے لئے پہنچے اور اپنے آقا و مولا کے موالیوں کی خدمت کی سعادت حاصل کرے۔ مگر مولف صاحب سفر میں اپنی ہلاکت

کو پسند کریں گے فرمانِ مولا پر عمل نہیں کریں گے۔ خداوند عالم ان کو ہدایت دے۔

حضرت امیرؑ کی نصرتِ خلیفہ ثانی

جناب جابر بن عبداللہ انصاری کا بیان ہے کہ جناب عمر بن خطاب ایک دن بہت گھبرائے ہوئے حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی لشکرِ اسلام نہاوند کی جنگ پر گیا ہوا ہے اور اس لشکر میں عمرو بن معدی کرب بھی تھا جو نہاوند میں قتل ہو گیا ہے۔ لشکر کا مفصل حال معلوم نہیں ہے۔ سخت فکر ہے آپ مدد فرمائیے۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ لشکرِ اسلام وادی میں ہے اور مخالف لشکر ان کو گھیرے میں لے رہا ہے۔ اگر مسلمانوں کا لشکر پہاڑ پر چڑھ کر پناہ حاصل کر لے تو وادی میں محصور ہو جانے اور شکست کھانے سے بچ جائے گا۔ جناب عمر نے عرض کی پھر کس طرح اُن کی مدد کی جائے۔ آپ نے فرمایا کہ تم اپنی آنکھوں سے ان کا حال دیکھو اور ان کو پیغام دو کہ وہ پہاڑ سے پناہ حاصل کریں۔ جناب عمر نے عرض کی میں کس طرح دیکھوں اور کس طرح پیغام دوں۔ جناب امیر المومنین علیہ السلام نے انہیں منبر پر بٹھایا اور خود بھی ساتھ بیٹھے اور آن کے چہرہ پر ہاتھ پھیر کر فرمایا اب دیکھو چنانچہ انہوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کا لشکر وادی میں ہے اور مخالف لشکر ان کو گھیرے میں لینا چاہتا ہے۔ آپ نے فرمایا تم اُن کو آواز دو اور یہ کہو کہ جبل سے پناہ لو۔ چنانچہ انہوں نے کہا یا ساریۃ الجبل یا ساریۃ الجبل۔ اے ساریہ پہاڑ سے پناہ لو اے ساریہ پہاڑ سے پناہ لو۔ فوراً لشکر نے آواز سُن لی اور آواز کو پہچان بھی لیا۔ اور پہاڑ سے پناہ لی اور محفوظ ہو گئے اور جنگ فتح کر کے واپس آئے۔

جابر بن عبداللہ انصاری کہتے ہیں کہ ہم تو اسی وقت ایمان لے آئے کہ جو کچھ ہمارے مولا و آقا نے فرمایا ہے اور دکھایا ہے اور آواز پہنچائی ہے حرف حرف درست و صحیح ہے۔ مگر کچھ لوگوں نے اس میں شک کیا اور جب لشکر جنگ فتح کر کے واپس آیا تو لوگوں نے تمام واقعہ دریافت کیا۔ انہوں نے بتایا کہ ہم وادی میں تھے اور گھیرے میں آ گئے تھے کہ ہمیں آواز خلیفہ ثانی آئی کہ پہاڑ سے پناہ لو۔ اور ہم نے فوراً اپنا رُخ پہاڑ کی طرف کر دیا اور گھیرے سے بچ گئے اور لشکر مخالف پر غالب آ گئے۔

مولف صاحب بتائیں کہ یہ مدد شریعت کے مسائل میں تھی جس کے لئے مشہور ہے کہ اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتے۔ یا یہ مدد تکوینی امور میں ہے۔ لہٰذا ب منبر واح م

بیٹھ کر شیعوں کو یہ فریب نہ دیں کہ مولائے کائنات صرف شرعی مسائل میں مشکل کشا ہیں بلکہ امورِ تکوین کا بھی ذکر کریں ورنہ آپ کو منبر پر بیٹھنے کا حق نہیں ہے کیونکہ یہ منبر فریب دینے کے لئے نہیں ہے بلکہ گلے پھاڑ کر (بقول مؤلف) ذکر مشکل کشائے تشریع و تکوین کے لئے ہے۔ (مدینۃ المعاجز)

احیاءِ موتیٰ و اماتتِ احیاء

حضرات محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام کے کمالات میں مُردوں کو زندہ کرنا اور زندوں کو مُردہ کرنا دونوں ہی شامل ہیں۔ جیساکہ حضرت المومنین علیہ السلام نے بحکمِ رسولؐ قبرستان میں تشریف لے جاکر مُردوں کو پکارا وُہ زندہ ہوگئے اور پھر ان کو اصلی حالت پر مُردہ کر دیا جس کا تذکرہ سابقہ اوراق میں گزر چکا ہے۔

جابر کا بیان ہے کہ میں جناب امیرالمومنین علیہ السّلام کی خدمت میں حاضر تھا کہ آپ نے وادی برحوت میں دو شخص شیبونہ اور جتر کو دیکھا کہ اُن پر عذاب ہو رہا تھا اور آپ اُن سے گفتگو فرما رہے تھے۔ میں نے سُنا کہ آپ نے فرمایا "میں یہ نہیں کروں گا" یہ نہیں ہو سکتا، اور آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی (ترجمۂ آیت) اگر ان کو دُنیا میں واپس کر دیا جائے تب بھی یہ باز نہیں آئیں گے یہ جھوٹے ہیں۔" میں نے دریافت کیا مولا آپ کس سے کلام فرما رہے ہیں آپ نے دو نام لئے شیبونہ اور جتر۔ اور فرمایا کہ یہ دونوں میرے سخت دشمن تھے، ان پر عذاب ہو رہا ہے۔ مجھے دیکھ کر کہنے لگے کہ ہمیں واپس دُنیا میں کر دیں ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور آپ کی تعمیلِ حکم کریں گے۔ میں نے ان کے سامنے آیت پڑھی:

"ولو ردوا لعادوا لما نھوا عنہ وانھم لکاذبون"

—— اور ان کو بتایا کہ میں یہ نہیں کروں گا اور یہ بات اب نہیں ہو سکتی (بحار الانوار جلد ۲ ص ۲۹۴)

امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا کہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کی خدمت میں بنی مخزوم کا ایک جوان شخص حاضر ہوا اور عرض کی مولا میرا جوان بھائی مر گیا ہے اس کے صدمہ سے میں بے قرار رہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تو اپنے بھائی کو دیکھنا چاہتا ہے؟ اس نے عرض کی جی ہاں۔ پس آپ قبرستان میں تشریف لے گئے اور کچھ الفاظ زبان مبارک پر جاری فرمائے اور قبر کو ٹھوکر ماری وُہ قبر سے باہر نکل آیا اور وُہ فارسی بولنے لگا۔ آپ نے فرمایا تو مردِ عرب ہو کر فارسی بولتا ہے۔ اس نے عرض کی ہم فلاں اور فلاں کی سنت پر مرے تھے اس لئے ہماری زبان بدل گئی۔ (بحار جلد ۲ ص ۲۶۴)

ابو بصیر کا بیان ہے کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے عرض کی مولا میں آپ کا غلام شیعہ ہوں کمزور و ضعیف ہوں اور نابینا ہوں۔ مجھے جنت کی ضمانت دیجئے حضرت نے فرمایا کہ میں ائمہ طاہرین کی ایک علامت عطا کر دوں میں نے عرض کی مولا آپ کے لئے کیا مشکل ہے۔ حضرت نے فرمایا "چاہتے ہو" میں نے عرض کی جی ہاں حضرت نے میرے چہرہ پر دستِ مبارک پھیرا۔ میں نے سقیفہ کی تمام سرگزشت اپنی آنکھوں سے دیکھ لی آپ نے دریافت کیا اے ابو محمد کیا دیکھ رہے ہو؟ میں نے عرض کی مولا کچھ بندر اور کچھ سگ و خنزیر نظر آرہے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ ہمارے دشمن ہیں جو مسخ ہو گئے ہیں۔ پھر حضرت نے دست مبارک پھیرا دو پھر اصلی حالت پر آگیا۔ (بحار جلد ۷، ص ۳۵۹)

ابو بصیر کا بیان ہے کہ میں حضرت کے ساتھ مکہ میں موسم حج میں تھا۔ اس سال کثرت حجاج سے شہر مکہ تنگ نظر آتا تھا۔ میں نے عرض کی اس سال کس قدر حاجی آئے ہیں۔ آپ نے فرمایا حاجی کم ہیں شور و غل زیادہ ہے۔ اس ذات کی قسم جس نے محمد عربی کو مبعوث فرمایا اور پھر اپنے پاس بلا لیا، حج ان ہی کا قبول ہے جو ہمارے دوست اور موالی ہیں جس طرح تم محبت رکھتے ہو۔ (بحار ج ص ۳۵۹)

حضرت صادق آل محمد علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے خطبہ میں فرمایا کہ میں قَلْبُ اللہ ہوں لِسَانُ اللہ ہوں۔ اور خدا کی رحمت کا ہاتھ ہوں جو تمام خلق پر حاوی ہے (بحار)

ابو بصیر سے روایت ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا انا ملجاء کُلِّ ضعیف و مامن کُلِّ خائف۔ میں ہر کمزور کی جائے پناہ اور ہر خوف زدہ کی جائے امن و امان ہوں۔ (بحار)

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: نحن عصمة لمن لجاء الیھم و امن لمن استجار بھم۔ ہم پناہ حاصل کرنے والوں کی پناہ ہیں اور امن و امان لینے والوں کے لئے امن ہیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ خداوند عالم کے ارشاد ان فی ذالک لآیات لاولی النھیٰ میں ہم ہی اولی النھیٰ ہیں اور ہم ہی خدا کی طرف سے اس کی مخلوقات پر قوام ہیں یعنی حکمران ہیں اور اس کے دین کے خزانے بھی ہیں۔ (بحار)

جابر بن عبداللہ انصاری نے روایت کی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے ایک خطبہ میں فرمایا میری عترت و ذریت و اہلبیت میرے خلفاء ہیں اور خداوند عالم نے اپنی کرامت سے

سے انکو مشرف کیا ہے اور اپنی راز ودیعت کئے ہیں اور اپنا غیب عطا کیا ہے اپنے بندوں کا راعی بنایا ہے اور اپنے ملائکہ کو ان کا خدمت گار بنادیا ہے اور اپنی مملکت میں تصرفات کا حق دیا ہے اور اپنے کلمات کے لئے منتخب کیا ہے اور اپنا امر انکو عطا کیا ہے اور نشان دین و گواہ اپنے بندوں کیلئے بنادیا ہے اور شہروں میں انکو اپنا امین قرار دیا ہے یہی آئمہ مہدی ہیں اور یہی عزت ذکی ہیں اور ذریت نبوی ہیں اور سرداران علوی ہیں اور یہی امت وسطیٰ اور کلمہ علیا ہیں اور تمام دنیا کے سردار ہیں اور یہی خدا کی رحمت موصلہ ہیں یہی پناہ لینے والوں کی پناہ ہیں اور تمسک کرنے والوں کی نجات ہیں وہ سعید ہے جو ان سے محبت کرے اور وہ بد بخت ہے جو ان سے عداوت رکھے جو ان کی پیروی کرے گا عذاب سے محفوظ ہوگا جو ان سے تخلف کرے گا نا امید ہوگا یہ خدا کی طرف دعوت دیتے ہیں اور خدا ہی کی طرف سے کہتے ہیں اور خدا ہی کے امر پر عمل کرتے ہیں ان کے گھروں میں تنزیل اتری ہے اور ان ہی کے پاس جبرئیل بھیجے جاتے ہیں۔

(بحار الانوار ۳۳۶ جلد ہفتم)

باب جنت پر کلمہ مکتوبہ

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ شب معراج میں نے دروازہ جنت پر یہ کلمہ لکھا ہوا دیکھا ہے

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ،علی حببیب اللہ،الحسن و الحسین صفوۃ اللہ،فاطمہ امۃ اللہ علیٰ جا غضھم لعنۃ اللہ(بحار ۳۵۹ جلد ۷)

یعنی

معرفت محمد و آل محمد

بجواب اصول الشریعہ

جلد دوم

عمدۃ المحققین مجتہد العصر الحاج علامہ محمد بشیر انصاری اعلی اللہ مقامہ فاتح ٹیکسلا

فہرست مندرجات جلد دوم

فہرست مندرجات جلد دوم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَسْمَاءُهٗ تَعْبِیْرٌ وَ اَفْعَالُهٗ تَفْهِیْمٌ وَ ذَاتُهٗ حَقِیْقَةٌ وَ كُنْهُهٗ تَفْرِیْقٌ بَیْنَهٗ وَبَیْنَ خَلْقِهٖ وَغُیُوْرُهٗ تَحْدِیْدٌ بِمَا سِوَاهُ فَقَدْ جَهِلَ اللّٰهَ مَنِ اسْتَوْصَفَهٗ وَقَدْ تَعَدَّاهُ مَنِ اسْتَمْثَلَهٗ وَقَدْ اَخْطَاءَ مَنِ اكْتَنَهَهٗ وَمَنْ قَالَ كَیْفَ فَقَدْ شَبَّهَهٗ وَمَنْ قَالَ لِمَ فَقَدْ عَلَّلَهٗ وَمَنْ قَالَ مَتٰی فَقَدْ وَقَّتَهٗ وَمَنْ قَالَ فِیْمَ فَقَدْ ضَمَّنَهٗ وَمَنْ قَالَ اِلٰی مَا فَقَدْ نَهَّاهُ وَمَنْ قَالَ حَتَّامَ فَقَدْ غَیَّاهُ وَمَنْ غَیَّاهُ فَقَدْ غَایَاهُ وَمَنْ غَایَاهُ فَقَدْ جَزَّاهُ وَمَنْ جَزَّاهُ فَقَدْ وَصَفَهٗ وَمَنْ وَصَفَهٗ فَقَدْ اَلْحَدَ فِیْهِ هُوَ اَیَّنَ الْاَیْنَ وَكَانَ وَلَا اَیْنَ وَهُوَ كَیَّفَ الْكَیْفَ وَكَانَ وَلَا كَیْفَ لَا یُعْرَفُ بِكَیْفُوْفِیَّةٍ وَلَا بِاَیْنُوْنِیَّةٍ لَهٗ مَعْنَی الرَّبُوْبِیَّةِ اِذْ لَا مَرْبُوْبٌ وَحَقُّ الْاِلٰهِیَّةِ اِذْ لَا مَاْلُوْهٌ وَمَعْنَی الْعَالِمِ اِذْ لَا مَعْلُوْمٌ وَمَعْنَی الْخَالِقِ اِذْ لَا مَخْلُوْقٌ وَتَاْوِیْلُ السَّمْعِ اِذْ لَا مَسْمُوْعٌ خَلَقَ الْاَسْمَاءَ وَسِیْلَةً بَیْنَهٗ وَبَیْنَ خَلْقِهٖ یَتَضَرَّعُوْنَ بِهَا اِلَیْهِ وَیَعْبُدُوْنَ وَهِیَ ذِكْرُهٗ وَكَانَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَلَا ذِكْرَ وَالْمَذْكُوْرُ بِالذِّكْرِ هُوَ الْقَدِیْمُ الَّذِیْ لَمْ یَزَلْ وَالْاَسْمَاءُ وَالصِّفَاتُ مَخْلُوْقَاتٌ وَالْمَعْنِیُّ بِهَا هُوَ اللّٰهُ لَا یَلِیْقُ بِهِ الْاِخْتِلَافُ وَلَا الْاِئْتِلَافُ بِتَشْعِیْرِهِ الْمَشَاعِرَ عُرِفَ اَنْ لَا مَشْعَرَ لَهٗ بِتَجْهِیْرِهِ الْجَوَاهِرَ عُرِفَ اَنْ لَا جَوْهَرَ لَهٗ وَبِمُضَادَّتِهٖ بَیْنَ الْاَشْیَاءِ عُرِفَ اَنْ لَا ضِدَّ لَهٗ وَبِمُقَارَنَتِهٖ بَیْنَ الْاُمُوْرِ عُرِفَ اَنْ لَا قَرِیْنَ لَهٗ كُلَّمَا مَیَّزْتُمُوْهُ بِاَوْهَامِكُمْ فِیْ اَدَقِّ مَعَانِیْهِ فَهُوَ مَخْلُوْقٌ مَصْنُوْعٌ مِثْلُكُمْ مَرْدُوْدٌ اِلَیْكُمْ لِاَنَّهٗ مِقْدَارُ عُقُوْلِكُمْ لَا مِقْدَارُهٗ سُبْحَانَهٗ لَعَلَّ النَّمْلَ الصِّغَارَ تَتَوَهَّمُ اَنَّ لِلّٰهِ زَبَانِیَتَیْنِ لِاَنَّهُمَا كَمَالُهَا وَعَدَمُهُمَا نُقْصَانٌ هٰكَذَا حَالُ الْعُقَلَاءِ یَصِفُوْنَهٗ تَعَالٰی بِالصِّفَاتِ الَّتِیْ اَلِفُوْهَا وَشَاهَدُوْهَا فِیْ اَنْفُسِهِمْ مَعَ سَلْبِ النَّقَائِصِ وَلَوْ ذُكِرَ لَهُمْ مِنْ صِفَاتِهٖ مَا لَیْسَ لَهُمْ یَفْهَمُوْهُ اَبَی اللّٰهُ اَنْ یُجْرِیَ الْاَشْیَاءَ اِلَّا بِالْاَسْبَابِ فَجَعَلَ لِكُلِّ شَیْءٍ سَبَبًا وَجَعَلَ لِكُلِّ سَبَبٍ شَرْحًا وَجَعَلَ لِكُلِّ شَرْحٍ مِفْتَاحًا وَجَعَلَ لِكُلِّ مِفْتَاحٍ عِلْمًا وَجَعَلَ لِكُلِّ عِلْمٍ بَدَنًا نَاطِقًا مَنْ عَرَفَهٗ عَرَفَ اللّٰهَ وَمَنْ اَنْكَرَهٗ اَنْكَرَ اللّٰهَ ذٰلِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَاَهْلُبَیْتِهٖ عَلَیْهِمُ الصَّلٰوٰتُ

اَلزَّاكِيَاتُ الطَّيِّبَاتُ النَّامِيَاتُ هُمْ وَسَائِطُ اللهِ وَسَائِلُهُ وَمَحَالُّ مَشِيَّةِ اللهِ وَاِرَادَتُهُ
فِيْ جَمِيْعِ مَقَادِيْرِ اُمُوْرِهٖ تَهْبِطُ اِلَيْهِمْ وَتَصْدُرُ مِنْ بُيُوْتِهِمْ هُمْ اَسْمَاءُهُ الْحُسْنٰى
وَحُجَجُهُ الْعُظْمٰى وَالْمَثَلُ الْاَعْلٰى وَالْاٰيَةُ الْكُبْرٰى وَمَفَازِعُ الْعِبَادِ عِنْدَ الدَّوَاهِيْ عَلٰى
بَرِيَّتِهٖ وَوُلَاةُ اَمْرِهٖ عَلٰى خَلْقِهٖ وَبَرَاهِيْنُ قُدْرَتِهٖ بَعَثَهُمْ فِي اللَّاهُوْتِ بِالْاَرْوَاحِ
اللَّاهُوْتِيَّةِ وَفِي الْمَلَكُوْتِ بِالْاَشْبَاحِ الْمَلَكُوْتِيَّةِ وَفِي النَّاسُوْتِ الْهَيَاكِلِ النَّاسُوْتِيَّةِ
مَشِيَّتُهُمْ مَشِيَّتُهٗ وَاَفْعَالُهُمْ اَفْعَالُهٗ وَطَاعَتُهُمْ طَاعَتُهٗ وَمَعْصِيَتُهُمْ مَعْصِيَتُهٗ
هُمُ الْاَوَّلُوْنَ فِيْ سِلْسِلَةِ الْبَدْوِ وَالْاٰخِرُوْنَ فِيْ سِلْسِلَةِ الْعَوْدِ هُمْ يَدُهُ الْبَاسِطَةُ
وَعَيْنُهُ النَّاظِرَةُ هُمُ الْوُلَاةُ وَالْكُفَاةُ هُمُ الرُّعَاةُ وَالْحُمَاةُ وَاَعْضَادٌ وَاَشْهَادٌ
وَاَذْوَادٌ وَرُوَّادٌ هُمُ الرُّوْحُ الْاَعْظَمُ وَاللَّوْحُ وَالْقَلَمُ اَوْجَبَ اللهُ طَاعَتَهُمْ
عَلَى الْمُكَوَّنَاتِ مِنَ الْاَرْضِيَّاتِ وَالسَّمَاوِيَّاتِ حَتَّى الْجَمَادَاتِ لَا يُحَدُّ شَاْنُهُمْ
بِالْقِيَاسِ وَلَا يُنَالُ بِالْحَوَاسِ اَمْرُهُمْ صَعْبٌ مُسْتَصْعَبٌ لَا يَتَحَمَّلُهٗ اِلَّا مَلَكٌ
مُقَرَّبٌ اَوْ نَبِيٌّ مُرْسَلٌ اَوْ مُؤْمِنٌ اِمْتَحَنَ اللهُ قَلْبَهٗ لِلْاِيْمَانِ ضَلَّتِ الْعُقُوْلُ
وَتَاهَتِ الْحُلُوْمُ وَحَارَتِ الْاَلِبَّاءُ وَحَصَرَتِ الْخُطَبَاءُ وَتَصَاغَرَتِ الْعُظَمَاءُ
وَتَحَيَّرَتِ الْحُكَمَاءُ وَتَقَاصَرَتِ الْعُلَمَاءُ وَكَلَّتِ الشُّعَرَاءُ وَعَجَزَتِ الْاُدَبَاءُ
وَعَيِّتِ الْبُلَغَاءُ وَعَنْ وَصْفِ شَاْنِهِمْ وَسَائِلُ مَعْرِفَةِ ذَاتِهٖ وَوَسَائِطُ ظُهُوْرِ
صِفَاتِهٖ فَهُمْ كَهُوَ وَلَيْسَ هُوَ كَهُمْ لَا فَرْقَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَهُمْ اِلَّا اَنَّهُمْ
عِبَادُهٗ وَالْكَافِرُوْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللهِ وَرُسُلِهٖ اُولٰٓئِكَ هُمُ
الْكَافِرُوْنَ حَقًّا صَلٰوةً دَائِمَةً مَا دَامُوْا وَقَائِمَةً مَا قَامُوْا وَعَلٰى مَنْ جَعَلَ
لَهُمُ الْمَثِيْلَ وَالْعَدِيْلَ اَللَّعْنُ الْوَبِيْلُ وَعَلٰى مَنْ اَدَّعٰى بِاَنَّهُمْ كَهُوَ فَعَلَيْهِ مَا عَلَيْهِ
وَعَلٰى مَنْ لَدَيْهِ۔

(اقتباس از کلام اہل بیت عصمت وطہارت)

حضرات محمدؐ وآلِ محمد علیہم السّلام کو مخلوقِ اوّل نوری تسلیم کرنا شرطِ شیعیت ہے

بعد حمد و صلوٰۃ بندۂ حقیر غریقِ تقصیر محمد بشیر انصاری بن مولوی امام علی انصاری مرحوم عرض کرتا ہے۔ کہ حقائق الوسائط جلد دوم جو اس وقت پیش نگاہ ہے۔ اس میں زیادہ تر ان ذواتِ مقدسہ کی تخلیق نوری اور جداگانہ نوع کے ثبوت میں دلائلِ عقلیہ اور براہین قرآنیہ و حدیثیہ پیش کئے جا رہے ہیں۔ کیونکہ دیگر اختلافی مسائل اسی کے فروع کی حیثیت رکھتے ہیں۔

جب ان حضرات والاصفات و باکمالات کی نوع تمام انواعِ عالم سے جداگانہ ثابت ہے تو ان ذواتِ عالیہ کے ساتھ کسی بھی مخلوق کا قیاس نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ خود ہی ان حضرات کا ارشاد ہے۔

لَا یُقَاسُ بِنَا اَحَدٌ" یعنی ہمارے ساتھ کسی بھی مخلوق کا قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

نیز ارشاد ہے۔

لَمْ یُجْعَلْ لِاَحَدٍ فِیْ مِثْلِ الَّذِیْ خُلِقْنَا مِنْہُ نَصِیْبٌ۔

ہم جس سے پیدا کئے گئے اس کا مثل کسی بھی مخلوق کو نصیب نہیں۔

اِسی طرح ان حضرات کے علم غیب، قدرتِ معجزات، حضور و شہود، نصرت و مدد یا ازیں قبیل دیگر کمالات کا قیاس بھی کسی مخلوق کے لئے ممکن نہیں۔ نیز ان کے بعد پیدا ہونے والے "ارواح و انوار بلکہ ارواح انبیاء و ملائکہ" کا قیاس بھی ان کے ساتھ نہیں کیا جا سکتا۔ چہ جائیکہ بشریت کا قیاس کیا جائے جو حضرت آدم علیہ السلام کی روح کو عالین (بلند ہستیوں) کے ہزارہا سال بعد عطا کی گئی جب کہ یہ حضرات عالم لاہوت و ملکوت کے ہادی و معلم معرفت و عبادتِ خداوند عزّ و جل تھے۔

انبیاء کی مفاضلت کا معیار ہمارے نبی کی معرفت ہے

حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ کو حق سبحانہ و تعالےٰ نے عالمِ ذر میں انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کے لئے مبعوث فرمایا تھا۔ اور ان کے درجات کا معیار بھی آنحضرتؐ کی معرفت و اقرارِ نبوت کو قرار دیا گیا تھا۔ جس نے جتنی معرفت حاصل کی اُس کے مطابق اُسے درجہ عطا کیا گیا۔

جناب شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے اپنے اعتقادیہ میں بایں عبارت اس مقصد کو تحریر فرمایا ہے۔

"وَاَنَّ اللّٰہَ بَعَثَ نَبِیَّہٗ مُحَمَّدًا اِمَامًا لِلْاَنْبِیَاءِ فِی الذَّرِّ وَاَنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ اَعْطٰی مَا اَعْطٰی کُلَّ نَبِیٍّ عَلٰی قَدْرِ مَعْرِفَتِہٖ وَمَعْرِفَۃِ نَبِیِّنَا

مُحَمَّدٍ وَسَبَقِہِ الْاِقْرَارِبِہٖ (اعتقادیہ منبع ایمان)

اور ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ خداوند عالم نے اپنے نبی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ کو عالم ذر میں انبیاء کی طرف مبعوث فرمایا اور خداوند عزوجل نے جس نبی کو جو درجہ عطا کیا وہ اپنی اور ہمارے نبی کی معرفت کی مقدار اور ان کی نبوت کے اقرار میں سبقت کی مقدار کے مطابق عطا فرمایا۔

یہی حضرات عالی درجات مظہر اول کمالِ الٰہی ہیں۔ ان ہی کی قدرت سے قدرتِ خدا اور ان ہی کے علم سے علمِ خدا کی معرفت دیگر تمام مخلوقات کو حاصل ہوئی ہے۔ جیسا کہ خود ان ہی حضرات کا ارشاد ہے۔

" بِنَا عُرِفَ اللّٰہُ وَلَوْلَا نَحْنُ مَا عُرِفَ اللّٰہُ وَلَوْلَا اللّٰہُ مَا عُرِفْنَا "

ہمارے ہی ذریعہ خدا پہچانا گیا۔ اگر ہم نہ ہوتے تو خدا نہ پہچانا جاتا اور اگر وہ نہ ہوتا تو ہم نہ پہچانے جاتے۔ ہم نے اس کی معرفی کی ہے اور اس نے ہماری۔

"علم و قدرت" مخلوقِ اول میں تخلیقی ہیں

علم و قدرت ہی وہ بنیادی کمالات ہیں جو بدرجہ کمال ان حضرت کو خلقت اولی میں حاصل ہیں۔ ان ہی دونوں کمالات کے ذریعہ تمام صفات کا ظہور ہوتا ہے۔ جب ان ہستیوں کو عالمِ ذر میں مبعوث کیا گیا تو یہ دونوں کمال ان کو عطا کئے گئے۔ کیونکہ بغیر علم و قدرت بعثت کا کوئی مفہوم ہی نہیں۔ بعثت اس امر کی دلیل ہے کہ علم بھی دیا گیا ہے۔ اور قدرت بھی۔ کیونکہ تعلیم وہدایت کے لئے ان دونوں کی ضرورت ہے مگر یہ امر محتاجِ دلیل ہے کہ خداوند عالم نے ان حضرات کو علم و قدرت عطا فرما کر پھر سلب کر لئے جس کا ثبوت تاقیامت ممکن نہیں۔ لہٰذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان کی نوعِ جداگانہ ہے۔

لہٰذا ان کا قیاس کسی بھی مخلوق پر نہیں کیا جاسکتا چہ جائیکہ ان حضرات کا نوع بشر پر قیاس کیا جائے ان کی کُلی حقیقت اور تمام ماہیت جب تمام انواعِ کائنات سے جداگانہ ہے تو بہر حال ان کی نوع جداگانہ ہے۔ اس نوع کے صرف یہی افراد ہیں جن کو چہاردہ معصومین علیہم السّلام کہا جاتا ہے۔ حضرات شیعیانِ حیدر کرار ان ہی حضرات کو بعد از خدا تمام کائنات و مکوّنات سے افضل و کمال اور باعث ایجاد و بقاء عالم جانتے اور مانتے ہیں۔ کیونکہ یہ مسلّم ہے کہ لفظ نوع کا اطلاق اس وقت کیا جاتا ہے جب اس کے افراد کی حقیقت ایک ہو۔ جس کو فنِ منطق کا ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے۔ اس نوع کے صرف چودہ ہی افراد ہیں۔ جن کی حقیقت و ماہیت ایک ہے صرف ان ہی حضرات کے لئے یہ حدیث وارد ہے۔

اَوَّلُنَا مُحَمَّدٌ وَاَوْسَطُنَا مُحَمَّدٌ وَاٰخِرُنَا مُحَمَّدٌ۔

یعنی ان میں ہر ایک محمد ہے خواہ اول ہو یا اوسط ہو یا آخر ہو یعنی یہ سب کے سب محمد ہیں۔ صلوات اللہ علیہم اجمعین۔

حقیقی معرفت خدا ذریعہ مخلوق اول ہے

عند العقلاء یہ امر مسلمات میں سے ہے کہ حقیقت و ماہیت خدا کا ادراک محال ہے جو کچھ تصور ذہنی حاصل کیا جاتا ہے۔ وہ ہمارے عقول کا مخلوق ہے جس کی حد بندی ہمارے عقول نے کی ہے۔ جو خود بھی محدود ہیں۔

اسی طرح اس کے صفات کی حقیقت کا سمجھنا بھی ہماری پرواز عقل سے بالاتر ہے کیونکہ اس کے صفات اس کی ذات سے جدا اور غیر نہیں ہیں کہ جن کی طرف اُسے احتیاج ہو۔ اور محتاج الی الغیر ہو کر خدا ہی نہ رہے۔ بلکہ اس کے صفات عین ذات ہیں۔

اَلْعِلْمُ ذَاتُهٗ وَالْقُدْرَةُ ذَاتُهٗ (صادق آل محمدؐ) علم خدا اس کی ذات ہے قدرت خود اس کی ذات ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اُس کی ذات میں غور و فکر کرنا باعث ہلاکت ہے۔ ہاں اس کی عظیم مخلوق میں غور و فکر کرنے ہی سے صحیح معرفت حاصل ہو سکتی ہے جیسا کہ ان ہی ذوات متعالیہ کا ارشاد ہے۔

"لَا تُقَدِّرُ عَظْمَةَ اللّٰهِ عَلٰى قَدْرِ عَقْلِكَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْهَالِكِيْنَ ۝ اِيَّاكُمْ وَالتَّفَكُّرَ فِي اللّٰهِ وَلٰكِنْ اِذَا اَرَدْتُمْ اَنْ تَنْظُرُوْا اِلٰى عَظْمَةِ اللّٰهِ فَانْظُرُوْا اِلٰى عَظِيْمِ خَلْقِهٖ (باقر آل محمدؐ)

خداوند عالم کی عظمت کا اندازہ اپنی عقل سے نہ لگاؤ۔ ورنہ ہلاک ہونے والوں میں شمار ہو گے۔ اور خداوند عالم کی ذات میں غور و فکر نہ کرو۔ اگر تم اس کی عظمت کو دیکھنا چاہتے ہو تو اس کی عظیم مخلوق کو دیکھ کر اس کی عظمت کو پہچانو (یعنی جب اس کی مخلوق عظیم میں یہ عظمت ہے تو خود اس کی ذات میں کیا عظمت ہو گی جس نے اس کو پیدا کیا ہے)

جب ان کے کمال علم و کمال قدرت کو دیکھ کر عقل انسانی حیرت زدہ ہو گی۔ اور بارگاہ احدیت میں ان حضرات کے سربسجود ہونے پر نظر غائر پڑے گی تو اس سے بآسانی اس نتیجہ پر پہنچو گے کہ جب یہ حضرات علم و قدرت کی اس منزل پر فائز ہیں تو ان کا خالق معبود کیسا عالم اور کیسا قادر ہو گا جس نے انہیں یہ علم و قدرت عطا کیا ہے۔ یعنی جب عقل انسانی ان کے کمالات کی حقیقت کو نہیں پا سکتی تو یقیناً ان کے خالق بے ہمتا

کے کمالات پر انتہائی تحیر پیدا ہوگا اور یہی تحیر سبب معرفتِ خدا ہوگا۔

اسی وجہ سے ان حضرات کی تخلیق تمام کائنات سے اوّل ہوئی۔ ان کا "علم غیب" خدا کے کمال علم کا مظہر ہے۔ ان کے "معجزات" خدا کی قدرتِ کاملہ کا مظہر ہیں۔ ان کا "حضور و شہود" خدا کے لازمان و لامکان ہونے کی دلیل بیّن ہے۔ ان کا "مدد کرنا" خداوند عالم کے ناصر و نصیر حقیقی ہونے کا ثبوت واضح ہے یعنی جب یہ استنے بلند کمالات کے حامل ہیں تو جس نے انہیں یہ کمالات عطا فرمائے ہیں وہ کیسا کامل بالذات ہوگا۔ اس تحیر کی وجہ سے خداوند عزّ وجل کے سامنے فطری طور پر سر خم ہو جائیں گے یہی حقیقی معرفت ہے۔

احادیث کثیرہ مستفیضہ سے یہ امر بھی ثابت ہے کہ یہ حضرات محل مشیّتِ خدا و خزانۂ علم خدا ہیں۔ جس کے بعد یہ امر تسلیم کرنا بے حد ناگزیر ہے کہ ان احادیث میں علم و قدرتِ خدا سے مراد ہرگز صفتِ علم و قدرت نہیں کیونکہ اس کے صفات عین ذات ہیں۔

اور یہ حضرات ہرگز ذاتِ خدا کا محل و خزانہ نہیں ہیں بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ یہ حضرات خداوندِ عالم کے معلومات کا خزانہ اور مقدورات کا محل ہیں۔ یعنی ان کے معلومات و مقدورات سے خدا کے علم و قدرت کے آثار کا ظہور ہوتا ہے۔ جس کا فطری نتیجہ یہ ہوگا کہ جب ان حضرات کے معلومات اور مقدورات کا یہ مرتبہ ہے تو جس نے یہ کمالات عطا کئے ہیں اس کے معلومات و مقدرات کی کوئی حد ہی متصور نہیں ہو سکتی۔ یہ تحیر و استعجاب جب ذاتِ حق کے باب میں پیدا ہوگا تو یہی تحیر اس کی عظمت کی دلیل بن کر انسانی فطرت کو سر بسجود کر دے گا۔ کیونکہ یہ حضرات خود اس کی جناب میں اپنی عاجزی پیش کرتے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔ اسی لئے یہ ذواتِ مقدسہ تمام کائنات کے لئے سبب معرفتِ خدا ہیں۔

حقیقت مخلوق اوّل کا ادراک صعب و مستصعب ہے

میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ جلد دوم میں جو کچھ پیش کیا جا رہا ہے وہ ناپید اکنار سمندر کے مقابلہ میں ایک قطرہ کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ ان کی حقیقت اور آثارِ حقیقت کا احاطہ اور احصاء ناممکن ہے۔ حضرت غواص بحار اخبار اہل بیت اطہار علامہ مجلسی علیہ الرحمہ والرضوان نے اپنی کتاب مراۃ العقول میں اس عبارت کے ذریعہ اظہار عجز و قصور فرمایا ہے۔

"وَالْاَخْبَارُ فِیْ ذٰلِکَ مُسْتَفِیْضَۃٌ اَوْرَدْتُ اَکْثَرَهَا فِی الْکِتَابِ الْکَبِیْرِ لٰکِنَّ فَهْمَهُمَا صَعْبٌ عَلَی الْعُقُوْلِ وَالْاَوْلٰی الْاِیْمَانُ بِهَا مُجْمَلًا وَرَدُّ عِلْمِهَا اِلَیْهِمْ عَلَیْهِمُ السَّلَامُ"

ان ذواتِ عالیہ کی خلقت اوّلی روحانی نورانی کے باب میں بے شمار احادیث وارد ہیں۔ ان میں سے اکثر احادیث کریمہ نے اپنی کتاب کبیر (بحار الانوار) میں درج کر دیا ہے۔ لیکن ان کی حقیقت کا ادراک ہمارے عقول کے لئے دشوار ہے۔ ــــــ لہٰذا ہمیں یہ ایمان تو رکھنا چاہئیے کہ ان کی شان اس قدر بلند ہے جسے ہماری عقول پا نہیں سکتیں لیکن ان حقائق کے تفصیلات کا علم ان ہی ہستیوں کے حوالہ کر دینا چاہیئے۔

غواص بحار احادیث اہل بیت اطہار حضرت علاّمہ مجلسیؒ جیسی ہستی نے ان حضرات والا درجات کی حقیقت کے فہم و ادراک میں اپنی عاجزی کا اظہار فرما کر ایمان اجمالی کو اپنا مسلک قرار دیا ہے۔ احادیث کثیر کو رد نہیں کیا۔ ہے بلکہ ان احادیث کے حقیقی و صحیح علم کو ان ہی حضرات کے سپرد کر دینے کی تلقین فرمائی ہے۔ نیز اپنی کتاب "بلیلیہ" میں فرمایا ہے کہ ان احادیث کو تسلیم کرو۔ اور جس قدر سمجھ سکو۔ اس پر تفصیل ایمان لے آؤ۔ اور جو تمہاری عقل نہ سمجھ سکے اُسے رد نہ کرو۔ بلکہ اس پر بھی ایمان اجمالی رکھو۔ کیونکہ یہ ممکن ہے کہ یہ حدیث ان ہی حضرات کا کلام ہو۔ اور تم اپنی ضعیف عقل کی وجہ سے رد کر دو تو یہ تکذیب خدا ہوگی۔

۔ یہ اجمالی ایمان اُسی طرح ہوگا جیسے اللہ تعالےٰ کی ذات پر ہمارا ایمان ہے کیونکہ اس کی ذات کا علم محال ہے۔ یعنی صرف یہ ایمان لانا ضروری ہے کہ وہ ہے اور اس کا کوئی مثل نہیں ہے۔ جیسا کہ ان ہی ذواتِ مقدسہ کا ارشاد ہے۔

"هُوَ خَارِجٌ عَنِ الْحَدَّيْنِ حَدِّ الْاِبْطَالِ وَحَدِّ التَّشْبِيهِ"

وہ دو حدوں سے باہر ہے پہلی حد "نہ ہونا" اور دوسری حد کسی کے مثل ہونا" یعنی وہ ہے مگر کسی کے مانند نہیں۔

لہٰذا اس کی حقیقت اور ماہیت کا ادراک ہمارے عقول سے بالاتر ہے۔ اس کا تفصیلی علم محال ہے۔ لہٰذا اجمالی علم ہی ہو سکتا ہے جس کو ایمان اجمالی کہتے ہیں۔

یہی شان مخلوق اول کی ہے جس کی حقیقت و ماہیّت کا ادراک ہمارے عقول کی دسترس سے باہر ہے۔ لہٰذا علم اجمالی ہی ہو سکتا ہے جس کو ایمان اجمالی کہتے ہیں۔ لیکن ان دونوں میں فرق ہے۔ خداوند عالم کا وجود بالذات ہے۔ اور ان حضرات کا وجود بالغیر ہے مگر دونو کی حقیقتوں کا ادراک ہمارے افہام سے بلند ہے۔

اسی طرح کائنات میں ایسے حقائق موجود ہیں جن کی حقیقت تک ہماری رسائی ناممکن ہے۔ لیکن

ان کے وجود پر بحکم خدا و رسول ایمان اجمالی رکھتے ہیں۔ جیسے روح، ملک، جن، برزخ، صراط، میزان، حشر و نشر وغیرہ ان کے حقائق اور تفصیلات کا علم اجمالی ہے۔ لہذا ایمان بھی اجمالی ہے۔ اسی سے لئے امتیازات بھی اجمالی ہیں۔ جن کے ذریعہ جنس و فصل و نوع کا تعین ہوتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قائلین وحدث نوع نے ان حضرات عالی درجات کی حقیقت کو کس وحی و الہام کے ذریعہ پا لیا۔ جبکہ علامہ مجلسی جیسی ہستی اپنے عجز و قصور کا اظہار فرما گئے ہیں۔

حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام کی حقیقت کا ادراک جب ہمارے عقول سے بلند ہے جس کو خدا جانتا ہے یا خود یہ حضرات جانتے ہیں تو ان حضرات کو کسی نوع میں اسی وقت و حالت میں داخل کیا جا سکتا ہے۔ جب ان کی تمام ماہیت و کل حقیقت کا علم حاصل ہو۔ لہذا قہری طور پر تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان کی نوع تمام مخلوقات سے جداگانہ ہے۔ کیونکہ ان کی تمام حقیقت کا علم نہیں ہے۔ صرف ظہور کمالات اور آثار صفات کے ذریعہ امتیازات کا تصور ہوتا ہے جو ان ذوات مقدسہ کے لئے تمام خلائق سے جداگانہ ثابت ہیں۔

قائلین وحدت نوع کی نئی منطق

ہم نہایت افسوس کے ساتھ قائلین وحدت نوع کے سرخیل کے ایک خط کی چند سطور پیش کر رہے ہیں جو انہوں نے جناب الحاج سید جمیل حسین صاحب رضوی کو لکھا ہے۔ جو ہمارے پاس محفوظ ہے۔

"تحریر فرماتے ہیں"

"بنا بریں جب یہ احادیث متشابہ ہیں تو کیا کوئی عقلمند و دانشمند انسان متشابہات پر اپنے عقائد کی دیوار کو استوار کر سکتا ہے، متشابہات پر صرف ایمان رکھا جاتا ہے مگر عقیدہ محکمات کے مطابق رکھنا لازم ہے۔"

اس تحریر سے واضح ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک ایمان و عقیدہ میں یہ فرق ہے کہ کسی شے پر ایمان ہو سکتا ہے مگر عقیدہ نہیں ہو سکتا یعنی ایمان کا وجود بغیر عقیدہ ہوتا ہے۔

اولاً تو خداوند عالم نے قرآن مجید میں اور انبیاء و آئمہ طاہرین علیہم السلام نے اپنے ارشادات میں تمام خلائق کو ایمان لانے ہی کی تلقین و ہدایت فرمائی ہے۔ ہر مقام پر لفظ "امنوا" ہی کا حکم ہے۔ کہیں بھی لفظ "اِعتَقِدُوا" قرآن مجید میں نہیں ملتا۔ لہذا ہماری شرعی تکلیف یہی ہے کہ ایمان لائیں۔

ثانیاً یہ امر بدیہی ہے کہ ہر عقیدہ حق نہیں ہوتا ہے۔ دنیا میں کوئی مذہب ایسا نہیں ہے جس کے

ماننے والے اس کے معتقد نہ ہوں۔ سب ہی اپنے اپنے مذہب پر عقیدہ رکھتے ہیں۔ حتیٰ کہ کفار بھی اپنے مذہب پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ مگر یہ سب مومن نہیں ہیں۔ کیونکہ ایمان کے معنی ہیں " اعتقاد جازم مطابق واقع " یعنی وہ اعتقاد جو قلب میں مستحکم ہو۔ اور جس پر عقیدہ ہے وہ حق ہو۔ واقعی ہو غلط نہ ہو باطل نہ ہو۔

کتب منطق میں علم کے اقسام اور مقسم و تقسیم تفصیلاً بیان کئے گئے ہیں۔ ابتدائی کتب ہی کے مطالعہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ وہم، ظن، شک، یقین، تشکیک مخلطی، تشکیک معیب کس مفہوم کے اقسام ہیں۔ افسوس ہے کہ بڑے بڑے القاب سے متصف ہو کر یہ بھی نہیں جانتے کہ جہل مرکب بھی اعتقاد ہی کی ایک قسم ہے جس میں بہت سے لوگ مبتلا ہیں۔ خداوند عالم قائلین وحدت نوع کو اس طرف سے ہٹا کر ایمان کی طرف لائے

متشابہات کتاب و سُنّت جاہلوں کے لئے متشابہا ہیں

احادیث کثیرہ متواترہ کو اپنے زعم میں متشابہات ظاہر کر کے قائلین وحدت نوع نے ان ذوات مطہرہ کی خلقت نوری کے باب میں لکھ دیا ہے کہ۔

" یہاں وارد شدہ لفظ " نور " سے مراد ان کے بدن و جسم نہیں ہیں بلکہ ان کی ارواح مقدسہ مراد ہیں۔ اور چونکہ ان کے اجسام مقدسہ ان کے ارواح مطہرہ کے حامل ہیں۔ اس مناسبت سے ان کو من " باب المجاز " نور کہدیا گیا ہے " (اصول الشریعہ ص۹۱) یعنی کہنا تو نہیں چاہیئے تھا۔ خواہ مخواہ کہہ دیا گیا ہے۔ کیا یہ انداز توہین توہین آمیز نہیں ؟۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ لفظ " متشابہات " قرآن و حدیث میں اُن جاہلوں کی نسبت سے مستعمل ہوا ہے جو " حقیقی معنی " ان آیات و احادیث کے نہیں جانتے ہیں۔ اور اپنی جہالت کی وجہ سے غلط تاویلیں کر کے فتنہ و فساد پیدا کرتے ہیں۔ لیکن خداوند عالم خود جانتا ہے اور وہ ہستیاں بھی جن کو خداوند عالم نے ان کی تخلیق میں علم عطا کر دیا ہے۔

لہٰذا حضرات محمد و آلِ محمد علیہم السّلام کے لئے کوئی آیت و حدیث متشابہات نہیں ہے۔ ان کے لئے پورا قرآن ہی محکمات و بیّنات ہے۔

بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ ؕ

یہ قرآن ان ہستیوں کے سینوں میں روشن آیات ہے جن کو علم دیا جا چکا ہے۔

ان ذوات مقدسہ نے جن لوگوں کو صحیح معنی سمجھا دئے ہیں۔ اُن کے لئے بھی یہ آیات متشابہات نہیں ہیں۔ ہر امام علیہ السّلام نے اپنے اپنے معتمد اصحاب کرام کو تنزیل و تاویل سمجھا دی ہے جن کے ذریعہ وہ

تفاسیر و احادیث سلسلہ بسلسلہ ہم تک پہنچی ہیں۔ حضرات محدثین نے کیسے کیسے آزمائشی دور میں اپنے سینوں میں محفوظ کیا ہے۔ اس کے تفاصیل زیرِ نظر جلد دوم میں درج کئے گئے ہیں ـــــ اللہ تعالیٰ نے بقانونِ لطف ہمیں گمراہی سے بچانے اور ہدایت حاصل کرنے کے اسباب مہیا کر دئے ہیں اور وہ نہیں ہیں مگر حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام کے ارشادات۔

لہٰذا ہم پر فرض ہے کہ اپنے اپنے ایمان اور عقیدہ کا جائزہ ان ہی کی روشنی میں لیں۔ حصولِ ہدایت کے لئے جن کی بقاء کا انتظام خود خدا پر لازم ہے۔

نورِ محمدؐ و آلِ محمدؐ علیہم السلام کے سوا کوئی مخلوق اوّل نہیں

کتبِ احادیث میں حضرات چہاردہ معصومین علیہم السلام کا مخلوق اوّل ہونا متواترات سے ہے متقدمین و متاخرین محدثین نے ان حضرات کے سوا کسی مخلوق کو اوّل خلق نہیں کہا۔ اور نہ کسی غیر کی نشاندہی کی۔ اور نہ اس میں کوئی اختلاف پایا گیا۔ یہ ہمارا مستحکم ایمان ہے کہ یہی حضرات اوّل خلق ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتے تو کچھ نہ ہوتا جیسا کہ جناب شیخ صدوق نے بالوضاحت اپنے اعتقادیہ میں درج فرمایا ہے۔ ہم نے زیرِ نظر کتاب میں نقل کر دیا ہے۔

عند العقلاء یہ امر مسلّم ہے کہ اوّل مخلوق ایک ہی ہے جس کو آثار و صفات کے لحاظ سے متعدد اسماء سے مسمّی کیا گیا ہے۔ مگر حقیقت اس کی ایک ہی ہے۔ چنانچہ عالم ربانی مجتہد لاثانی صدر المحققین بدر المناظرین جامع المعقول والمنقول حاوی الفروع والاصول سرکار علامہ سید حشمت علی خیر اللہ پوری اعلی اللہ مقامہ نے اپنے علمی جواہر پاروں میں سے جو ہند و پاک میں معیاری افاضات علمیہ ہیں (جن کی اشاعت کی طرف ان کی اولاد اور معتقدین کو جلد توجہ کرنا از بس ضروری ہے) ایک کتاب "ضرورۃ الامام" تحریر فرمائی ہے۔ جس کی مندرجہ ذیل عبارت پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

• جاننا چاہیئے کہ نور محمدیؐ اقرب مخلوقات و اول مجعولات ہے طرف حق اول کے اور اعظم و اتم موجودات ہے۔ اور موجودیت میں ثانی موجد ذات ہے۔ اور یہی مراد ہے ان اقوال کی جو احادیثِ نبویہؐ میں وارد ہوئے ہیں۔ چنانچہ ایک روایت میں آپ کا قول ہے۔ اوّل ما خلق اللہ نوری۔ یعنی پہلے اللہ تعالیٰ نے جس کو پیدا کیا وہ میرا نور ہے۔ اور ایک روایت میں ہے اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللہُ الْعَقْلُ۔ یعنی پہلے جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا وہ عقل ہے۔ اور ایک روایت میں ہے اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللہُ رُوْحِی۔ یعنی پہلے اللہ تعالیٰ نے جس کو پیدا کیا وہ میری روح ہے۔ اور ایک روایت میں ہے اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللہُ الْقَلَمُ

یعنی پہلے اللہ تعالیٰ نے جس کو پیدا کیا وہ قلم ہے۔ واضح ہو کہ یہ سب اوصاف اور نعوت شئے واحد کے ہیں باعتبارات مختلفہ۔ پس وہ شے باعتبار ہر صفت کے ایک اسم سے مسمّٰی ہے۔ اگرچہ اسماء تو کثیرہ ہیں لیکن مسمّٰی واحد ہے۔ ذاتاً و وجوداً۔

نور کے حقیقی معنی کی بالدلائل توضیح

یاد رکھنا چاہیئے کہ ہر لفظ کے معنی ایک ایسی حقیقت ہوتے ہیں کہ جس کی صورتیں اور قالب متعدد ہوتے ہیں۔ جیسے لفظ میزان کسی شئے کے اندازہ کرنے کا آلہ۔ جیسے علم منطق فکری نتائج کا آلہ ہے۔ ترازو تولنے کا آلہ ہے۔ مسطر اور پرکار علم ریاضی کے لئے آلہ ہے۔ اور حضرت امیر علیہ السلام اعمال و اعتقاد کی صحت کا آلہ ہیں۔ اسی طرح لفظ "قلم" جس معنی کے لئے وضع کیا گیا ہے، وہ ایک ایسے آلہ کے لئے ہے۔ جس کے ذریعہ لوح پر نقوش بنائے جائیں۔

جب قلم ایک ایسے آلہ کا نام ہے جس کے ذریعہ نقوش کھینچے جائیں تو یہ معنی ایک حقیقت ہیں جس کا وجود متعدد صورتوں اور متعدد قالبوں میں ہوتا ہے۔ کلک سے بنایا جائے تو وہ بھی قلم ہے۔ لوہے۔ پیتل۔ تانبہ سے بنایا جائے تو بھی قلم ہے۔ کسی مصالحہ سے بنایا جائے تو وہ بھی قلم ہے۔ یہ سب جسمانی قلم ہیں۔ اگر نور سے بنایا جائے۔ تو وہ بھی قلم ہے مگر نورانی قلم ہے۔ معنی قلم سب میں مشترک ہیں۔ مگر صورتیں اور قالب جدا جدا ہیں۔ (علم الیقین کاشانی)

اسی طرح لوح جس پر نقش بنائے جائیں وہ بھی ایک حقیقت ہے جس کے لئے متعدد صورتیں اور قالب ہیں۔ وہ لوح خواہ لکڑی کی ہو خواہ سونے چاندی کی۔ اور خواہ کاغذ اور دفتی کی ہو۔ سب لوح کہلاتے ہیں کیونکہ حقیقت لوح سب میں مشترک ہے۔ یہ سب جسمانی لوح ہیں۔ اگر وہ لوح نورانی و روحانی ہو تو وہ بھی لوح ہے مگر روحانی و نورانی ہے۔

اس تمہید سے واضح ہو گیا کہ اول مخلوق کو اس لئے قلم کہا گیا ہے کہ وہ کائنات کے نقوش وجود بنانے کا آلہ ہے اور اسی کو لوح اس لئے کہا گیا ہے کہ خلاق عالم نے سب سے پہلے اپنے علم و قدرت کے نقوش اس پر ظاہر کئے۔ یہی مظہر صفات جلال و جمال ہے۔ لہٰذا یہ مخلوق اول قلم بھی ہے اور لوح بھی (علم الیقین کاشانی)

اسی اوّل مخلوق کو نور سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ اس کے ذریعہ کائنات کا ظہور ہوا ہے یہ خود ظاہر ہے اور کائنات کو ظاہر کرنے کا ذریعہ ہے۔ یہی حقیقی معنی ہیں "نور" کے۔ یعنی ظاہر بنفسہٖ مظہر لغیرہٖ خود اپنے وجود میں ظاہر ہو اور دوسروں کو ظاہر کر دے۔

خداوند عالم کے لئے بھی اسی حقیقی معنی کے لحاظ سے لفظ "نور" قرآن مجید میں مستعمل ہوا ہے۔

"اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" خداوند عالم مخلوقات سماوی وارضی کے لئے نور ہے

وہ بذاتِ خود ظاہر ہے اور اسی نے مخلوقات کو خلعتِ وجود دے کر ظاہر فرمایا ہے۔

حقیقت نور اپنے معنی کے لحاظ سے مشترک ہے۔ مگر صورتوں اور قالبوں کے لحاظ سے جدا جدا ہے

چنانچہ خداوند عالم نے اسی معنی کے لحاظ سے فرمایا ہے "وَالْقَمَرَ نُوْرًا" یعنی ماہتاب کو اس نے

نور بنایا۔ لہٰذا چاند بھی نور ہے۔ خود ظاہر ہے اپنے وجود میں اور اپنی شعاعوں سے دوسروں کو روشن

کر دیتا ہے۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ روشنی کا مطلب و معنی بھی اپنے حقیقی معنی کے لحاظ سے مراد ہوگا۔ اس کے

لئے بھی صورتیں اور قالب جدا جدا ہیں۔

کبھی روشنی کا معروض یعنی جس پر روشنی پڑے گی اجسام ظاہری ہوں گے۔ جس طرح آفتاب

و ماہتاب کی روشنی سے اشیاء زمین روشن ہو جاتے ہیں۔ جس کو ہمارے حواس خمسہ ظاہری میں سے

صرف حاسہ البصر محسوس کرتا ہے۔ یعنی آنکھ دیکھتی ہے۔ کان۔ ناک۔ زبان۔ ہاتھ سے اس کا تعلق نہیں

ہے۔ لہٰذا روشنی شمس و قمر صرف آنکھ کے لئے نور ہے۔ باقی حواس کے لئے نور نہیں ہے۔

معنی نور کو ملحوظ رکھتے ہوئے جو چیز ہمارے حواس باطنہ کو روشنی بخشے گی وہ بھی نور کہلائے گی۔

یعنی اگر وہ قلوب میں روشنی پیدا کر دے یا ہمارے عقول کو روشنی بخش دے تو وہ بھی حقیقی معنی میں نور

ہوگی۔ خواہ وہ روشنی بخشنے والی چیز ذی حیات ہو یا ذی حیات نہ ہو۔

اس تمہید سے ثابت ہو گیا کہ کتاب منزل من اللہ بھی نور ہے۔ کیونکہ اس کے ذریعہ ہمارے عقول و

قلوب کو روشنی حاصل ہوتی ہے جس سے روح ایمان منور ہو جاتی ہے۔

قرآن مجید میں اسی معنی حقیقی کے لحاظ سے کتب الہامی کو نور کہا گیا ہے اور اسی معنی حقیقی نور کے

لحاظ سے حضرات انبیاء و آئمہ علیہم السلام نور ہیں۔ جن کے ذریعہ حقائق کائنات و مکونات روشن ہوئے

اور عقائد و معارف اور عبادات و اعمال کو ضیاء و جلا نصیب ہوئی۔ یہی حضرات ہمیں ظلماتِ گمراہی

سے نورِ ہدایت کی طرف لائے ہیں۔ تاریکیوں سے نکال کر روشنی بخشی ہے۔ لہٰذا معنی حقیقی نور

ان حضرات میں بدرجہ اتم و اکمل موجود ہیں بلکہ مخلوقات میں اصل نور اور حقیقی نور یہی ہیں۔

اشتراک لفظ سے اشتراک معنی لازم نہیں

یاد رکھنا چاہیئے کہ معنی ظاہر اور معنی مُظہر بھی ایک حقیقت ہے۔ خداوند عالم کے لئے ظاہر و مُظہر کے جو معنی ہیں وہ اپنے معنی کے لحاظ سے بے مثل و بے مثال ہے۔ وہ بالذات ظاہر اور بالذات مُظہر ہے اور اس کے سوا تمام مخلوقات بالغیر ظاہر اور بالغیر مظہر ہیں۔

لہٰذا اشتراک لفظ سے اشتراک معنی لازم نہیں آتا۔ خدائے عزوجل کی توحید اپنے مقام پر قائم و دائم ہے اس مضمون کو ہم نے حقائق الوسائط جلد اول میں نہایت شرح و بسط کے ساتھ تحریر کر دیا ہے خصوصًا اس سلسلہ میں ایک حدیث رضوی پیش کرنے کا فخر حاصل کیا ہے۔ جس میں حضرت نے اشتراک لفظ و اختلاف معنی کی تفسیر و توضیح فرمائی ہے۔ اور اسمائے مشترکہ بین الخالق والمخلوق کو شمار کر کے ایک ایک اسم کے جدا جدا معنی ثابت فرمائے ہیں۔ جیسے انسان کے لئے اسم سمیع و بصیر اور خدا کے لئے بھی اسم سمیع و بصیر اطلاق ہوا ہے۔ صرف الفاظ مشترک ہیں معانی جدا جدا ہیں۔

قشری اور لُبّی علماء کی اِصطلاح

ہمارے ان تشریحات کے بعد قشری علماء اور لبّی علماء میں فرق واضح ہو جائے گا۔ قشری سے مراد ظاہر بین علماء ہیں۔ اور لُبّی سے مراد باطن نگاہ علماء ہیں۔ قِشر چھلکے کو کہتے ہیں۔ اور لُبّ مغز کو کہتے ہیں چھلکا ظاہر ہوتا ہے۔ اور مغز باطن یہ اصطلاح علامہ کاشانی کی ہے۔ قائلین وحدت نوع اور ان کے سرخیل کو اپنے اس خیال باطل کے کناڈ کرنا چاہیئے کہ حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام کو جن احادیث میں نور کہلایا گیا ہے وہ مجازًا کہلایا گیا ہے۔ نور سے مراد ان کی روح ہے حقیقت میں وہ نور نہیں ہیں۔

حالانکہ حقیقت ان کی اس تحریک کے بالکل برعکس ہے کیونکہ حقیقی معنی میں تو یہی حضرات نور ہیں جن کے ذریعہ دیگر انوار پیدا ہوئے ہیں۔ تمام انوار کی اصل اور ان کا سرچشمہ یہی انوار مقدسہ ہیں ان ہی کے نور حقیقی کی شعاعوں سے ملائکہ پیدا ہوئے۔ ان ہی کی شعاعوں سے عرش و کرسی اور شمس و قمر کو نور نصیب ہوا اور ان ہی کی شعاعوں سے مومنین کو نور حاصل ہوا۔ یہی حضرات نور الانوار۔ نور الاخیار۔ عناصر الابرار، مصباح الدجی منار الہدی، اصل قدیم اور فرع کریم ہیں۔ جس کے دلائل حقائق الوسائط جلد اول میں شرح و بسط کے ساتھ مندرج ہیں اور زیر نظر جلد دوم میں بھی مزید اندراجات ہیں۔

مخفی نہ رہے کہ جناب شیخ مفید علیہ الرحمہ اور سید مرتضیٰ علم الہدیٰ علیہ الرحمہ کی طرف ایک قول منسوب کر

یہ حضرات خلقت اوّلی نوری کے قائل نہ تھے بلکہ اشال و اشباح کے قائل تھے۔

یہ نسبت اوّلاً مقدوح ہے۔ اس کا معتبر ثبوت نہیں ملتا۔ ثانیاً جو کچھ منسوب ہے اس میں ان کے اشال و صور کا خلقت آدم سے پیشتر وجود ثابت ہوتا ہے بلکہ عرش سے بھی پہلے موجودیت ثابت ہوتی ہے ثالثاً جس زمانہ میں یہ قول منسوب کیا گیا وہ شیعوں کی قلت کا ہولناک زمانہ تھا۔ اس لئے تقیۃً ممکن ہے جس طرح حضرت صادق آل محمد علیہ السلام نے علی بن یقطین کو وضو کے متعلق حکم دیا تھا کہ اس طرح کرو جیسے عامہ کرتے ہیں۔ مسح پا کے بجائے پیروں کو دھو یا کرو۔ رابعاً جناب شیخ مفیدؒ نے حضرت ولی العصر عجل اللہ فرجہ کی توقیع مبارک خود تحریر فرمائی ہے۔ جس میں یہ فقرات موجود ہیں "نَحْنُ صَنَائِعُ رَبِّنَا وَالْخَلْقُ بَعْدُ صَنَائِعِنَا" یعنی ہم اپنے رب کی صنعتیں ہیں اور اس کے بعد تمام خلق ہماری صنعتیں ہیں۔ اس توقیع مبارک سے تقدم وجود معصومین علیہم السلام ثابت ہے۔ تفصیلات توقیع مبارک کے لئے حقائق الوسائط جلد اول کا مطالعہ کیجئے۔ خامساً احادیث کثیرہ میں ان کی تخلیق نوری کا ذکر موجود ہے جن کو شیخ صدوق علیہ الرحمہ اور شیخ طوسی علیہ الرحمہ اور علامہ مجلسی علیہ الرحمہ وغیرہم من المحدثین نے اپنی کتب میں درج فرمایا ہے ان سب بزرگواروں نے حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام کی تخلیق اول نوری اور تقدم وجودی کو یقینی و تحقیقی قرار دیتے ہوئے اسی پر اپنے ایمان و اعتقاد کا اظہار فرمایا ہے جس کے مقابلہ میں مشکوک و منسوب قول رد ہو جاتا ہے۔

سادساً تخلیق اول نوری ممکن الوجود ہے عقلاً محال نہیں ہے۔ قدرت کاملہ الٰہیہ کی عمومیت سے خارج نہیں ہے اور مخبر ین صادقین علیہم السلام نے اس کی خبر دی ہے۔ لہٰذا ثابت ہے کہ حضرات محمد و آلِ محمد علیہم السلام ہی تخلیق میں اول الموجودات ہیں۔

لہٰذا جو شخص ان حضرات کو نور تسلیم نہیں کرتا وہ یقیناً احادیث متواترہ کا منکر ہے۔ اور منکر نور محمد و آلِ محمد علیہم السلام مسلم ہو تو ہو شیعیت سے خارج ہے۔

عُلمائے قشریین کے لئے کحل الجواہر

حضرات قائلین وحدت نوع کی نظر میں نور کا مطلب ظاہری روشنی ہے جو آنکھوں سے نظر آتی ہو لیکن جو قلوب و عقول کو روشن کرے وہ ان کی نظر میں مجازاً نور ہے حقیقۃً نور نہیں ہے۔ مگر اتنا تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن و حدیث میں ان ذوات مقدسہ کے لئے لفظ نور کا اطلاق ضرور ہوا ہے۔ لیکن ما بہ النزاع یہ امر ہے کہ اطلاق نور ان ہستیوں کے لئے حقیقت ہے یا مجاز۔ ہم انہیں حقیقت و مجاز

کے تعینات کے لئے ایک قانون بلاغت کی طرف توجہ دلاتے ہیں تاکہ وہ اس کی روشنی میں حقیقت و مجاز کا فیصلہ کیا کریں۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ ہر لفظ اپنے حقیقی معنی ہی میں مستعمل ہوتا ہے مگر جب مجازی معنی میں استعمال کرنا مقصود ہو تو اس کے لئے کسی ایسے لفظ کا اس کے ساتھ استعمال کرنا لازم ہے جو اصلی وحقیقی معنی مراد لینے سے مانع ہو یا حقیقی معنی مُراد لینا عقلاً محال ہوں تب کہیں اس کے معنی مجازی مُراد لئے جائیں گے۔

ہم لفظ نور کے حقیقی معنی گذشتہ صفحات میں پیش کر چکے ہیں لفظ نور کے حقیقی معنی ظاہر بنفسہٖ مظہر لغیرہ ہیں۔ خواہ اس کا ظہور حواس ظاہری کے ذریعہ ہو یا حواس باطنی کے ذریعہ بنا بریں حضرات انبیا و ائمہ علیہم السلام کے لئے لفظ نور اپنے حقیقی معنی میں مستعمل ہے۔ ان کے ذریعہ تمام خلائق کو روشنی نصیب ہوئی ہے اور ہوتی رہے گی۔ کیونکہ جس طرح ظاہری تاریکیاں ظاہری نور سے ظاہری حواس کے ذریعہ دور ہو کر روشنی سے مبتدل ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح باطنی تاریکیاں باطنی نور سے باطنی حواس کے ذریعہ مبتدل بہ روشنی ہو جاتی ہیں یہی نور کے حقیقی معنی ہیں اس کو مجازی معنے کہنا قطعاً غلط ہے۔ کیونکہ ان کو نور کہنا عقلاً محال نہیں ہے۔ لہٰذا حضرات محمد وآلِ محمد علیہم السّلام بالتحقیق نور ہیں۔ معنی مجازی مراد لینے کے لئے یہ شرط ہے کہ حقیقی معنی کا مراد لینا محال عقلی ہو جو اس مقام پر ثابت نہیں ہے۔

• لیکن اگر نور کے معنی عُلمائے قشریّین کی فرضی اصطلاح میں ظاہری روشنی کے ہیں جو آنکھوں سے نظر آئے تو اس معنی سے بھی حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام نور ہیں جس کا اظہار واخفا خداوند عالم نے ان کے اختیار میں دے دیا ہے چنانچہ ان حضرات نے موقعہ بہ موقعہ حسب مصلحت اپنے نور کا اظہار فرمادیا ہے۔

جناب علامہ جزائری ؒ نے اپنی کتاب انوار نعمانیہ میں ایک حدیث تحریر فرمائی ہے۔ ملاحظہ کیجیے۔

ایک مرتبہ جبرئیل حضرت سیّدہ صلوات اللّٰہ وسلامہ علیہا کے در دولت پر حاضر ہوئے۔ اور مصروف گفتگو ہوئے۔ جناب سیّدہ نے یا عَم کہہ کر خطاب فرمایا۔ جب جبرئیل نے آں حضرتؐ کی خدمت میں یہ گفتگو پیش کی۔ اور یہ عرض کیا یا رسول اللّٰہ ہم مخلوق نوری ہیں اور آپ حضرات کی خلقت طین سے ہے پھر یا عَم یعنی اے چچا کیوں فرمایا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا اے جبرئیل "نَحْنُ اَیْضًا مَخْلُوْقُوْنَ مِنَ النُّوْرِ" ہم بھی نور سے خلق ہوئے ہیں۔ پھر آں حضرتؐ نے حضرت امیرؑ کو بلایا اور اپنی پیشانی جناب امیرؑ کی پیشانی سے ملا کر ذرا رگڑ دی اُس سے اس قدر نور ساطع ہوا کہ لوگوں کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا اے جبرئیل اس نور کو پہچانتے ہو۔ انہوں نے عرض کی یا رسُول اللّٰہ یہ تو وہی نور ہے جس کو ہم عرش پر دیکھا کرتے تھے۔ آں حضرتؐ نے فرمایا۔ اسی لئے میری بیٹی نے یا عَم کہا تھا۔ ایسے واقعات بکثرت

احادیث میں وارد ہیں جن سے نُور بمعنی روشنی ظاہری ثابت ہے۔

اگر ناظرین کرام سیر حاصل اطلاع کے متمنی ہیں تو میں خصوصیت کے ساتھ التماس کروں گا کہ جناب مولانا محمد حسنین صاحب سابقی سلمہ اللہ کی کتاب "جواہر الاسرار" کا مزور مطالعہ فرمائیں۔ یہ کتاب قائلین وحدت نوع کی کتاب "اصول الشریعہ" کا بہترین اور مسکت جواب ہے جس میں تمام موجودہ اختلافی مسائل پر اطمینان بخش تبصرہ ہے۔ اور "اصول الشریعہ" کے ہر باب کا مکمل و مبرہن جواب دیا گیا ہے۔ یہ کتاب جوابی نوعیت میں مثالی و معیاری کتاب ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ اس کی نشر و اشاعت میں مقصّرین کے ہتھکنڈے مانع ہوئے ہیں۔ میں واعظین کرام اور خطباء عظام بلکہ مدرسین مدارس عربیہ سے عرض کرتا ہوں کہ اس کی اشاعت میں سعی بلیغ فرمائیں۔ اور حضرات مالکان کتب خانہ اس کی نشر و اشاعت میں اپنی پوری قوت صرف کریں۔ غالباً فی الحال یہ کتاب اندرون موچی دروازہ کتب خانہ حسینیہ یا کتب خانہ امامیہ لاہور سے دستیاب ہو سکتی ہے۔ نیز افتخار بک ڈپو کرشن نگر لاہور سے بھی فراہم ہو سکتی ہے۔

رُوح اور نُور دو جداگانہ حقیقت ہیں

حقیقت روح اور اس کے آثار اور حقیقت نور اور اس کے آثار جدا جدا ہیں۔ جس کے ثبوت کے لئے مشاہدات ہی کافی ووافی ہیں۔

قائلین وحدت نوع کے لئے یہ امر نہایت مشکل و دشوار تھا کہ اگر حضرات محمد و آلِ محمد علیہم السلام کو نور تسلیم کر لیا گیا تو پھر ان کی حقیقت نوع بشر سے جداگانہ تسلیم کرنا پڑے گی۔ پھر ان کا مفروضہ "وحدت نوع" ھباءً منثوراً ہو جائے گا۔ جس کے لئے وہ موجودہ خالصی اور اس کے نجدی آقاؤں کی طرف سے مامور نظر آتے ہیں۔ ورنہ حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام اگر ان کے محبوب ہیں تو ان کے بلند درجات اور اعلیٰ مراتب پر ایمان لانے والوں اور ان کے فضائل و کمالات بیان کرنے والوں سے دشمنی کیوں ہے۔ اور اُن کی رد میں ضخیم کتب کی اشاعت و طباعت کے لئے لاکھوں روپیہ کس خزانہ سے حاصل ہوتے ہیں۔ جبکہ مجالس خوانی کا معاوضہ بھی نہیں لیتے تو پھر ذریعہ معاش کیا ہے۔ بہرحال یہ معاملہ پیچیدہ ہے۔ قوم خود اس کی طرف ناظر ہے۔ ان کے محاسبہ کا وقت قریب آچکا ہے۔ علامہ میلانی نے فرمایا ہے۔ "اینہا مزدور بیگانگان ہستند" علماء قشریین ہی ان ذوات مقدسہ کو فی الحقیقۃ نور تسلیم نہیں کرتے۔

یہ امر مسلّم ہے کہ لفظوں کے سماعت کرتے ہی جو معنی ذہن میں آجائیں وہ معنی "حقیقت"

کہلاتے ہیں۔ کیونکہ اَلتَّبَادُرُ مِنْ عَلَائِمِ الحقیقۃ" لفظ سنتے ہی جو معنی فوری طور پر ذہن میں آ جائیں یہی اس کے حقیقی معنی ہونے کی دلیل ہے۔

لہٰذا لفظ رُوح سنتے ہی جو معنی تبادر ہوتے ہیں وہی روح کے حقیقی معنی ہیں۔ چنانچہ تمام عقلائے روزگار اس امر پر متفق ہیں کہ لفظ روح سنتے ہی یہ بات ذہن میں آجاتی ہے کہ وہ ایسی قوت ہے۔ جس سے زندگی حاصل ہوئی ہے اگر وہ جدا ہو جائے تو موت واقع ہو جائے گی۔ یہی معنی روح کے حقیقی معنی ہیں۔ اس معنی کے تصور کے ساتھ کسی بھی ہوشمند انسان کو معنی نور کا وہم بھی نہیں ہوتا۔ لہٰذا معنی نور جداگانہ ہیں۔ اور معنی رُوح جدا۔

چنانچہ احادیث کثیرہ صحیحہ میں نور کی تخلیق جداگانہ اور رُوح کی جداگانہ بیان کی گئی ہے۔ قارئین کرام کو زیرِ نظر کتاب میں سیر حاصل بحث کے مطالعہ کا موقعہ ملے گا۔ انشاء اللہ۔

اس وقت ہم صرف ایک حدیث مبارک کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ تَکَلَّمَ بِکَلِمَۃٍ فَصَارَتْ نُوْرًا فَخَلَقَ مِنْہُ نُوْرَ النَّبِیِّ وَنُوْرَ الْاَئِمَّۃِ وَتَکَلَّمَ بِکَلِمَۃٍ اُخْرٰی فَصَارَتْ رُوْحًا فَاَسْکَنَھَا فِیْ ذٰلِکَ النُّوْرِ وَاَسْکَنَہٗ فِیْ اَبْدَانِنَا"

بالتحقیق خداوند عالم نے ایک کلمہ کے ساتھ تکلم فرمایا یعنی ارادہ کیا پس وہ نور ہو گیا۔ اس سے نبی و آئمہ علیہم السلام کا نور خلق کیا۔ اور دوسرے کلمہ کے ساتھ تکلم فرمایا تو وہ روح ہو گیا پس اس روح کو اس نور میں ساکن کر دیا اور اس کو ہمارے ابدان میں ساکن فرما دیا۔

اس حدیث مبارک سے صاف طور پر واضح ہے کہ ان کی روح اور ان کے نور کی خلقت جدا جدا ہے اور پھر ایک کو ظرف بنایا گیا ہے۔ اور دوسرے کو مظروف جس کو ساکن کیا ہے وہ روح ہے اور جس میں ساکن کیا ہے وہ نور ہے لہٰذا دو جدا جدا حقیقت ہیں۔ نور کو جداگانہ حقیقت تسلیم نہ کرنا غلط اور باطل عقیدہ ہے۔

اس کے علاوہ یہ بھی مشاہدہ ہے کہ کفار میں روح موجود ہے مگر کسی عاقل نے آج تک ان کی روح کو نور نہیں کہا ورنہ کفار بھی نورانی مخلوق کہے جاتے۔ بلکہ وہ تمام مخلوق جن میں روح ہے نورانی مخلوقات ہوتے خواہ وہ پرندے ہوں یا درندے۔ پاک ہوں یا نجس العین۔

لہٰذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ روح علیحدہ ایک حقیقت ہے جس کو عرف عام میں نور نہیں کہا جاسکتا۔

قائلین وحدت نوع نے اپنے مفروضہ کے ثبوت میں احادیث صحیحہ کثیرہ کو نظر انداز کر کے صرف

دو روایتیں تحریر کی ہیں۔ایک روایت مجہول الکتاب میں مجہول الحال مولف کی پیش کردہ ہے جو ساقط عن الاعتبار ہے۔ دوسری روایت ایک غیر معصوم کی ہے جو عند الشیعہ سند نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا بقول ان کے ایسی ضعیف اور مقطوع السند روایت پر اپنے عقیدہ کی دیوار استوار کرنا کہاں کی دانشمندی ہے۔ جب کہ وہ عقل و درایت کے بھی خلاف ہے۔ جب بکثرت "احادیث صحیحہ" جو حضرات معصومین علیہم السلام سے منقول ہیں اور جامعین احادیث بھی شیوخ حدیث و مراجع ہیں جن پر متقدمین و متاخرین کو مکمل اعتماد ہے بلکہ مجتہد مذہب شیعہ کے مرتبہ پر فائز ہیں ان کے مقابلہ میں کسی مجہول الحال مولف کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے جب کہ روایت بھی مشکوک ہے۔ جیساکہ جواہر الاسرار میں مولانا سابقی صاحب سلمہ اللہ نے مندرجہ ذیل تحقیق قلم بند کی ہے۔ ص۸۳ و ص۸۴۔

روح کو نور سے تعبیر کرنا مسلمات شیعہ کے خلاف ہے

فاضل مولف (اصول الشریعہ) نے اپنے موقف میں دو حدیثیں پیش کی ہیں (۱) بحار الانوار جلد، ص۱۵ میں منہج التحقیق الی سواء الطریق کے حوالہ سے مرقوم ہے۔ امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے ان اللہ خلق اربعۃ عشر نورا من نور عظمتہ قبل خلق ادم باربعۃ عشر عام فھی ارواحنا۔ خداوند عالم نے حضرت آدم سے چودہ ہزار سال قبل چودہ انوار کو اپنے نور عظمت سے پیدا کیا اور یہ انوار ہمارے ارواح ہیں۔

جواباً عرض ہے کہ یہ حدیث علم درایت کے لحاظ سے وثاقت سے گری ہوئی ہے چونکہ منہج التحقیق ایک مجہول المولف کتاب ہے جس کے متعلق آج تک ثابت نہ ہو سکا کہ کس کی ہے۔ لہٰذا بقول مولٰینا صاحب کے جب اصول العقائد میں ایک صحیح الاسناد خبر واحد بھی حجت نہیں ہو سکتی تو ایک مجہول الحال مولف اور مجہول الحال کتاب کی روایت پر کیونکر اعتماد کیا جا سکتا ہے ثانیاً اینکہ اس روایت کو اگر تسلیم کر بھی لیا جائے تو بھی مولف کا مدعا ثابت نہیں ہوتا۔ چونکہ کتاب عوالم جلد ۲ اور "الدمعۃ الساکبۃ" ص۲۱ سطر ۱۲ پر بھی یہ روایت منقول ہے۔ جہاں- فھی ارواحنا" کی بجائے" فیھن ارواحنا" لکھا ہے۔ جس کا مطلب واضح ہے کہ ان چودہ انوار میں ہماری ارواح رکھی گئی تھیں۔ جو ہمارے نظریہ کے بالکل مطابق ہے۔

(۲)، دوسری روایت کنز الفوائد کراجکی کے حوالہ سے شیخ صدوق کی کتاب المعراج سے نقل کی گئی ہے۔

يا علىّ انّ الله كان ولا شئ معه فخلقنى وخلقك روحين من نور جلاله

یا علی خداوند عالم موجود تھا۔ اور اس کے ہمراہ اور کوئی چیز نہ تھی۔ پس مجھے اور آپ کو اپنے نورِ جلال سے دو روح پیدا کیا۔

اس شبہ کے چند جوابات موجود ہیں۔

(۱) اینکہ یہ حدیث کنز الفوائد کراجکی میں بالکل درج نہیں ہے حوالہ غلط دیا گیا ہے بلکہ کنز جامع الفوائد ودفع المعاند سے منقول ہے جس کے مؤلف بھی مختلف فیہ ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ شیخ علم بن منصور متوفی ۹۳۶؁ھ (تقریباً) ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ السید شرف الدین علی النجفی صاحب تاویل الآیات الباہرہ ہیں۔ علامہ مجلسی جہاں "کنز" لکھتے ہیں اس سے یہی کتاب مراد ہوتی ہے۔ اور کراجکی متوفی ۴۴۹؁ھ کی کنز الفوائد کے لئے کنز الکراجکی لکھتے ہیں۔

(۲) اینکہ اس روایت کے راوی ابن عباس ہیں۔ ان کی شخصیت بھی مختلف فیہ ہے۔ باقی اسناد حذف ہیں تاکہ فن رجال کی روشنی میں اس کو جانچا جائے۔ پس اصول العقائد جیسے معاملہ میں فاضل مولف ایک مرسل اور غیر معصوم کی روایت پر عقائد کی دیوار کیونکر استوار فرما رہے ہیں۔

(۳) اینکہ فاضل مولف نے یہاں بھی حسب عادت روایت منقطع و بریدہ کرکے "لا تدبروا الصلوٰۃ" والا تقضیہ پیش کیا ہے۔ الخ (جواہر الاسرار)

ثبوت نوریت حضرات معصومین علیہم السلام کا حلفیہ بیان

ہم نور کی بحث کو ارشادات معصومین علیہم السلام میں سے صرف ایک حدیث پر ختم کرتے ہیں۔ جناب شیخ محمد یعقوب کلینی رضوان اللہ علیہ نے کافی میں ایک باب قرار دیا ہے جس کا عنوان ہے "اِنَّ الْاَئِمَّةَ نورُ اللهِ عزّ وجلّ" بالتحقیق ائمہ طاہرین علیہم السلام خدائے عزوجل کا نور ہیں۔ ابو خالد کابلی نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے آیہ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ اَنْزَلْنَا (سورۃ تغابن) (پس ایمان لاؤ اللہ پر اور رسول پر اور اُس نور پر جس کو ہم نے اُتارا) کی تفسیر دریافت کی تو حضرت نے فرمایا اے ابو خالد آلِ محمدؐ میں سے ائمہ قیامت تک واللہ نور ہیں۔ اور وہ واللہ خدا کا وہ نور ہیں جس کو اُس نے اتارا۔ اور وہ واللہ آسمان میں زمین میں نور ہیں۔ واللہ اے ابو خالد یقیناً امام کا نور قلوب مومنین میں آفتاب سے زیادہ روشن ہے۔ واللہ وہ قلوب مومنین کو منور کرتے ہیں اور خدائے عزوجل ان کے نور کو جن سے چاہتا ہے روک دیتا ہے۔ پس ان کے قلوب تاریک ہو جاتے ہیں۔

واللہ اے ابوخالد کوئی بندہ ہم سے محبت و تولا رکھ ہی نہیں سکتا۔ جب تک اس کے قلب کو خداوندعالم پہلے طاہر نہ کردے۔ اور خداوند عالم اس کے قلب کو پاک نہیں کرتا جب تک وہ ہماری ولایت کو قبول نہ کرلے اور ہمارے سامنے سر تسلیم خم نہ کرے۔ جب وہ ہمارے سامنے جھک جاتا ہے تو خداوندعالم اس کو سخت حساب سے بچالیتا ہے۔

اس حدیث مبارک میں حضرات آئمہ معصومین علیہم السلام کو قسم بخدا کے ساتھ نور فرمایا گیا ہے۔ واللہ نور ہیں۔ واللہ نور ہیں۔ واللہ نور ہیں۔

اب اس کے بعد بھی کوئی شخص انکارِ نور کرے اور قسم بھی کھائے کہ واللہ نور نہیں ہیں۔ تو مومنین پر واجب ہے کہ علی الاعلان کہیں کہ واللہ تو جھوٹا ہے۔ اگر اب بھی باز نہ آئے تو علی الاعلان کہیں واللہ تجھ پر لعنت ہے

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ کا ارشاد ہے کہ جب تم اہل بدعت و شک کو دیکھو کہ وہ نئی نئی چیزیں پیدا کر رہے ہیں۔ اور لوگوں کے دلوں میں شک ڈال رہے ہیں تو اُن سے قطع تعلق کرو۔ اور ان کو کثرت سے سب و شتم کرو۔ اور اُن کی خوب بُرائیاں کرو۔ اور ان کی غیبت بھی کرو۔ اور ان کو لعن وطعن کا نشانہ بناؤ تاکہ وہ دین میں فتنہ و فساد پیدا نہ کرسکیں۔ اور لوگوں کو ڈراؤ کہ اُن سے تعلق نہ رکھیں۔ اور اُن سے بدعتیں نہ سیکھیں اللہ تعالٰی تمہارے حسنات میں اضافہ کردے گا اور تمہارے درجات بلند کردے گا (وافی ص۵)

مُنکرِ نور مُعارین میں داخل ہے

ائمہ معصومین علیہم السّلام نے نقلی مومنوں کی ایک قسم "معارین" فرمائی ہے۔ اس کے معنی ہیں ظاہری ایمان کا اقرار کرتے ہیں۔ باطن میں وہ ہمارے منکر ہیں۔ اُن کی پہچان یہ ہے کہ اُن کا قول لوگوں کے سامنے کچھ اور ہوتا ہے اور عمل کچھ اور ہوتا ہے۔ وہ ہماری طرف کذب کی نسبت دیتے ہیں اور جو ہم نے بیان کیا ہے۔ اُس کو تسلیم نہیں کرتے۔ ایسے نقلی مومنوں کے لئے کُلی حسرت ہے۔ کُلی ندامت ہے۔ کُلی ذیل ہے۔ (کافی)

"معارین" درحقیقت یہی ہیں جو مومنین کرام کے سامنے حضرات ائمہ طاہرین علیہم السّلام کے فضائل بیان کردیتے ہیں۔ اور اپنی کتابوں میں اقوال وارشادات معصومین علیہم السّلام کی تاویلیں کرتے ہیں۔ کبھی معنی بدل دیتے ہیں کبھی حقیقت سے انکار کرکے مجاز کی رٹ لگاتے ہیں۔

حضرت علاّمہ مجلسی علیہ الرحمۃ والرضوان نے مسئلہ غلو کی توضیح فرماتے ہوئے ان "معارین" مومنوں کی تشاندہی باس عبارت فرمائی ہے۔ معنی خیز ترجمہ ہدیہ ناظرین ہے۔

بعض متکلم اور محدث لوگوں نے غلو کے معنی بیان کرنے میں غلو سے کام لیا ہے کیونکہ ایسے لوگ حضرات محمد و آلِ محمد علیہم السّلام کی حقیقی معرفت سے قاصر تھے، اور اُن کے حیرت انگیز حالات و واقعات کو سمجھنے، اور ان کی تعجب خیز شان کو برداشت کرنے سے عاجز تھے۔ اُنہوں نے اپنی کم علمی کی وجہ سے اُن معتمد و موثق راویوں میں بھی قدح کر دی ہے، جنہوں نے حضرات معصومین علیہم السّلام کی شان میں حیرت انگیز حالات اور تعجب خیز واقعات بیان فرمائے ہیں۔

حقیقت و شان معصومین علیہم السّلام کے ادراک سے قاصروں اور عاجزوں نے (بجائے اس کے کہ اپنا قصورِ علم و عجزِ معرفت تسلیم کرتے) اِن ذواتِ مقدسہ کے لئے بھول چوک نہ ماننے والوں کو بھی غالی کہہ دیا ہے۔ اور ان قاصروں نے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ جو ان حضرات کو عالم ماکان و مایکون تسلیم کرتا ہے۔ وہ بھی غالی ہے۔ اِسی طرح ان حضرات کے دیگر فضائل و کمالات کو بھی اپنی کم علمی کی وجہ سے غلو کہہ دیا ہے حالانکہ احادیثِ کثیرہ میں بلاشک و شبہ یہ مضمون وارد ہے جو خود ان ہی حضرات کا ارشاد ہے کہ "اے مومنین تم ہمیں خدا نہ کہو، اس کے سوا جو چاہو کہو۔ اور ہماری شان بیان کرو مگر پھر بھی تم ہماری فضیلت کا حق ادا نہیں کر سکتے۔ نیز ان ہی ذواتِ مقدسہ کا یہ ارشاد ہے کہ "ہماری شان بذاتِ خود مشکل ہے۔ اور اس کا سمجھنا بھی مشکل ہے، اس کا متحمل ہونا ملک مقرب یا نبی مرسل یا اس بندۂ مومن کا کام ہے۔ جس کے ایمان کا امتحان خدا لے چکا ہو" اور بلاشک و شبہ ان حضرات کی یہ حدیث بھی موجود ہے کہ "اگر ابوذر کو سلمان کا وہ ایمان معلوم ہو جائے جو انہیں ان ذواتِ مقدسہ کے باب میں حاصل ہے تو وہ اُسے قتل کر دیں" ازیں قبیل احادیث کچھ گذر چکے ہیں اور کچھ آئندہ لکھے جائیں گے۔ لہٰذا بندۂ مومن کو جو متدین مومن ہو۔ لازم ہے کہ وہ جلد بازی سے کام لے کر حضرات ائمہ طاہرین علیہم السّلام کے بلند فضائل و کمالات اور حیرت خیز معجزات کا انکار نہ کرے۔ جب تک دلائل یقینیہ سے کوئی چیز ان کے بلند فضائل و کمالات اور حیرت انگیز معجزات اور اعلیٰ شان کے خلاف ثابت نہ ہو یا ضروریاتِ دین کے خلاف نہ ہو یا آیات محکمات کے خلاف نہ ہو۔ (بحار الانوار جلد، صـ ۲۶۵)

اس محدث جلیل نے جو افادۂ علمیہ و افاضہ عرفانیہ فرمایا ہے۔ اس کی روشنی میں ذواتِ مقدسہ متعالیہ نورانیہ کو نور تسلیم کرنے اور جداگانہ مخلوق ماننے میں کسی طرح غلو ثابت نہیں ہو سکتا ہے۔

ارواحِ مقدسہ حضرات معصومینؑ ایک لمحہ کے لئے بھی جدا نہیں ہوتیں

ہم نے سابقہ صفحات میں حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام کا تقدم وجودی احادیث و عقل کی روشنی

میں مختصر طور پر پیش کیا ہے۔ مفصل و مشرح دو باب قائم کرکے پچاس دلائل زیرِ نظر کتاب میں درج کر دئے ہیں۔ قرآن و حدیث و عقل سے جب ان ذواتِ مقدسہ کی خلقت نوری و روحی کا تقدم ثابت ہے تو یقیناً یہ امر بھی ثابت ہو گیا کہ یہ حضرات عالم ہیں کیونکہ علم کے معنی "کشف" ہیں۔ اور مانعِ کشف مواد جسمانیہ ہیں۔ جب مادہ کثیفہ کا وجود ہی نہ تھا تو کشف ہی کشف تھا جس کو علم ہی علم سے تعبیر کیا جائے گا۔

نیز یہ ثابت ہے کہ اشیاء کائنات کا وجود ان کے بعد ہے۔ خواہ وہ نوری مخلوقات ہوں یا مادہ کثیفہ سے وجود میں آئی ہوں۔ سب کچھ مخلوق اول کے لئے کشف ہے یعنی علم ہے۔

نیز یہ امر ثابت ہو چکا ہے اور مسلمات مذہب شیعہ میں سے ہے کہ حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام کے ارواح و انوار ایک ہی نوع کے اصناف ہیں۔ تشخصات و تعینات کے لحاظ سے چہاردہ ہیں۔ ان ہی ذواتِ مقدسہ نے سب سے اول تسبیح و تحمید خدا کی اور ان کی تسبیح و تحمید ہی سے تسبیح و تحمید کو وجود حاصل ہوا۔

یہی حضرات معلّم عالم لاہوت و ملکوت ہیں ملائکہ اور ارواح انبیاء کو تعلیم دی ہے۔

لہٰذا ان حضرات کے لئے عالم و معلّم ہونا ثابت ہے اور علم و تعلیم کی استعداد و قابلیت ان کے لئے تخلیقی ہے۔ یعنی خدائے عزوجل نے جب ان کی روح اور نور کو باہم کیا یعنی دونوں کو متحد کیا تو عالم و معلّم بن گئے یہی معنے ہیں خدائی تعلیم کے۔ اسی کو علم لدنی اور علم وہبی کہتے ہیں۔ یہ علم ہماری طرح اکتساب سے حاصل نہیں ہوا۔ کہ ہم پیدائش میں جاہل تھے۔ پھر جستہ جستہ علم حاصل کرتے گئے۔ اور عالم و علامہ و صدر المحققین بن گئے۔ لہٰذا ان کی نوع جداگانہ ہے۔

خداوند عالم نے بذریعہ ضرب الامثال اس حقیقت کو قرآن مجید میں بار بار دہرایا ہے۔ اور مختلف اصناف مخلوقات کو ان کی تخلیق میں علم عطا کیا ہے جیسے وحش و طیر اور حشرات الارض خصوصاً شہد کی مکھیاں اور عنکبوت جن کا تذکرہ ان ہی کے نام پر "سورہ نحل و سورہ عنکبوت" قرآن میں موجود ہے۔ یہ سب مَثَل کہلاتے ہیں د زبر کے ساتھ کیونکہ ان کے ذریعہ وہ مقصد جو ذہن سے پوشیدہ ہے۔ جلد ہی ذہن کے قریب ہو جاتا ہے یعنی پیدائش ہی میں استعداد و قابلیت عطا کر دینا ثابت ہو جاتا ہے۔

لہٰذا انبیاء و آئمہ علیہم السلام کی تخلیق میں بدرجہ اولیٰ تخلیقی علم کا ثبوت واضح ہے وہ پیدائش جسمانی میں بھی عالم ہوتے ہیں۔ پیدا ہوتے ہی تسبیح و تحمید کرتے ہیں۔ اور تلاوت کتاب کرتے ہیں۔ یہ علم درحقیقت علم مبذول ہے۔ احادیث اہل بیت علیہم السلام میں علم کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک علم مبذول ہے جو فطرت و جبلت میں عطا ہو جاتا ہے۔ دوسرا علم مکفوف ہے جو حسب مصلحت خداوند عالم عطا کرتا رہتا ہے

اسی کے لئے دُعا کی جاتی ہے "رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا" پالنے والے میرا علم زیادہ فرما تارہ۔ یہ علم صرف خدا کے ساتھ مخصوص ہے۔ اسی کے لحاظ سے صرف خدا عالم الغیب ہے۔ یعنی یہ علم تمام کائنات سے پوشیدہ ہے۔ علم مبذول یعنی علم مجبول جو فطرت و جبلت میں نبی و امام کو حاصل ہے اور ان کے غیر کو حاصل نہیں اس علم کے لحاظ سے یہ حضرات بھی عالم الغیب ہیں بمقابلہ دیگران۔

لہٰذا اس تعین کے ساتھ عالم الغیب کہنا صحیح و درست ہے (کافی)

ملائکہ ان پر نازل ہوتے ہیں جن کو یہ دیکھتے ہیں اور پہچانتے ہیں کہ یہ ملک کس نام سے موسوم ہے۔ اور اس کی جگہ کہاں ہے۔ نزولِ ملائکہ تنزیل کے لئے ہوتا ہے۔ یعنی پیغاماتِ خدا پہنچانے کے لئے آتے ہیں نہ کہ تعلیم دینے کے لئے۔ بلکہ جس پیغام کو لے کر ملائکہ نازل ہوتے ہیں وہ اُس کے پہنچانے ہی پر مامور ہوتے ہیں پیغام کا مقصد اور اُس کا علم ان کے فرض منصبی میں داخل نہیں ہوتا۔ یعنی ان کا کام صرف پہنچانا ہے۔ نہ کہ پیغام کی حقیقت کو جاننا۔

بنا بریں جب ان کا عالم ہونا ہی ثابت نہیں تو وہ انبیاء و ائمہ علیہم السلام کو تعلیم کیا دیں گے۔ خصوصًا حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام کو کہ جنہوں نے خود ملائکہ کو تعلیم دی ہے۔ جیسا کہ مفصل و مشرح زیر نظر کتاب میں متعدد مقامات پر موجود ہے۔

انبیاء و ائمہ علیہم السّلام کی نبوّت و امامت جبلّی ہے

ہر نبی و امام تخلیق میں نبی و امام ہوتا ہے۔ اُس کی جبلت میں یعنی فطرت میں نبوّت و امامت ہوتی ہے وہ اپنے صفات نبوّت و امامت کے ساتھ مجبول و مفطور ہوتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام کا ارشاد ہے۔

انّ الله جَبَلَ النبيّين على نبوتهم فلا يَرْتَدُّونَ ابدا وجبل الاوصياء على وصاياهم فلا يرتدون ابدا (کافی)

یعنی اللہ تعالےٰ نے انبیاء علیہم السّلام کو فطرت و جبلت میں انبیاء بنایا ہے۔ وہ کبھی کسی آن میں کسی حال میں اس جبلت و فطرت سے ہٹ نہیں سکتے۔ اسی طرح ان کے اوصیاء کو بھی فطرت و جبلت میں وصی بنایا ہے وہ بھی اپنی وصایت و امامت سے کبھی اور کسی لمحہ میں کسی حالت میں اس جبلت و فطرت سے ہٹ نہیں سکتے۔

ان حضرات کا علم تخلیقی ہے۔ اور یہ علم ان کو تمام کائنات کی خلقت سے پہلے حاصل ہو چکا ہے

جیسا کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کا ارشاد ہے۔
ہم تمام کائنات سے زیادہ عالم ہیں ہمیں تمام مخلوقات کی خلقت سے قبل یہ علم حاصل ہو چکا ہے (بحارالانوار)
جناب علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے اپنی تحقیق انیق بایں عبارت تحریر فرمائی ہے۔

اِنَّ اَرْوَاحَهُمُ الْمُقَدَّسَةَ قَبْلَ تَعَلُّقِهِمْ بِاَجْسَادِهِمُ الْمُطَهَّرَةِ كَانَتْ عَالِمَةً بِالْعُلُوْمِ اللَّدُنِّيَّةِ مُعَلِّمَةً لِلْمَلَائِكَةِ۔

بالتحقیق ان ذوات مقدسہ کے ارواح مقدسہ ان کے اجسام مطہرہ سے تعلق پیدا ہونے سے پیشتر عالم علوم لدنی تھے اور ملائکہ کے معلم بھی تھے۔ (بحارالانوار)
لہٰذا ان کی نوع جداگانہ ہے۔

نیز علامہ ممدوح نے تحریر فرمایا ہے کہ حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام کو عالم تکوین و ایجاد میں یہ علم دیا گیا ہے جو ان حضرات سے کسی وقت بھی جدا نہیں ہو سکتا۔ (مرآۃ العقول)

نیز تحریر فرمایا ہے کہ ان کی ارواح مقدسہ تمام ملائکہ اور جبرئیل امین سے بھی اعظم ہیں۔ ان ہی ارواح کے ذریعہ عالم ہیں۔ یہ ارواح بلحاظ صنف ارواح ہیں ورنہ نوع ان کی ایک ہے (مرآۃ العقول)

تحقیقات علیہ مذکورہ سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ روح اعظم ایک نوع کلی ہے جس کے افراد ارواح چہاردہ معصومین علیہم السلام ہیں۔ ہر ایک میں یہی روح اعظم موجود ہے جو ان سے کبھی جدا نہیں ہوتی ہم پیشتر یہ بھی تحریر کر چکے ہیں کہ یہ روح عطیہ خدا ہے فطری و تخلیقی ہے ناقابل انفکاک ہے۔ کبھی ان سے جدا نہیں ہو سکتی۔ خداوند عالم نے بعد عطیہ اس کو سلب نہیں کیا ہے۔ آج تک کوئی مفسر کوئی مراعی کوئی غالی کوئی قائل وحدت نوع اس عطیہ خداوندی کے سلب کئے جانے پر کوئی عقلی دلیل قائم نہیں کر سکا۔

روح لفظ مشترک ہے مختلف افراد پر اطلاق ہوتا ہے

قرآن مجید اور احادیث میں لفظ روح متعدد و مختلف افراد کے لئے استعمال ہوا ہے جس کے بعد ہر مقام پر روح کے ایک معنی مراد لینا نافہمی و نادانی ہے۔ ہر عالم و عاقل کا فرض ہے کہ مناسبت و قرائن کو پیش نظر رکھے۔ تاکہ غلطی سے خود بھی محفوظ رہے اور مومنین کرام بھی۔

بعد استقراء و تفحص کامل علمائے اعلام نے لفظ روح کے دس معنی تحریر کئے ہیں جن میں ان کا استعمال ثابت و مسلم ہے ۱۔ الوحی ۲۔ جبرئیل ۳۔ حضرت عیسیٰ ۴۔ اسم اعظم ۵۔ الرحمۃ ۶۔ الراحۃ ۷۔ انجیل ۸۔ قرآن ۹۔ حیات ۱۰۔ عظیم قوت۔

اگر ہم ہر ایک معنی کا محل استعمال تحریر کریں اور قرائن و مناسبات اور اس کے دلائل پیش کریں تو ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے لہٰذا ہم صرف اس رُوح کے متعلق بحث کریں گے جو انبیاء و ائمہ علیہم السلام میں ہے وہ رُوح، رُوحِ اعظم کہلاتی ہے۔ جو تمام اَرواح سے قوت میں زیادہ ہوتی ہے۔ یہ روح ایک نوع کلی ہے۔ جس کے اقسام بطور شدت و ضعف انبیاء و ائمہ علیہم السّلام میں پائے جاتے ہیں۔ اسی بنا پر اُن کے درجات میں تفاوت ہوتا ہے۔ مگر تمام ملائکہ سے یہ رُوح افضل ہے۔ لہٰذا ہر ایک نبی ملک سے افضل ہے۔ ہمارے اِس بیان سے اس حدیث کی توضیح ہو جاتی ہے کہ انبیاء میں پانچ روحیں ہیں اور مومنین میں چار اور کافرین میں تین۔

درحقیقت صفات کے لحاظ سے تعداد کا اظہار کیا گیا ہے نہ کہ رُوح اصل کے لحاظ سے وہ تو ایک ہی ہوتی ہے۔ اس کے آثار جُدا جُدا ہیں۔ ان آثار پر بھی اطلاق رُوح ہوتا ہے۔ لہٰذا اصل رُوح جس معنی میں مستعمل ہے وہ اَور ہیں۔ اور جن آثار کو رُوح کہا گیا ہے۔ اُس کے معنی جدا ہیں۔ جیسا کہ رُوح کے دس معانی سے ثابت ہے۔ فافہم و تدبر۔

رُوح اصل ایک ایسی حقیقت ہے جس کا ادراک ہمارے عقول سے بالاتر ہے۔ اِسی وجہ سے حکماء و متکلمین اس کے معنی کا آج تک تعین نہ کر سکے۔ کیونکہ اس کا تعلق عالم امر سے ہے نہ کہ عالم خلق سے جب کہ عالم خلق کی حقیقت سے بھی عاجز ہیں۔ خداوند عالم نے یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوحِ کے جواب میں فرمایا ہے قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ۔ اے رسول کہدو کہ رُوح میرے رب کے امر سے ہے۔ یعنی مخلوق امری ہے جو کن فیکون سے تعلق رکھتی ہے۔ تمہارا علم اُسے نہیں پا سکتا۔

یہی رُوح اعظم حضرات محمد و آل محمد علیہم السّلام کو عطا ہوئی ہے۔ جو اپنے اقسام میں سب سے افضل و کمال ہے۔

ہر ایک مخلوق سات درجات طے کرتی ہے

حضرات معصومین علیہم السّلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ کوئی مخلوق اُس وقت تک عالم وجود میں نہیں آ سکتی۔ جب تک سات درجات سے نہ گذرے۔

پہلے علم خدا میں آتی ہے۔ پھر مشیتِ خدا میں آتی ہے۔ پھر ارادۂ خدا میں آتی ہے۔ پھر قضائے خدا میں آتی ہے۔ پھر قدر خدا میں آتی ہے۔ پھر اجل خدا میں آتی ہے۔ پھر اذن خدا میں آتی ہے۔ تب اس کو وجود نصیب ہوتا ہے۔ اس قانون کلی سے کوئی موجود خارج نہیں ہے (کافی)

یعنی جس چیز کو خدا پیدا کرتا ہے وہ پہلے اُس کے علم میں آتی ہے۔ پھر مشیت میں آتی ہے۔ پھر ارادہ میں آتی ہے۔ پھر اُس کا فیصلہ کرتا ہے۔ یعنی تمام قضا میں آجاتی ہے۔ پھر فیصلہ کے مطابق اس کا تعین ہوتا ہے یعنی قدر میں آجاتی ہے پھر اس کے لئے اجل یعنی مدت مقرر ہوتی ہے۔ پھر اس کے صدور کا اذن ہو جاتا ہے۔ جس کے بعد وہ عالم واقع میں موجود ہو جاتی ہے۔

اِس حدیث مُبارک میں یہ درجات بلحاظ تقدم و تاخر ذاتی ہیں نہ کہ زمانی و مکانی فافہم۔

جب ہر شے کے لئے یہ سات درجات ہیں تو ان درجات میں تمام انبیاء و ائمہ علیہم السّلام بھی محسوب ہیں۔ یعنی وہ بھی ان درجات سے گذر کر عالم وجود میں آئے ہیں۔

آیۂ ماکنت تدری ما الکتاب ولا الایمان کی تشریح

قرآن مجید میں خداوند عالم نے ہمارے رسول سے خطاب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ إِنَّهُ عَلِيٌّ حَكِيمٌ ۵۲ وَكَذَٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِنْ أَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ وَلَٰكِنْ جَعَلْنَاهُ نُورًا نَهْدِي بِهِ مَنْ نَشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ صِرَاطِ اللَّهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ أَلَا إِلَى اللَّهِ تَصِيرُ الْأُمُورُ ۵۳ (پ ۲۵ س شوریٰ آیت ۵۲ و ۵۳)

اور کسی بشر کے لئے ممکن نہیں کہ وہ اللہ تعالےٰ سے ہم کلام ہو مگر بذریعہ وحی یا پس پردہ یا کوئی رسول بھیج کر جو اس کے اذن سے وہی وحی کرتا ہے جو خدا چاہتا ہے وہ بے شک بلند و بالا حکیم ہے۔ ۵
اور اسی طرح ہم نے تمہاری طرف ایک روح وحی کی جو ہمارے امر کی نوع ہے تم نہیں جانتے تھے کتاب کیا ہے اور نہ جانتے تھے کہ ایمان کیا ہے مگر ہم نے اس کتاب کو نور بنا دیا جس کے ذریعہ ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کر دیتے ہیں۔ اور بلا شک و شبہ بہر حال تم صراط مستقیم کی رہنمائی کرتے ہو جو اس اللہ کی صراط ہے جس کے قبضہ میں وہ سب کچھ ہے جو آسمانوں میں ہے اور وہ سب کچھ ہے جو زمین میں ہے۔ یقیناً اللہ ہی کی طرف تمام امور کی بازگشت ہے۔

اس آیہ وافی ہدایہ سے چند امور ثابت ہوتے ہیں۔

اوّل: کسی بشر سے خداوند عالم ہم کلام نہیں ہوتا یعنی بالمشافہ گفتگو نہیں کرتا۔ اُس نے بشر سے

رالبطہ کلام پیدا کرنے کے لئے تین طریقے معین فرمائے ہیں۔ پہلا طریقہ وحی ہے۔ یعنی اس کے قلب میں القاء کر دیتا ہے۔ اسی کو راز مخفی کہتے ہیں جو وحی کے حقیقی معنی ہیں۔

دوسرا طریقہ "حجاب" ہے۔ یعنی وہ وسیلہ جس کی ایک طرف خدا سے رالبطہ رکھتی ہو۔ اور دوسری طرف بشر سے۔ کیونکہ حجاب میں ایک ظاہری طرف ہے اور ایک باطنی۔

بنا بریں معصومین علیہم السّلام نے فرمایا ہے۔ "نَحْنُ حِجَابُ اللّٰہِ" یعنی ہم اللہ کے حجاب ہیں یعنی مخلوقات اور خدا کے درمیان ہم وسیلہ ہیں۔

تیسرا طریقہ اپنے فرستادہ فرشتہ کے ذریعہ جو چاہتا ہے پہنچا دیتا ہے۔

یہ بشری حالت میں وحی کے طریقے بیان کئے گئے ہیں۔ لہٰذا اس کا قیاس وجود بشریت سے پیشتر کے حالات پر نہیں کیا جا سکتا۔ فافہم وتفکر۔

اللہ تعالےٰ نے اس آیت میں اپنی قدرتِ کاملہ کا اظہار فرمایا ہے۔ اور اپنی ذات بے ہمتا کی عظمت وقدوسیت بھی واضح فرما دی ہے۔ کہ وہ کسی سے نہ مس ہوتا ہے اور نہ کوئی اُس سے مس ہو سکتا ہے۔ وہ لمس ومس سے منزہ ہے۔ اور قرب وبعد مکانی وزمانی سے بلند وبالا ہے۔ یعنی نہ کوئی اس کو چھو سکتا ہے، اور نہ وہ کسی کو چھوتا ہے۔ اسی لئے اس نے اپنے اُمور پہنچانے کے لئے ایسے حدود معین کر دئے ہیں کہ اس کی ذات ہر عیب سے پاک وپاکیزہ ہے۔ چنانچہ آخری دو لفظ آیت "عَلِیٌّ حَکِیْمٌ" اس پر دلالت کرتے ہیں کہ وہ بلند وبالا ہے۔ اور صاحب حکمت ہے۔ جس کا تقاضا یہی ہے کہ وہ جمیع عیوب سے منزّہ رہے گا۔

اس کے بعد دوسری آیت میں اپنی قدرت وعظمت کا اظہار کرتے ہوئے اپنے حبیب سے اس انداز میں خطاب فرمایا ہے کہ آں حضرتؐ کی جلالت شان بھی ظاہر ہو جائے جو مذکورہ طرق کلام سے جداگانہ ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے کہ اسی طرح ہم نے اپنی حکمت وعلوشان کے مطابق تمہیں روح عطا کی۔ جو ہمارے امر کی فرع ہے۔

درحقیقت آں حضرتؐ ہی کو یہ مخصوص روح عطا کی گئی کیونکہ دیگر انبیاء کو اس قسم روح کی ایک فرع عطا کی گئی ہے۔ خدا کے اُمر کی فرع وہ بھی ہے مگر قوت میں قوی اور قوی ترین کا فرق ہے۔ اس کا ثبوت لفظ "من" ہے جو لفظ "روح" کے ساتھ مذکور ہوا ہے۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السّلام کے لئے "مِنْ رُّوْحِیْ" استعمال ہوا ہے۔ "رُوْحِیْ" نہیں ہے۔ بنا بریں آں حضرتؐ تمام انبیاء سے افضل ہیں اور انبیاء تمام ملائکہ سے۔ اسی روح امر کی وجہ سے افضل ہیں۔

جیسا کہ ہم پیشتر واضح کر چکے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام میں باہمی فضیلت و فوقیت کا سبب یہی رُوح ہے۔ جو تمام انبیاء کو عطا ہوئی ہے۔ قوی و قوی تر کا امتیاز ہے جس کی وجہ سے بعض افضل ہیں بعض سے مگر ملائکہ سے سب ہی افضل ہیں۔ کیونکہ ملائکہ کو رُوحِ اَمری حاصل نہیں۔ وہ انبیاء علیہم السلام کے مامور ہیں۔ ان پر آمر نہیں ہیں۔ ان میں ارادہ و اختیار نہیں۔ انبیاء قادرہ مختار ہیں۔

بنابریں ہم نے کبھی ملائکہ کو وسیلہ نہیں بنایا۔ اور نہ بوقتِ مشکل انہیں پکارا۔ کیونکہ وہ کچھ نہیں کر سکتے جب تک اَمرِ خدا یا اَمرِ رسولؐ و ائمہ علیہم السّلام نہ ہو۔ لہٰذا ہم اُن کے آمر کو پکارتے ہیں جس کے وہ مامور ہیں کفایۃ الموحدین میں علاّمہ نوری طبرسیؒ نے بالوضاحت تحریر فرمایا ہے کہ حضرات محمدؐ و آلِ محمدؐ علیہم السّلام ملائکہ کو جو حکم دیتے ہیں وہ اُس کی تعمیل کرتے ہیں۔ ان ذواتِ مقدسہ کے بغیر حکم کچھ نہیں کرتے اور یہ حضرات وہی حکم دیتے ہیں جو خدا کی مشیت میں ہوتا ہے۔ وَمَا تَشَاءُونَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللہُ۔ اور تم وہی چاہتے ہو جو خدا چاہتا ہے، یعنی مشیتِ خدا کے عالم ہیں۔ لہٰذا وہی چاہتے ہیں جو وہ چاہتا ہے بہر حال جمیع ملائکہ ان حضرات کے تابع فرمان ہیں۔ کیونکہ ان ذواتِ مقدسہ کو روح امری عطا ہو چکی ہے۔ اور جب عطا ہو چکی تو ان حضرات سے واپس نہیں لی گئی جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔

چونکہ ان حضرات کا امر جاری اور حکم نافذ ہو چکا۔ اِس لئے یہ خطرہ ناگزیر تھا کہ خلائق ان ہی کو خدا نہ سمجھ لے۔ اور ان کی پرستش نہ کرنے لگے۔ لہٰذا خداوند عالم نے رُوحِ امری عطا کرنے کے بعد ان حضرات کی مخلوقیت اور اپنی خالقیت ان حضرات کی عاجزی اور اپنی قادریت کا اظہار آیت کے اس جملہ سے فرمایا کہ "تم اے حبیب ہمارے عطائے رُوحِ اَمری سے پہلے نہ کتاب کے عالم تھے نہ اس پر ایمان لانے کے طریقوں کو جانتے تھے"۔ یعنی علم و قدرت دونوں خدا نے عطا کئے ہیں جس کی وجہ سے ہادی قرار پائے ہیں۔ اور لوگوں کو صراطِ مستقیم دکھاتے ہیں۔ وہ چونکہ تمام کائنات سماوی و ارضی کا مالک ہے اِس لئے حضرات انبیاء و ائمہ طاہرین علیہم السّلام کا بھی مالک ہے۔

خداوند عالم نے لوگوں کو گمراہی سے بچانے کے لئے یہ اُمور بیان فرما دئے ہیں تاکہ اس کی توحید برقرار رہے اور آں حضرتؐ کی عظمت شان کا بھی اظہار ہو جائے۔

آں حضرتؐ بھی دیگر مخلوقات کی طرح سات درجات تخلیق سے گذرے ہیں جیسا کہ ہم نے درجات کی نشاندہی پیشتر تحریر کر دی ہے۔

اَب ہمیں ان درجات کو ملحوظ رکھتے ہوئے سمجھنا چاہیئے کہ آں حضرتؐ کے لئے بھی موجودِ حقیقی واقعی ہونے سے یعنی وجودِ ظاہری نورانی سے قبل جب کہ آپ علم خدا میں تھے۔ مشیّتِ خدا میں تھے۔ قضا و قدر

اور اجل و اذان میں تھے تو آپ کو نہ علم کتاب حاصل تھا۔ اور نہ علم طریقۂ ایمان ۔ مگر موجودیت کے ساتھ ہی ساتھ علم حاصل ہو گیا۔ یعنی آپ کے وجود واقعی اور علم میں فصل نہیں ہوا۔ مگر پھر بھی یہ علم خدا کی طرح عین ذات نہیں بلکہ ذاتی ہے ۔ ذات کے ساتھ ساتھ ہے ۔ اسی مقصد کو صادق آلِ محمد علیہ السّلام نے اس طرح ادا کیا ہے کہ آں حضرتؐ ایسے حال میں گذرے ہیں کہ علم نہ تھا ۔ یہ لفظ حال درحقیقت اظہارِ مقصد کے لئے ہے ورنہ وقت وزمانہ ہی نہ تھا جب کہ ان کی خلقت ہوئی اور علم دیا گیا۔

ہم نے "رُوحًا مِّنْ اَمْرِنَا" کے معنی روح امری اس لئے لکھے اور تحریر کئے ہیں کہ یہاں لفظ امر سے پہلے لفظ "مِنْ" ہے جو کسی شے کی فرع کو مقتضی ہے ۔ یعنی روحِ مذکور خدا کے امر ہی کی فرع ہے ۔ یعنی خدا کل امر کا مالک ہے اور ان کو اس امر کی فرع عطا کر دی ہے ۔ یہ روح آمر ہے مگر بعض امور میں اور خدا آمر ہے کل امور میں ۔ چنانچہ اس آیت کے آخر میں صاف طور پر فرما دیا ہے ۔ وَاِلَی اللّٰہِ تَصِیْرُ الْاُمُوْرُ ، یعنی تمام امور کا مرجع وہی ذات یکتا و لاشریک ہے ۔

نیز لفظ "اَوْحَیْنَا ، یعنی ہم نے مخفی طور پر روح عطا کر دی" کے بعد یہ کہنا کہ یہ عطیہ ہم نے اپنے امر سے کیا ۔ یعنی اپنے حکم سے کیا کس قدر بے معنی اور لغو و مہمل ہے ۔ کیا وہ خود ہی آمر ہے اور خود ہی مامور ہے ۔ یعنی عطا کرنے والا بھی وہ خود ہی ہے ۔ اور حکم دینے والا بھی وہ خود ہی ہے ۔ فافہم ولا تغفل ۔

لفظ امر جو آیۂ " اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ نیز آیۂ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ، میں بیان ہوا ہے وہی آیۂ مذکورہ میں ہے ۔ اور یہی لفظ "امر" وہ ہے جو آیۂ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ " میں وارد ہوا ہے ۔

یعنی جنہیں روح امری گئی ہے انہیں بعض امور میں "کُنْ فَیَکُوْنُ" کا اختیار دے دیا گیا ہے ۔ وہ بعض امورِ تکوین میں قدرت و اختیار رکھتے ہیں ۔ چنانچہ حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام نے ارشاد فرمایا ۔

وَاجری فعل بعض الاشیاء علیٰ ایدی من اصطفا من امنائہ مکان فعلھم فعلہ وامرھم امرہ (احتجاج طبرسی صلا۱۲۶)

یعنی اللہ تعالےٰ نے بعض اشیاء کے فعل کو اپنے منتخب امناء کے دست ہائے مبارک پہ نافذ کر دیا ان حضرات کا فعل ، فعلِ خدا اور ان حضرات کا امر امرِ خدا ہے ۔

یعنی بعض امورِ تکوین ان ذواتِ مقدسہ کے تابع امر قرار دے دئے ۔ مگر کل امورِ تکوین خدا ہی کے دستِ قدرت میں ہیں ۔ یہ بعض امور تکوین اس لئے عطا کئے کہ ان حضرات کا حجتِ خدا ہونا ثابت ہو جائے ، جیسا کہ امام رضا علیہ السلام کا ارشاد ہے (احتجاج طبرسی) اس کی تفصیلات حقائق الوسائط

جلد اول میں ہی ملاحظہ کیجئے۔

آیۂ ماتدری ما الکتاب میں روح سے مراد مالک نہیں ہے

آیۂ مذکورہ کی تشریح و توضیح ہم نے دلائل کے ساتھ پیش کر دی ہے جس کی تائید علامہ مجلسی علیہ الرحمہ کے پیش کردہ بیانات سے بھی ہوتی ہے۔ اور احادیث ائمہ طاہرین علیہم السّلام سے بھی نیز بہترین تفسیر وہ ہے کہ خود آیات ہی آیات کی تفسیر بن جائیں۔ جیسا کہ ہم گذشتہ اوراق میں درج کر چکے ہیں۔ اب ہم اصول کافی سے چند احادیث پیش کرتے ہیں۔ جو آیۂ مذکورہ میں لفظ روح کے معنی کی تفسیر میں وارد ہوئے ہیں۔

(۱) حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا۔

خلق من خلق اللہ عز وجل اعظم من جبرئیل ومیکائیل کان مع رسول اللہ صلّی اللہ علیہ والہ یخبرہ ولیسددہ وھو مع الائمۃ من بعدہ۔

یہ روح جو آں حضرتؐ کو عطا ہوئی ہے یہ ہے تو خدا ہی کی مخلوق مگر جبرئیل ومیکائیل سے اعظم ہے یہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ کے ساتھ رہی جو خبر بھی دیتی تھی اور توت بھی۔ اور وہ ہی روح آنحضرتؐ کے علاوہ ائمہ علیہم السّلام کے بھی ساتھ ہے۔

لفظ "من بعدہ" کا ترجمہ ہم نے "علاوہ" کیا ہے۔ یعنی عالم ارواح میں یہ روح پہلے آں حضرتؐ کو عطا ہوئی۔ پھر ائمہ طاہرین علیہم السّلام کو عطا ہوئی۔ جس طرح پہلے آں حضرتؐ کی تخلیق نوری ہوئی، پھر اسی سے ائمہ طاہرینؑ کی تخلیق ہوئی۔

بہر حال اس قدر ضرور واضح ہے کہ وہ روح فرشتہ نہیں ہے۔ نیز یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ آنحضرتؐ کو عطا ہونے کے بعد اور کسی نبی کو عطا نہیں ہوئی۔ سوائے ائمہ طاہرین علیہم السّلام کے۔ اس معنی میں لفظ "من بعدہ" قرآن مجید میں خود خداوند عالم نے اپنی ذات کے لئے ارشاد فرمایا ہے۔

"فمن یھدیہ من بعد اللہ" (پ۲۵ س جاثیہ آیت ۲۳)

پس کون ہے جو اس کو ہدایت دے گا اللہ کے بعد۔

یہاں اللہ کے بعد کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ کے مرنے کے بعد بلکہ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ سے کوئی عظمت میں بڑا نہیں ہے۔ جب اللہ ہی ہدایت نہ دے تو کون ہے جو ہدایت دے سکے اللہ کے بعد۔

لہٰذا حدیث میں "لفظ من بعد کا مطلب یہ ہے کہ رسول کے بعد اگر عظمت حاصل ہے تو وہ ائمہ طاہرین علیہم السّلام کو حاصل ہے۔ اس کا مطلب آں حضرتؐ کے مر جانے کے بعد نہیں ہے۔

یا یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ جس طرح آں حضرتؐ کے اوصیاء عالم امر میں اوصیاء مقرر ہو چکے تھے ان میں ہمہ وقت کمالات موجود تھے مگر اپنے امر و نہی کا نفاذ رسول اللہؐ کے بعد عمل میں لایا گیا ہے اسی طرح یہ روح اعظم ان میں موجود تھی مگر اس پر عمل در آمد بعد رسول کیا ہے۔

ان تمام تشریحات کی تائید ان احادیث سے ہوتی ہے جن میں بالوضاحت موجود ہے کہ اوّل تخلیق میں جو کمالات آں حضرت کو عطا ہوئے وہ سب کمالات ائمہ طاہرین علیہم السلام کو بھی اسی اول تخلیق میں حاصل ہوئے۔ روح اعظم ایک نوع کلی ہے جو چہاردہ معصومین علیہم السلام کو فرداً فرداً حاصل ہوئی ہے۔

حدیث دوم: یہاں حضرات معصومین علیہم السلام میں سے کسی کا نام درج نہیں ہے مگر قرینہ بتاتا ہے کہ یہ سوال بھی حضرت صادق آلِ محمد علیہ السلام سے کیا گیا۔ اور آپ نے فرمایا جب سے یہ روح آں حضرتؐ پر اتری پھر آسمان پر واپس نہیں گئی۔ وہی روح ہم اہل بیت میں ہے۔

اس سے اس قدر تو ثابت ہو جاتا ہے کہ وہ روح ملک نہیں ہے۔ اور نہ وہ قرآن ہے بلکہ جداگانہ مخلوق ہے۔ جو حضرات محمد و آلِ محمد علیہم السّلام کے ذواتِ مقدسہ میں ہے۔

حدیث سوم: حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا کہ آیۂ یسئلونك عن الروح میں لفظ "قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ" سے مراد وہ روح مخلوق ہے جو جبرئیل و میکائیل سے اعظم ہے۔ سابق میں جو حضرات گذر گئے۔ ان میں سے کسی کے ساتھ یہ روح نہیں تھی سوائے آنحضرتؐ کے اور وہی روح ائمہ کے ساتھ ہے جو قوت پہنچاتی ہے "وَلَیْسَ کُلَّمَا طُلِبَ وُجِدَ" اور یہ روح ایسی نہیں ہے کہ جب کوئی طلب کرے تو اُسے پالے۔ یعنی یہ طلب کرنے اور دعا کرنے سے نہیں مل سکتی۔ یہ ترجمہ بصیغۂ معروف ہے۔ اگر بصیغۂ مجہول ہو تو یہ معنی ہوں گے۔ ایسا نہیں ہے کہ جب طلب کی جائے تو پائی جائے۔

اس کی تائید حضرت امام رضا علیہ السّلام کے خطبہ امامت سے ہو جاتی ہے کیونکہ بعض احادیث بعض احادیث کی تفسیر کر دیتی ہیں۔ حضرت نے یہی لفظ طلب ارشاد فرمایا ہے۔

"لَیْسَ بِطَلَبٍ مِنْهُ لَهُ وَلَا اِکْتِسَابٍ" یعنی یہ مرتبہ اپنے لئے دعا کرنے سے حاصل نہیں ہوتا۔ اور نہ جد و جہد سے مل سکتا ہے۔

حدیث چہارم ابو حمزہؒ سے منقول ہے کہ انہوں نے حضرت صادق آلِ محمد علیہ السّلام سے سوال کیا۔

قال سئلت اباعبد اللہ علیہ السّلام من العلم اھو علم یتعلمہ العالم من افواہ الرجال ام فی الکتاب عندکم تقرءونہ فتعلمون منہ قال الامر اعظم من ذلک واوجب اما سمعت قول اللہ عزوجل وکذٰلک اوحینا الیک روحًا من امرنا ماکنت تدری ما الکتاب ولا الایمان ثم قال ای شیٔ یقول اصحابکم فی ھذہ الایۃ ایقرون انہ کان فی حال لا یدری ما الکتاب ولا الایمان فقلت لا ادری جعلت فداک ما یقولون فقال بلی قدکان فی حال لا یدری ما الکتاب ولا الایمان حتی بعث اللہ الروح التی ذکر فی الکتاب فلما اوحاھا الیہ علم بھا العلم والفھم وھی الروح التی یعطیھا اللہ عزّوجل بمن شاء فاذا اعطاھا عبدا علما الفھمؒ

ابو حمزہ نے حضرت سے علمِ امام کے متعلق سوال کیا کیا امام کا علم لوگوں کی گفتگو سے حاصل ہوتا ہے؟ یا آپ حضرات کے پاس کسی خاص کتاب میں ہے جس کو پڑھ کر علم حاصل کر لیتے ہیں؟ حضرت نے فرمایا یہ معاملہ اس سے اعظم اور واجب ہے کیا تم نے خدائے عزّوجل کا یہ ارشاد نہیں سُنا ' وَ كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ ' پھر فرمایا تمہارے اصحاب اس آیت کے بارہ میں کیا کہتے ہیں۔ کیا وہ یہ اقرار کرتے ہیں کہ آں حضرتؐ ایسے حال میں تھے کہ نہیں جانتے تھے کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے۔ پس میں نے عرض کی میں آپ پر قربان مجھے نہیں معلوم لوگ کیا کہتے ہیں۔ پس آپ نے فرمایا کہ ہاں ایک حال ایسا تھا کہ آپ نہیں جانتے تھے کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ نے آپ کو وہ روح عطا کی جس کا ذکر قرآن میں ہے۔ پس جب اللہ تعالےٰ نے یہ رُوح انہیں عطا فرمادی تو اس کے ساتھ ہی علم و فہم کی تعلیم دے دی یہ وہ رُوح ہے کہ اللہ عزّوجل جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ پس جب عطا کرتا ہے کسی عبدِ خاص کو تو اُسے فہم عطا کرتا ہے۔

اس حدیثِ مُبارک سے چند اہم اُمور ثابت ہوتے ہیں۔

اوّل یہ کہ ان ذواتِ مقدسہ کا علم نہ تو لوگوں کے مونہوں سے حاصل ہوتا ہے اور نہ کسی کتاب کو پڑھ کر حاصل ہوتا ہے۔ ان کے علم کی شان اس سے اعظم ہے اور اوجب اس لئے ہے کہ یہ دو نو طریقے تو

عام لوگوں کے تحصیل علم کے ہیں۔ نبی وامام اس سے بالاتر ہیں کہ وہ لوگوں سے یا کتابوں سے علم حاصل کریں۔ یعنی وہ بدو فطرت میں علم لے کر آتے ہیں۔ ان کی تخلیق میں جب روح و نور بہم ہوتے ہیں تو عالم ہو جاتے ہیں۔ یعنی ان کے علم کو اپنی طرح تدریجی نہ سمجھو جیسے عام انسانوں کا علم ہے۔ ان کے علم کی شان اعظم ہے یعنی ان کا علم اَمری ہے۔

دوم یہ کہ جب خداوند عالم نے رُوح اَمری عطا کی تو اس کے ساتھ ہی علم وفہم پر قدرت حاصل ہو گئی۔

سوم ۔ یہ کہ صرف آں حضرت ہی کو یہ رُوح اَمری عطا نہیں ہوئی بلکہ جن کو خدا اپنی شیئت میں منتخب کرلے انہیں بھی روح اَمری عطا کرتا ہے۔ یہ درحقیقت ائمہ طاہرین علیہم السلام کی شانِ علم سمجھائی گئی ہے کیونکہ اُس نے سوال ہی علم امام کے متعلق کیا تھا۔

چہارم ۔ یہ کہ آں حضرتؐ کو یہ رُوح اَمری وقت تخلیق اولی عطا ہوئی۔ آپ عالم اَرواح کے نبی اسی رُوحِ امری کی وجہ سے قرار پائے کیونکہ آیت میں عطائے رُوح کا ذکر ماضی مطلق کے ساتھ ہے۔ جس طرح خداوند عزّوجل نے خود اپنی ذات کے لئے ماضی مطلق قرآن مجید میں بکثرت مقام پر استعمال فرمایا ہے لہٰذا خلقت اولی میں زمان ومکان کا وجود نہ تھا۔ اسی لئے حضرت صادق آلِ محمد علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا کہ آں حضرتؐ کے لئے ایک وقت ایسا گذرا ہے جس وقت آپ کتاب وایمان کو نہ جانتے تھے بلکہ حضرت نے لفظ "حال" ارشاد فرمایا ہے یعنی آں حضرتؐ ایسے حال میں تھے کہ علم کتاب وایمان نہ تھا۔ وہ حال کیا تھا؟ اس کا مفصل ذکر سابقہ اوراق میں درج کیا جا چکا ہے۔ یعنی موجودیّت واقعی اولی سے پیشتر جب کہ آپ سات درجات طے کرنے کے حال میں تھے اور رُوحِ اَمری بھی عطا نہیں ہوئی۔ اس حال میں نہ کتاب کا علم تھا نہ ایمان کا، جب یہ رُوح عطا ہوئی تو دفعی طور پر عالم ہو گئے نہ کہ ہماری طرح تدریجی طور پر۔ کیونکہ ان حضرات کی نوع ہی جداگانہ ہے۔

حدیث پنجم ۔ عن سعد الاسکافی قال اتی رجل امیر المومنین صلوات اللہ علیہ والہ لیسئلہ عن الروح الیس ھو جبرئیل فقال لہ امیر المومنین علیہ السلام جبرئیل من الملائکۃ والروح غیر جبرئیل فکدر ذلک علی الرجل فقال لہ لقد قلت عظیما من القول ما احد یزعم ان الرّوح غیر جبرئیل فقال لہ امیر المومنین علیہ السلام انک ضال تروی عن اھل الضلال یقول اللہ عزّوجل لنبیہ علیہ السّلام اتی امر اللہ فلا تستعجلوہ سبحانہ و تعالی عما یشرکون ننزل الملائکۃ بالرّوح والرّوح غیر الملائکۃ

صلوات اللہ علیہم۔

سعد اسکافی کا بیان ہے کہ ایک مرد حضرت امیر المومنین صلوات اللہ علیہ و آلہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سوال کیا کہ کیا روح سے مراد جبرئیل نہیں ہے۔ پس حضرت نے فرمایا جبرئیل تو ملائکہ میں سے ایک ملک ہے۔ اور روح جبرئیل کے علاوہ ہے۔ آپ نے اس جملہ کو مکرر فرمایا کہ " روح " ملائکہ کے علاوہ ہے جبرئیل تو ملک ہے اس نے عرض کی کہ آپ نے تو یہ ایک بہت بڑی بات کہدی۔ کوئی بھی اس خیال کا نہیں ہے کہ " روح " جبرئیل کے علاوہ ہے۔ پس حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا تو یقیناً گمراہ ہے تو گمراہ لوگوں کی روایات بیان کرتا ہے۔ اللہ عزوجل تو اپنے نبی علیہ السلام سے قرآن میں یہ بیان کرتا ہے " اللہ کا امر آگیا۔ پس تم اس کے بارہ میں جلدی نہ کرو۔ جن چیزوں کو یہ خدا کا شریک قرار دیتے ہیں خدا ان سے پاک ہے اور برتر ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے فرشتوں کو اپنے امر کی روح کے ساتھ نازل کرتا ہے تاکہ تم ڈراؤ کہ میرے سوا معبود نہیں ہے پس مجھ ہی سے ڈرو (نحل پ۱۴ آیت ۲)

اس حدیث سے ثابت ہے کہ روح ایک جداگانہ حقیقت ہے جو ملائکہ کے علاوہ ہے۔ اور یہ بھی ثابت ہے کہ جو لوگ روح کا مطلب جبرئیل سمجھے ہیں وہ گمراہ لوگ ہیں گمراہوں سے روایات لیتے ہیں۔ حضرت نے مکرر اس حقیقت کو دہرایا کہ روح اور ہے جبرئیل اور ہے (یہ پانچ احادیث کافی سے نقل کی گئیں)

کتاب عیون اخبار الرضا علیہ السلام میں حدیث ذیل منقول ہے۔

حضرت امام رضا علیہ السلام مجلس مامون میں تشریف فرما تھے جب کہ وہاں دیگر فرقوں کے لوگ اور متکلم بھی موجود تھے۔ حضرت سے آیہ " اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِیْنَ " کے متعلق سوال کیا گیا حضرت نے فرمایا کہ اول متوسمین (حقائق عالم کے عالم) رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم ہیں پھر امیر المومنین علیہ السلام پھر حسن علیہ السلام پھر حسین علیہ السلام۔ اسی طرح سلسلہ بسلسلہ روز قیامت تک متوسمین ہیں مامون نے یہ سن کر عرض کی۔ اے ابوالحسن اللہ تعالٰے نے آپ اہل بیت کو جو شان عطا کی ہے کچھ اور بیان فرمائیے حضرت نے فرمایا کہ اللہ تعالٰے نے ایک روح مقدس ہمیں تائید کے لئے عطا فرمائی ہے۔ وہ فرشتہ نہیں ہے۔ اور وہ روح سابق میں گذر جانے والوں کے ساتھ نہیں رہی بلکہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ کو عطا ہوئی ہے اور وہی ہم میں سے ائمہ طاہرین کو عطا ہوئی ہے۔

اس حدیث رضوی سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ یہ روح علیحدہ نوع ہے فرشتوں کے سوا ہے اس کی کامل ترفرد حضرات محمد و آلِ محمد علیہم السلام کو عطا ہوئی ہے۔ باقی انبیاء میں بھی یہ روح ہے۔ مگر

اتنی قوی تر نہیں۔

چنانچہ قرآن مجید میں "یلقی الروح من امرہ علی من یشاء من عبادہ" مذکور ہے یعنی خدا اپنے بندوں میں سے جن کو چاہتا ہے یہ رُوح عطا کر دیتا ہے۔

یعنی یہ روح ملائکہ کے علاوہ ہے۔ نیز اس روح کا ملائکہ سے جُدا گانہ ایک حقیقت ہونے کا ثبوت تخلیق آدم کے سلسلہ میں نفخ رُوح کے ذکر میں ائمہ طاہرین علیہم السلام سے منقول ہے۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ اس رُوح کے افراد ہیں یہ ایک نوع ہے جو ہر ایک نبی و امام کو عطا ہوئی ہے اس کو خداوند عالم نے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے۔ کبھی روح امری کہا ہے۔ کبھی میری روح اور کبھی روح القدس کبھی رُوح اللہ۔

"قدس" بھی اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے، یہ اسی طرح اللہ کی طرف منسوب ہے۔ جیسے بیت اللہ یا بیتی یعنی میرا گھر۔

ہمارے پیش کردہ حقائق کی روشنی میں قرآن و حدیث کی تائید سے یہ ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام ایک ایسی رُوح رکھتے ہیں جو ملائکہ کے علاوہ اور ان سے افضل و اعظم ہے۔

اَب ہم قائلین وحدت نوع کے شبہات پر تبصرہ کرتے ہیں جن کو وہ اپنی نظر میں بہت بڑی علمی خدمت سمجھتے ہیں، حالانکہ ان کے ایک ایک فقرہ سے توہین و تنقیص اہل بیت طاہرین علیہم السلام ثابت ہوتی ہے جو درحقیقت ان کے دل کی آواز ہے۔

قائلین وحدتِ نوع نے آیۂ ماکنت تدری کا مطلب غلط پیش کیا ہے

اس گروہ کے سرغنہ مولف اُصول الشریعہ تحریر فرماتے ہیں۔ صفحہ ۱۹۲

"محتاط سے محتاط لفظوں میں بھی اتنا تو اس آیت مبارکہ سے بعبارت النص واضح ہوتا ہے کہ ایک وقت ایسا بھی تھا کہ آں حضرتؐ موجود تھے لیکن وحی نبوت کا سلسلہ جاری نہیں ہوا تھا۔ مزید اطمینانِ قلب کے لئے اسی آیت کی تفسیر میں جو حدیث شریف حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے ملاحظہ کریں۔

(ترجمہ) امام سے اپنے علم کے متعلق سوال کیا گیا کہ عالم (امام) لوگوں کے مونہوں سے اُسے حاصل کرتا ہے یا آپ کے پاس کسی کتاب میں لکھا ہوا ہے جسے آپ پڑھ کر معلوم کر لیتے ہیں۔ آں جناب نے فرمایا۔ اصل صورتِ حال اس سے اجل و ارفع ہے کیا تم نے ارشادِ خداوندی نہیں سُنا۔ وکذلک اوحینا۔ پھر فرمایا تمہارے اصحاب اس آیت کے متعلق کیا کہتے ہیں۔ آیا وہ یہ اقرار کرتے ہیں کہ آں حضرتؐ پر ایسی حالت

بھی گذری ہے کہ وہ کتاب و ایمان کو نہ جانتے ہوں؟ راوی کہتا ہے کہ میں نے عرض کیا کہ میں آپ پر قربان ہو جاؤں۔ مجھے تو معلوم نہیں وہ کیا کہتے ہیں۔ تب آں جناب نے فرمایا کہ ہاں ایک حالت ایسی تھی کہ آنحضرت نہیں ..... یہاں تک کہ خداوند عالم نے وہ رُوح ان کو عطا کی جس کا ذکر اس نے قرآن میں فرمایا ہے پس جب خدا نے یہ رُوح ان کو عطا فرمائی تو اس وقت ان کو خاص علم و فہم عطا ہو گیا۔ پس یہ وہ روح ہے۔ کہ اپنے بندوں میں سے خدا جسے (نبی یا امام) کو عطا فرمائے تو اُسے اس کے ذریعہ خاص علم و فہم بھی عطا فرما دیتا ہے (تفسیر صافی صد ۴۵۲ برہان جلد ۴ صد ۱۳۳ و اُصول کافی)

ان کی اس عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ "آں حضرت پر جب تک وحی نبوت کا سلسلہ جاری نہیں ہوا تھا۔ اُس وقت تک کتاب و ایمان سے نابلد تھے" (علم کتاب سے بھی خالی تھے اور معاذ اللہ ایمان سے بھی)

وحی نبوت کا سلسلہ چالیس سال کی عمر میں جاری ہوا ہے۔ لہذا وقت ولادت سے بعمر چہل سال علم کتاب و ایمان سے کورے تھے۔

کیا یہ عقیدہ مذہب شیعہ کے مسلمات کے خلاف نہیں ہے؟ کیا یہ عقیدہ نجدیوں کا نہیں ہے؟ کیا اس عقیدہ کا فرد مذہب شیعہ سے خارج نہیں ہے؟ کیا حدیث رسول کے مطابق ایسے شخص کو علانیہ لعن و طعن کرنا ثواب نہیں ہے جو شیعہ ظاہر کر کے مذہب شیعہ میں نجدیوں کی بدعت لا رہا ہے اور مومنین کے قلوب میں شک پیدا کر رہا ہے؟

حضرت صادق آلِ محمد علیہم السّلام کی حدیث کو "حدیث شریف" کہہ کر اور حضرت کا ذکر "الجناب الجناب" کے تعظیمی لفظوں کے ساتھ ظاہر کر کے کیا شیعوں کو دھوکہ تو نہیں دیا جا رہا ہے؟

حضرت کی حدیث مبارک کا ترجمہ غلط کر کے "لفظ حال" کو لفظ "وقت" سے بدل کر وقت اجرائے وحی نبوت کی از خود تخصیص کر کے نجدیوں کا حق نمک ادا کر کے سادہ لوح مومنین کو دام تزویر میں تو نہیں پھنسا رہا ہے؟ کیا کلام امام علیہ السّلام میں تحریف کرنا اور وہ بھی عمداً خروج از عقیدہ امامت نہیں ہے؟

قارئین کرام اصل عبارت عربی اور ہمارے معنی خیز ترجمہ کو مکرر مطالعہ فرما کر ان کی عبارت مندرجہ بالا کو بغور پڑھیں اور بار بار پڑھیں اور پڑھائیں تا کہ ان کی پیچیدہ عبارتوں کے پیچ کھل جائیں۔

حضرات ائمہ طاہرین علیہم السّلام کے احادیث اور ان حضرات کے تفاسیر آیاتِ قرآنیہ سے ثابت کر چکے ہیں کہ رُوح امری کا نام "رُوح القدس" "نور" "روح اللہ" اور خدا کا اپنی ذات کی طرف نسبت دے کر "رُوحِی" فرمانا یہ سب ایک ہی روح کے متعدد نام ہیں۔ یہ رُوح ہر ایک نبی و امام کو عطا ہوئی ہے۔ اسی کو روح نبوتی اور رُوح امامتی سے متصف کیا جاتا ہے۔ یہ اپنی قوت و طاقت کے لحاظ سے زیادہ اور کم ہوتی

ہے جیسا کہ تفصیلاً سابقہ اوراق میں درج کیا جا چکا ہے۔

حضرت علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے تحریر فرمایا ہے کہ اس روح کے افراد کثیرہ ہیں۔ ان میں جو سب سے افضل ہے وہ آں حضرت ؐ اور آئمہ طاہرین علیہم السلام کے ساتھ مختص ہے۔ باقی ہر ایک نبی کو عطا کی گئی ہے یہ غیر ملائکہ ہے اور جبرئیل ومیکائیل سے اعظم ہے۔ یہ عناصر ارضیہ میں سے نہیں ہے۔ بلکہ اس کا تعلق عالمِ روحانیات سے ہے۔ (مرأۃ العقول)

یہ تحقیق ہے محدث اجل واکمل عالم ربانی عارف لاثانی علامہ مجلسی علیہ الرحمہ کی۔ اس کے مقابلہ میں قائلین وحدتِ نوع کے سرخیل کی تحقیق انیق ملاحظہ فرمائیے جو اخبارِ ضعیفہ پر مبنی ہے۔

اصول الشریعہ صفحہ ۵۷ پر تحریر فرماتے ہیں:۔

"مذکورہ بالا احادیث شریفہ پر نظر ڈالنے سے مندرجہ ذیل اُمور ثابت ہوتے ہیں۔

اوّل یہ کہ ائمہ طاہرین کے پاس مبدا فیض وجود یعنی خالق ہر موجود سے علم وفضل کے حاصل کرنے کے متعدد طرق وذرائع میں سے ایک ذریعہ روح القدس بھی ہے دوّم یہ روح القدس ائمہ علیہم السلام سے گفتگو کرتا ہے لیکن وہ اُسے دیکھتے نہیں سوّم یہ روح القدس عالمِ ارواح کی طرح نہیں بلکہ یہ ایک فرشتہ ہے جو جبرئیل ومیکائیل سے بھی عظیم الشان ہے چہارم یہ روح القدس جناب رسولخدا کے ارتحال کے بعد یکے بعد دیگرے دوسرے اُئمہ ہدیٰ کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے۔ پنجم روح القدس کو جب سے زمین پر اُتارا گیا ہے۔ پھر اُوپر نہیں گیا۔ ششم جب یہ روح القدس نبی یا امام کی طرف منتقل ہوتا ہے تو خدا اُسے خاص علم وفہم عطا فرماتا ہے۔ ہشتم یہ روح القدس ظاہری درجہ امامت پر فائز ہونے کے بعد ائمہ کو عطا ہوتا ہے۔ نہم۔ یہ روح القدس ملائکہ کے علاوہ کسی اور نوع سے تعلق نہیں رکھتا۔ دھم یہ روح القدس حسبِ تقاضائے مصلحتِ ایزدی نبی وامام سے کچھ لمحات کے لئے غائب ہو جاتا ہے۔ (ہفتم میں علامہ مجلسیؒ کا تحقیقی نظریہ ہے۔ جس کو انہوں نے قبول نہیں کیا ہے اِس لئے ہم نے درج نہیں کیا)

(۱) ہمارا مختصر تبصرہ یہ ہے کہ جب یہ فرشتہ ہے اور نبی وامام کو علم وفہم دیتا ہے تو تسلیم کرنا پڑیگا کہ معلّم انبیاء وائمہ علیہم السّلام ایک فرشتہ ہے۔ حالانکہ یہ عقیدہ احادیث متواترہ صحیحہ کے بالکل خلاف ہے۔ اس کے برعکس مسلّمات شیعہ میں سے ہے کہ ملائکہ اور کل خلائق کے معلّم وہادی حضرات محمد وآل محمد علیہم السّلام ہیں۔ لہٰذا یہ عقیدہ نجدی ہے۔ جو شخص اس عقیدہ کا معتقد ہے وہ شیعیّت سے خارج ہے۔

(۲) یہ فرشتہ گفتگو تو کرتا ہے مگر ائمہ علیہم السّلام اس کو دیکھ نہیں سکتے۔ یہ عقیدہ بھی نجدی عقیدہ ہے۔ حضرات ائمہ طاہرین علیہم السلام تمام کائنات و مکونات سماویات و ارضیات کو تو دیکھ سکتے ہیں۔ مگر اس مولوی فرشتہ کو نہیں دیکھ سکتے جو ان سے گفتگو کر رہا ہے اور پاس بیٹھا ہے۔ ایسا شخص شیعیت سے خارج ہے۔

(۳) یہ فرشتہ جو تعلیم کتاب دیتا ہے۔ اور علم و فہم سکھاتا ہے۔ آں حضرتؐ کی وفات کے بعد ہی یکے بعد دیگرے ائمہ کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ تا حیاتِ رسول یہ فرشتہ ائمہ کے پاس نہیں گیا۔ لہٰذا وہ علم و فہم اور علم کتاب و ایمان سے خالی رہے یعنی معاذ اللہ بے علم، بے فہم، بے علم کتاب اور بے . . . . . . رہے۔

کیا اب بھی مطابق حدیث رسول ایسے معتقد پر علانیہ لعن وطعن نہیں کرنی چاہیئے؟

(۴) یہ فرشتہ ظاہری درجہ امامت پر فائز ہو جانے کے بعد امام کے پاس آتا ہے یعنی پیدائش امام سے تا وقت اجرائے امامت نہیں آتا اور جب نہیں آتا تو امام کیا رہ جاتا ہے؟ توبہ۔ معاذ اللہ۔ استغفر اللہ (یہ ہے عقیدہ صدر المحققین کا)

ایسا عقیدہ مذہب شیعہ سے دُور کا بھی تعلق نہیں رکھتا۔ جن کی جبلت و فطرت میں امامت و نبوت ہو۔ اور کبھی ان سے جدا نہیں ہو سکتی ہو جو شکمِ مادر میں بھی تسبیح و تہلیل کرتے ہوں۔ پیدا ہوتے ہی قرآن پڑھتے ہوں۔ اُن ذواتِ مقدسہ کے لئے یہ توہین آمیز تحریر کس طرح برداشت کی جاسکتی ہے۔ لہٰذا قوم شیعہ پر فرض ہے کہ ایسے لوگوں کو اپنے مجالس میں اپنے جلسوں میں عریاں کردیں اور ان سے اپنی برائت کا اعلان کریں۔ یہ خالص نجدی عقائد ہیں۔ کسی خاص منصوبہ کے تحت شیعوں میں پھیلائے جا رہے ہیں۔ خدا محفوظ رکھے اس بلا سے"

(۵) " یہ فرشتہ کبھی امام و نبی سے غائب بھی ہو جاتا ہے" لہٰذا وقت گم شدگی نبی و امام کیا رہ گئے؟ اسی لئے ان صاحب نے لکھ دیا ہے کہ "نبی و امام سائلوں کے جواب سے درماندہ بھی ہو جاتے ہیں۔ معاذ اللہ، استغفر اللہ، لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

اسی کتاب کے ص ۷۰ پر تحریر کیا ہے۔

" امام موسٰی کاظم علیہ السلام نے اس لئے زہر کھا لیا کہ انہیں بتانے والا فرشتہ غائب ہو گیا تھا۔ نعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔

ہمیں افسوس ہے کہ ان لوگوں کو صرف وہی روایتیں تلاش کرنا پڑتی ہیں۔ جن میں تنقیص اہلبیت طاہرین ہو

جس سے نجدی عقائد ثابت ہوں۔

آخران حضرات کے فضائل ومناقب کمالات ومعجزات کے بارہ میں واردشدہ لاتعداد احادیث کو اپنی کتابوں میں نقل کرنے سے کیوں گریز ہے۔ کیااس کی وجہ یہ تو نہیں ہے کہ اپنے نجدی آقاؤں سے کتابوں کے صلہ میں انعاماتِ کثیرہ سے محروم ہو جائیں گے ؟

حضرات مومنین کواس حقیقت کی طرف ملتفت رہنا چاہیئے کہ بنی اُمیہ و بنی عباس کے انتہائی ہولناک دَور میں بلکہ اس کے بعد بھی بطور تقیہ مجبوراً ہمارے علماء کو مطابق عقائد عامہ روایاتِ ضعیفہ اپنے کتب میں درج کرنا پڑیں۔ مگر انہوں نے ان کے پرکھنے کے لئے اُصول ومعیار بھی اپنے کتب میں درج کر دیئے بلکہ ابتدائی عنوانات میں صحیح وضعیف روایات کی کسوٹی بھی تحریر کردی۔ چنانچہ ائمہ طاہرین علیہم السّلام کا یہ ارشاد بھی درج کیا گیا ہے۔ کہ جب ہماری طرف منسوب کی ہوئی روایتوں میں اختلاف ہو تو جو قرآن مجید کے مطابق ہوں وہ قبول کرلو۔ ورنہ مخالف قرآن روایات کو دیوار پر دے مارو۔ اور اگر ہماری طرف منسوب روایتوں میں دو قسم کے عقیدے ظاہر ہوتے ہوں تو اُس عقیدہ کو قبول کرو جو ہمارے مخالفوں کے عقیدہ کے خلاف ہو۔ کیونکہ حق اسی صورت میں حاصل ہوسکے گا۔ واللہ ولی المومنین۔

اس سلسلہ میں کتاب "اسرار الشریعۃ فی عقائد الشیعہ" مؤلف جناب مولانا سید محمد عارف صاحب قبلہ ممتاز الافاضل واعظ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ حال وائس پرنسپل مدرسۃ الواعظین ۲۸ بی ایمپرس روڈ لاہور ضرور ملاحظہ فرمایئے۔

یہ کتاب "اُصول الشریعہ" کے جواب الجواب میں تحریر کی گئی ہے۔ معلومات کا نایاب ذخیرہ ہے۔ نیز کتاب "حقائق العقائد" مؤلفہ جناب مولانا مرزا یوسف حسین صاحب قبلہ صدر الافاضل واعظ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ حال پرنسپل مدرسۃ الواعظین ۲۸ بی ایمپرس روڈ لاہور بھی کتاب "اصول الشریعہ" کا جواب لاجواب ہے۔ جس میں علمائے عراق و ایران کے فتاوٰی بھی درج ہیں۔ یہ بھی لاجواب ہے

"علومِ دینیہ کی حقیقت و کیفیت حصول"

ہم اس مقصد کے لئے مناسب سمجھتے ہیں کہ حضرت علامہ کاشانی" مفسر قرآن" صاحب تفسیر صافی
• محدث کبیر، صاحب کتاب وافی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب جلیل - وافی" کے مقدمہ سے چند علمی جواہر پارے
پیش کریں تاکہ ناظرین کرام کو علوم دین کے اقسام اور اغراض و مقاصد سے واقفیت تامہ حاصل ہو جائے
اور کسی دینی مسئلہ میں خلط مبحث سے متاثر نہ ہو سکیں ——— اتنا تو ہر شخص جانتا ہے کہ کسی شے کا
انکشاف اس کا علم کہلاتا ہے مگر وہ شے واقع میں جس طرح ہو اس کا اسی طرح انکشاف علم ہے اور
اگر نفس الامر کے خلاف انکشاف ہو تو جہل ہے مثلاً جو درحقیقت نبی ہے۔ اس کو غیر نبی جاننا اور جو
غیر نبی ہو اس کو نبی جاننا جہل ہے۔ یعنی عالم کو جاہل اور جاہل کو عالم جاننا جہل ہے لہٰذا علم حقیقی وہ ہے
جو مطابق واقعہ ہو یعنی جو جیسا ہو اس کو ویسا ہی جاننا علم ہے۔ اور اس کے خلاف جاننا جہل ہے۔ اسی
طرح مستبصر کو غالی اور غالی کو مستبصر جاننا جہل ہے۔

علم دین کی دو قسمیں

قسم اوّل :- وہ علم ہے جو بحیثیت علم مقصود ہے یعنی جس علم کا حصول صرف علم ہی کے لئے ہو۔ اور
علم ہی مقصود بالذات ہو۔ جیسے اللہ تعالیٰ، فرشتے۔ کتب و صحف، رسل و انبیاء، اور روزِ آخرت
کا علم ——— یہ وہ معلومات ہیں جن کا علم ہی مقصود بالذات ہے۔ اس علم کو اعتقاد کہا جاتا
ہے۔ اس کا حصول دو طریقہ سے ہوتا ہے۔ تحقیقی و تقلیدی۔
پہلا طریقہ علم تحقیقی :- یہ درحقیقت وہ نور ہے جو قلب میں ظہور کرتا ہے۔ اور اس کو ایسا منور کر
دیتا ہے کہ وہ غیب کا مشاہدہ کرنے لگتا ہے۔ اس میں ایسی وسعتیں ہوتی رہتی ہیں "جن کے بعد وہ ہر
بلا کو برداشت کر لیتا ہے۔ اور رموز و اسرار کو نااہلوں سے پوشیدہ رکھنے لگتا ہے۔ اس علم کی علامت
یہ ہے کہ اس کا عالم اپنے کو اس مکار دنیا سے بچائے رکھتا ہے اور ہر وقت دار آخرت کی طرف متوجہ
رہتا ہے۔ اور موت کے آنے سے پہلے اس کے لئے تیار رہتا ہے" یہ علم" علم لدنی" کہلاتا ہے۔
جیسا کہ خداوند عالم نے اپنے ایک عبد خاص کے لئے فرمایا ہے۔
وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عِلْمًا۔ یعنی ہم نے اس کو اپنی جانب سے علم عطا کیا۔
آیۂ مذکورہ سے معلوم ہوا کہ علم خدا کی بخشش سے نصیب ہوتا ہے جس کے بعد قلب منور ہو جاتا ہے۔ یہ
علم افضل علوم ہے بلکہ درحقیقت علم ہی یہی ہے جو ہماری خلقت کا مقصد اصلی ہے۔

دوسرا طریقہ علم تقلیدی :۔ یہ درحقیقت وہ علم ہے جو خود صاحب شریعت بقدر طاقت برداشت و بمقدار فہم کسی شخص کو عطا کریں۔ اور یہ شخص اسی کو اپنا اعتقاد قرار دے کر اس پہ قائم ہو جائے۔

مذکورہ بالا دونو طریقے حصول علم کے طریقے ہیں۔ اور ان دونوں طریقوں سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہی مقصود بالذات ہے۔ یہ پہلی قسم کے دو طریقے ہیں۔

قسم دوم :۔ وہ علم ہے جو عمل کے لئے حاصل کیا جاتا ہے یعنی مقصود بالذات صرف علم نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کو ذریعۂ عمل سمجھ کر حاصل کیا جاتا ہے۔ اس علم کی غرض حصول عمل ہے۔ جو مقصود بالذات ہے یہ علم ان محاسن کا علم ہے جن کے ذریعہ تقرب خدا حاصل ہوتا ہے۔ اور ان قبائح کا علم جو خداوند عالم سے دوری کا باعث ہیں۔

اس علم کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اعضاء و جوارح کو خدا کی اطاعت کے لئے کس طرح استعمال کرنا چاہیئے اور کس طرح اخلاق حسنہ حاصل کئے جاتے ہیں۔ اور وہ کونسا استعمال ہے جس سے خدا کی معصیت اور اخلاق بد پیدا ہوتے ہیں۔ یہ علم مکمل طور پر تقلیدی ہے۔ صاحب شریعت کے ارشادات کے مطابق بلا چون و چرا اس پر عمل کرنا چاہیئے۔ اس علم کے ذریعہ معروف و منکر کی شناخت ہوتی ہے۔ اس علم کے حصول کی صرف عمل ہے۔

طریقہ حصولِ علم تحقیقی

علم تحقیقی حاصل کرنے کے لئے قلب کو صاف کیا جائے اور نیک نیتی کے ساتھ شریعت کے ارشادات کو قبول کیا جائے۔ برائیوں سے اجتناب اور نیکیوں کا اکتساب کیا جائے اور تقویٰ و پرہیزگاری کی پابندی کی جائے تو خداوند عالم دل میں نور پیدا کر دیتا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے۔

واتقوا اللہ ویعلمکم اللہ

پرہیزگار بنو خدا تمہیں علم عطا فرمائے گا۔

نیز ارشادِ قدرت ہے۔

ان تتقوا اللہ یجعل لکم فرقانا۔

اگر تم پرہیزگاری اختیار کرو گے تو خدا تمہارے لئے حق و باطل کا فرق ظاہر کر دے گا۔

نیز ارشادِ قدرت ہے۔

والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا۔

اور جو لوگ ہمیں راضی رکھنے کے لئے سعی و کوشش کرتے ہیں ہم خود انہیں اپنی راہیں بتا دیتے ہیں۔

علم کثرتِ تعلّم سے حاصل نہیں ہوتا

حدیث نبوی میں وارد ہے کہ علم کثرتِ تعلّم کے ذریعہ حاصل نہیں ہوتا ہے یہ تو ایک نور ہے جس کے دل میں خدا چاہتا ہے خود داخل کر دیتا ہے۔

نیز ارشادِ نبوت ہے۔

جو شخص چالیس روز خدا کے لئے خلوص پیدا کرے تو اس کے دل میں حکمت کے چشمے پھوٹنے لگتے ہیں جو اس کی زبان پر جاری ہوتے ہیں۔

نیز ارشادِ نبوت ہے۔

جو شخص علم حاصل کرے اور اس پر عمل کرے تو خداوند عالم اس کے علم میں اضافہ کر دے گا۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص چراغ لے کر تاریکی میں چلتا ہے اور اس کی روشنی جتنے حصہ زمین پر پڑتی ہے اتنا طے کر لیتا ہے۔ اسی طرح اس کے بڑھنے سے روشنی اگلے حصّہ زمین کو روشن کر دیتی ہے۔ پھر آگے بڑھتا جاتا ہے۔ جوں جوں روشنی بڑھتی جاتی ہے سفر طے کرتا جاتا ہے۔ اسی طرح علم بمنزلہ چراغ ہے اور عمل بمنزلہ رفتار ہے۔

نیز ارشادِ نبوت ہے۔

ہر بندہ کے دل میں دو پوشیدہ آنکھیں ہیں جن کے ذریعہ وہ غیب کا ادراک کرتا ہے۔ جب خداوندِ عالم کسی بندہ کو خیر و نیکی عطا کرتا ہے تو اس کے دل میں دونوں آنکھیں کھول دیتا ہے۔ پھر وہ ان چیزوں کو دیکھ لیتا ہے جو ظاہری آنکھوں سے پوشیدہ ہیں۔ اہلبیت طاہرین علیہم السلام کے ارشادات اس سلسلہ میں بکثرت وارد ہیں۔ جن کا احصا مشکل ہے۔ بخصوصاً حضرت سیّد الموحدین امیر المومنین صلوات اللہ علیہ کے کلام میں خصوصی طور پر مذکور ہیں۔ جو علمِ خداوندِ عالم کا عطیہ ہے چاہیئے کہ اس کو بے بصیرت لوگوں سے پوشیدہ رکھے اور نا اہلوں کے سامنے بیان کرنے سے بخل کیا جائے کیونکہ ہر شخص ہر علم کو نہیں سمجھ سکتا۔ اگر ایسا ہوتا تو جو دقائق و نکاتِ علم حضرات علما عارفین سمجھتے ہیں ان کو ہر حجام و بافندہ بھی سمجھ لیتا مگر ایسا نہیں ہے کہ ہر شخص ہر علم کو سمجھ سکے۔

ظاہری علوم اور باطنی علوم میں فرق

یاد رکھو ظاہری شریعت کے عالم جو رسمی علوم کے ماہر ہوتے ہیں وہ حقائق و اسرارِ دین کو نہیں سمجھ

سکتے۔ اسی لئے اکابر اصحاب اہلبیت طاہرین علیہم السلام اپنے علوم کو آپس میں ایک دوسرے سے پوشیدہ رکھتے تھے جیسا کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے سینۂ اقدس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ "بالتحقیق" اس میں تمام علوم موجود ہیں۔ کاش ان علوم کے حامل اور برداشت کرنے والے مل جاتے۔

حضرت سید الساجدین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔

اگر ابوذرؓ کو علم ہو جاتا کہ سلمان کے قلبی اعتقاد میں کیا ہے تو ان کی طرف کفر کی نسبت دے دیتے اور بروایتے واجب القتل سمجھ لیتے۔ حالانکہ بالتحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ نے ان دونوں میں اخوت قرار دی ہے اور دونوں کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا ہے۔

نیز حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا۔

میں اپنے علمی جواہر پاروں کو پوشیدہ رکھتا ہوں تاکہ کوئی جاہل ہماری حقیقت کو دیکھ کر ہمیں مصائب میں مبتلا نہ کر دے۔ یہی وصیت ہمارے جد امجد نے اپنے دونوں فرزندوں امام حسنؑ اور امام حسینؑ کو فرمائی تھی۔

بالتحقیق میرے علم میں ایسے جواہر بھی ہیں کہ اگر میں ظاہر کر دوں تو میرے لئے کہہ دیا جائے گا کہ تم صنم پرستوں میں سے ہو۔ مسلمان لوگ میرے خون کو حلال سمجھنے لگیں گے اور جو قبیح ترین فعل ہے اس کو وہ لوگ نیک کام سمجھ کر کر بیٹھیں گے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا۔

لوگوں سے ان کی معرفت کے مطابق گفتگو کرو۔ اور جو حقائق ان کی نااہلی کی وجہ سے انہیں ناپسند ہیں وہ ترک کر دو تاکہ ہمارے اور تمہارے لئے مصیبت نہ بن جائیں۔ کیونکہ ہماری شان فی نفسہ مشکل ہے۔ اور سمجھنے والوں کے لئے بھی دشوار ہے۔ سوائے ملک مقرب یا نبی مرسل یا مومن کامل کے کوئی برداشت نہیں کر سکتا۔

اِن حضرات کی یہ شان اس لئے ناقابلِ برداشت ہے کہ حقیقی علوم ظاہری شریعت کے مطابق نہیں ہوتے (جیسا کہ حضرت موسٰی اور ایک عبد خاص کے واقعہ میں ہے کہ کشتی میں سوراخ کر دیا ایک بچہ کو قتل کر دیا۔ ایک دیوار کو بلند کر دیا۔ جس کا راز حضرت موسٰی نہ سمجھ سکے۔ عبد خاص کے اظہار پر راز منکشف ہوا۔)

اس واقعہ میں جس موسٰی کا ذکر ہے یہ بر دلیتے حضرت موسٰی کلیم اللہ نہیں ہیں بلکہ کوئی اور ہے۔

علمِ تقلیدی کی دونوں قسموں کی تشریح

علم اعتقادی اور علم عملی کی معرفت کا طریقہ صرف ایک ہی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اہل بیت طاہرین علیہم السلام کے آثار کی صحیح معرفت اور ان کے احادیث کا صحیح علم حاصل ہو۔ کیونکہ یہی ذواتِ مقدسہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کے جانشین اور خدا کی وحی کی فرودگاہ ہیں۔ اور یہی حضرات علم حقیقی کے خزانے اور حقیقی راسخون فی العلم ہیں۔ اور یہی حضرات ایسے اہل ذکر ہیں کہ جن سے مسائل دریافت کرنے کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے

فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون۔

یعنی تم لوگ جب مسائل سے ناواقف ہو تو اہل ذکر یعنی اہلِ رسول سے دریافت کرو (ذکر سے مراد خود رسول ہیں لہٰذا اہل ذکر اہل رسول ہیں)

اسی طرح ارشادِ قدرت ہے۔

اطيعوا الله واطيعوا الرسول واولى الامر منكم۔

یعنی خدا کی اطاعت کرو اور رسول و اولوالامر کی اطاعت کرو۔

اس آیت میں ہمیں جن کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے وہ اولوالامر یہی اہلبیت طاہرین علیہم السلام ہیں۔ صاحبانِ حقیقت کو ان ہی حضرات نے نبوت و ولایت کی برکت سے بلند کر دیا ہے اور صاحبان فتوحات کو اپنی ہدایت سے منور فرمایا ہے۔ تمام علماء اور حکماء نے ان ہی ذواتِ مقدسہ کے علوم سے روشنی حاصل کی ہے بلکہ تمام انبیاء اور ان کے اوصیاء نے عالمِ ارواح میں ان ہی حضرات کے آثار کی اقتداء کی ہے اور ہدایات حاصل کئے ہیں۔

حضرت کلیم کو ان ہی ذواتِ عالیہ کے وسیلہ سے خلعت اصطفاء نصیب ہوا ہے اور روح القدس نے جنان صاغورہ میں ان ہی حضرات کے چمنستان علم کے تازہ پھلوں کا ذائقہ چکھا ہے۔ یہی حضرات ہدایت کا روشن مینار اور عروۃ الوثقیٰ ہیں جس کے تمسک کا قرآن میں حکم آیا ہے۔ اور یہی حضرات دنیا پر حجتِ خدا ہیں۔ اور یہی حضرات اسرار وحی و تنزیل کے خزانے ہیں۔ اور جواہرِ علم و تاویل کے معدن ہیں۔ اور یہی حضرات حقائقِ الٰہیہ کے امین ہیں۔ اور تمام خلائق پر نیابت خدا میں حاکمِ اعلیٰ ہیں اور یہی حضرات کلید کرم اور مصباح امم ہیں۔ خداوند عالم نے ان ذواتِ مقدسہ کو وہ طہارت عطا کی ہے جو اس کے نزدیک حق طہارت ہے۔

صلی اللہ علیھم وسلم تسلیما۔

معرفت صحیحہ علوم اہلبیت پر موقوف ہے

ہم عزم کر چکے ہیں کہ اس کتاب میں ان حضرات کے وہ تمام احادیث جو اس وقت ہمارے ہاتھوں میں ہیں۔ خدا کی تائید و توفیق سے درج کریں۔ بحث و مباحثہ کے موجودہ دور میں جو طریقے رائج ہیں۔ اُن سے صحیح اعتقاد اور صحیح عبادت کا حصول نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ قیاسی آراء اور اجتہادی نتائج کے اختلافات کی وجہ سے شک و شبہ الجھ جاتا ہے۔ دل سخت ہو جاتا ہے۔ سر تسلیم خم کرنے سے دوری ہو جاتی ہے۔ (کیونکہ ہر شخص اپنی رائے اور اپنی عقل سے اپنا عقیدہ اور مسلک جدا جدا بنا لیتا ہے۔ اس لئے دل میں اضطراب پیدا ہو جاتا ہے)

لہٰذا ہر شخص عاقل کے لئے دو صورتوں میں سے ایک ہی صورت صحیح طور پر حاصل ہو سکتی ہے۔ اور وہ دو صورتیں حسب ارشادات معصومین علیہم السلام مندرجہ ذیل ہیں۔

کن عالما او متعلما ولا تکن الثالث فتهلك۔

یعنی تم عالم ہو جاؤ یا متعلم تیسرا نہ ہو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔ نیز ارشاد فرمایا۔

نحن العلماء وشیعتنا المتعلمون وسائر الناس غثاء۔

یعنی ہم اہل بیت عصمت و طہارت علماء ہیں۔ اور ہمارے شیعہ متعلم ہیں اور باقی لوگ سیلاب کے ساتھ بہنے والے کوڑا کرکٹ ہیں (یعنی صحیح علم و اعتقاد صرف وہی ہے۔ جو حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام کے ارشادات کے مطابق اور ان ہی حضرات کے ارشادات سے ماخوذ ہو)

مناظرہ اقوال معصومین کے ذریعہ کرنا چاہیئے

اہل بیت طاہرین علیہم السلام نے مناظرہ کی اجازت اور جدل و کلام کی رخصت صرف اس صورت میں عطا کی ہے کہ معاندین و منکرین سے مناظرہ میں جو بیان کیا جائے وہ ان ہی کے ارشادات سے ہو۔ جن کے ذریعہ فتح و نصرت حاصل کی جائے۔ اپنی رائے اور قیاس سے نہ ہو جو غلط ہونے کی صورت میں دین حق کے لئے ضرر رساں ہو جائے۔ اسی لئے حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ اس کا ضرر اس کا نفع سے زیادہ ہے۔

(دین خدا میں رائے اور قیاس و تخمین کی بنیاد مخالفین اہل بیت علیہم السلام نے رکھی ہے کیونکہ ان کے پیشواؤں کا براہ راست رابطہ بذریعہ وحی و الہام خدا کے ساتھ نہ تھا۔ اس لئے وہ قیاس و تخمین کو دین میں

داخل کرنے لگے۔ اور اسی وجہ سے وہ لوگ ارشاداتِ معصومین علیہم السّلام کو اپنی ناقص عقل کے مطابق نہ سمجھ کر باطنی علوم کے منکر ہوگئے حالانکہ قرآن وحدیث میں باطنی علوم کے بکثرت امثلہ موجود ہیں۔

حفاظتِ دین کا انتظام

جب وفات حضرت رسولِ خدا صلّے اللہ علیہ وآلہ کے بعد لوگوں نے فتنہ و فساد کی بنیادیں استوار کیں۔ اور اپنے خواہشات کے مطابق دین کو موڑنے لگے تو خداوند عالم نے کچھ ہستیوں کو بچالیا۔ اور سفینۂ اہلبیتؑ کے ذریعہ انہیں ان طوفانوں سے نجات اور ثقلین کے ساتھ تمسک کی توفیق عطا فرمائی۔

ان متمسکین اہل بیت نے دینِ خدا کو سینوں سے لگالیا۔ اور اپنی جان کو بچاتے ہوئے دین کو اپنے سینوں میں مستحکم رکھا۔ ان ہی کی وجہ سے اُمتِ محمدیہ میں رمق شریعت باقی رہی۔ ان کی مدد و تائید کے لئے خداوند عالم امام کے بعد امام مبعوث فرماتا رہا۔ اور شیعوں کے سلف کے بعد خلف قائم کرتا رہا۔ چنانچہ شیعوں کی جماعت مسلسل حضرات معصومین علیہم السّلام کے ارشادات کی حامل رہی۔ اور یہی گروہ احادیث کو حفظ کرتا رہا۔ اور دفاتر میں جمع و تدوین کرتا رہا۔ اور برابر ایک دوسرے کو پہنچاتا رہا۔ یہاں تک کہ احادیث آئمہ طاہرین علیہم السّلام آج ہم تک پہنچیں۔

اُمورِ دین میں قیاس و تخمین کی وجہ

حافظین احادیث اور ناقلین اخبار اور متبعین اہل بیت اطہار اپنے عقائد و اعمال میں احادیث ہی کو دلیل صحت قرار دیتے تھے۔ اس وقت نصوص مسرعہ ہی حجت و ثبوت صحت تھے۔ نہ قیاس کی حاجت تھی۔ اور نہ رائے زنی کی۔ یہی حالت اُس وقت تک رہی جب تک آئمہ طاہرین علیہم السّلام کا ظہور اور ان حضرات کے سفراء کا دور باقی رہا۔

لیکن جب غیبت کبریٰ کا عہد آگیا اور شیعوں کا رابطہ سفراء سے بھی منقطع ہوگیا۔ اور حکومتوں نے شیعوں پر ظلم و تشدد کو روا رکھا۔ جس کے بعد شیعہ اور غیر شیعہ مخلوط ہوگئے۔ اور ان کی اولاد نے صغر سنی میں حکومتوں کے جاری کردہ مدارس اور تحریر کردہ کتب دیکھے اور مساجد و مدارس کے درس و تدریس میں مجبوراً شرکت کی۔ اور وہی مروجہ علوم و فنون حاصل کئے جو اس دورِ حکومت میں مخالفینِ اہلبیتؑ نے جاری کئے تھے۔

ایسے دورِ تشدد میں بھی ہمارے علماء نے اُن کے خلاف اور اُن کی رد میں کتابیں تالیف کیں۔ اور اُن کے وضع کردہ اُصول میں غلطیاں نکالیں (اگرچہ اس جرم میں شہید بھی کئے گئے) رفتہ رفتہ بحث و مباحثہ

اور جدل و مناظرہ جاری ہوگیا مگر پھر بھی ہمارے علماء نے احادیث اہل بیت طاہرین کی حفاظت کی۔ اور پہلے سے زیادہ اس امر کی سعی کی کہ ارشادات معصومین علیہم السلام صحیح طور پر جمع ہو جائیں۔

علماء محدثین کی بے مثال خدمت

چنانچہ جناب محمد بن یعقوب کلینی رضی اللہ عنہ نے جن احادیث کو اپنی نظر میں قابلِ اعتماد و عمل پایا۔ جمع فرما کر کتاب کافی تالیف کی۔ جیسا کہ اول کتاب میں تحریر فرمایا ہے۔

میں نے اپنے ان احباب سے کہا جنہوں نے تالیف کتاب کی فرمائش کی تھی۔ تم چاہتے ہو کہ تمہارے پاس ایسی کتاب ہو جو کافی ہو۔ اور اپنی جامعیت کے لحاظ سے ایسی کتاب ہو جس میں علوم دین کا ایسا ذخیرہ ہو جو متعلم کے لئے کافی اور ہدایت حاصل کرنے والوں کے لئے مرجع اور خواہشمندانِ علوم دین کے لئے ماخذ ہو تو ایسی کتاب "کافی" ہے۔ کیونکہ اس میں اہلبیت طاہرین علیہم السلام کے آثار صحیحہ اور وہ طرق جن پر عمل جاری ہے۔ درج کئے گئے ہیں۔ جن کے ذریعہ فرضِ خدا اور سنتِ نبی ادا کئے جا سکتے ہیں۔

اسی طرح جناب ابن بابویہ قمی رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب "من لا یحضرہ الفقیہ" کے متعلق تحریر فرمایا ہے۔ میرا ارادہ اس کتاب کی تالیف میں یہ نہیں ہے کہ دیگر مولفین کی طرح تمام روایات جمع کر دوں بلکہ میرا مقصد یہ ہے کہ اس کتاب میں وہ احادیث جمع کر دوں جن کے مطابق میں فتویٰ دیتا ہوں اور جن کی صحت کا میں فیصلہ کر چکا ہوں۔ اور جن کے متعلق میرا یہ اعتقاد ہے کہ یہ روایات میرے اور میرے خدا کے درمیان حجت ہیں۔ اور یہ سب روایات ان کتب مشہورہ سے لی گئی ہیں جن پر مکمل اعتماد ہے اور جن کو اصل و مرجع قرار دیا گیا ہے۔

اسی طرح جناب شیخ الطائفہ ابو جعفر محمد بن حسن طوسی رضی اللہ عنہ نے اپنی دونوں کتاب استبصار و تہذیب کے متعلق تحریر فرمایا ہے۔ میں نے ان کتابوں میں وہی احادیث و اخبار جمع کئے ہیں جو اصول معتمدہ کے مطابق ہیں۔

جناب محمد بن علی بن شہر آشوب ماژندرانیؒ نے کتاب معالم العلماء میں جناب شیخ مفید علیہ الرحمہ سے نقل کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ علماء شیعہ امامیہ نے عہدِ حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے عہدِ حضرت امام حسن عسکری تک چار سو کتب احادیث تحریر کی ہیں جن کو اصول کہا جاتا ہے۔ یعنی ان کتبِ حدیث کو مرجع و ماخذ قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص کے بیان کی تائید کے لئے اصل موجود ہے۔ یعنی ان کتب میں موجود ہے۔

عام طور پر مشہور یہ ہے کہ "اصول" صرف چار سو کتابیں ہیں۔ جن پر اعتماد کیا گیا ہے مگر یہ صرف تفحص و تلاش کے لحاظ سے مشہور ہے ورنہ ان کی تعداد ناقابلِ حصر ہے۔ کیونکہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے جو احادیث حاصل کئے گئے ہیں۔ ان کے محدثین کی تعداد چار ہزار سے بھی زیادہ ہے۔ (حاشیہ وافی صلا)

بہرحال کتب اُصول معتمدہ ہی سے کتب اربعہ ماخوذ ہیں۔ جن پر متقدمین و متاخرین کا عمل ہے مگر احادیث معصومین علیہم السلام ان چار کتابوں ہی میں محدود نہیں ہیں۔ ان کے علاوہ بھی متقدمین و متاخرین نے کتب احادیث جمع کی ہیں جن میں احادیث قدسیہ اور ادعیہ معصومین علیہم السلام اور غرر حکم اور دیگر خطبات معصومین علیہم السلام موجود ہیں جو کتب اربعہ سے کہیں زیادہ ہیں۔ جیسے کتاب العوالم یکصد جلد علامہ بحرانی معاصر مجلسیؒ اور تفصیل وسائل الشیعہ الی تحصیل مسائل الشریعہ علامہ عاملیؒ اور شفائی حدیث آل مصطفیٰ علامہ تبریزیؒ اور مستدرک الوسائل علامہ نوری طبرسیؒ اور جامع الاحکام پچیس جلد۔ علامہ شیرازیؒ اور جامع الاخبار علامہ ہمدانیؒ اور وافی ۲۲ جلد علامہ کاشانیؒ اور علامہ مجلسیؒ کے مولفات بحار الانوار ۲۵ جلد کے علاوہ بھی بکثرت موجود ہیں۔

عہدِ علامہ حلیؒ تک نصوص آئمہ پر عمل و اعتقاد موقوف تھا

عصر متقدمین میں جناب علامہ حلیؒ تک تمام علماء اپنے اعتقاد و عمل میں نصوص آئمہ طاہرین علیہم السلام کو سندِ حجت قرار دیتے تھے۔ بعد ازاں اس لئے قوانین و اُصول وضع کئے گئے کہ وضع حدیث و تدلیس زور پکڑتا جا رہا تھا۔ اس لئے فنِ روایت و رجال کی شدت سے ضرورت محسوس ہوئی ورنہ عہد آئمہ و سفراء میں یہ فنون نہیں تھے بلکہ ہر عقیدہ و عمل کی اصل و اساس قولِ معصومؑ ہی تھا مگر اس زمانہ میں بھی قبولِ حدیث کے لئے راوی کا عدل و تدین پیش نظر رکھا جاتا تھا جیسا کہ ان ذواتِ مقدسہ نے فرمایا کہ۔ قرآن مجید کی کسوٹی پر روایت کو پرکھو۔ اگر مطابق ہے تو قبول کرو ورنہ رد کر دو۔ مگر قرآن فہمی کے لئے بھی فرمایا کہ اہل بیت علیہم السلام ہی کی طرف رجوع کرو۔ کیونکہ تنہا قرآن کافی نہیں ہے بلکہ قرآن و اہل بیت دونوں سے تمسک کرو۔ ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے (مقدمہ وافی)

قرآن فہمی کے لئے ضروری ہدایات

ہم قرآن فہمی کے لئے ارشاداتِ معصومین علیہم السلام پیش کرتے ہیں تاکہ کتاب اللہ کے منطوق و

مفہوم کے سمجھنے میں آسانی ہو جائے۔

جناب علامہ جزائری آقائی سید طیب آغا موسوی مدظلہ العالی نے تفسیر قمی علیہ الرحمہ کا گرانقدر مقدمہ تحریر فرمایا ہے جو نجف اشرف میں طبع ہوا ہے۔ طالبانِ علم کے لئے نہایت بصیرت افروز تبصرہ ہے۔ اور قرآن فہمی کے لئے ازبس ضروری ہے۔ ہم اس کی اصل عبارت عربی کا اُردو ترجمہ پیش کرتے ہیں۔ علامہ جزائری نے تحریر فرمایا ہے۔

تفسیر قمی علیہ الرحمہ کے خوانندگان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اُمور ذیل کو پیش نظر رکھ کر تفسیر کا مطالعہ کریں ورنہ کم عقل مخالف اور ضعیف الایمان موافق کو ہٹ دھرمی اور انکار کا موقعہ ملے گا۔ اور مراد و مقصود کا سمجھنا مشکل ہو جائے گا۔ وہ اس تفسیر اور ایسی ہی دیگر تفاسیر پر یہ اعتراض کرے گا کہ یہ مطلب ظاہر لفظ آیت سے بعید ہے اور اس کو عقل پسند نہیں کرتی ہے۔ اس کا جواب چند اُمور کے بیان پر موقوف ہے۔

امر اوّل۔ بالتحقیق اخبار و احادیث فریقین اور دلائل قاہرہ سے ثابت ہے کہ حضرات محمد و آلِ محمد علیہم السّلام علتِ ایجادِ کائنات ہیں۔ جیسا کہ حدیث معروف "لولاک لما خلقت الافلاک" سے واضح و لائح ہے جو فریقین میں مشہور ہے۔ اور حدیث "اوّل ما خلق اللہ نوری" سے ظاہر ہے۔ جس کی تائید قرآن مجید کی آیت مندرجہ ذیل سے ہوتی ہے۔ "قل ان کان للرحمن ولد فانا اوّل العابدین"

کیونکہ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ اپنے وجود میں سب سے اول ہیں۔ اور خاتم الرسل بلحاظ زمانہ ہیں۔ اور اسی طرح امام اول حضرت امیر المومنین علیہ السّلام نفسِ رسولؐ ہیں۔ جیسا کہ آیہ مباہلہ سے ثابت ہے۔ اور آپ ہی کے نور کا ایک حصّہ ہیں۔ جیسا کہ حدیث رسول انا وعلی من نور واحد۔ سے ثابت و واضح ہے اور آپ کی اولاد معصومین علیہم السّلام آپ ہی کے مظاہر کمال و جمال ہیں۔ جیسا کہ آنحضرتؐ کا ارشاد ہے۔ اولنا محمّد واوسطنا محمّد و آخرنا محمّد و کلنا محمّد۔ اس مقصد پر روایات کثیرہ دلالت کرتی ہیں۔ جس کا دل چاہے کتب سنن کا مطالعہ کرلے۔

نیز حدیث کسا جو علمائے اعلام کے نزدیک مسلّم اور خواص و عوام میں معمول بہ ہے۔ اس میں یہ فقرات منقول ہیں۔ "وعزتی وجلالی انی ماخلقت سماء مبنیّہ ولا ارضا مدحیہ ولا قمرا منیرا ولا شمسا مضیئۃ الا فی محبۃ ھولاء الخمسہ الذین ھم تحت الکساء"

اور اکمال الدین وعیون اخبار رضا، اور علل الشرائع میں ہے کہ حضرت امام رضا علیہ السّلام نے

اپنے آبا و اجداد کے سلسلہ سے بروایت حضرت امیر المومنین علیہ السلام بیان کیا کہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ نے فرمایا۔

خداوند عالم نے کوئی مخلوق مجھ سے افضل اور اپنے نزدیک مجھ سے زیادہ محترم نہیں پیدا کی۔ پس میں نے عرض کی یا رسول اللہ آپ افضل ہیں یا جبرائیل (یہ سوال لوگوں کو سمجھانے کے لئے تھا) آپ نے فرمایا خداوند عالم نے انبیاء و مرسلین کو ملائکہ مقربین پر فضیلت دی ہے۔ اور مجھے تمام انبیاء و مرسلین پر فضیلت عطا کی ہے۔ اور میرے بعد تمہیں اور تمہارے بعد آئمہ کو فضیلت مرحمت فرمائی ہے۔ اور بالتحقیق ملائکہ ہمارے خدام ہیں۔ اور ہمارے دوستوں کو بھی۔ یا علی حاملانِ عرش و حاملِ عرش اپنے رب کی تسبیح بجالاتے ہیں۔ اور ہماری ولایت پر ایمان لانے والوں کے لئے استغفار کرتے ہیں۔

یا علیؑ اگر ہم نہ ہوتے تو خداوند عالم نہ آدم کو پیدا کرتا نہ حوا کو۔ اور نہ جنت و دوزخ کو۔ اور نہ آسمان و زمین کو۔ پھر ہم افضل کیوں نہ ہوں۔ جب کہ ہم اپنے رب کی تسبیح و تقدیس میں ملائکہ سے سابق ہیں۔ کیونکہ سب سے اول خدا نے ہمارے ارواح کو پیدا کرتے ہی اپنی توحید و تمجید کا نطق عطا فرمایا۔ اس کے بعد ملائکہ کو پیدا کیا۔ پس جب ملائکہ نے ہمارے ارواح کو نورِ واحد دیکھا تو ہماری یہ شان دیکھ کر ہماری عظمت کو تسلیم کیا اور ہمیں تسبیح کرتے ہوئے دیکھ کر ہم سے طریقہ تسبیح حاصل کیا اور ہماری تسبیح کی طرح تسبیح کرنے لگے

امر دوم :۔ جب یہ امر ثابت ہے کہ یہ ذواتِ مقدسہ اول خلائق اور غرض معرفت حق تعالیٰ ہیں تو بدلیلِ عقل بقاعدہ لطف ضروری ہے کہ تمام خلائق کو ان کی معرفی کرائے اور اپنے تمام بندگان کے لئے ان کی محبت لازم قرار دے۔ ورنہ غایت و مغیۃ میں جدائی لازم آئے گی۔ پس یہ حضرات غرض خلق ہیں۔ اور ان کی غرض خلقت ذات حق سبحانہ کی معرفت ہے۔

اس مطلب کو اس طرح بھی ادا کیا جا سکتا ہے کہ :۔

خداوند عالم نے تمام خلائق کو عبادت کے لئے پیدا کیا ہے اور اس کی عبادت بغیر معرفت ممکن نہیں ہے وہ اس وقت حاصل ہوگی۔ جب خدا پر ایمان کامل ہوگا۔ اور وہ ممکن نہیں جب تک کہ رسول پر ایمان نہ ہو جو مخبر صادق از جانب خدا ہے۔ اور وہ ہمارے لئے معرفت امام پر موقوف ہے۔ جو مخبر صادق از جانب خدا و رسول ہیں۔ لہٰذا خدا کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ ان حضرات کی معرفت و محبت کی رہنمائی کرے اور خود ان کی معرفت کرائے تاکہ غرض خلقت مکمل طور پر حاصل ہو۔

لہٰذا اس میں کوئی استبعاد نہیں کہ قرآن ان کی شان میں اور ان ہی کے لئے نازل ہوا ہے۔

امر سوم :۔ خداوند عالم کو علم تھا کہ بعد وفات پیغمبرؐ ان کی امت دینِ خدا کو لہو و لعب بنانے گی اور دینِ خدا

کے حامیوں کی عزت و ناموس پر حملے کرے گی ۔ جیسا کہ بدکردار بنی امیہ و بنی عباس سے ظاہر ہو گیا ۔ جس کی خبر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے دی تھی جیسا کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں بھی ہے ۔ حضرت نے فرمایا ۔

اے لوگو! تم اپنے پیشرو اقوام کا اتباع بالشت بہ بالشت اور ذراع بہ ذراع ضرور کرو گے ۔ اگر وہ کسی گوہ کے سوراخ میں داخل ہوئے ہیں تو تم بھی ضرور داخل ہو گے ۔ حاضرین نے عرض کی یا رسول اللہ یہ پیشرو اقوام کیا یہود و نصاریٰ ہیں ۔ تو آں حضرت نے فرمایا اور کون ہیں ؟

احتجاج طبرسی میں ہے کہ حضرت امیر المومنین صلوات اللہ علیہ نے آیہ قرآن لتركبن طبقا عن طبق کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ تم لوگ یقیناً ان ہی راہوں پر چلو گے جن پر تم سے پہلی اُمتیں گامزن ہوئیں ۔ اور انبیاء کے بعد ان کے اوصیاء سے غداریاں کیں ۔

اس مقصد کے ثبوت میں بکثرت روایات موجود ہیں جو فریقین نے اپنی کتب میں درج کی ہیں ۔ ایسی صورت میں اُمت پر اعتماد و اطمینان نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ آئمہ طاہرین علیہم السلام کے اسمائے گرامی اور ان کے فضائل باقی چھوڑ دیں گے ۔

لہٰذا اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا کہ خداوند عالم کنایہ اور استعارہ کے طور پر ان اُمور کو بیان کرے جیسا کہ قرآن مجید کا طرز ادا اور اسلوب بیان ہے ۔ کیونکہ ظاہری طور پر اس کا تعلق کسی ایک شے سے ہے اور باطنی طور پر کسی دوسری شے کے ساتھ ہے ۔

تفسیر عیاشی وغیرہ میں جناب جابرؓ نے روایت کی ہے کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے ایک تفسیر کے متعلق سوال کیا تو آپ نے ایک جواب دیا ۔ اور پھر اُسی کے متعلق سوال کیا تو بار دوم دوسرا جواب دیا ۔

میں نے عرض کی میں آپ پر قربان ۔ آپ نے اس مسئلہ کا جواب پہلے کچھ اور دیا تھا ۔ اور آج کچھ اور ہے تو حضرت نے فرمایا ۔ اے جابر قرآن کے لئے بطن ہے ۔ اور پھر بطن کے لئے بھی بطن ہے اور ظہر ہے اور ظہر کے لئے بھی ظہر ہے یعنی ظاہر و باطن ہے ۔

اے جابر تفسیر قرآن سے زیادہ کوئی شے لوگوں کی عقل سے بعید تر نہیں ہے ۔ ایک ہی آیت کا پہلا حصہ کسی ایک مقصد کے لئے ہے اور آخری حصہ کسی دوسرے مقصد کے لئے حالانکہ کلام متصل ہے جو کتنے ہی وجوہ کی طرف پلٹتا ہے ۔

غزالی نے احیاء العلوم میں اور حافظ ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ ۔

قرآن سات حروف (وجوہ) پر نازل ہوا ہے۔ کوئی ایسا حروف نہیں ہے۔ جس کے لئے ظہر و بطن نہ ہو اور حضرت علی ابن ابی طالب کو اس کے ظاہر و باطن کا علم تھا۔

بطن قرآن سے مراد تاویل ہے جیسا کہ خداوند عالم نے فرمایا ہے۔

وما یعلم تاویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم۔

یعنی خدا اور راسخون فی العلم کے سوا اس کی تاویل کو کوئی نہیں جانتا۔

اس کی مثال آیت شجرہ ہے۔ جیسا کہ خداوند عالم نے فرمایا ہے۔

الم تر کیف ضرب اللہ مثلا کلمۃ طیبۃ کشجرۃ طیبۃ الیٰ قولہ ما لھا من قرار (سورہ ابراھیم)

اس مقام پر شجرہ طیبہ سے مراد محمد و آل محمد علیہم السّلام ہیں۔ اور شجرہ خبیثہ اور شجرہ ملعونہ سے مراد بنی اُمیہ ہیں۔ یعنی اس شجرہ کی تاویل بنی اُمیہ ہیں۔

لہٰذا کون ایسا شخص ہے جو صرف لفظ شجرہ سے اس کی تاویل کو سمجھ سکے مگر ہاں صرف وہی حضرات جانتے ہیں۔ جن کے گھر میں قرآن نازل ہوا ہے۔ یہی اہل بیت علیہم السلام ہیں۔ جن کا لقب قرآن مجید میں کبھی راسخون فی العلم ہے۔

اور کبھی الذین اوتو العلم ہے۔ یہی حضرات وجوہ قرآن کو جانتے پہچانتے ہیں۔ اور یہی حضرات اس کے معانی کے عالم ہیں۔ اور یہی حضرات ناسخ و منسوخ۔ محکم و متشابہ۔ عام و خاص۔ مقید و مطلق۔ مجمل و مبین کے واقف ہیں۔ جیسا کہ حضرت امیر علیہ السّلام نے فرمایا۔

واللہ ما نزلت آیۃ الا وقد علمت فیما نزلت واین نزلت وعلیٰ من نزلت ان ربّی وھب لی قلبا عقولا ولسانا ناطقا۔

اس بیان سے واضح ہو گیا کہ جب ان ذواتِ مقدسہ کی زبان حق ترجمان سے آیات قرآنیہ کی تاویل و تعبیر بیان ہو جائے تو کسی شخص کے لئے جائے دَم زدن نہیں ہے۔ اور کسی شخص کو تعجب و انکار کی مجال نہیں ہے۔ خواہ وہ معنی ظاہری الفاظ کے بظاہر خلاف ہی کیوں نہ ہوں۔

کیا جبرئیل قرآن لے کر ان کے سوا کسی اور کے گھر میں نازل ہوئے ہیں۔ اور کیا آیاتِ قرآن کو ان کے سوا کسی اور کے ذریعہ روشنی ملی ہے۔ یہی حضرات اہل بیت نبوت و معدنِ رسالت اور مہبط وحی و تنزیل اور منبت تفسیر و تاویل ہیں۔

جیسا کہ حضرت ابو عبداللہ الحسین علیہ السّلام نے متعدد جماعت کے سامنے مدینہ سے ہنگامِ رُخصت

عامل مدینہ کے دربار میں فرمایا۔

نحن اهل بیت النبوۃ و معدن الرسالۃ و مختلف الملائکۃ۔

قرآن مجید وہ کتاب ہے جس کا ظاہر انیق اور باطن عمیق ہے۔ اس کا ظاہر کسی فرد خاص کے لئے یا کسی ملۃ خاص کے لئے ہے۔ مگر اس کا باطن قیامت تک کے لئے جاری وساری ہے۔ اس کے اہل پر منطبق ہوتا رہے گا۔

یہی مقصد ہے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی اس حدیث کا۔

قال ابو جعفر علیہ السّلام ان القرآن نزل ثلاثا ثلث فینا و فی آبائنا و ثلث فی اعدائنا و عدو من کان قبلنا و ثلث سنۃ و مثل ولو ان الآیۃ اذا نزلت فی قوم ثم مات اولئک ماتت الآیۃ لما بقی من القرآن شیء ولکن القرآن یجری علی آخرہ ما دامت السمٰوٰت والارض۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا۔

بالتحقیق قرآن مجید تین ثلث پر نازل ہوا ہے۔ ایک ثلث ہمارے اور ہمارے دوستوں کے لئے۔ اور دوسرا ثلث ہمارے دشمنوں کے لئے۔ اور ایک ثلث سنن و امثال ہیں۔

اگر کوئی آیت کسی خاص قوم کے لئے ہوتی تو جس وقت وہ قوم مر جاتی تو وہ آیت بھی مر جاتی۔ اس طرح قرآن کا کوئی حصہ بھی باقی نہ رہتا۔ مگر قرآن جاری ہے۔ اور جب تک زمین و آسمان قائم ہے جاری رہے گا ان ارشاداتِ معصومین علیہم السلام سے یہ راز بھی منکشف ہو گیا کہ قرآن میں سابقہ اُمتوں کا ذکر کیوں کیا گیا ہے۔ جیسے آل فرعون و نمرود اور اُمت موسیٰ و ہود اور قصص نصاریٰ و یہود اور ان کے اعمالِ قبیحہ کا مکرر ذکر اور ان کی بدکرداریوں کے تذکرے۔

حالانکہ خداوند عالم ستّار عیوب ہے اور غفار ذنوب بھی پھر ان کے فضائح و قبائح کی سزا دیدینے کے بعد اور ان پر عذاب نازل کر دینے کے بعد ان کے ذکر کی سوائے اس کے اور کیا حکمت ہو سکتی ہے کہ ان کا تذکرہ صرف اس لئے کیا گیا کہ اُمتِ رسول کو عبرت حاصل ہو۔ اور ان فاسقوں کو تنبیہ ہو جو اپنی بداعمالیوں میں معذب قوموں کے دوش بدوش اور ان کے ہم عمل ہوں۔ اسی لئے ایسے فاسقوں کے لئے خود جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا ہے کہ یہ لوگ اس اُمت کے یہود و مجوس ہیں۔

ہمارے ان بیانات سے منکشف ہو گیا کہ قرآن مجید میں جو مدح و ثنا کنایۃً یا صراحۃً بیان ہوئی ہے۔ اس کا مرجع محمد و آل محمد علیہم السلام ہیں۔ اور جو کچھ مذمت اور قدح وارد ہوئی ہے وہ ان کے دشمنوں کے لئے ہے

خواہ سابقین ہوں یا لاحقین۔

لہٰذا اس طرز کی آیات اسی مقصد پر محمول ہوں گی۔خواہ بظاہر لفظ تائید نہ کریں۔کیونکہ اسلوب بیان اور تحفظ از نقصان کنایہ ہی کا متقاضی ہے جو تصریح سے زیادہ بلیغ ہوتا ہے۔

لہٰذا قطعی دلیل عقلی اور صحیح و معتبر دلیل نقل کے بعد اس مطلب میں کوئی نزاع نہیں رہتی اور نہ کوئی اعتراض ہو سکتا ہے۔اب سوائے اس شخص کے جس کی عادت ہی اپنا کبر و غرور ہو۔اور لوگوں کو اپنے دجل و فریب میں گرفتار کرنا مقصود ہو۔کوئی اس حقیقت کا انکار نہیں کر سکتا۔

واللہ ولی التوفیق یھدی من یشاء الی صراط مستقیم (مقدمہ تفسیر قمی از علامہ جزائری مدظلہ)

تفسیر قرآن کے بنیادی اصول

سابقہ اوراق میں ہم نے علامہ جزائری مدظلہ کے افادات علمیہ مقدمہ تفسیر قمی سے پیش کئے ہیں۔ لیکن قرآن مجید کے معانی و تفاسیر مشکلات علوم میں سے ہے۔جیسا کہ قول معصوم سے ثابت ہے کہ دنیا میں تمام مشکلات سے زیادہ مشکل تفسیر قرآن ہے۔

اس لئے جس قدر بھی ممکن ہو سکے گا ہم قرآن فہمی کے لئے علوم اہل بیت کی روشنی میں اعاظم محدثین و مفسرین کے رشحات علمیہ پیش کرنے کی سعی بلیغ کریں گے۔کیونکہ کلام خدا اپنی بلاغت و جامعیت کے لحاظ سے انتہائی بلند مقام پر فائز ہے اور اپنے معجزانہ اسلوب کے اعتبار سے قوت بشری کے ادراک سے بالاتر ہے اس کو کما حقہ وہی سمجھ سکتا ہے جس پر نازل ہوا۔اور اس کا مخاطب حقیقی ہے جو نزول قرآن سے پیشتر علم وہبی کا خزینہ دار ہے جیسا کہ ارشاد قدرت ہے۔

بل ھو ایات بینات فی صدور الذین اوتوا العلم۔یعنی یہ قرآن ان ذوات مقدسہ کے سینوں میں روشن آیات کی حیثیت رکھتا ہے جن کو اس کے نزول سے پہلے تخلیقی طور پر علم دیا جا چکا ہے اسی فطری قابلیت و علمی صلاحیت کی وجہ سے روشن آیات بن گیا ہے۔

کلام بلیغ کے شرائط میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ متکلم اپنے مخاطب کی استعداد عقل و فہم کے مطابق کلام کرے اس کے معیار عقل سے نہ بلند ہو اور نہ پست تاکہ اس کے دل میں اتر جائے ورنہ بلند ہونے کی صورت میں وہ سمجھ نہ سکے گا۔اور مفہوم و مقصود متکلم قلب مخاطب میں اتر نہ سکے گا۔جس کی وجہ سے وہ کلام حد بلاغت سے گر جائے گا۔اور متکلم کے لئے باعث نقص و عیب ہوگا۔کیونکہ اس نے مخاطب کے معیار فہم و علم کے مطابق کلام نہیں کیا۔

اور اگر مخاطب کی قابلیت فہم و عقل سے پست کلام ہوگا تو بھی حدود بلاغت سے گر جائے گا۔ کیونکہ ایسا کلام مخاطب کے معیار علم و فہم سے پست ہونے کی وجہ سے قابلِ توجہ ہی نہ ہوگا۔ بلکہ اس کی توہین و تحقیر کا موجب قرار پائے گا۔ اس کے دل میں نہ اتر سکے گا بلکہ اس کے گوش ہمایوں سے گزر جائے گا۔

حالانکہ کلام بلیغ کی شان یہ ہے۔ مایدخل فی الجنان ولا یتجاوز الاذان۔ یعنی کلام دل میں داخل ہو جائے۔ کانوں سے نہ گذر جائے۔ لہٰذا کلام کو مطابق عقل و فہم مخاطب ہونا لازمی ہے تاکہ مرتبہ بلاغت و فصاحت پر فائز ہو۔

قرآن مجید کلامِ خدا ہے اور اس کے مخاطب حضرت محمد مصطفٰےؐ ہیں۔ متکلم بھی کامل ہے اور مخاطب بھی۔ لہٰذا کلام بھی کامل ہے۔ یا آنحضرتؐ کما حقہ سمجھ سکتے ہیں یا وہ ہستیاں جو عقل و فہم میں حضرت کے مساوی اور تخلیقی طور پر وہی علم کے حامل ہوں۔ جن کی عقل مثل عقلِ رسول۔ جن کا فہم مثل فہم رسول۔ جن کا علم مثل علم رسول ہو۔ یہی وہ ہستیاں ہیں جو اوتوا العلم اور راسخون فی العلم اور اہلِ ذکر ہیں۔

چنانچہ ارشاد رب العزت ہے۔

واذا اخرجوا من عندك قالوا للذین اوتوا العلم ماذا قال انفا ہ۔

یعنی اے رسول جب لوگ تیری تعلیمی صحبت سے اٹھ کر باہر نکل جاتے ہیں تو ان ہستیوں سے جن کو ہم نے علم دے دیا ہے دریافت کرتے ہیں کہ ابھی ابھی رسول نے کیا فرمایا تھا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ رسول کی موجودگی میں اوتوا العلم موجود تھے اور وہ ہی علم رکھتے تھے۔ جو رسول کو حاصل تھا۔ اسی لئے لوگ ان سے دریافت کرتے تھے کہ رسول نے کیا فرمایا ہے۔ ان لوگوں کو یقین تھا کہ یہ حضرات وہی فرمائیں گے جو رسول نے فرمایا ہے۔

احادیث معصومین علیہم السّلام سے بھی اوتوا العلم سے مراد یہی حضرات ہیں۔ اور یہی حضرات وارثان علم رسول ہیں۔ لہٰذا بعد رسول قرآن مجید کے صحیح معنی اور صحیح تاویل ان ہی سے حاصل ہوگی۔ اور اسی لئے آں حضرتؐ نے قرآن کے ساتھ ان ہی حضرات کو چھوڑا ہے۔ دونوں میں جدائی نہیں ہو سکتی۔ مقصدِ قرآن یعنی مرادِ خدا ان ہی کے ذریعہ معلوم کی جا سکتی ہے۔ قیاس و تخمین سے مرادِ خداوندی حاصل نہیں ہو سکتی۔

لہٰذا ہمیں قرآن فہمی کے لئے ان ہی ذواتِ مقدسہ کے ارشادات کو مشعل راہ بنانا چاہیئے اور اپنی قیاس آرائی سے اجتناب لازم ہے۔ ہم اس سلسلہ میں جناب افقہ المحدثین واکمل الربانیین الشریف العدل الولی ابوالحسن بن محمد طاہر بن عبدالحمید بن موسیٰ بن علی بن معتوق بن عبدالحمید الفتونی العاملی

الاصفہانی الغروی علیہ الرحمہ کے مقدمہ مراۃ الانوار و مشکوٰۃ الاسرار سے حقائق علیہ کا اقتباس "ضروری تشریحات" کے ساتھ پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ حضرت علامہ تحریر فرماتے ہیں۔ ہم تفسیر قرآن لکھنے سے بیشتر نہایت ضروری تین مقدمات پیش کرتے ہیں۔ جن کا جاننا ہر قاری قرآن کے لئے لازمی ہے۔

پہلا مقدمہ:۔ قرآن مجید میں جس طرح ظاہری معنی کا ذکر ہے اور اس کا تعلق توحید و نبوت کے ساتھ ہے۔ اسی طرح باطنی معنی کا بھی ذکر ہے جس کا تعلق ولایت و امامت کے ساتھ ہے۔ درحقیقت تاویل آیات سے حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام کی ولایت و عظمت اور اُن کے دشمنوں کی ذلت و رسوائی مراد ہے۔ کیونکہ کوئی ایسا امر خیر نہیں ہے جو ان ذوات مقدسہ میں نہ ہو۔ لہٰذا جہاں جہاں امر خیر کا تذکرہ قرآن میں آیا ہے۔ اُس کے مستحق و مصداق اعلیٰ یہی ذوات مقدسہ اور ان کے تابعین ہیں۔ اور جہاں جہاں امر شر کا ذکر آیا ہے۔ اس کا مصداق ان کے دشمن اور ان کے تابعین ہیں۔ کیونکہ کوئی ایسا امر شر نہیں ہے۔ جس کا ذکر قرآن میں آیا ہو۔ اور وہ ان کے دشمنوں پر صادق نہ آتا ہو۔

اس مقدمہ کو ہم تین مقالات میں بیان کرتے ہیں جن کی روشنی میں ہمارا مقصد واضح ہو جائے گا۔

مقالہ اُولیٰ:۔ ان احادیث واردہ کے بیان میں ہے جو خاص طور پر ہمارے مقصد کو ثابت کرتی ہیں۔ انہیں ہم چند فصول میں درج کرتے ہیں۔

فصل اول:۔ ان احادیث کے بیان میں ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید دو حیثیتوں کا حامل ہے۔ اوّل ظاہر۔ دوم باطن (ظاہری معنی تنزیلی معنی اور باطنی معنی تاویلی معنی ہیں) کیونکہ مفاد قرآن کسی خاص اہل زمانہ کے لئے منحصر نہیں ہے بلکہ اس کا نفاذ قیامت تک تمام اہل زمانہ کے لئے ہے۔

چنانچہ جناب جابر بن عبداللہ انصاری کا بیان ہے کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے ایک آیت کی تفسیر دریافت کی تو آپ نے اس کی تفسیر بیان فرمائی مگر جب دوسری مرتبہ اسی آیت کی تفسیر دریافت فرمائی، تو آپ نے سابقہ تفسیر کے بجائے کچھ اور تفسیر بیان فرمائی۔ میں نے عرض کی۔ یا بن رسول اللہ میں آپ پر قربان۔ آپ نے قبل ازیں اس کی تفسیر کچھ اور بیان فرمائی تھی۔ اور آج کچھ اور ہے۔ حضرت نے فرمایا اے جابر قرآن کے باطنی معنی بھی ہیں۔ اور پھر باطنی معنی کے بھی باطنی معنی ہیں۔ اسی طرح ظاہری معنی ہیں۔ اور پھر ظاہری معنی کے بھی ظاہری معنی ہیں۔

اے جابر قرآن مجید کی تفسیر اس قدر اہم اور مشکل ہے کہ اس سے زیادہ مشکل اور کوئی چیز نہیں ہے۔ کیونکہ آیت قرآن کا اوّلی حصہ کسی خاص مقصد کو بیان کرتا ہے۔ اور آخری حصہ کسی دوسرے مقصد کو

واضح کرتا ہے۔ حالانکہ دونوں جیسے کلامِ مسلسل کی حیثیت رکھتے ہیں مگر ان کے مقاصد جدا جدا ہوتے ہیں۔
اس حدیث سے ثابت ہے کہ قرآن مجید میں ظاہری معنی اور باطنی معنی دونوں موجود ہیں۔ اور ایک ہی آیت کا ایک حصہ ایک معنی پر اور دوسرا حصہ دوسرے معنی پر دلالت کرتا ہے۔ جس سے ثابت ہے کہ ایک آیت کی اگر دو تفسیریں ہوں۔ اور یہ تفسیریں ظاہر و باطن کے لحاظ سے وارد ہوں تو اس میں انکار و استبعاد کی کوئی وجہ نہیں ہے۔
لہٰذا اگر آئمہ علیہم السلام نے کسی آیت کی کئی تفسیریں بیان فرمائی ہوں تو ان میں باہمی اختلاف یا منافات نہیں ہے۔ بلکہ ظاہر و باطن اور تنزیل و تاویل کے لحاظ سے دونوں صحیح ہیں۔ اور اپنے اپنے موقع و محل کے لحاظ سے بیان کی گئی ہیں۔ تاکہ سائل اپنے علوم قرآن میں اضافہ کر سکے۔ کیونکہ یہ ذواتِ مقدسہ تنزیل و تاویل قرآن کے بالتحقیق عالم ہیں۔ ان سے افضل علم قرآن میں کوئی نہیں ہو سکتا۔
اس مقصد کی مؤید وہ حدیث ہے جو کافی میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے۔ حضرت نے فرمایا۔
قول خدا:۔ الذین یصلون ما امر اللہ بہ ان یوصل۔
یعنی وہ لوگ جو صلہ رحم ادا کرتے ہیں جس کے ادا کرنے کا خدا نے حکم دیا ہے)
یہ آیت صلہ رحم آلِ محمد علیہم السّلام کے لئے نازل ہوئی ہے۔ اور تم لوگوں کی قرابت میں بھی یہ حکم جاری ہے۔ لہٰذا تم ان لوگوں میں سے نہ ہو جو ایک آیت کو ایک ہی مقصد کے لئے مخصوص کرتے ہیں۔
فضیل بن یسار نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے حدیث مندرجہ کا مطلب دریافت کیا۔
ما فی القران آیۃ الا ولها ظهر وبطن وما فیه حرف الا وله حد ولکل حد مطلع ما یعنی بقوله لها ظهر وبطن قال ظهره تنزیله وبطنه تاویله منه ما مضیٰ ومنه مالم یجیٔ بعد یجری کما تجری الشمس والقمر لکلما جاء منه شیٔ وقع قال الله تعالیٰ وما یعلم تاویله الا الله والراسخون فی العلم ونحن نعلم۔
قرآن مجید کی ہر آیت میں ظاہر کا بھی ظاہر ہے۔ اور باطن کا بھی باطن ہے۔ اور ان کے حدود بھی ہیں۔ اور حدود کے لئے بلند و بالا اشارات بھی ہیں۔ آیات کا ظاہر تنزیل ہے۔ اور باطن تاویل ہے۔ اس کا کچھ حصہ گذر چکا ہے۔ اور کچھ حصہ ابھی تک نہیں گذرا۔ مگر بعد میں جب وہ امر آجائے گا۔ جس کی وجہ سے وہ حصہ مخفی تھا۔ تو وہ بھی جاری ہو جائے گا۔ جس طرح شمس و قمر جاری ہیں ان حدود کو خدا کے

اور ہمارے سوا کوئی نہیں جانتا ہم ہی راسخون فی العلم ہیں۔

جناب امام محمد باقر علیہ السلام نے حمران صحابی سے فرمایا۔

بالتحقیق ظاہر قرآن سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں آیات نازل ہوئیں۔ اور باطن سے مراد وہ لوگ ہیں۔ جنہوں نے ویسا ہی عمل کیا جیسا ان کے پیشروؤں نے کیا تھا۔ لہذا یہ آیات ان بعد والوں پر بھی صادق آئیں گی۔ جس طرح ان لوگوں پر صادق آئیں جن کے بارے میں نازل ہوئی تھیں۔

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔

اگر ایسا ہوتا کہ ایک آیت کسی خاص شخص کے لئے نازل ہوتی پھر وہ مرجاتا تو یہ آیت بھی مرجاتی۔ اور اس طرح پورا قرآن ہی مرجاتا۔ مگر قرآن زندہ ہے اور جس طرح گذر جانے والوں کے لئے جاری ہے۔ اسی طرح بعد میں آنے والوں کے لئے بھی جاری ہے۔

جناب، امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا۔

قرآن میں خدا نے فرمایا ہے ولکل قوم ھاد۔ یعنی ہر قوم کے لئے ہادی مقرر ہے۔ یہ آیت حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے لئے ان کے ہادی ہونے کا اعلان ہے۔ مگر ان کی طرح ہم میں سے ہر ایک امام کے لئے بھی ہے۔ راوی نے دریافت کیا۔ میں آپ پر قربان آپ کے لئے بھی ہے۔ آپ نے فرمایا بے شک میں بھی ہادی ہوں۔ قرآن زندہ ہے، مردہ نہیں ہے۔ یہ آیت بھی زندہ ہے۔ مردہ نہیں ہے۔ کیونکہ اگر کوئی آیت کسی قوم کے لئے نازل ہوتی۔ اور اسی کے لئے مخصوص ہوجاتی تو جس وقت وہ قوم مرجاتی تو یہ آیت بھی مرجاتی۔ اس طرح پورا قرآن ہی مرجاتا۔ یاد رکھو آیات قرآن جاری ہیں آنے والی نسلوں کے لئے بھی جس طرح گذشتہ نسلوں کے لئے تھیں۔

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔

بالتحقیق قرآن حی ہے میت نہیں ہے۔ آفتاب و ماہتاب اور لیل و نہار کی طرح جاری ہے۔ جس طرح ہمارے اوّل کے لئے ہے۔ اسی طرح ہمارے آخر کے لئے بھی ہے۔ نیز فرمایا قرآن میں گذشتہ کا بھی ذکر ہے اور جو کچھ آئندہ ہونے والا ہے اُس کا بھی ذکر ہے۔ جس کو ہم محمدؐ و آلِ محمدؐ ہی جانتے ہیں۔

قرآن مجید کا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی۔ اس کا ظاہر حکم ہے۔ اور باطن علم ہے۔ اس کا ظاہر انیق ہے اور باطن عمیق ہے۔ اس کے لئے حدود ہیں اور حدود کے لئے بھی حدود ہیں۔

جناب امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا۔

خداوند عالم نے اپنے رسول کو جو اُمور دے کر بھیجا ہے۔ ان میں سے کوئی اَمر ایسا نہیں ہے۔ کہ

جس کی تنزیل و تاویل و شبیہ نہ ہو۔

احادیثِ مذکورہ کا نتیجہ

مندرجہ بالا احادیث اور دلائل سے ثابت ہے کہ قرآن مجید ہر زمانہ کے لئے ہے اور قرآن زندہ ہے۔ مردہ نہیں ہے۔ اور قرآن میں تنزیل کے ساتھ تاویل بھی ہے۔ اور ظاہر کے ساتھ باطن بھی۔ اور اس کے تاویلات و بطون اپنے اپنے وقت اور اپنے اپنے موقعہ و محل پر ظاہر ہوتے ہیں۔ اور ہوتے رہیں گے یہی وجہ ہے کہ اس کی تاویل خداوند عالم اور راسخون فی العلم کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

فصل ثانی:۔ ان احادیث کے بیان میں ہے۔ جن سے ثابت ہے۔ کہ تاویل و باطن قرآن کا تعلق زیادہ تر محمد و آلِ محمد علیہم السلام اور ان کی ولایت کے ساتھ ہے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل ارشادات معصومین علیہم السلام سے ثابت ہے۔

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔

اے ابو محمد قرآن مجید میں جتنی آیات جنت و اہلِ جنت کے فضائل و مراتب بیان کرتی ہیں۔ وہ سب ہمارے اور ہمارے دوستوں کے لئے ہیں۔ اور جتنی آیات دوزخ و اہلِ دوزخ کی رسوائی اور برائی کا ذکر کرتی ہیں وہ ہمارے مخالف اور دشمنوں کے لئے ہیں۔

اے ابو محمد جب تم یہ سنو کہ خداوند عالم نے اس امت کی کسی قوم کا ذکر نیکی کے ساتھ فرمایا ہے۔ تو تم سمجھ لو کہ وہ ہم ہیں۔ اور جس قوم کی برائی کا ذکر سنو تو سمجھ لو کہ وہ ہمارے مخالف و دشمن ہیں۔

جناب امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا۔

ہمارے ساتھ کسی شخص کا قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن مجید ہماری شان میں نازل ہوا ہے یعنی جو محاسن ہیں وہ ہمارے لئے اور جو قبائح ہیں وہ ہمارے دشمنوں کے لئے۔

جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا۔

قرآن مجید میں خدا کا ارشاد ہے۔

انما حرم ربی الفواحش ما ظهر منها وما بطن۔

یعنی خداوند عالم نے قرآن میں ظاہر و باطن بیان فرمائے ہیں۔ پس جو چیز خدا نے اپنی کتاب میں حرام بیان کی ہے۔ وہ ظاہر قرآن ہے۔ اور باطن قرآن ظالم و جابر پیشوا ہیں۔ اور اسی طرح جو چیز خدا نے اپنی کتاب میں حلال بیان کی ہے وہ ظاہر قرآن ہے۔ اور باطن قرآن آئمہ حق ہیں۔

اور احتجاج طبرسی میں ہے کہ جناب رسولؐ خدا نے خطبہ غدیر میں فرمایا۔

اے لوگو یہ علیؑ سب سے زیادہ میرے حق دار اور سب سے زیادہ میرے قریبی ہیں۔ اور میں اور خدا ان سے راضی ہیں۔ قرآن میں جتنی آیات رضا ہیں۔ وہ سب ان کے لئے ہیں۔ اور جہاں جہاں الذین امنوا قرآن میں ہے۔ اس کی ابتدا یہی ہیں۔ اور جتنی آیات مدح ہیں وہ ان ہی کے لئے ہیں۔ اے لوگو جو فضائل علیؑ خدا کے نزدیک ہیں۔ جن کو مجھ پر خدا نے نازل کیا ہے ان کا احصاء ناممکن ہے۔ پس جو شخص کوئی فضیلت ان کی بیان کرے تو تم اس کی تصدیق کرو۔ کیونکہ ان کے فضائل کا احصاء نہیں ہو سکتا جتنا تمہیں علم ہے۔ اتنی ہی فضیلت نہیں ہے بلکہ ان کے فضائل شمار سے بالاتر ہیں اور تمہیں جو کچھ علم ہے وہ محدود ہے۔

کتاب التوحید صدوق علیہ الرحمہ میں ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔

قرآن مجید کی کوئی ایسی آیت نہیں ہے۔ جس کے اول میں یا ایہا الذین آمنوا ہو۔ اور علی ابن ابی طالب علیہ السلام اس کے امیر اور قائد و سردار نہ ہوں۔

کتاب کافی میں ہے کہ سعد خفاف نے امام محمد باقر علیہ السلام سے سوال کیا۔ یا ابن رسول اللہ کیا قرآن تکلم کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اے سعد نماز بھی تکلم کرتی ہے۔ اس کی صورت و شکل خلقی ہے۔ وہ امر بھی کرتی ہے اور نہی بھی۔

یہ سن کر میرا رنگ بدل گیا۔ اور میں نے عرض کی مولا یہ بات لوگوں کے مجمع میں ہم بیان کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ کیونکہ یہ مطلب عوام کے عقول سے بالا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ لوگوں سے ہمارے شیعہ مراد ہیں یعنی الناس کے باطنی معنی ہمارے پیرو ہیں۔ جو شخص نماز کی معرفت نہیں رکھتا تو اس نے ہمارے حق کا انکار کیا پھر آپ نے فرمایا اے سعد خداوند عالم کا ارشاد ہے۔

ان الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر ولذکر اللہ اکبر۔

یعنی نماز نہی کرتی ہے فحشا اور منکر سے اور ذکر خدا اکبر ہے۔

اے سعد نہی کرنا کلام ہے۔ اور فحشاء و منکر سے مراد لوگ ہیں۔ اور ہم ذکر اللہ ہیں اور ہم اکبر ہیں۔

اس آیت میں نہی کرنا فعل ہے۔ جس کے لئے نہی کرنے والے کی ضرورت ہے۔ جو متکلم ہے۔ ظاہری نماز تکلم نہیں کرتی ہے۔ اسی لئے نماز سے مراد محمد و آل محمد علیہم السلام ہیں۔ یہی نماز کے باطنی معنی ہیں۔ اور امام محمد باقر علیہ السلام نے اسی لئے فرمایا ہے۔ کہ جو شخص ظاہری نماز پڑھتا ہے۔ اور حقیقی نماز کو نہیں جانتا تو اس نے ہمارے حق کا انکار کر دیا اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ حقیقی نماز صاحب صورت و شکل خلقی ہے جو متکلم ہے۔ وہی امر و نہی کرتی ہے۔ لہٰذا باطنی آئمہ طاہرین ہیں۔ اسی آیت ذیل میں،

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخَاشِعِيْنَ لخ: یعنی تم مدد مانگو صبر اور نماز سے۔ اور نماز لوگوں پر گراں ہے۔ مگر خدا کے خاشع بندوں پر گراں نہیں ہے۔

صبر سے مراد رسول اللہ ہیں۔ اور صلوٰۃ سے مراد علی ابن ابی طالب ہیں۔ حضرت ہی کی ولایت گراں گزرتی ہے۔ مگر خدا کے سامنے جھکنے والے بندوں پر گراں نہیں گزرتی۔

ان دونوں آیتوں کو ملا کر غور کیا جائے تو ان کے تاویلی معنی سے ثابت ہوتا ہے کہ ان حضرات سے مدد مانگنے کا حکم دیا گیا ہے۔ مگر ظاہری معنی روزہ و نماز ہیں جو ظاہری مسلمانوں کے لئے ہیں۔ اور یہ بھی درست ہیں کیونکہ قرآن کا ظاہر و باطن آپس میں مختلف و متضاد نہیں ہوتا۔ ظاہری لوگ ظاہری نماز سمجھتے ہیں۔ اور باطنی افراد دونوں کو قبول کرتے ہیں۔ اور ان حضرات سے مدد مانگتے ہیں۔ کیونکہ نماز و روزہ کا مادی وجود نہیں ہے ان ہی حضرات کے حرکات و سکنات حقیقی نماز و روزہ ہیں جن کے ذریعہ ہئیت نماز و روزہ کا وجود ہوا۔

امام علیہ السلام نے فحشاء اور منکر کے باطنی معنی رجال (لوگ) ارشاد فرمائے ہیں۔ یعنی جس طرح نماز کے باطنی معنی آئمہ طاہرین علیہم السلام ہیں۔ اسی طرح فحشاء و منکر سے مراد ان کے دشمن و مخالف ہیں۔ اور یہ دو قسم کے ہیں۔ اوّل فحشاء یعنی حدودِ خدا کو توڑنے والے علانیہ گناہ کے مرتکب اور دوم منکر یعنی خدا کے ناپسندیدہ فعل کے مرتکب۔ مخالفین و دشمن اہل بیت ان دونوں گناہوں کے مرتکب ہیں لہٰذا وہ فحشاء بھی ہیں اور منکر بھی۔ کیونکہ فحشاء و منکر کا مادی وجود نہیں ہے لہٰذا یہ لوگ فحشاء و منکر ہیں۔

اس فصل میں جن احادیث کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان سے ثابت ہوتا ہے کہ تاویل قرآن یعنی باطنی معنی قرآن کا تعلق محمد و آلِ محمد علیہم السلام سے ہے۔

فصل سوم ۔ اس امر کے بیان میں ہے کہ ظاہری معنی قرآن اور باطنی معنی قرآن میں کوئی اختلاف اور تضاد نہیں ہے۔ بلکہ دونوں معنی مقصودِ خدا ہیں۔ اور ان دونوں معنی کا مراد لینا اسلوبِ کلام کے خلاف نہیں ہے بلکہ قرآن میں یہ استعمال شائع و ذائع ہے۔ اور اسی طرح احادیث میں بھی مستعمل ہے۔ جیسا کہ ہمارے علمائے محققین نے تحریر فرمایا ہے۔

بالتحقیق احکامِ خدا حقیقتِ کلی اور مرتبہ نوعی کے مطابق جاری ہیں۔ یعنی کسی شخص یا فرد کے ساتھ مخصوص و منحصر نہیں ہیں۔ اسی لئے جس قوم کے ساتھ خدا نے مخاطبہ فرمایا ہے۔ اور کسی فعل کی نسبت اس کی طرف دی ہے۔ اس خطاب و نسبت میں وہ تمام قومیں داخل ہیں جو اس وقت نہ مخاطب تھیں۔ اور نہ ان کی طرف نسبت فعل دی گئی تھی مگر چونکہ ان قوموں میں وہی خصلت اور وہی طبیعت پائی گئی۔ اس لئے یہ قومیں بھی اتحاد خصلت و طبیعت کی وجہ سے مخاطب اور منسوب الیہ قرار پائے گی۔ جس طرح "یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ

اطیعوا الرسول واولی الامر منکم" میں خطاب ہے۔ اس وقت کے مومنین سے جو وقت نزول آیت موجود تھے مگر وہ اس خطاب میں مخصوص نہیں ہیں بلکہ قیامت تک جو ایمان لانے والا آئے گا وہ اس کا مخاطب قرار پائے گا۔ اسی طرح۔ منکم من یرید الدنیا ومنکم من یرید الاخرۃ " یہ بھی خطاب ہے۔ اس وقت کے لوگوں سے جو وقت نزول آیت موجود تھے۔ مگر یہ خطاب آج کے لوگوں کے لئے بھی ہے اور قیامت تک آنے والوں کے لئے بھی اسی طرح آیت درود میں حکم ورود وقت نزول سے قیامت تک کے لئے ہے۔

اسی طرح جن لوگوں کی طرف ایمان و عمل صالح کی نسبت دی گئی ہے اور ان سے وعدہ جنت کیا گیا ہے۔ یہ ان کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ جو لوگ بھی قیامت تک ان خصائل و صفات سے متصف ہوں گے۔ ان کے لئے بھی وعدۂ جنت ہے۔ اسی طرح جن قوموں نے خدا کی نافرمانیاں کیں اور مستوجب سزا قرار پائے تھے قیامت تک ایسی ہی نافرمانیاں کرنے والے بھی مستوجب سزا قرار پائیں گے۔

لہذا اصفیاء اللہ سے جس بزرگی و مکرمت کے ساتھ خطاب کیا گیا ہے۔ یا ان کی طرف بزرگی و مکرمت کی نسبت دی گئی ہے اُس میں وہ تمام انبیاء و اولیاء اور مقربین شامل ہوں گے جن میں اس قسم کی طینت و خصلت ہوگی۔ سوائے اس خاص بزرگی کے جو مخصوص افراد کے لئے مخصوص طور پر ہے۔ اسی طرح ان ذوات مقدسہ کے شیعہ جس نیکی کے ساتھ مخاطب ہوں گے یا کسی نیکی کی نسبت ان کی طرف دی گئی ہوگی۔ اسی طرح بعد میں آنے والے شیعہ اور دوستدار اس میں شامل ہوں گے بشرطیکہ ان ہی صفات سے متصف ہوں گے اسی طرح ان ذوات مقدسہ کے مخالفین و معاندین جس بُرائی اور بدی کے ساتھ مخاطب ہوں گے یا ان کی طرف بُرائی اور بدی کی نسبت ہوگی۔ اس میں وہ سب مخالف و معاند شامل ہوں گے جو بعد میں آنے والے ہوں گے۔ کیونکہ وہ اپنی خصلت و طینت میں سابقین کے ساتھ مشترک ہیں۔

مذکورہ بالا امور کی دلیل یہ ہے کہ جس شخص کو خدا اور رسول دوست رکھتے ہیں اس کو بہر حال مومن بھی دوست رکھے گا۔ ورنہ وہ مومن ہی نہیں ہو سکتا۔ خواہ وہ مومن سابق ہو یا لاحق۔ یعنی ابتدائے خلق سے انتہائے خلق تک جو بھی مومن ہوگا وہ خدا اور رسول کے محبوب کو محبوب رکھے گا۔ اور اسی طرح خدا اور رسول جس شخص کو مبغوض رکھتے ہیں۔ اس کو بہر حال مومن بھی مبغوض رکھے گا۔ ورنہ وہ مومن ہی نہیں ہو سکتا۔ لہذا ثابت ہوا کہ ابتدائے خلق سے انتہائے خلق تک جو بھی مومن ہوگا وہ ان ذوات مقدسہ کے شیعوں میں شمار ہوگا۔ اور جو مخالف و معاند ہوگا وہ ان کے دشمنوں میں شمار ہوگا۔

اس دلیل و برہان کا ثبوت کلام معصومین علیہم السلام سے حاصل ہے۔ چنانچہ مفضل راوی کے ذریعہ ایک حدیث امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے جس کو جناب شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے اپنے

اسناد کے ساتھ کتاب علل الشرائع میں درج فرمایا ہے۔ مفضل راوی کا بیان ہے کہ میں نے حضرت صادق آلِ محمد علیہم السلام کی خدمت میں عرض کی کہ حضرت امیر المومنین کس طرح قسیم الجنۃ والنار قرار پائے ہیں۔ حضرت نے ارشاد فرمایا اے مفضل اس کا ثبوت یہ ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی محبّت ایمان ہے اور ان سے بُغض رکھنا کفر ہے۔ اور جنّت ایمان والوں کے لئے ہے اور دوزخ کافروں کے لئے ہے۔ اسی لئے وہ قسیم الجنۃ والنار ہیں۔ کیونکہ جنّت میں وہی داخل ہوں گے جو ان سے محبّت رکھیں گے اور دوزخ میں وہی داخل ہوں گے جو ان سے بغض رکھیں گے۔ میں نے عرض کی یا ابن رسول اللہ کیا انبیاء و اوصیاء اور ان کے تابعین بھی حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے محبّت رکھتے تھے۔ اور ان کے دشمن حضرت امیرؑ سے بغض رکھتے تھے۔ تو آپ نے فرمایا بے شک۔ میں نے عرض کی کس طرح؟ آپ نے فرمایا کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ جناب رسول خدا نے جنگِ خیبر میں فرمایا کہ میں یقیناً کل عَلَم اس مرد کو دوں گا جو خدا اور رسول سے محبت رکھتا ہے اور خدا اور رسول بھی اس سے محبّت رکھتے ہیں۔ وہ فتح کئے بغیر جنگ سے واپس نہیں آئے گا۔ میں نے عرض کی بے شک۔ یہ حدیث مجھے معلوم ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کیا تمہیں یہ معلوم نہیں ہے کہ جناب رسولِ خدا کی خدمت میں ایک بھنا ہوا پرندہ پیش کیا گیا۔ تو آپ نے فرمایا اے خدا تیری نظر میں جو شخص مخلوقات میں سے زیادہ محبوب ہو۔ اُس کو میرے پاس بھیج دے تاکہ وہ میرے ساتھ اس پرندہ کو نوش کرے۔ حضرت کا مقصد تھا کہ حضرت علیؑ آجائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت علیؑ نے آنحضرتؐ کے ساتھ پرندہ نوش کیا۔ میں نے عرض کی بے شک درست ہے۔ پس حضرت نے فرمایا اے مفضل کیا یہ جائز ہے کہ انبیاء و رسل اس مرد سے محبّت نہ رکھیں۔ جو خدا اور رسول کا محبوب ہے۔ اور خدا اور رسول اس کے محبوب ہیں۔ میں نے عرض کی بے شک نہیں جائز ہے۔

پس حضرت نے فرمایا کیا یہ جائز ہے کہ ان انبیاء و رسل اور اوصیاء کی اُمتوں کے مومنین اپنے انبیاء و رسل اور اوصیاء کے محبوب اور خدا اور رسول کے محبوب سے محبت نہ رکھیں۔ میں نے عرض کی بے شک نہیں جائز ہے۔ پس حضرت نے فرمایا اے مفضل بالتحقیق ثابت ہو گیا کہ جمیع انبیاء و مرسلین اور جمیع مومنین حضرت علی علیہ السّلام کے محب و دوست ہیں۔

جو لوگ انبیاء و مرسلین علیہم السّلام کے مخالف ہیں وہ علی ابن ابی طالب اور ان کے شیعوں کے بُغض و دشمن ہیں۔ میں نے عرض کی بے شک درست ہے۔ پس آپ نے فرمایا کہ جنّت میں صرف وہی داخل ہو گا جو علی کا محب و دوست ہو گا۔ خواہ اوّلین میں سے ہو یا آخرین میں سے لہٰذا ثابت ہوا۔ کہ علی علیہ السلام قسیم الجنۃ والنار ہیں۔

مفضل نے عرض کی یا ابن رسول اللہ آپ نے میری مشکل کو حل فرما دیا۔ خدا آپ کو کشادگی عطا فرمائے کچھ اور بھی اپنے علم خداداد سے میرے معلومات میں اضافہ فرمایئے۔ حضرت نے فرمایا اے مفضل سوال کرو۔ جو چاہتے ہو۔ میں نے عرض کی یا ابن رسول اللہ۔ کیا خود علی ابن ابی طالب علیہ السّلام اپنے دوست کو جنّت میں اور اپنے دشمن کو دوزخ میں داخل کریں گے یا جنّت میں رضوان فرشتہ اور دوزخ میں مالک فرشتہ داخل کرے گا۔ حضرت نے فرمایا اے مفضل کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ خداوند عالم نے جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہٖ کو عالمِ ارواح میں جب کہ وہ روح تھے تمام انبیاء علیہم السلام کی طرف مبعوث فرمایا۔ اور اس وقت وہ تمام انبیاء بھی ارواح تھے۔ اور یہ واقعہ مخلوقات کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے کا ہے۔ میں نے عرض کی بے شک درست ہے۔ حضرت نے فرمایا کیا تمہیں علم نہیں ہے کہ حضرت رسولِ خدا نے ان کو دعوتِ اتباع امر خدا دی۔ اور ان سے اس کے مطابق جنت کا وعدہ فرمایا اور مخالفین و منکرین کے لئے دوزخ کی وعید کی۔ مفضل نے عرض کی بے شک درست ہے۔ حضرت نے فرمایا کیا جناب رسولِ خدا اپنے وعدہ و وعید کے ضامن قرار نہیں پائے۔ جب کہ انہوں نے خدا کی طرف سے یہ وعدہ و وعید کیا۔ میں نے عرض کی۔ بے شک آں حضرتؐ ضامن قرار پائے کہ اپنے وعدہ و وعید کو پورا کریں۔ پس حضرت نے فرمایا کیا علی ابن ابی طالب علیہ السلام آنحضرتؐ کے خلیفہ و جانشین اور آنحضرتؐ کی اُمت کے امام نہیں ہیں؟ میں نے عرض کی بے شک خلیفہ رسولؐ و امام اُمّت ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ رضوان اور مالک کیا ان فرشتوں میں شامل نہیں ہیں جو حضرت علی علیہ السلام کے شیعوں اور بوجہ محبت علیؑ نجات پانے والوں کے لئے استغفار کرتے ہیں؟ میں نے عرض کی بے شک درست ہے۔ حضرت نے فرمایا لہذا ثابت ہو گیا کہ علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہی قسیم الجنۃ و النار ہیں۔ رسولِ خدا کی نیابت میں۔ اور رضوان و مالک حضرت علی علیہ السلام کے تابع امر ہیں۔ اور حضرت علی علیہ السلام حاکم بامرِ خدا ہیں۔ اے مفضل اس حدیث کو محفوظ کر لو کیونکہ یہ ہمارے خزانہ علم سے ہے نا اہلوں سے اس کو مخفی رکھنا۔

شیخ صدوق علیہ الرحمہ کی مصدقہ روایت کے نتائج

(۱) قرآن مجید میں کسی خطاب یا نسبت فعل کا تعلق مخصوص اقوام یا افراد سے نہیں ہے بلکہ بطور قانون کلی ہے۔ جس میں قیامت تک آنے والے شامل ہیں۔

(۲) ابتدائے خلق سے انتہائے خلق تک مومنین وہی ہیں جو حضرت امیر المومنین علیہ السّلام سے محبت

رکھتے ہیں۔ اور منکرین وہی ہیں جو حضرت سے بغض رکھتے ہیں اور مومنین کے لئے جنت اور منکرین کے لئے جہنم ہے۔

(۲) حضرت امیر المومنین علیہ السلام ہی قسیم الجنۃ والنار ہیں۔ جن کو یہ اختیارات نیابت رسول میں عطا ہوئے ہیں۔

(۴) جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ اولاً عالم ارواح میں مبعوث برسالت ہوئے اور ارواح انبیاء علیہم السلام آپ کی اُمّت بنے۔ اس وقت آپ کی بعثت روحانی تھی۔ اور جب عالم اجسام میں تشریف لائے تو آپ کی بعثت جسمانی تھی۔

(۵) ضامن وعدہ و وعید من جانب اللہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اور آپ کی اس ضمانت کو پورا کرنے والے حضرت امیر المومنین علیہ السلام ہیں۔ اسی وجہ سے خداوند عالم نے ان دونوں حضرات کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا ہے۔

القیانی جھنم کل کفار عنید۔ یعنی تم دونوں ہر انکار کرنے والے کو اور ہر دشمن کو جہنم میں ڈال دو۔ چنانچہ حضرت امیر علیہ السلام جہنم کو حکم دیں گے۔ ھذالک فخذیہ وھذالی فذریہ اسے دوزخ یہ تیرا حصہ ہے اس کو پکڑ لے اور یہ میرا حصہ ہے اس کو چھوڑ دے۔

(۶) حضرت امیر المومنین علیہ السّلام کے امر پر رضوان و مالک دونوں فرشتے عمل کریں گے۔ رضوان فرشتہ جنت ہے اور مالک فرشتہ جہنم ہے دونوں تابع امیر المومنین علیہ السّلام ہیں۔

(۷) یہ دونوں فرشتے بھی ان فرشتوں میں شامل ہیں جو حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے تابع امر ہیں۔

(۸) فقرہ "رضوان و مالک دونوں تابع امر ہیں" سے اس حدیث کی تشریح و تائید ہو جاتی ہے جس میں مذکور ہے کہ لیلۃ القدر میں تمام اُمور از قسم خلق و رزق و حیات و موت و عمل و اجل و علم غیب و معجزات خصوصی وغیرہ ان ذواتِ مقدسہ کی خدمت میں فرشتے لے کر نازل ہوتے ہیں۔ اور پھر ان ہی حضرات کے حکم سے ان کا صدور ہوتا ہے۔ صدور کی تشریح یہی ہے کہ فرشتے من جانب اللہ مامور ہوتے ہیں کہ ان ذوات مقدسہ کے امر کی تعمیل کریں اور ان ذواتِ مقدسہ کا امر ارادۂ خداوندی کے مطابق ہوتا ہے جو ان حضرات کے قلب میں خود خدا القاء فرما دیتا ہے۔ چنانچہ ارشاد حضرت صادق آلِ محمد علیہ السّلام ہے۔

وارادۃ الرب فی مقادیر اموره تھبط الیکم وتصدر من بیوتکم والصادر عما فصل من احکام العباد (مفاتیح از کافی)

یعنی اے اہل بیت نبوّت خدا کے اُمور مقدرہ اور ان کے حدود معینّہ کا ارادہ تمہارے قلوب میں وارد ہوتا ہے۔ اور پھر تمہاری ہی بارگاہ سے ان کا نفاذ ہوتا ہے۔ اور بندگانِ خدا کے لئے فیصلہ شدہ احکام کے صدور کا ارادہ بھی تمہارے ہی قلوب میں وارد ہوتا ہے۔ یعنی امور تکوین وامور تشریع دونوں کا صدور ان ذواتِ مقدسہ سے وابستہ ہے (کفایۃ الموحدین)

نیز حدیث حضرت جواد علیہ السلام کو ملالیا جائے جس میں ان ذواتِ مقدسہ کی اطاعت کائنات پر فرض کی گئی ہے (تفسیر صافی) اور پھر اس کے ساتھ امام حسن عسکری علیہ السلام کی حدیث کو ملاکر غور کیا جائے جس میں حضرت نے فرمایا ہے کہ ملائکہ امام یا حاکم بن کر نازل نہیں ہوتے ہیں (احتجاج ۲۳۶) پھر اس کے ساتھ حدیث مفضل کو ملاکر پڑھا جائے جس میں ملائکہ کو تابع امر فرمایا گیا ہے۔ اور ان کے مامور ہونے کی تصریح کی گئی ہے۔ اور اس کے ساتھ تفسیر اولوالامر کو ملالیا جائے۔ جس میں معنی امر کا مقصد رزق وخلق واحیاء وامامت وغیرہ مذکور ہے۔ پھر اس کے ساتھ ملائکہ کے خدمات متعلقہ کے متعلق تصریحات معصومین ملاحظہ کی جائیں۔ جن میں ملائکہ کی ڈیوٹیاں بتائی گئی ہیں کہ کوئی ملک ہوا پر کوئی رزق پر کوئی بارش پر کوئی نزع پر مامور ہے۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ منجانب اللہ یہ ذواتِ مقدسہ احکام صادر کرتی ہیں۔ اور ملائکہ ان کے ارشادات کی تعمیل کرنے پر مامور ہیں۔ خدا کا ارادہ ان ہی ذواتِ مقدسہ پر وارد ہوتا ہے۔ اور ملائکہ صرف کارِ سفارت انجام دیتے ہیں۔ ان کی ڈیوٹی اُمور مقدرہ کا علم وفہم نہیں ہے بلکہ صرف پیغامبری ہے یہی ذواتِ مقدسہ اس کے اُمور کو جانتے اور سمجھتے ہیں۔ اور ملائکہ کو حکم دیتے ہیں۔ اور وہ تعمیل کرتے ہیں۔

چنانچہ علامہ نوری طبرسی نے تحریر فرمایا ہے۔ ہمہ ملائکہ وسائر خلق خدام وعتبہ بوس درگاہ ان بزرگواران مستند وخدائے متعال ایشاں راولی کافہ کائنات نمودہ از ملائکہ وانبیاء وارضین وسماوات وآنچہ درانہا است کہ از برائے ایشاں است تصرف درانہا بامر واذان حضرت آفریدگار د ہیچ ملکے عملے نمی نماید دحرکتی نمی کند مگر باذن ایشاں (کفایۃ الموحدین جلد اول ص۲۲۹)

اصل مقصد کی طرف رجوع

(۱) خداوندعالم نے قرآن کو کلیات کی صورت میں نازل فرمایا ہے جیسا کہ ذکر کیا جاچکا ہے۔ چنانچہ خداوندعالم نے زمانۂ رسول خدا کے بنی اسرائیل سے خطاب فرماتے ہوئے ان کی طرف زمانہ گزشتہ کے بنی اسرائیل کے افعال کی نسبت دی ہے۔ کیونکہ یہ لوگ بھی اسی خصلت اور اسی طینت کے

تھے۔ اور اپنے اسلاف کے افعال پر راضی تھے اگرچہ اس زمانہ میں نہ تھے۔

میں کہتا ہوں کہ اس مقصد کی تائید جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی حدیث سے ہوتی ہے چنانچہ حضرت نے آیۂ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْبِيَاءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (یعنی اگر تم مومن تھے تو انبیاء اللہ کو پہلے قتل کیوں کرتے رہے) کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا۔ یہ آیت اس قوم یہود کے باب میں نازل ہوئی ہے جو آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ کے زمانہ میں تھے اور انہوں نے نہ انبیاء اللہ کو اپنے ہاتھوں سے قتل کیا تھا۔ اور نہ ان کے زمانہ میں موجود تھے۔ جنہوں نے قتل کیا تھا بلکہ ان کے اسلاف نے قتل کیا تھا۔ مگر خداوند عالم نے ان کو بھی اسلاف میں محسوب وشمار کیا ہے اور ان کی طرف بھی وہی نسبت دی ہے جو ان کے اسلاف کی طرف تھی۔ کیونکہ انہوں نے اپنے اسلاف کا اتباع کیا ہے اور ان کے افعال کو قبول کیا ہے اور ان سے محبت رکھتے ہیں۔ لہٰذا خداوند عالم نے ان کی طرف بھی نسبت افعالِ اسلاف دی ہے۔

اس قسم کی دیگر احادیث بھی موجود ہیں۔ جو اس مقصد پر دلالت کرتی ہیں جیسا کہ سورۂ آلِ عمران کے آخر میں ہے فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ (یعنی اگر تم سچے ہو تو تم نے انبیاء کو کیوں قتل کیا)

اس میں بھی زمانۂ رسولِ خدا کے یہودیوں کو مخاطب کیا گیا ہے حالانکہ یہ قاتل انبیاء نہ تھے۔

لہٰذا اس اصول پر قرآن مجید کے باطنی معنی کے لحاظ سے یہ امر ثابت ہو گیا کہ جو لوگ ہمارے نبی پر ایمان نہیں لائے۔ یا مخالفت کی ان کی طرف جو افعال منسوب کئے گئے ہیں۔ وہ تمام افعال ان لوگوں کی طرف بھی منسوب ہوں گے۔ جنہوں نے اہل بیت کی مخالفت کی اور ان پر ظلم کیا کیونکہ اہل بیت کی مخالفت رسول کی مخالفت ہے۔ جب کہ رسول نے ان کے اتباع اور اطاعت ومحبت کا حکم دیا ہے۔ اگرچہ یہ لوگ زمانۂ رسول میں نہیں تھے اور اسی طرح عصر حاضر کے لوگ بھی سابقین میں شمار ہوں گے۔ کیونکہ یہ لوگ بھی اسی خصلت پر ہیں۔ اور ان کی طینت بھی وہی ہے اور اپنے اسلاف کے افعال پر بھی راضی ہیں اور ان سے محبت بھی رکھتے ہیں۔ لہٰذا قرآن مجید کی وہ آیات جو سابقین کے لئے ہیں وہ قیامت تک کے لاحقین کے لئے بھی ہیں کیونکہ دونوں کی خصلت وطینت ایک ہے۔

(۲) محقق ممدوح الصدر نے امام زین العابدین علیہ السلام کی حدیث سے یہ استنباط بھی کیا ہے کہ قرآن مجید محاورہ عرب کے مطابق نازل ہوا ہے اور اس میں طریقہ خطاب عادت عرب کے مطابق ہے۔ کیا تم لوگ قبیلہ تمیم کے کسی مرد سے نہیں کہتے ہو کہ اے شخص تم وہی ہو جنہوں نے فلاں شہر پر غارت گری کی

تھی حالانکہ غارت گری اس شخص نے نہیں کی تھی بلکہ اس کے قبیلہ نے کی تھی (مگر وہ اس پر راضی ہے)

(۳) جناب امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ قرآن مجید کا ظاہر ان لوگوں کے لئے ہے۔ جن کے بارے میں آیات نازل ہوئیں۔ اور باطن ان لوگوں کے لئے ہے جنہوں نے ویسا ہی عمل کیا جیسا ان کے سابقین نے کیا تھا لہٰذا جو آیات سابقین کے لئے ہیں وہ لاحقین کے لئے بھی جاری ہوں گی۔

اس حدیث کی توضیح یہ ہے کہ جو آیات ظاہراً ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئیں۔ جنہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ کی دعوتِ توحید و نبوت کی مخالفت یا نافرمانی کی وہ تمام آیات باطنی طور پر ان لوگوں کے حق میں بھی ثابت ہوں گی۔ جنہوں نے دعوتِ ولایت و امامت کی مخالفت یا نافرمانی کی کیونکہ مخالفت یا نافرمانی دونوں میں یکساں ہیں۔ کیونکہ یہ دونوں دعوتِ رسول کے اجزا ہیں۔

اسی طرح جن لوگوں نے اپنی مرضی سے اپنے لئے بتوں کو شفیع بنا لیا اور بغیر امر خدا ان کی تعظیم و عزت کرنے لگے اور ان کو اپنا مددگار قرار دے لیا۔ ایسے لوگوں کے لئے جو آیات ظاہراً نازل ہوئیں۔ وہ تمام آیتیں ان لوگوں کے لئے بھی باطنی طور پر ثابت ہوں گی۔ جنہوں نے اپنے لئے امام اور رہنما اپنی مرضی سے بغیر حکم خدا بنا لئے اور ان کی عزت و تعظیم کرنے لگے۔ اور ان کو شفاعت کا درجہ دے دیا۔ اور اس حکم میں وہ بھی شامل ہوں گے جو عصر حاضر میں ان کی پیروی میں وہی عقیدہ رکھتے ہیں جو سابقین کا تھا

(۴) جناب امام جعفرِ صادق علیہ السلام نے مندرجہ ذیل آیت کی تفسیر میں ارشاد فرمایا۔

قول خدا۔ وظل ممدود دماء وفاکھۃ کثیرۃ لا مقطوعۃ ولا ممنوعۃ

یعنی مومنین پھیلے ہوئے سایہ اور بہتے ہوئے پانی میں اور ایسے کثیر میوہ جات میں ہیں۔ جو منقطع نہیں ہوں گے۔ اور نہ ان کا حصول ممنوع ہوگا)

ان نعمات سے مراد ظاہری نعمتیں ہی نہیں ہیں۔ جیسا کہ عام لوگ سمجھتے ہیں بلکہ باطنی طور پر اس سے مراد عالم زمانہ یعنی امام ہے اور اس کے وہ علوم جو اس سے ظاہر ہوتے ہیں وہ سب نعمتیں ہیں۔

اس کی تشریح یہ ہے کہ جن آیات میں ظاہری طور پر جسمانی طور پر جسمانی غذاؤں اور مادی لذتوں کا ذکر ہے وہ آیات باطنی طور پر روحانی غذاؤں اور روحانی لذتوں کے لئے بھی ہیں۔ اور اسی طرح ظاہری طور پر جو آیات ظاہری موت و ہلاکت کے لئے ہیں وہ باطنی طور پر جہالت و ضلالت کے لئے بھی ہیں یعنی جس نے اپنے امام و ولی کو نہیں پہچانا ہے۔ وہ بھی مردہ اور ہلاک ہے کیونکہ علم زندگی ہے اور جہالت موت ہے۔ اگرچہ دیکھنے میں وہ زندہ ہیں مگر درحقیقت وہ مردہ ہیں دیکھنے میں وہ انسان ہیں مگر درحقیقت وہ جانور بلکہ جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔

لہٰذا ظاہری طور پر عبادات اور معروفات و مامورات جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، صبر، تحمل، سخاوت، ایثار وغیرہ اعمال ہیں مگر چونکہ یہ تمام اعمال و عبادات بوسیلۂ محمد و آلِ محمد علیہم السّلام وجود میں آئے ہیں۔ اور یہی ذواتِ مقدسہ ان کی اصل ہیں۔ کیونکہ ان ہی حضرات کے ذریعہ سے ان عبادات و اعمال کو قبول کیا گیا ہے۔ لہٰذا باطنی طور پر یہ ذوات مقدسہ خود نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، صبر، ایثار وغیرہ ہیں۔ اور اسی طرح وہ لوگ جن سے قبائح و معاصی و خباثث ظہور میں آتے ہیں۔ جیسے ظلم، فسق، فجور، کفر شرک وغیرہ وہ باطنی طور پر چونکہ اصل ہیں الہٰذا وہ خود کفر و فسوق و عصیان ہیں۔

اس قسم کی تعبیرات احادیث میں بھی ہیں اور قرآن مجید میں بھی مثلاً۔

حبب الیکم الایمان وزینہ فی قلوبکم وکرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان اولئک ھم الراشدون۔

یعنی خدا نے تمہارے لئے ایمان کو محبوب بنا دیا اور اس کو تمہارے قلوب میں زینت دی۔ اور کفر و فسوق و عصیان کو مکروہ بنایا۔ یعنی لوگ راشدین ہیں؟

باطنی طور پر ایمان سے مُراد مرد ہے۔ اور اسی طرح کفر و فسوق و عصیان سے مراد بھی مرد ہیں۔

(۵) روایاتِ کثیرہ سے ثابت ہے کہ خدا کی معرفت و عبادت اور مخالفت اور خدا کا افسوس و ظلم اور رضامندی و ناراضی وغیرہ کی تاویل بطور معنی باطنی امام کی معرفت و اطاعت اور مخالفت سے کی گئی ہے اور اسی طرح افسوس و ظلم و رضا و ناراضی امامؑ سے کی گئی ہے۔ اسی طرح عین اللہ۔ ید اللہ۔ جنب اللہ قلب اللہ کی تاویل بھی امام ہی سے کی گئی ہے۔ بلکہ وہ تمام چیزیں جو ازیں قبیل ہیں جن کو خدا نے اپنی طرف نسبت دی ہے۔ ان سب سے مُراد مخصوص طور پر امام ہی ہے۔

حتیٰ کہ احادیث میں روح اللہ اور نفس اللہ بلکہ لفظ اللہ اور لفظ الٰہ اور لفظ رب کی تاویل بھی امام علیہ السّلام سے کی گئی ہے۔

دلیل ان سب کی یہ ہے کہ جس طرح سلاطین و امراء اپنے امر و حکم سے اپنے کارندے مقرر کرتے ہیں اور ان کے افعال کو اپنی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اور ان کی تعظیم و توہین کو اپنی تعظیم و توہین قرار دیتے ہیں تاکہ ان کی جلالت سے خود بادشاہوں اور امراء کی جلالت ظاہر ہو۔ ان کارندوں کے فائدے اور نقصان اور اطاعت و مخالفت کو اپنی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اور اپنے کارندوں کے ساتھ جو سلوک ہو۔ اس کو وہ اپنے ساتھ سلوک گردانتے ہیں۔

اسی طرح خداوند عالم نے اپنے اولیاء و آئمہ علیہم السلام کے لئے وہی نسبت قرار دی ہے جو اُمراء و

سلاطین اپنے کارندوں کی طرف دیتے ہیں۔

چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔

بالتحقیق خداوند عالم ہماری طرح افسوس نہیں کرتا۔ بلکہ اس نے اپنے لئے اولیاء خلق کئے ہیں۔ وہ افسوس بھی کرتے ہیں۔ اور راضی بھی ہوتے ہیں۔ اور وہ اخلاق سے متاثر بھی ہوتے ہیں جو خدا کے مرلوب ہیں۔ خدا نے ان کی رضا کو اپنی رضا اور ان کی ناراضی کو اپنی ناراضی قرار دیا ہے۔ کیونکہ ان حضرات کو خود اس نے داعی و رہنما اپنی جانب سے مقرر فرمایا ہے۔ اس لئے ان حضرات کو یہ شان حاصل ہے۔

دوسری روایت میں اس طرح ہے خدا خود متاثر نہیں ہوتا ہے لیکن اس نے ہم کو اپنے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اور ہم پر جو ظلم ہوتا ہے۔ وہ اس کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے۔ اور ہماری محبت کو اپنی محبت قرار دیتا ہے۔ اور اس نے اپنے نبی پر جو قرآن نازل کیا ہے اس میں یہ سب بیان کر دیا ہے۔ اس مضمون کے کافی روایات موجود ہیں جو آئندہ بیان کئے جائیں گے۔

نیز ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ بادشاہوں کو جب اپنے وزیر پر مکمل اعتماد ہوتا ہے۔ اور وہ امور سلطنت اور نظام حکومت میں اپنی قابلیت وصلاحیت سے مقام بلند رکھتا ہے۔ تو بادشاہ کہتا ہے کہ یہ وزیر میرا دست راست ہے اور یہ وزیر میری تلوار ہے بلکہ یہ تو میری آنکھ ہے۔ بلکہ یہاں تک کہا جاتا ہے کہ یہ میری روح میری جان بلکہ یہی بادشاہ ہے اور ایسے وزیر کی اطاعت کو اپنی اطاعت اور اس کی مخالفت کو اپنی مخالفت قرار دیا ہے۔

ان تمام امور کو اپنے دل میں جگہ دو۔ اور یاد رکھو کیونکہ اکثر روایات اور آیات میں ایسے ہی اسلوب کلام کا استعمال ہوا ہے۔

فصل چہارم :۔ اس فصل میں بیان کیا جاتا ہے کہ ظاہر و باطن اور تنزیل و تاویل سب پر ایمان لانا انسان کے لئے واجب ہے جس طرح محکم و متشابہ ناسخ و منسوخ اور مفصل و مجمل پر ایمان لانا واجب ہے

چنانچہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا۔

بالتحقیق خداوند عالم نے اپنے رسولوں کو کتاب اور اس کی تاویل دے کر مبعوث فرمایا ہے۔ پس جو شخص کتاب یا اس کی تاویل کا انکار کرے گا تو وہ کافر مشرک ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔

بالتحقیق جو قوم ظاہر قرآن پر ایمان لائے اور باطن کا انکار کرے اس کو یہ ایمان کوئی فائدہ نہ دے گا۔ اور جو قوم باطن قرآن پر ایمان لائے اور ظاہر کا انکار کر دے اس کو بھی ایمان کا کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ ظاہر

پر ایمان بغیر باطن کے اور باطن پر ایمان بغیر ظاہر کے مکمل نہیں ہو سکتا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے مندرجہ ذیل آیت کی تفسیر میں فرمایا۔ "وما یعلم تاویلہ الا اللہ و الراسخون فی العلم۔ بالتحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ افضل راسخین فی العلم ہیں۔ جو کچھ خدا نے قرآن میں تنزیل و تاویل نازل کی ہے سب کے عالم ہیں۔ خداوند عالم کی یہ شان نہیں ہے کہ قرآن نازل کر دے۔ اور تاویل کا علم عطا نہ کرے۔

آں حضرتؐ کے بعد آپ کے اوصیاء اسی طرح عالم تاویل ہیں جس طرح آں حضرتؐ تھے۔ ہمارے شیعہ بذات خود تو عالم تاویل نہیں ہیں مگر جب امام سے دریافت کرتے ہیں اور امام انہیں اپنے خداداد علم سے سمجھا دیتا ہے تو وہ کہتے ہیں۔ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا کہ ہم ایمان لے آئے اس پر جو امام نے ہمیں بتایا ہے وہ سب ہمارے رب کی جناب ہی سے ہے۔

قرآن میں عام و خاص، ناسخ و منسوخ، محکم و متشابہ ہے جس کو راسخون فی العلم ہی جانتے ہیں۔

اس حدیث مبارک سے معلوم ہوا کہ شیعوں کی علامت یہ ہے کہ جو تاویل امام علیہ السلام نے بیان فرمائی ہو اُس کو من جانب اللہ تسلیم کر کے ایمان لاتے ہیں۔ لہٰذا جو شخص تاویل امام کو قبول نہ کرے یا تاویل امام سن کر منہ بگاڑے وہ شیعہ نہیں ہے۔

ہمارے اِن دلائل کا ثبوت حدیث امام جعفر صادق علیہ السلام ہے جو جناب مفضل رضی اللہ عنہ کے دریافت کردہ مسائل کے جواب میں تحریر فرما کر ان کو ارسال فرمائی ہے جس کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے۔

حدیث مفضّل کا خلاصہ

جناب مفضل رضی اللہ عنہ نے حضرت کشاف الحقائق امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں تحریراً عرض کیا کہ یہاں ایک ایسی جماعت ہے جو دین کا مقصد رجال سمجھتی ہے یعنی دین سے مراد اشخاص ہیں۔ جس نے ان اشخاص کو پہچان لیا اُس نے دین حاصل کر لیا۔ اسی طرح یہ جماعت سمجھتی ہے کہ نماز روزہ، زکوٰۃ و حج و عمرہ، مسجد الحرام و بیت اللہ، مشعر الحرام و شہر الحرام وغیرہ بھی اشخاص ہیں۔ جب اِن بزرگ اشخاص کی معرفت حاصل ہو جائے تو روزہ و نماز اور حج و زکوٰۃ وغیرہ اعمال کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اسی طرح یہ جماعت سمجھتی ہے کہ شراب و قمار، سود و لحم خنزیر اور میتہ وغیرہ فواحش بھی اشخاص ہیں۔ جب ان اشخاص سے نفرت و بیزاری کر لی جائے تو ان چیزوں سے اجتناب و پرہیز کی ضرورت نہیں ہے۔

حضرت نے جواباً ارشاد فرمایا۔ اے مفضل اس جماعت نے جو کچھ سنا تھا اس کو سمجھا نہیں ہے بلکہ

اپنے قیاس سے تحریف کر دی ہے۔ اصل حقیقت کو تبدیل کر دیا ہے۔

اے مفضل یہ بالکل صحیح و درست ہے کہ "دین" بھی رجل ہے یعنی شخص ہے۔ اور نماز و روزہ، حج و زکوٰۃ بھی رجل ہیں۔ اسی طرح شراب و قمار لحم خنزیر و میتہ بھی رجل یعنی شخص ہیں۔

میں تمہیں آگاہ کرتا ہوں۔ بالتحقیق دین یعنی اصل دین رجل ہی ہے۔ اور یہ رجل ہی ایمان ہے۔ اور یہی امام اُمت ہے۔ یوں سمجھو کہ امام ہی اپنے اہلِ زمانہ کے لئے دین ہے۔ جس نے امامِ زمانہ کی معرفت حاصل کر لی۔ اُس نے خدا اور اُس کے دین کی معرفت حاصل کر لی جس شخص نے امام کا انکار کیا اُس نے خدا اور اُس کے دین کا انکار کیا۔ جو شخص معرفتِ امام سے جاہل رہا وہ خدا اور اُس کی معرفت سے جاہل رہا۔

بغیر امام نہ خدا کی معرفت حاصل ہو سکتی ہے نہ دینِ خدا کی۔ نہ حدودِ دین کی نہ اس کے شرائع کی۔ یہی مطلب ہے اس عبارت کا کہ "دینِ خدا" رجل ہے یعنی مرد ہے یعنی شخص ہے۔

اے مفضل میں تمہیں دوسرے لفظوں میں یہی سمجھاتا ہوں۔

اگر میں یہ کہوں کہ روزہ، نماز، حج، زکوٰۃ، بیت اللہ الحرام، مشعر حرام وغیرہ دراصل ہمارے نبی ہیں جو خدا کی جانب سے اِن فرائض کو لائے ہیں تو میں اس قول میں صادق ہوں گا کیونکہ یہ تمام فرائض صرف نبی ہی کے ذریعہ پہنچائے گئے ہیں۔ اگر نبی کی معرفت نہ ہوتی۔ ان پر ایمان نہ ہوتا۔ ان کی فرمائش پر سرِ تسلیم خم نہ کیا جاتا تو ان فرائض کی معرفت ہرگز نہ ہوتی۔ لہٰذا یہ تمام فرائض "نبی" ہیں۔ یعنی درحقیقت ان کی اصل "نبی" ہی ہیں۔ اور یہ فرائض ان کی فرع ہیں۔ نبی ہی نے ان کی طرف دعوت دی۔ رہنمائی کی۔ معرفت کرائی اور ان کی تعمیل کا حکم دیا اور ہر امر میں تعمیل کو واجب اور اطاعت کو فرض گردانا۔

لہٰذا میرے لئے نبی سے جہالت کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور گنجائش کس طرح ہو سکتی ہے جب کہ میرے اور میرے خدا کے درمیان صرف یہی نبی ہیں۔ پھر کیوں اس مرد کی معرفت ہی فرائض مذکورہ کی معرفت نہ ہو جب کہ یہی مرد وہ ہے جو خدا کی جانب سے فرائض لے کر آیا ہے۔ لہٰذا اس کا انکار دین کا انکار ہے۔ کیونکہ خداوند عالم نے خود اس بات کو پسند کیا ہے کہ اُس کی معرفت "رجال" ہی کے ذریعہ کی جائے اور اس کی اطاعت بھی ان کی اطاعت کے ذریعہ کی جائے۔

اِسی لئے ان کو "سبیل اللہ" اور "وجہ اللہ" قرار دیا ہے۔ جن کے ذریعہ بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہوا جاتا ہے۔ ان کے بغیر بندوں کا کوئی عمل بھی خدا قبول نہیں کرے گا۔ خدا جو کچھ کرے اُس سے بازپرس نہیں کی جا سکتی۔ ہاں بندوں سے بازپرس کی جائے گی۔

خداوند عالم نے اپنے اس رجل (نبی) سے اپنی محبت کا اظہار اس طرح فرمایا ہے: "مَن یُّطِعِ الرَّسولَ

فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہ" جو شخص رسول کی اطاعت کرے گا پس یقیناً اس نے خدا کی اطاعت کرلی۔

لہٰذا جو شخص ہمارے بیان کردہ حدود کو سمجھتے ہوئے اگر یوں کہے کہ یہ کل فرائض درحقیقت "رجل" ہیں۔ تو وہ صادق القول ہے کیونکہ فرائض کی اصل "رجل" ہے۔ اور وہ اس کی فرع ہیں۔

لیکن اگر اس "رجل" کی اطاعت ترک کردے اور پھر یہ کہے کہ اس "رجل" کی معرفت ہی کافی ہے۔ فرائض ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے تو ایسا شخص کاذب ہے۔ کیونکہ فروع کو چھوڑ کر اصل سے تمسک کرنا کافی نہیں ہوسکتا۔

جس طرح ایک شخص لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی گواہی دیتا ہے مگر محمد رسول اللہ کو ترک کردیتا ہے تو یہ اس کے لئے کافی نہیں ہے۔ اسی طرح نبی کی معرفت حاصل کرلیا اور اس کے بیان کردہ فرائض کو ترک کردینا کافی نہیں ہے بلکہ اصل کے ساتھ فرع کا تسلیم کرنا بہرحال ضروری ہے۔

اے مفضل! ہر ایک نبی خدا کی طرف سے نیکی اور عدل اور محاسن اخلاق کے حدود کے کر عمل کرانے کے لئے آیا ہے اور اسی طرح فواحش و اخلاقِ بد کے حدود لے کر روکنے کے لئے آیا ہے۔

خداوند عالم نے کسی نبی کو اپنی معرفت کی دعوت دینے کے لئے ہرگز اس حالت میں نہیں بھیجا ہے کہ نبی کے امر و نہی میں اس کی اطاعت بندوں پر واجب نہ کی ہو۔ اسی لئے کسی کا عمل اس وقت تک درگاہِ خداوندی میں قبول نہیں ہوگا۔ جب تک کہ فریضۂ عمل لانے والے کی معرفت اور اس کے امر و نہی میں اس کی اطاعت فرض نہ ہو وہ خدا کی طرف سے یہ فرائض لے کر آیا ہے اور ان پر عمل کرنے کی دعوت خدا ہی کی طرف سے دیتا ہے۔

لہٰذا اولاً نبی کی معرفت واجب ہے۔ اور اس کے بعد ان تمام فرائض میں اس کی اطاعت واجب ہے جن کے ذریعہ وہ خدا کی طرف دعوت دیتا ہے۔

لہٰذا "دین" درحقیقت یہی نبی ہے اور جو فرائض لایا ہے اس کی اصل بھی درحقیقت یہی نبی ہے۔ یہی نماز ہے یہی روزہ ہے۔ یہی حج ہے یہی مشعر الحرام ہے۔ یہی بیت اللہ الحرام ہے۔ کیونکہ ان سب کی اصل یہی ہے اور وہ سب اس کی فرع ہیں۔ پس "دین" ظاہری طور پر یہی فرائض ہیں جن پر عمل کیا جاتا ہے اور یہ سب فروع ہیں۔ ان کی اصل نبی اور امام ہیں۔ جن کے ذریعہ ان فروع کا ظہور ہوتا ہے۔ درحقیقت "دین" باطنی طور پر نبی و امام ہیں۔

لہٰذا ظاہر پر عمل کرنا بغیر باطن کے اور باطن پر عمل کرنا بغیر ظاہر کے کافی نہیں ہے۔ بلکہ دونوں کو تسلیم کرنا واجب ہے۔

اسی طرح فواحش وقبائح مثلاً شراب و قمار و میتہ و لحم خنزیر سے باطنی طور پر رجال یعنی اشخاص مراد ہیں جبکہ ظاہری طور پر حرام اشیاء مراد ہیں۔ کیونکہ جن سے یہ فواحش صادر ہوئے باطنی طور پر وہ لوگ ہی ہیں۔ وہی لوگ فواحش کی اصل ہیں۔ اور یہ فواحش جو ان کے ذریعہ ظاہر ہوئے ان کی فرع ہیں۔

لہٰذا باطنی طور پر فسق و فجور، شراب و قمار وغیرہ وہ لوگ ہیں جو دشمنانِ انبیاء و اوصیاء ہیں جن سے نفرت واجب ہے۔ اور تفسیر ظاہر کی بنا پر فواحش و قبائح سے حرام اشیاء مراد ہیں ان کا ارتکاب حرام ہے۔ لہٰذا ہر نیکی باطن میں نبی و امام ہیں۔ اور ہر بدی باطن میں دشمنانِ نبی و امام ہیں۔

حصولِ معرفت خدا میں معصومین علیہم السلام سے استغناء ممکن نہیں

عصر حاضر کے غالیوں نے چند سال سے حضرات محمد و آلِ محمد علیہم السلام سے منحرف کرنے کی مہم جاری کر رکھی ہے اور مختلف انداز میں اپنے مقصد کو نہایت ہوشیاری سے پیش کر رہے ہیں۔ چنانچہ مسئلہ توحید باری عزّ اسمہ کے ضمن میں تصورِ وجود خدا کو فطری و بدیہی ثابت کرتے ہوئے کلام آئمہ معصومین علیہم السلام نقل کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ خدا کی معرفت خدا ہی کے ذریعہ حاصل کرنا چاہیئے۔ کسی غیر کو معرفتِ خدا کا ذریعہ بنانا معرفت کی پست منزل اور اقرارِ توحید کا گھٹیا درجہ ہے۔ نہایت ہوشیاری سے معصومین علیہم السلام کے ذوات مقدسہ کو غیر ضروری قرار دیتے ہوئے ان ذواتِ مقدسہ سے انحراف کی مہم چلائی ہے تاکہ ان حضرات کی طرف توجہ ہی نہ ہو سکے۔ حالانکہ خدا کے ذریعہ خدا کی معرفت کا درجۂ بلند صرف انہی کی ذواتِ مقدسہ کے ساتھ مخصوص ہے کسی دوسرے کے لئے ممکن ہی نہیں۔

جناب سلیمان فارسی اور ابوذر غفاری رضی اللہ عنہم ان ذواتِ مقدسہ کے مراتب کی معرفت نہ کر سکے۔ اپنی عاجزی کا اعتراف کر کے وفات پا گئے۔ جن سے معرفت میں کوئی کیا سبقت لے جا سکتا ہے۔ عرفاء شامخین اور مومنین کاملین تو یہی تھے۔ مگر ان بزرگوں نے بھی خدا کو ان ذواتِ مقدسہ ہی کے ذریعہ پہچانا۔ پھر کون سے عرفاء شامخین ہیں جن کو بتدریج محمد و آلِ محمد علیہم السلام کا مرتبہ دیا جا سکتا ہے۔

حضرات معصومین علیہم السلام نے اپنے ارشادات وادعیہ میں "خدا ہی کے ذریعہ معرفت کا طریقہ" اپنے ہی ذواتِ عالیہ کے ساتھ مختص فرمایا ہے جس میں کوئی فرد بشر یا فرد ملک سہیم و شریک نہیں ہے۔

حضرات معصومین علیہم السلام نے اپنی معرفت کو خدا ہی کا عطیہ قرار دیا ہے اور دیگر خلائق سے اپنے استغناء کا اظہار فرمایا ہے۔ یعنی یہ حقیقت ظاہر فرمائی ہے کہ ہم دوسرے مخلوقات کی طرح حصولِ معرفتِ خدا میں غیر خدا کے محتاج نہیں ہیں۔

کیونکہ ہماری تخلیق میں خلاقِ عالم نے اپنی معرفت خود ودیعت فرما دی ہے۔ اور ہمیں تمام کائنات کا معلّم قرار دیا ہے۔ ہمارے بغیر خدا کی معرفت ممکن ہی نہیں ہے جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا:۔

لولا الله ما عرفنا ولولا نحن ما عرف الله۔

اگر خدا نہ ہوتا تو ہم نہ پہچانے جاتے اور اگر ہم نہ ہوتے تو خدا نہ پہچانا جاتا۔

یعنی ہماری معرفی کرانے والا خدا ہے۔ جس نے ہمیں اقتدار و کمالات عطا فرما کر کائنات کو ہمارے سامنے سرنگوں کر دیا۔

لہٰذا ہماری معرفت کا سبب صرف خدا ہے اور بس، ہم اس کی مخلوق اوّل ہیں۔ ہماری تخلیق میں خود قادر مطلق نے اپنی معرفت ودیعت فرما کر تمام کائنات کے لئے ہمیں سبب معرفت قرار دیا ہے۔ ہم ہی معلّم ملکوت اور معلّم ناسوت ہیں۔ تمام عالمین کے لئے ہم ہی مبداء معرفت ہیں۔ بلکہ ہماری تخلیق کی غرض و غایت ہی قادر مطلق کی معرفی ہے۔ چنانچہ عقائد شیخ صدوق میں بھی ان حضرات کو عالم ارواح میں معلّم انبیاء تحریر کیا گیا۔ ہٹے تالیوں نے کس چالاکی سے اپنی کتاب کے ایک باب کی سرخی عوام کو گمراہ کرنے کے لئے خوش آیند طریقہ پر یہ تحریر کی ہے "استدلال بر وجود خدا بطریقہ عرفائے شامخین" اس عنوان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے ماتحت وجود خدا ثابت کیا جائے گا۔ جس میں عرفائے شامخین کا طریقہ استدلال برائے اثبات وجود خدا پیش کیا جائے گا۔

مگر لکھا یہ گیا ہے کہ معرفتِ خدا کے لئے غیر خدا کو وسیلہ بنانے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ آئمہ معصومین علیہم السّلام کو وسیلۂ معرفت قرار دینا مسلک عرفائے شامخین کے خلاف ہے۔

ملاحظہ فرمائیے ان کی عبارت

"حضرت امام زین العابدین علیہ السّلام دُعائے ابوحمزہ ثمالی میں تحریر فرماتے ہیں۔

الٰھی بك عرفتك وانت دللتنی علیك ولولا انت لم ادر ما انت

اے میرے معبود تو نے ہی اپنی معرفت کے متعلق میری رہبری فرمائی۔ اگر تو نہ ہوتا تو میں یہ سمجھ ہی نہ سکتا کہ تو کون ہے (احسن الفوائد صفحہ)"

اسی طرح حضرت امیر المومنین کے بعض فقرات دُعائے صباح کو اسی عنوان کے ماتحت تحریر کیا ہے ملاحظہ فرمائیے ان کی عبارت۔

"حضرات آئمہ طاہرین چاہتے تھے کہ بتدریج اپنے موالیان باتمکین کو عرفان کی ان آخری مقامات عالیہ کی سیر کرائیں جن پر وہ خود فائز المرام تھے۔ ان کا طریقہ یہ ہے کہ وہ خدائے قدوس کی معرفت خدا ہی کے ذریعہ کرتے ہیں اور بجائے اس کے کہ وہ مخلوقات کو خالق کا معرف اور آلہ معرفت بنائیں۔

اس کے برعکس وہ مخلوق کو خالق کے ذریعہ پہچانتے ہیں ۔اور اسی طریقہ کار کی کاملین کو تعلیم بھی دیتے ہیں۔ چنانچہ سید الموحدین حضرت امیر المؤمنینؑ دعائے صباح میں خداوند عالم کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں یا من دل علی ذاتہ بذاتہ اے بزرگ و برتر جو اپنی ذات پر خود ہی دلالت کرتا ہے۔ اسی سلسلہ میں امام الثقلین امام حسینؑ کا دعائے عرفہ والا کلام حق ترجمان پہلے پیش کیا جا چکا ہے جس میں آپ فرماتے ہیں کَیْفَ یُسْتَدَلُّ بِمَا هُوَ فِی وُجُودِهِ مفتقر الیك الخ ... بار الہا ان چیزوں سے تیری ہستی پر کیونکر استدلال کیا جا سکتا ہے جو اپنی ہستی میں خود تیری محتاج ہیں۔ (احسن الفوائد ص۵)"

عبارت مذکورہ کو بغور ملاحظہ فرمائیے تو مؤلف کی باطنی خواہش کا پردہ چاک ہو جاتا ہے۔ اور دام ہمرنگ زمین کے ذریعہ مومنین کے ارواحِ ایمان کو شکار کرنے کا اندرونی جذبہ ظاہر ہو جاتا ہے۔ حضرات معصومین علیہم السلام کے کلام سے کس ہوشیاری کے ساتھ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ معرفتِ توحید کے لئے کسی غیر خدا کو آلہ معرفت قرار دینا عارفین کے معیار سے پست درجہ ہے۔ کس چالاکی سے خدا کو خدا ہی کے ذریعہ پہچاننے کا طریقہ صرف عرفائے شامخین کا معیار بتایا گیا ہے۔ یعنی معصومین علیہم السلام کو جو خود مخلوقِ خدا ہیں ذریعہ معرفت قرار دینا گویا ان بزرگواروں کی تعلیم کے بھی خلاف بتایا گیا ہے۔ اور عارفین کاملین کے طریقہ کار کے بھی منافی۔ مقصد یہ ہے کہ ان کو درمیان میں نہ لایا جائے۔ خدا کو خدا سے پہچانا جائے۔ تاکہ بتدریج محمدؐ و آلِ محمدؐ کا مقام حاصل ہو جائے جس پر وہ فائز ہیں۔

ہم اس عبارت کا تجزیہ کر کے کلام معصومین علیہم السلام کا صحیح مفہوم پیش کرتے ہیں تاکہ شیرینی میں لپیٹ کر جو زہر دیا گیا ہے۔ اس کا ظاہر و باطن جدا ہو جائے۔ اور مومنین کرام اس مہم کا شکار نہ ہو سکیں۔

توحید باری عز اسمہ کے باب میں تفکر کی دو حیثیتیں

حضرات اقدس الٰہی کے باب میں ایک حیثیت تدبر و تفکر یہ ہے کہ اس کا وجود تسلیم کیا جائے۔ اور دوسری حیثیت یہ ہے کہ اس کی ایسی معرفت حاصل کی جائے کہ اپنے ماسوا سے ممتاز ثابت ہو۔ پہلی حیثیت "یعنی" وجود خدا کا اثبات" جداگانہ مستقل موضوع ہے۔ اس کے لئے دلائل بھی جداگانہ ہیں۔ دوسری حیثیت" یعنی وجودِ خدا تسلیم کر لینے کے بعد اس کے امتیازات سے بحث کی جائے۔ اور مختصاتِ خدا کے ذریعہ اس کی معرفت حاصل کی جائے۔

پہلی حیثیت مختلف فیہ ہے۔ یعنی وجودِ خدا کا اثبات بدیہی ہے یا نظری۔ اس سلسلہ میں حکمائے اسلام

کا نظریہ یہ ہے کہ وجود خدا کا تصور فطری و بدیہی ہے مگر یہ بحث ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ اس لئے صرف نظر کرتے ہیں۔

دوسرا نظریہ متکلمین کا ہے وہ وجود خدا کو نظری قرار دیتے ہیں۔ اور وجودِ خدا کو دلائلِ عقلیہ سے ثابت کرتے ہیں مگر اس قدر وہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ادنیٰ توجہ سے اس کا وجود ثابت ہو جاتا ہے۔ ہم ان کے پیش کردہ دلائل سے بھی غض بصر کرتے ہیں۔ کیونکہ ہمارا موضوع بحث جداگانہ ہے۔ مذکورہ بالا دو نظریئے وجودِ خدا کے بارے میں ہیں جن کو ہم نے "پہلی حیثیت" کے عنوان میں تحریر کیا ہے۔

"دوسری حیثیت" یعنی بعد تسلیم وجودِ خدا اس کے امتیاز کے متعلق بحث و تمحیص کے ذریعہ معرفت حاصل کرنا۔ یہ حیثیت بالتحقیق نظری ہے جو بغیر دلائل حاصل نہیں ہو سکتی۔ اور یہی حیثیت مذاہب مختلفہ اسلامیہ میں بحث و نظر کی آماجگاہ بنی ہوئی ہے۔ اس حیثیت کا تعلق جداگانہ موضوع سے ہے۔

وجودِ خدا کا اثباتِ بدیہی ہو یا نظری اور ان کے تعریفات کچھ بھی ہوں ہم اس اختلاف میں دخل اندازی کے بغیر قرآن مجید کی صرف ایک آیت پیش کرتے ہیں۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ۔

(سورۂ بقرہ پ ۲ رکوع ۴ ص ۶۴)

بے شک آسمان و زمین کی پیدائش اور شب و روز کے یکے بعد دیگرے آنے جانے اور کشتیوں میں جو سمندر میں لوگوں کو فائدہ پہنچانے والی چیزوں کو لئے ہوئے چلتی پھرتی ہیں اور اس پانی میں جسے خدا نے آسمان سے نازل کیا۔ جس کے ذریعہ مردہ زمین کو زندہ کر دیا۔ اور ہر قسم کے چلنے پھرنے والے جانداروں کو اس میں پھیلا دیا اور ہواؤں کے چلانے میں اور ان بادلوں میں جو مابین آسمان و زمین فرمانبردار ہیں۔ سمجھنے والوں کے لئے یقینی طور پر نشانیاں ہیں (جن سے موجد کا وجود ثابت ہو جاتا ہے)

یہ آیت فطری طور پر تنبیہ ہے اہلِ فہم کے لئے کہ وہ ذراسی توجہ سے وجودِ خدا کو سمجھ سکتے ہیں۔ اسی طرح سید الموحدین حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے وجودِ خدا کی طرف توجہ دلائی ہے۔ "البعرة تدل علی البعیر والروثة تدل علی الحمیر وآثار القدم تدل علی المسیر فهیکل علوی بهذه اللطافة ومرکز سفلی بهذه الکثافة کیف لا یدلان علی اللطیف الخبیر"

مینگنی اونٹ پر لید گدھے پر نشانات قدم چلنے پر دلالت کرتے ہیں تو کیا آسمان بلند اپنی اس لطافت سمیت اور زمین پست اپنی اس کثافت سمیت ایک موجد لطیف و خبیر پر دلالت نہیں کرتے۔

کلام جناب امیرؑ بھی فطری طور پر ایک تنبیہ ہے کہ معلول بغیر علت، مصنوع بغیر صانع اثر بغیر موثر نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا کوئی موجد ضرور ہے۔ اسی طرح امام رضا علیہ السلام نے دربار مامون میں جو توحیدی خطبہ ارشاد فرمایا اُس میں بھی یہ فقرہ موجود ہے۔ بصنع اللہ یستدل علیہ یعنی اس کے مصنوعات و مخلوقات ہی کے ذریعہ اس کے وجود پر استدلال کیا جاتا ہے۔

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرات معصومین علیہم السلام کے لئے یہ استدلال کیونکر درست ہوگا جبکہ یہ حضرات مخلوقِ اول ہیں۔ اور ان کے رُوبرو کوئی مصنوع و مخلوق و اثر نہیں ہے۔ جس کے ذریعہ وجود خالق و صانع و موثر پر استدلال کیا جائے۔

لہٰذا قہری طور پر تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان ذوات عالیہ کے لئے خود ذات باری ہی ذریعہ معرفت ہے یعنی خود اُس نے ان کے ذواتِ مقدسہ میں تخلیقی طور پر اپنی معرفت ودیعت فرمادی ہے۔ لہٰذا ان ہی بزرگواروں کو حق حاصل ہے کہ درگاہ احدیت میں عرض کریں۔ یا من دلّ علیٰ ذاتہ بذاتہ۔ اے وہ ذات کہ تو نے ہی اپنی ذات کی معرفت خود اپنی ذات کے ذریعہ کرائی ہے دیگر مخلوقات بلکہ ملائکہ مقربین بھی اس مقام بلند معرفت سے محروم ہیں کیونکہ انہوں نے وقتِ تخلیق ان ہی ذواتِ مقدسہ کے ذریعہ معرفتِ خدا حاصل کی ہے۔ یہ حضرات تسبیح و عبادت میں مشغول تھے۔ ملائکہ نے ان ہی ہستیوں سے طریقہ تسبیح و تہلیل اور تحمید و تکبیر حاصل کیا۔ وہ ان کے تعلیم دینے سے پہلے حقیقت حمد و ثنا سے واقف نہ تھے۔ جیسا کہ حدیث میں لا یدرون ما التسبیح وارد ہے۔ یعنی فرشتے نہیں جانتے تھے کہ تسبیح کیا ہے۔

ہمارے ان تصریحات سے ثابت ہوگیا کہ تمام کائنات عالم کو برہان اِنّی یعنی معلول سے علت کو سمجھنا صحیح و درست ہے۔ مگر ان ذواتِ مقدسہ کے لئے عقلاً محال ہے کیونکہ یہ حضرات مخلوق اول ہیں۔ لہٰذا خدا کی معرفت خدا ہی کے ذریعہ صرف ان ہی حضرات کے لئے مختص ہے جو تخلیقی طور پر ان ذواتِ مقدسہ کو حاصل ہوئی ہے اس میں نہ ان کا کوئی سہیم و شریک ہے اور نہ یہ درجہ کسی کو حاصل ہو سکتا ہے۔

مومنین با تمکین ہوں یا عارفین شامخین یا ملائکہ مقربین انہیں اس مرتبہ معرفت کی تعلیم دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ تبصرہ "پہلی حیثیت" یعنی ثبوتِ خدا سے متعلق تھا۔ اب ہم "دوسری حیثیت" کی تشریح کرتے ہیں۔ یہ امر عند العقلا مسلم ہے کہ خلاق عالم کی معرفت بالکنہ محال ہے۔ کسی مخلوق کے لئے یہ معرفت ممکن ہی نہیں خواہ وہ مخلوق اول ہو یا مابعد ہو۔ کوئی بھی اس کی حقیقت کو نہیں پا سکتا۔ اس کی کنہ ذات عقول و

افہام کے ادراک سے ارفع و اعلیٰ ہے۔ جیسا کہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے اپنے خطبات میں بالصراحت ارشاد فرمایا ہے۔ لا ینالہ بعد الھمم و لا ینالہ غوص الفطن۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کلما میزتموہ فی ادق معانیہ فھو مخلوق لکم مردود الیکم۔ بلکہ تمام معصومین علیہم السلام نے اپنے اپنے مقام پر نہایت محکم و متقن دلائل سے سمجھایا ہے کہ اس کی کنہ ذات کا ادراک محال ہے۔

جب معرفت کنہ ذات عقلاً محال ہے تو معرفت خدا کا ذریعہ صرف آثار ہی ہو سکتے ہیں جن میں غور و خوض تفکر و تدبر سے معرفت خدا حاصل ہو سکتی ہے لیکن تمام کائنات میں اس کے آثار کا پہلا اثر مخلوق اول ہی ہوگا۔ اس کے بعد دیگر مخلوقات آثار قرار پائیں گے۔

یہ امر بھی مسلّم ہے کہ مخلوقات میں تدبر کی نوعیتیں حسب اہلیت جدا جدا ہیں جس کا نتیجہ جدا جدا ظاہر ہوگا۔ یعنی اس کی مخلوقات میں اس کی حکمتوں کا اندازہ ہر شخص اپنی عقل کے مطابق کرے گا۔ اس لئے اندازوں میں یقینی اختلاف ہوگا جو سبب اختلاف امتیازات ہوگا۔ لہٰذا اُس صحیح اندازہ کے لئے جس کے ذریعہ ذاتِ احدیت کو ماسوا سے ممتاز قرار دینا ہے کسی صحیح معیار کی ضرورت ہوگی۔ کیونکہ اندازوں کی غلطیوں کا امکان متقاضی ہے کہ خدا کی معرفتِ صحیحہ کے لئے کوئی محک صحیح ہو تاکہ ہر شخص کو ایک دوسرے کے تصورِ توحید کو غلط سمجھ کر کفر و شرک کے فتوے کا حق حاصل نہ ہو ورنہ معرفتِ خدا کے بجائے کفر و شرک کی بہتات ہو جائے گی۔ اور ہر شخص اپنے اپنے نظریہ کو حق اور دوسروں کے نظریہ کو باطل قرار دے گا۔ لہٰذا بقاعدہ لطف واجب ہے کہ تصورِ توحید کا کوئی معیار موجود ہو۔ اور ایسا معیار نہیں ہو سکتا۔ مگر اکمل الموجودات و افضل المخلوقات۔ کیونکہ مخلوقات ہی میں غور و فکر کے ذریعہ امتیازات و خصوصیاتِ خدا قائم کئے جانے ضروری ہیں۔ جن کے ذریعہ وہ اپنے ماسوا سے ممتاز ثابت ہو۔ لہٰذا اکمل طریقہ عقلاً یہی ہو سکتا ہے کہ تمام مخلوقات میں جو اکمل ہو اسی کے مصالح و حکم میں غور و خوض کر کے معرفتِ خدا حاصل کی جائے اور اسی کو ذریعہ معرفت قرار دیا جائے۔ اور وہ نہیں ہے مگر مخلوق اول۔

لہٰذا حضرات معصومین ہی کے ذریعہ صحیح امتیازات و معرفات خدا حاصل کئے جائیں تاکہ کوئی کم علم ان آثار و افعال کو منتقل بالذات خدا نہ سمجھ لے جو اس کی مخلوق میں اسی کی طرف سے عطا کئے گئے ہیں۔ کیونکہ ان ذواتِ مقدسہ میں تمام وہ کمالات موجود ہیں جو ممکن الوجود میں عقلاً ممکن ہو سکتے ہیں لہٰذا یہ حضرات تمام ممکنات و مکونات میں ہر امکانی کمال اور ہر امکانی اقتدار میں سب سے زیادہ افضل ہوں گے۔ جس قدر فضل و کمال اور اقتدار و اختیار ممکن ہو سکتا ہے۔ وہ ان ہی حضرات پر منتہی ہوگا جس میں غور و فکر کرنے سے خدائی حکمتیں اور الٰہی مصلحتیں باحسن وجوہ حاصل ہوں گی۔ کیونکہ جب ان خاصانِ خدا کے تنزّل کمال اور مراتب اقتدار پر توجہ کی جائے گی اور

وجہ کمال اعلیٰ و اقتدار ارفع ان ہستیوں کو بارگاہ احدیت میں سجدہ ریز اور تضرع و تخشع اور اظہار عجز و فقر کرتے ہوئے دیکھا جائے گا تو ان کے معبود حقیقی و مولائے تحقیقی کی شان کے سمجھنے میں تحیر و استعجاب پیدا ہوگا۔ جس کی عبودیت کا یہ اظہار کر رہے ہیں۔ پس یہی تحیر مقام معرفت قرار پائے گا جس قدر اس میں اضافہ ہوگا، اتنا ہی درجۂ معرفت بلند ہوتا جائے گا۔ لہٰذا یہی ذواتِ مقدسہ معرفتِ خدا کا باب مفتوح ہوں گے۔ ان ہی کی معرفت کے ذریعہ بتدریج مومنین بامکین اور عرفائے شانہین حسبِ استعداد و قابلیت فائز المرام ہوں گے۔ لہٰذا معرفتِ خدا کا آلہ معرفی مخلوق ہی کو بنانا پڑے گا۔ یہی طریقہ کار کاملین کی ترقی کا ضامن ہوگا۔ ورنہ در ہر طریق گمراہیست۔

جس طریقہ کار کی مفسرین نے مہم چلائی ہے۔ وہ غلط و باطل اور محال و ناممکن ہے۔ لہٰذا کسی صورت میں بھی حضرات معصومین علیہم السّلام سے انحراف ممکن نہیں ہے۔ اگر معرفتِ صحیحہ حاصل کرنا مطلوب ہو تو ان ہی کے در پر ناصیہ سائی کرنا واجب و لازم ہوگا۔

ادعیہ معرفت معصومین کی تشریح

حضرتِ امام زین العابدین علیہ السّلام کا حکیمانہ کلام ہدایت انضمام مفسرین کے فہم و ادراک سے بلند ہے۔ حضرت نے "بِكَ عَرَفْتُكَ" فرما کر اثباتِ وجودِ خدا ظاہر نہیں کیا ہے۔ بلکہ معرفتِ خدا کا اظہار فرمایا ہے۔ اور اپنے جدّامجد حضرت امیر المومنین علیہ السّلام کے کلام "یامن دلّ علیٰ ذاتہ بذاتہ" کی توضیح فرمادی ہے۔ یعنی میں تیری معرفت میں تیرے غیر کا محتاج نہیں ہوں۔ بلکہ تو نے میری خلقت میں اپنی معرفت پیدا کردی ہے۔

اس کے بعد آخری فقرہ "لم ادر ما انت" بھی اس مقصد کے لئے دلیلِ قطعی ہے کیونکہ حضرت نے فرمایا ہے۔ اگر تو میرے لئے اپنی ذات پر دلالت کرنے والا نہ ہوتا تو میں تجھے نہ پہچان سکتا کہ تو کس شان کا ہے۔

اس لفظ "ما انت" نے بالکل واضح کر دیا کہ شانِ خدا کی معرفت کا ذکر ہے۔ نہ کہ وجودِ و اثباتِ خدا کا جو بدیہی ہے۔ حضرت کا مطلب یہ ہے کہ تیرا وجود تو ہر عاقل تسلیم کرتا ہے۔ مگر تیری شان مخفی ہے جس کی معرفت تو نے خود کرائی ہے۔ اگر تو خود معرفی نہ کرتا تو میں تیری شان کو نہ سمجھ سکتا۔ مفسرین کی سمجھ میں لفظ ما نہیں آیا اس لئے گمراہ ہوگئے۔

حضرت نے جس حصول معرفت کا اظہار فرمایا ہے اُس سے مراد معرفتِ کنہ ذات تو ہو نہیں

ہو سکتی۔ کیونکہ وہ عقلاً محال ہے۔ لہٰذا معرفت شان باری تعالیٰ ہی مراد ہے۔ جس کے مراتب کو یا وہ خود جانتا ہے یا جن کو معرفی کرائی ہے وہ جانتے ہیں۔

لہٰذا مقصرین کا ان ادعیہ کو "استدلال بر وجود خدا" کے زیر عنوان تحریر کرنا قطعاً باطل ہے۔ اور حضرات معصومین علیہم السلام سے روگردانی کرانے کی مہم کا ایک حصہ ہے۔ کیونکہ اس کا تعلق معرفت خدا سے ہے نہ کہ وجود خدا سے۔

موالیان اہل بیت طاہرین علیہم السلام اپنے توجہات کو ذوات مقدسہ معصومین علیہم السلام کے اقتدار و کمال ہی کی طرف مرکوز رکھیں۔ اور ان ہی کے ذریعہ معرفت خدا میں حد تحیر حاصل کریں یہی حقیقی معرفت ہے۔ اور اس سے اعلیٰ مرتبہ ممکن نہیں ہے۔ جو ان حضرات کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ ورنہ انحراف کی صورت میں ان ذوات مقدسہ کی حد بندیاں کرتے کرتے خدا کی حد بندیوں پر اتر آئیں گے اسی لئے حضرات معصومین علیہم السلام نے فرمایا ہے من عرفنا فقد عرف الله و من جهلنا فقد جهل الله "جس نے ہمیں پہچان لیا اس نے یقیناً خدا کو پہچان لیا۔ اور جو ہمارے باب میں جاہل رہا وہ یقیناً خدا کے باب میں جاہل ہوا۔" اعاذنا الله من هفوات القالين"

اس کے بعد مقصرین نے ایک حدیث متشابہ نقل کر کے جرم ابتغاء فتنہ کا ارتکاب کیا ہے کیونکہ حسب ارشاد معصومین علیہم السلام قرآن مجید کی طرح ان حضرات کے احادیث میں بھی متشابہات ہیں۔ حدیث متشابہہ کو بھی ناقص طور پر نقل کیا ہے۔ اس کے آخری اہم کلمات کو حذف کر دیا ہے۔ جس سے اپنی مہم کو فائدہ پہنچانا مقصود ہے۔ پہلے ہم کتاب "احسن الفوائد" سے نقل کرتے ہیں پھر محذوف فقرات کی نشاندہی کریں گے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

> "یہ حضرات اپنے تمام نام لیواؤں کو اسی مرتبہ عظمیٰ تک لے جانے کے متمنی نظر آتے ہیں حضرات امیر المومنینؑ کا یہ ارشاد اصول کافی میں موجود ہے۔ فرمایا اعرفوا الله بالله والرسول بالرسالة و اولی الامر بالمعروف۔ اللہ سبحانہ کو خود اللہ سے اور رسول کو رسالت سے اور اولی الامر کو امر بالمعروف سے پہچانو (احسن الفوائد ص۵)"

مؤلف کتاب نے پہلے تو صرف عرفائے شامخین اور مومنین کاملین ہی کے لئے۔ خدا کو خدا سے پہچاننے کا مرتبہ عالیہ معرفت مخصوص فرمایا تھا مگر چند سطور کے بعد فرماتے ہیں کہ "یہ حضرات اپنے تمام نام لیواؤں کو اسی مرتبہ عظمیٰ تک لے جانے کے متمنی نظر آتے ہیں۔ یعنی صرف کاملین و شامخین ہی آل محمد کو نظر انداز کر کے خدا کی معرفت خدا ہی کے ذریعہ حاصل کرنے کا حق نہیں رکھتے بلکہ تمام نام لیوا خواہ خاص ہوں یا

عام سب ہی اہل بیت سے قطع تعلق کرلیں۔ اور خدا کو خدا ہی کے ذریعہ پہچانیں تاکہ محمد و آل محمد کا مرتبہ علمی حاصل ہو جائے۔ اور تمام نام لیوا خود ہی محمد و آل محمد بن جائیں۔ اعاذنا اللہ من الناصبین۔

اب ہم مکمل حدیث اور عبارت اصول کافی جلد اول ص۸۵ طبع طہران سے نقل کرتے ہیں۔

عن ابی عبداللہ قال قال امیرالمومنین اعرفوا اللہ واالرسول بالرسالة واولی الامر بالامر بالمعروف والعدل والاحسان ومعنی قوله اعرفوا اللہ باللہ یعنی انّ اللہ خلق الاشخاص والانوار والجواهر والاعیان فالاعیان الابدان والجواهر الارواح وهو جلّ وعزّ لایشبه جسما ولا روحا ولیس لاحدٍ فی خلق الروح الحساس الدراك امر ولا سبب هو المتفرد بخلق الارواح والاجسام فاذا نفی عنه الشبهین شبه الابدان وشبه الارواح فقد عرف اللہ باللہ واذا اشبه بالروح او البدن او النور فلم یعرف اللہ باللہ۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے جدّ اعلیٰ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کی حدیث بیان فرمائی ہے کہ اللہ کو اللہ سے پہچانو اور رسول کو رسالت سے اور اولو الامر کو امر بالمعروف و امر بعدل و امر باحسان سے پہچانو"

جناب شیخ کلینیؒ اس کی شرح میں رقمطراز ہیں" اعرفوا اللہ باللہ" کا مطلب یہ ہے کہ خداوند عالم نے اشخاص اور جواہر و اعیان کو پیدا کیا۔ اعیان سے مراد ابدان اور جواہر سے مراد ارواح ہیں۔ اللہ تعالےٰ نہ کسی جسم سے مشابہ ہے۔ اور نہ کسی روح سے۔ اور روح حساس و دراک کے خلق کرنے میں کسی کا کوئی تعلق و دخل نہیں ہے۔ بلکہ وہ خود ہی خلق روح و جسم میں متفرد ہے۔ لہذا جس وقت اس کی ذات سے دونوں مشابہتوں یعنی مشابہت روح اور مشابہت بدن کی کوئی شخص نفی کرے گا تو اس نے خدا کو خدا سے پہچان لیا۔ اور جس وقت روح یا بدن یا نور سے مشابہت دے گا تو اس نے اللہ کو اللہ سے نہیں پہچانا۔

جناب علامہ کاشانی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب وافی میں شیخ کلینی کی شرح درج فرما کر تبصرہ فرمایا ہے "شیخ کلینی کی شرح میں اجمال و ابہام ہے حدیث مذکور کا مطلب واضح نہیں ہوتا"

اس کے بعد جناب شیخ صدوق علیہ الرحمہ کی شرح درج فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ :۔

"ہم نے خدا کو خدا ہی سے پہچانا ہے۔ کیونکہ ہم نے اسے عقول کے ذریعہ پہچانا تو یہ عقول بھی اس عطا فرمودہ ہیں۔ اور اگر انبیاء و رسل اور آئمہ طاہرین علیہم السلام کے ذریعہ معرفت حاصل کی تو یہ حضرات

بھی اُس کے بنائے ہوئے اور اُس کے بھیجے ہوئے ہیں۔ اور اگر ہم نے اپنے نفوس کے ذریعہ معرفت حاصل کی تو یہ نفوس بھی اُسی کے پیدا کردہ ہیں۔

پس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ ہم نے خدا کو خدا ہی کے ذریعہ پہچانا ہے۔

جیسا کہ حضرت صادق آلِ محمدؑ علیہ السّلام نے فرمایا۔

لولا الله ماعرفنا ولولا نحن ماعرف الله۔

اگر خدا نہ ہوتا تو ہماری معرفت نہ ہوتی اور اگر ہم نہ ہوتے تو خدا کی معرفت نہ ہوتی۔

اس شرح پر جناب علاّمہ کاشانی نے یہ تبصرہ فرمایا ہے۔

شیخ صدوق رہ کے بیان مذکور سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ طریق معرفتِ خدا بس یہی ہے کہ خدا کو خدا کے ذریعہ پہچانا جائے۔ حالانکہ حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے بلکہ طرق معرفت اس کے علاوہ بھی ہیں البتہ بہترین طریقِ معرفت یہ ہے کہ خدا کو خدا کے ذریعہ پہچانا جائے۔ طریق معرفت کو منحصر کر دینا حدیث مذکور کے مفہوم سے ظاہر نہیں ہوتا۔

اس کے بعد علاّمہ نے حدیث مذکور کی شرح میں حکماء اسلام کا قول پیش کیا ہے وہ یہ ہے کہ۔

" خدا کی معرفت مخلوقات کے ذریعہ نہیں بلکہ حقیقت وجود کے ذریعہ ہے۔ کیونکہ وجود یا تو بذاتِ خود لازمی طور پر قائم بالذات ہوگا۔ یا ایسی ذات کی طرف منسوب ہوگا جو قائم بالذات ہے۔ اور وہی خدا ہے۔ لہٰذا خدا کو خدا کے ذریعہ پہچانا"۔

جناب علاّمہ کاشانیؒ نے شرح حکماء پر یہ تبصرہ فرمایا ہے کہ:۔

حکماء نے جو طریقہ استدلال پیش کیا ہے وہ اثبات ذاتِ خدا کی طرف راجع ہے۔ یعنی یہ طریقہ استدلال اثبات ذاتِ خدا کے لئے ہے نہ کہ معرفت ذاتِ خدا کے لئے۔ کیونکہ اثبات شی اور اثباتِ معرفت شی میں فرق ہے۔ اثباتِ ذات زیر بحث نہیں ہے۔ بلکہ اثبات معرفت خدا موضوع بحث ہے۔

حالانکہ حکماء کے نزدیک ثبوت ذات خدا فطری و بدیہی ہے۔ جیسا کہ آیات مندرجہ ذیل سے بھی ثابت ہے " فطرة الله التی فطر الناس علیها " یہ خدا کی مقررہ فطرت ہے۔ جس کے ماتحت انسانوں کو پیدا کیا ہے۔

اسی طرح۔ الست بربکم " کیا میں تمہارا ربّ نہیں ہوں۔ اسی طرح حضرت خلیل اللہ کا استدلال ستارۂ زہرہ اور شمس و قمر کے طلوع و غروب کے ذریعہ اسی طرح فرعون کا سوال " وما رب

العالمین، رب العالمین کیا ہے۔ یعنی رب العالمین کو سمجھتا ہے۔ اس کی معرفت چاہتا ہے۔ اسی طرح دیگر آیات سے فطری طور پر ثبوتِ خدا کا اظہار ہوتا ہے مگر لوگ اس کے تعیّن کا مطالبہ کرتے تھے نہ کہ ثبوت کا۔ کیونکہ خدا کے وجود میں انہیں قطعاً شک نہ تھا۔ جیسا کہ خدا نے فرمایا ہے "افی اللہ شك فاطر السموات والارض" کیا خدا کے وجود میں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا خالق ہے

لہٰذا حدیث مذکور کی شرح جو حکما نے تحریر کی ہے۔ بے محل ہے۔ کیونکہ ان کے استدلال سے وجودِ خدا ثابت ہوتا ہے نہ کہ معرفت خدا ــــ اس کے بعد علامہ کاشانیؒ نے حدیث مذکور کی شرح کے متعلق اپنی یہ تحقیق پیش کی ہے کہ:۔

ہم خدا کی تائید و نصرت سے معنی حدیث بیان کرتے ہیں۔

اشیاء عالم میں ہر شے کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک ماہیّت دوسرے حقیقت۔

ماہیّت شے وہ ہے جس کی وجہ سے ــــــ یہ حیثیت ذات کی طرف توجہ کا سبب ہوتی ہے۔

حقیقت شی وہ ہے جو اس شے کا احاطہ کرتی ہے جس کے ذریعہ اس شے کا وجود اور آثار و صفات قائم ہیں۔

اور اسی کے ذریعہ اس میں مضر و موذی چیزوں کے دفاع کی طاقت اور نفع بخش و پسندیدہ چیزوں کے حصول کی قوّت ہوتی ہے۔ یہی اس کی حقیقت کہلاتی ہے جو ماہیّت کے علاوہ ہے کیونکہ ماہیّت صرف توجّہ ذات کا سبب ہے نہ کہ آثار و صفات کا اور حقیقت شے توجہ آثار و صفات کا سبب ہے

لہٰذا ماہیّت کی طرف توجہ کرنے سے صرف یہ ثابت ہو گا کہ اس کا کوئی موجد ہے۔ اور وہ خدا ہے مگر جب حقیقت کی طرف توجّہ کی جائے گی۔ جس کے ذریعہ آثار و صفات اور قوّتِ دفاع و طاقت جلب منفعت ظاہر ہوتی ہے۔ اس صورت میں معرفتِ خدا حاصل ہو گی۔ یعنی ماہیّت سے وجودِ خدا کی دلیل ہے۔ اور حقیقت شی معرفتِ خدا کا برہان ہے۔ اس توجیہ سے "اعرفوا اللہ باللہ" کا مطلب یہ ہوا کہ خدا کو اشیاء عالم کی ماہیّت کے بجائے ان کے صفات و آثار کے ذریعہ پہچانو۔ جو حقیقت اشیاء ہے۔ اور ذاتِ خدا کی طرف منسوب ہے۔ یعنی اشیاء عالم کو اس نظر سے نہ دیکھو کہ ان کی ماہیّات بذاتِ خود موجود ہیں بلکہ یہ غور کرو کہ ان کا کوئی موجد ہے۔ جس نے ان کو وجود بخشا ہے۔ اگر اس نظر سے خدا کو پہچانا۔ تو تم نے خدا کو اشیاء کے ذریعہ پہچانا۔ اور حق معرفت ادا نہیں کیا۔ کیونکہ صرف اس قدر جاننا کہ ہر شے کا وجود کسی موجد کا محتاج ہے۔ اور وہ موجد خدا ہے۔ اس کو اثبات

وجودِ خدا کہتے ہیں نہ کہ ثبوتِ معرفتِ خدا۔

اور اگر اشیائے عالم کو بلحاظ تاثیرات و تدبیرات مطمحِ نظر قرار دیا۔ یعنی یہ کس طرح قائم ہیں۔ اور ان پر کس طرح وہ غالب ہے۔ اور ان میں کیا کیا حکمتیں ہیں۔ اور وہ کس طرح محیط ہے۔ اس حقیقت کو پہچاننا معرفتِ خدا ہے۔ لہٰذا اس لحاظ سے جب تم نظر کروگے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تم نے خدا کو خدا کے ذریعہ پہچانا۔ جیساکہ قرآنِ مجید میں ان ہی حکمتوں کی طرف بکثرت آیات میں توجّہ دلائی گئی ہے۔ اور جیسا کہ ایک شخص نے حضرت امیر المؤمنین علیہ السّلام سے دریافت کیا۔ آپ نے معرفتِ خدا کس طرح حاصل کی تو آپ نے فرمایا کہ ارادہ کے فسخ ہوجانے اور ہمتوں کے شکستہ ہوجانے سے کیونکہ میں نے سمجھ لیا کہ کوئی ایسی بلند ہستی ہے۔ جو میری ہمّت اور میرے درمیان حائل ہے۔ اور جس نے میرے عزم کو اپنی قضا اور قدر سے فسخ کردیا ہے۔ اسی مدبّر کو میں خدا جانتا ہوں۔

اِسی طرح حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے ایک قوم نے سوال کیا۔ مولا ہم دعا کرتے ہیں مگر مستجاب نہیں ہوتی۔ تو حضرت نے فرمایا۔ کہ تم اُس سے مانگتے ہو جس کو پہچانتے نہیں ہو۔ یعنی خدا تو مانتے ہو مگر پہچانتے نہیں ہو۔

حدیثِ مذکور کے دُوسرے جملے "اعرفوا الرسول بالرسالۃ" کی شرح یہ ہے کہ:۔

جب ہم نے تسلیم کرلیا کہ خدا نے ہماری ہدایت کے لئے یقیناً رسول بھیجا ہے۔ تو ہم پر فرض ہوگیا کہ اُس پر نظر کریں کہ وہ اس کا رسول ہے بھی کہ نہیں۔ اس کا بہترین ذریعہ یہ ہے کہ پہلے رسالت کو پہچانیں کہ وہ خدائے یکتا و واحد کا پیغام محکم ہے۔ جب دلائل کے ذریعہ رسالت کا صحیح مطلب ذہن نشین ہوجائے گا۔ اور اُس کی افادی حیثیّت کا مقام بلند معلوم ہوجائے گا تو اس کے ذریعہ صاحبِ رسالت کی معرفت حاصل ہوجائے گی کہ وہ کس بلندی کا مالک ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے رسول کو رسالت سے پہچانا۔ اِسی طرح اُولو الامر کو پہچاننے کے لئے پہلے اَمر اور عدل واحسان کی حقیقت کو پہچانو اور اُن کے حقیقی معنی پر نظر غائر کرو۔ پھر ان کے ذریعہ سے اولو الامر کو پہچانو۔

یہ ہے وہ شرح حدیث جو علاّمہ کاشانی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب جلیل القدر وافی میں تحریر فرمائی ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ حدیث مذکور کا مطلب غالیوں نے غلط بیان کیا ہے۔ لوگوں کو اہل بیت سے منحرف کرنا مقصُود ہے۔

حضرات عُلمائے سابقین کے تحقیقاتِ علمیّہ نہایت بلند و برتر ہیں۔ مگر ان بزرگوں کے بعد بابِ تحقیق مسدُود نہیں ہُوا۔ بلکہ ہر صاحبِ ذوقِ علم کے لئے تا ظہورِ قائم آلِ محمد علیہم السّلام تحقیق و تدقیق

کا دروازہ کھلا ہے۔ اور معصومین علیہم السلام کے فیوض و برکات جاری ہیں۔ متمسکین دامن اہل بیت علیہم السلام فیضان ہدایت سے اپنے اپنے مقاصد حاصل کر رہے ہیں۔ اور ان کے تجلیاتِ انوار سے قلوب میں جلاء و ضیاء پیدا ہوتی ہے۔

لہٰذا ہم بھی ان ذواتِ مقدسہ سے نصرت و مدد کی بھیک مانگ کر کچھ عرض کرنے کی جسارت کرتے ہیں۔ اور اپنی بے بضاعتی سے شرمسار ہیں۔

حقیقت معرفت اور معرِّف و معرَّف کا بیان

معرفت۔ کسی شے کا ایسا خصوصی تصور جس کی وجہ سے وہ اپنے ماسوا سے ممتاز ہو جائے۔

معرِّف۔ جس کے ذریعہ کسی شے کا امتیازی تصوّر حاصل ہو۔

معرَّف۔ جس شے کا امتیازی تصوّر حاصل ہو۔

یاد رکھنا چاہیئے معرِّف کا تصور جلی ہوتا ہے۔ اور معرَّف کا خفی۔ یعنی جس کی شناخت مطلوب ہو اُس کا تصوّر خفی ہوتا ہے۔ اور جس کے ذریعہ شناخت کی جاتی ہے اُس کا تصوّر جلی ہوتا ہے۔ اِس جلی کے ذریعہ خفی کو حاصل کیا جاتا ہے تاکہ وہ اپنے ماسوا سے ممتاز ہو جائے۔ یعنی اَمرِ معلوم کے ذریعہ امرِ غیر معلوم حاصل کیا جاتا ہے۔

دلالت۔ کسی شے کا اس حالت میں ہونا کہ اس کے علم سے دُوسری شئے کا علم ہو جائے۔

دال۔ جس کے علم سے دُوسری شے کا علم ہو اُس کو دال کہتے ہیں۔

مدلول۔ جس شے کا علم کسی دوسری شے سے حاصل ہو اُس کو مدلول کہتے ہیں۔

اسم۔ وہ شے جس کے ذریعہ کسی شے کا اس طرح تعارف ہو جائے کہ وہ دوسروں سے ممتاز ہو جائے اس کو اسم کہتے ہیں۔

مسمّٰی۔ جس کا تعارف و امتیاز اسم کے ذریعہ ہو اُس کو مسمّٰی کہتے ہیں۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ اسم و مسمّٰی اور دال و مدلول اور معرِّف و معرَّف متفق القصد ہونے کی وجہ سے ایک دُوسرے کے بجائے استعمال کئے جاتے ہیں۔ اِس لئے اسم کو دال بھی کہتے ہیں۔ اور معرِّف بھی۔ اور مسمّٰی کو مدلول بھی کہتے ہیں۔ اور معرَّف بھی۔

تعریفات مذکورہ کے بعد ہم بذریعہ مثال ان کے معانی کو سمجھاتے ہیں تاکہ اصل مقصد جلد ذہن نشین ہو جائے۔

اسم : ۔ اِس لئے وضع کیا گیا ہے کہ اس کے ذریعہ مسمّیٰ کو اس کے ماسوا سے ممتاز کرایا جائے ۔ مثلاً اسم زید ایک مخصوص فرد انسان کے لئے وضع کیا گیا ہے ۔ اس اسم کے ذریعہ سے زید اپنے ماسوا سے ممتاز ہو جاتا ہے ۔ جس کو مسمّیٰ کہتے ہیں ۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ اسم کی وضع اس لئے نہیں ہوئی ۔ کہ وہ مسمّیٰ کی ماہیت اور کُنہہ یا اس کے اجزاء ترکیبیہ یا تحلیلیہ پر دلالت کرے بلکہ وضع اسم کا مقصد صرف یہ ہے کہ اپنے مسمّیٰ کو غیروں سے ممتاز کر دے ۔ اس دلالت کو دلالت لفظیہ کہتے ہیں ۔

جس طرح لفظ زید کی دلالت اس کے مسمّیٰ پر ـــــ اسم جس طرح بذریعہ تلفظ کسی شے معین پر دلالت کر کے اُسے ممتاز کر دیتا ہے اِسی طرح بغیر تلفظ صرف اپنے وجُود کی وجہ سے بھی کسی شے پر دلالت کر کے اُسے ممتاز کر دیتا ہے ۔ اِس دلالت کو دلالتِ وجُودیہ کہتے ہیں مثلاً چہرہ کی زردی کا وجُود انسان کے خوف زدہ ہونے پر دلالت کرتا ہے ۔ اسی طرح چہرہ کی سرخی خجالت پر دلالت کرتی ہے ۔ اِسی طرح نبض کی حرکت خاص کا وجُود مرضِ خاص پر دلالت کرتا ہے ۔ اسی طرح کھمبوں اور تاروں کا وجُود اپنی نوعیت کے لحاظ سے الیکٹرک ، ٹیلیفون ، ریڈیو اور ٹیلیویژن پر دلالت کرتا ہے ۔ اِسی طرح راستوں میں جو میل نصب کئے جاتے ہیں ۔ اُن کا وجود مسافتِ سفر کی مقدار پر دلالت کرتا ہے ۔

یہ تمام معرّفات اپنے افادۂ امتیاز کے لحاظ سے اسماء کہلاتے ہیں ۔ جن کا وجُود اپنے اپنے مسمّیٰ پر دلالت کر کے غیروں سے ممتاز کر دیتا ہے ۔ لہٰذا اسم معرّف بھی ہے ۔ اور دال بھی ۔ اور مسمّیٰ معرَّف بھی ہے اور مدلول بھی ۔

کنہہ ذات حضرت حق سُبحانہ وتعالےٰ کا ادراک محال ہے

ہم گزشتہ اوراق میں واضح کر چکے ہیں کہ وجُودِ خدا بدیہی ہے ۔ مگر معرفتِ خدا نظری ۔ یعنی محتاج دلیل ہے ۔ لہٰذا حصُولِ معرفت کے لئے دلائل و براہین کی ضرورت ہے ۔ یہ اَمر مسلّم ہے کہ اس کی ذات کا بحیثیت ذات ادراک محال ہے ۔ کیونکہ جب بھی اُس کے لئے ماہیت ثابت کی جائے گی تو وہ محدود ہو جائے گا ۔ اور ہماری عقل اپنی صلاحیت کے مطابق جس محدود و متصوّر کو خدا سمجھے گی ۔ وہ درحقیقت خود اس کی حدِ عقل ہو گی نہ کہ خدا کی حد ـــــ اور وہ متصوّر درحقیقت ہماری عقل کی تخلیق ہو گا ۔

لہٰذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ خدا ہمارے احاطہ علم و فہم سے بالاتر ہے ۔

حضرت امام محمّد باقر علیہ السلام کا ارشاد ہے ۔

ان کل ما تصوّرہ احد فی عقلہ او وھمہ او خیالہ فاللہ سبحانہ غیرہ و ورائہ لانہ مخلوق والمخلوق لایکون من صفات الخالق۔

جو شخص اپنی عقل اپنے وہم اپنے خیال میں ذاتِ خدا کی حدبندی کرے گا تو وہ تصور اس کا ذہنی مخلوق ہوگا۔ خدا اس کے سوا اور ماوراء ہے۔ وہ حدبندی سے بالاتر ہے۔ مخلوق کبھی صفتِ خالق کا حامل نہیں ہوسکتا۔

حضرت امیر المومنین علیہ السّلام نے فرمایا۔

لا ینالہ غوص الفطن ولا یدرکہ بعد الھمم۔

اس کی ذات تک دانشمندی کی انتہائی گہرائیاں نہیں پہنچ سکتیں۔ اور انتہائی بلند ہمتیں اس کا ادراک نہیں کرسکتیں۔

نیز دُعائے مشلول میں حضرت کا ارشاد ہے۔

یامن لا یعلم ما ھو ولا این ھو ولا کیف ھو الا ھو۔

اے وہ کہ نہیں جانتا کیا ہے وہ کہاں ہے۔ وہ کیسا ہے وہ مگر جانتا ہے وہ۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السّلام نے فرمایا ہے۔

کلت الالسن عن غایۃ صفتہ والعقول عن کنہ معرفتہ۔

زبانیں اُس کی حدِ صفت بیان کرنے سے اور عقول اس کی کنہ معرفت حاصل کرنے سے عاجز ہیں

معرفتِ خدا کا ذریعہ مخلوقات ہی ہوسکتے ہیں

جب یہ امر ثابت و محقق ہوچکا کہ ذاتِ خدا کی کنہہ کا ادراک محال ہے تو اب ذریعہ معرفتِ خدا صرف اس کے مخلوقات ہی ہوسکتے ہیں۔ کیونکہ ہر غیرِ خدا مخلوقِ خدا ہے۔ صرف اسی کا وجود بالذات ہے اور سب کا بالغیر۔

اسی لئے حضرات آئمہ طاہرین علیہم السّلام نے فرمایا ہے۔

تکلموا فی خلق اللہ ولا تکلموا فی اللہ ایاکم والتفکر فی اللہ ولکن اذا اردتم ان تنظروا الی عظمۃ اللہ فانظروا الی عظیم خلقہ (وافی کاشانی)

خدا کی ذات میں غور و فکر نہ کرو۔ ہاں اس کی مخلوق میں تدبّر و تفکّر کرو۔ دیکھو اپنے نفس کو

ذاتِ خدا میں تدبّر و تفکر کرنے سے بچاؤ۔ البتہ جب بھی اُس کی عظمت پر نظر کرنا چاہو۔ تو اس کی مخلوق عظیم میں فکر و نظر کرو۔

اِس مضمون کی احادیث سے کتب محدثین مملو ہیں۔ تطویل کے خیال سے ہم ترک کرتے ہیں۔

لہٰذا طالبانِ معرفتِ خدا کے لئے مخلوقِ خدا میں تفکر و تدبّر سے رموزِ تخلیق و اسرارِ صنعت اور مصالح و حِکَمِ خلقت معلوم کرکے خدا کی معرفت حاصل کرنا ضروری و لازمی ہے۔ اور یہی اس کی معرفت کا طریقہ ہے۔

معرفتِ خدا کا مطلب اُس کے ماسوا سے امتیاز ہے

خدا کی معرفت کا مطلب اُس کی ذاتِ اَحدیّت کا تمام ماسوا سے امتیاز حاصل کرنا ہے یعنی ایسے آثار و صفات کے ذریعہ اُس کو پہچاننا ہے جو صرف اُس کی ذات سے مختص ہوں کسی دوسرے میں نہ پائے جائیں تاکہ وہ ان کے ذریعہ اپنے غیر سے ممتاز سمجھا جائے۔ اور اس میں کوئی شریک و سہیم نہ ہو سکے۔ ایسے امتیازات و تعینات یقیناً غیر ذات و خارج از ذاتِ خدا ہوں گے۔

لہٰذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ خدا کی معرفت، ذات کا ذریعہ غیر ذاتِ خدا ہی ہو سکتا ہے کیونکہ کُنہِ ذات کا ادراک محال ہے۔ لہٰذا اس کی ذات میں غور کرنا ہلاکت ہے۔ اور اس کے مخلوقات میں غور کرنا راہِ نجات و سبیل معرفت ہے۔ لہٰذا مخلوق اعظم میں تدبّر سے ایمان کامل و معرفت کاملہ حاصل ہو گی۔

مخلوقات اپنے تخلیقی کمال اور حکمت و مصلحت کے لحاظ سے بلند و پست ہیں

عند العقل یہ امر مسلّم ہے کہ مخلوقات کے مختلف درجات ہیں۔ بداہتہً معلوم ہے کہ تمام یکساں نہیں ہیں۔ رُوح۔ نفس۔ عقل، جوہر، عرض جسم۔ بدن وغیرہ اور اسی طرح جمادات۔ نباتات۔ حیوانات انسانات۔ جنّات۔ ملائکہ اور اسی طرح شمس۔ قمر۔ نجوم۔ زمین۔ آسمان وغیرہ سب مخلوقاتِ خدا ہیں مگر اپنی اپنی تخلیق، اپنے اپنے کمال، اپنی اپنی صنعت، اپنی اپنی حکمت۔ اپنی اپنی مصلحت۔ اپنے اپنے رموز۔ اپنے اپنے اسرار بلکہ اپنی اپنی طاقت۔ اپنی اپنی قدرت۔ اپنے اپنے علم۔ اپنے اپنے فہم کے لحاظ سے جُداجُدا آثار الگ الگ صفات علیحدہ علیحدہ اقتدار رکھتے ہیں۔ لہٰذا جس مخلوق میں جتنا کمال ہو گا۔ اُس میں تدبّر و فکر سے اتنے ہی اندازہ کا کمال اس کے خالق کی معرفت کا ذریعہ قرار پائے گا۔ یعنی ہم یہ امتیاز حاصل کر سکیں گے کہ جب مخلوق میں یہ کمال ہے تو جس نے اس کو پیدا

گیا ہے۔ وہ کس کمال کا مالک ہوگا۔ یہ تحیر ہی حقیقی معرفت ہے نہ کہ اس کے لئے حدود معین کرنا۔

افضل معرفت افضل مخلوق سے ظاہر ہوگی

جب مخلوقات میں مختلف درجات و کمالات ہیں۔ اور حکم و مصالح کے لحاظ سے پست و بلند ہیں اسی طرح غرض و غایت تخلیق کے اعتبار سے بھی بلند و پست ہیں۔ جس کی غرض خلقت سب سے بلند ہوگی وہ مخلوق سب سے بلند ہوگا۔

عند العقل یہ مسلم ہے کہ اکمل و افضل مخلوقات کے ذریعہ جو معرفت خدا حاصل ہوگی وہ بہرحال اس معرفت سے افضل ہوگی جو مفضول و مرجوح کے ذریعہ حاصل کی جائے گی بلکہ اس میں نقص کا امکان ہوگا لہٰذا حصول معرفت خدا کے لئے ہمیں عظیم مخلوق میں تدبر و تفکر کرنا لازمی ہوگا تاکہ معرفت صحیحہ نصیب ہو جیسا کہ کلام معصومین علیہم السلام سے ثابت ہے۔ "فانظروا الی عظیم خلقہ" خدا کی عظیم مخلوق میں تدبر و تفکر کرو۔

معرفت خدا کے لئے ناقص امتیاز ناقص تدبر کا اثر ہے

نیز عند العقل یہ بھی مسلم ہے کہ عقول میں بھی درجات ہیں۔ ناقص و انقص اور کامل و اکمل۔ اور یہ بھی مسلم ہے کہ ہر شخص کی عقل خداوند عالم کے حکم و مصالح اور رموز و اسرار و تخلیق اور غرض و غایت خلقت تک نہیں پہنچ سکتی۔ ہر شخص کا تدبر و تفکر خدا کی حکمتوں اور مصلحتوں کو کماحقہ نہیں سمجھ سکتا۔ حالانکہ تفکر و تدبر ہی ذریعہ معرفت ہے۔ کیونکہ اس کے سوا کوئی اور ذریعہ ممکن ہی نہیں۔ مخلوقات میں تدبر و تفکر ہی کے ذریعہ تخلیقی حکمتوں کا علم ہو سکتا ہے۔ اور اسی کے ذریعہ امتیازات حاصل ہو سکتے ہیں جو ذریعہ معرفت خدا قرار پاتے ہیں۔ لہٰذا جب تدبر و تفکر ناقص ہوگا تو معرفت خدا کے لئے جو امتیازات حاصل کئے جائیں گے وہ بھی ناقص ہوں گے کیونکہ ہر شخص اپنے فہم و عقل کے مطابق ہی حکمت و رمز تخلیق کا ادراک کر سکے گا۔ اور اسی کو ذریعہ معرفت خدا قرار دے گا۔ لہٰذا یہ بہت ممکن ہے کہ ایک مفکر نے اپنی عقل کے مطابق جو امتیازات معرفت خدا کے لئے تجویز کئے ہوں۔ وہ درحقیقت ذات خدا سے مختص ہی نہ ہوں بلکہ وہ امتیازات اس کی مخلوق عظیم میں بھی پائے جاتے ہوں مثلاً ایک مفکر نے احیاء موتیٰ اور شفائے امراض کو معرفت خدا کا امتیازی نشان قرار دے لیا مگر ایک عارف بصیر اس کو خدا کی ذات سے مختص نہیں سمجھتا بلکہ وہ اس کو حجۃ اللہ کی بھی نشانی جانتا ہے۔ اور مردہ زندہ کرنے والے اور شفا بخشنے والے

کو نبی یا امام کا درجہ بھی دیتا ہے جبکہ مقصر اس کو ربوبیت کی شناخت قرار دیکر خدا کی حد بندی کرتا ہے

اختلاف امتیازات کا حل مخلوق اکمل ہے

جب امتیازات میں اختلاف موجود ہے جس کا انکار کوئی ذی ہوش نہیں کرسکتا تو بقاعدہ لطف خداوندی رفع اختلاف کا انتظام ضروری ہوا۔ کیونکہ خداوند عالم نے کتب و رسل اسی لئے بھیجے ہیں کہ وہ اختلاف مابین کو رفع کریں۔ اور لوگ خدا کی مضبوط رسی سے متمسک ہوجائیں جو ان کی غرض خلقت ہے۔

لہٰذا رفع اختلاف کا صحیح راستہ یہی ہے کہ جو مخلوق سب سے افضل سب سے اکمل اور تمام کمالات امکانیہ کا حامل ہو۔ اس میں تدبر و تفکر کو بروئے کار لایا جائے۔ اور جب انتہائی غور و فکر کے بعد اس مخلوق اکمل کے کمالات کی حدیں مقرر نہ ہوسکتی ہوں تو یہی مخلوق اکمل ذریعہ معرفتِ خدا قرار پائے گا۔ کیونکہ جب ایک ایسا مخلوق موجود ہے جس کے لئے فضائل و کمالات کے حدود مقرر نہیں کئے جاسکتے تو اس سے یہ نتیجہ فطری طور پر برآمد ہوگا کہ اس مخلوق کا خالق کیسا ہوگا۔ اور اس کے کمالات کا کیا مقام ہوگا۔ یہ تحیر و استعجاب ہی دلیل معرفتِ خدا قرار پائے گا۔ جیسا کہ شب معراج آں حضرتؐ نے مقام دنیٰ فتدلیٰ پر مزید تحیر کا سوال کیا تھا جو حقیقی معرفت ہے۔

عند الشیعہ بلا اختلاف مسلّم ہے کہ اکمل موجودات و افضل کائنات نورِ اول ہے اور یہی حقیقتِ محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام ہے۔

لہٰذا عظمتِ خدا کی معرفت کے لئے ان ذواتِ مقدسہ کی عظمت اور قدرتِ خدا کی معرفت کے لئے ان ذواتِ عالیہ کی قدرت اور معرفت علمِ خدا کے لئے ان نفوسِ قدسیہ کا علم اور مشیت و ارادہ خدا کی معرفت کے لئے ان ذوات طیبہ کا ارادہ و مشیت زیر تدبر و تفکر لاکر خدا کی معرفت صحیح حاصل ہوگی۔ ان ذوات قدسیہ کی معرفت جس قدر بلند ہوگی اسی درجہ کی بلند معرفتِ خدا حاصل ہوگی۔ اسی لئے ان ہستیوں کی حد بندی بلحاظ کمال و خصال ناممکن ہے تاکہ تصور کمال مطلق میں تحیر پیدا ہو جو حقیقی معرفت ہے۔

حضرات محمدؐ و آلِ محمدؐ تمام کائنات کے لئے سبب معرفتِ خدا ہیں،

جب یہ امر مسلّم ہے کہ مخلوق خدا ہی ذریعہ معرفتِ خدا ہے تو جو مخلوق اوّل ہوگا وہی عقلاً اپنے بعد والی مخلوقات کے لئے ذریعہ معرفتِ خدا ہوگا بلکہ اسی نقش اول پر معرفتِ خدا موقوف ہوگی بلکہ یہی سبب

خلقت اور یہی غرض و غایت کائنات ہوگا۔ اس کے کمالات سے خدائی کمالات پر استدلال کیا جائے گا کیونکہ اس کے وجود میں کسی غیر خدا کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اس کے وجود سے پہلے کوئی غیر خدا موجود نہیں ہے۔ یہی وہ مخلوق اول ہے جو خدا کے سوا کسی شے کا محتاج نہیں ہے اس کی خلقت لاشی سے ہے۔ اس کے ماوراء تمام مخلوقات اپنے وجود میں محتاج شئے ہیں جس کو ان کی تخلیق میں دخل ہے۔ کیونکہ تمام مخلوقات اسباب و مسببات کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے۔

آبی اللہ ان یجری الامور الا بالاسباب۔ قانونِ قدرت مقدر ہو چکا ہے کہ تمام اشیاء اسباب و مسببات ہی کے ماتحت جاری ہوں۔ لہٰذا ہمیں علتِ غائیہ کائنات، اول الموجودات، اکمل المخلوقات یعنی حضرات محمد و آلِ محمد علیہم السلام ہی کے ذریعہ صحیح معرفتِ خدا حاصل ہو سکتی ہے۔ ان ہستیوں کو اپنے اور اپنے خدا کے درمیان وسیلہ قرار دے کر ہی خدا تک پہنچا جا سکتا ہے۔ چنانچہ احادیث متظافرہ سے ثابت ہے کہ حضرات معصومین علیہم السلام ہی سبب تخلیق کائنات اور سبب معرفتِ خدا بلکہ سببِ بقاء کائنات ہیں۔

اِن ہی کے ذریعہ تمام عوالم نے معرفتِ خدا، تسبیح و تحمید، تکبیر و تہلیل" حاصل کی ہے۔ یہی حضرات معلم کائنات ہیں۔ اور عالم ارواح میں تمام روحانیین اور انبیاء و مرسلین کے ہادی اور تمام ملائکہ آسمان و زمین کے معلم ہیں یہ نہ ہوتے تو خدا کی معرفت نہ ہوتی۔ خدا کی عبادت نہ ہوتی۔ یہی واقف رموز و اسرار خلقت ہیں۔ ان ہی کے حضور میں کائنات کا وجود ہوا۔ یہی حضرات شاہد خلق قرار دیئے گئے۔ ان ہی کو خداوند عالم نے راعی و حاکم کائنات بنایا۔ اور تمام اشیاء عالم پر ان کی اطاعت اور تعمیل حکم واجب و لازم قرار دی۔ یہ جس کو چاہیں، جس طرح چاہیں حکم دیں۔ اسے اطاعت کرنا لازم و واجب ہے۔ جیسا کہ ہم "حقائق الوسائط جلد اول" میں مفصل طور پر مع دلائل تحریر کر چکے ہیں۔ ان کے اختیارات اور ان کے لئے اطاعت مخلوقات حتیٰ الجمادات حسب تحقیق انیق غواص بحار اخبار آئمۃ اطہار علامہ مجلسیؒ بھی درج کر چکے ہیں۔

لہٰذا حصولِ معرفتِ خدا کے لئے اپنے عقول ناقصہ کے پیدا کردہ امتیازات کو باطل سمجھ کر رموز تخلیق و اسرار تکوین ان ہی حضرات سے حاصل کیجئے۔ حدیث مفضل اور روایات ابن حیان اور دیگر اصحاب اور خطبہ طاؤس و خفاش اور خلقت آسمان و زمین اور خلقت ارواح و نفوس اور جن و ملک وغیرہ کے رموز و حِکَم ان ہی حضرات کے ارشادات سے حاصل کیجئے۔ کیونکہ جو علم ان کے ذریعہ نہیں پہنچا۔ وہ جہل ہے۔

خود ساختہ وسائل کو ذریعہ تقرب خدا قرار دینا شرک ہے

درحقیقت "مشرکین" منکر وجودِ خدا نہ تھے بلکہ موجد عالم کو فطری و بدیہی جانتے تھے۔ چنانچہ ارشادِ رب العزت ہے۔

ولئن سالتھم من خلق السموات والارض لیقولن اللّٰہ۔

اور اگر تم ان سے دریافت کرو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو یقیناً وہ کہیں گے اللہ نے۔

معلوم ہوا کہ مشرکین وجودِ خدا کے قائل و معتقد تھے مگر انہیں پھر بھی مشرک کہا گیا۔ اس کی وجہ قرآن مجید میں صاف طور پر یوں مذکور ہے۔ والذین اتخذوا من دونہ اولیاء ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفیٰ (سورہ زمر)

"اور جن لوگوں نے خدا کے سوا از خود کارساز بنا لئے ہیں ان کا کہنا ہے کہ ہم ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں خدا سے زیادہ قریب کر دیں۔

آیہ وافی ہدایہ سے بالصراحۃ ثابت ہے کہ مشرکین منکرِ خدا نہ تھے بلکہ انہوں نے وجودِ خدا کو تسلیم کرتے ہوئے تقربِ خدا حاصل کرنے کے لئے خود وسیلے بنا لئے تھے۔ جن کی بنا پر انہیں مشرک کہا گیا ہے۔ کیونکہ تقربِ خدا کا وسیلہ مقرر کرنا خدا کے اختیار میں ہے۔ وہ جس کو چاہے وہ خود پیدا کرے اور وسیلہ قرار دے۔ جیسا ارشادِ قدرت ہے۔

وربک یخلق ما یشاء و یختار ما کان لھم الخیرۃ سبحان اللہ وتعالیٰ عما یشرکون (سورہ قصص)

اور تمہارا رب جس کو چاہے خلق کرے۔ اور منتخب کرے۔ لوگوں کو انتخاب کا حق نہیں ہے۔ خدا ہر نقص و عیب سے پاک اور جس میں لوگ شرک کرتے ہیں اس سے بلند و برتر ہے۔

آیۂ مذکورہ سے واضح طور پر ثابت ہے کہ خود ساختہ وسائل کو ذریعہ تقرب خدا قرار دینا شرک ہے کیونکہ وسیلہ تقرب کی تخلیق و تعیین خود خدا کے اختیار میں ہے ـــ ان دونوں آیتوں کو ملا کر پڑھنے اور غور و فکر کرنے سے بآسانی اس نتیجہ پر پہنچا جا سکتا ہے کہ اگر خداوند عالم کے مقررہ وسیلۂ تقرب کو کارساز تسلیم کیا جائے اور اسی کو ذریعۂ تقرب خدا سمجھا جائے تو شرک نہیں ہے بلکہ ایمان کی نشانی اور فطرت صحیحہ ہے۔

مقدمات مذکورہ کی روشنی میں اعرفوا اللہ باللہ کی توجیہ

حدیث مذکور میں دو دفعہ لفظ اللہ مذکور ہے۔ جس کا ترجمہ ہے "اللہ کو اللہ سے پہچانو" پہلا لفظ اللہ معرَّف ہے (زبر کے ساتھ) جس کی معرفت مقصود ہے۔ اور دوسرا معرِّف ہے (زیر کے ساتھ) جس کے ذریعہ معرفت مقصود ہے۔ اگر ان دونوں مقام میں لفظ اللہ کا استعمال ایک ہی معنی میں تسلیم

کیا جائے گا۔ تو عبارت کا مطلب یہ ہوگا کہ جس کا امتیاز مقصود ہے وہ مخفی وغیر معلوم ہے۔ اور جس کے ذریعہ امتیاز مقصود ہے۔ وہ بھی مخفی وغیر معلوم ہے تو مخفی کا مخفی سے غیر معلوم کا غیر معلوم سے تعارف وامتیاز لازم آئے گا جو عند العقل باطل ہے۔ یعنی لفظ اللہ جس کی معرفت مقصود ہے۔ وہ مخفی ہے۔ اور جس لفظ اللہ کے ذریعہ معرفت مقصود ہے وہ بھی مخفی ہے تو اس صورت میں لازم آئے گا کہ علم شی قبل علم شے حاصل ہو جو باطل ہے۔ لہٰذا ذریعہ معرفت کا علم جلی ہوگا۔ اور جس کی معرفت مقصود ہے۔ اس کا علم خفی ہوگا۔ لہٰذا عدم علم میں دونوں یکساں نہیں ہو سکتے کیونکہ امر مجہول کو امر مجہول سے حاصل کرنا محال ہے۔ لہٰذا ذریعہ معرفت کا علم جلی ہوگا۔ اور جس کی معرفت مقصود ہے۔ اس کا علم اس کے مقابلہ میں خفی ہوگا لہٰذا لفظ اللہ دونوں مقام پر ایک ہی معنی میں مستعمل نہیں ہو سکتا بلکہ من وجہ دونوں میں فرق ہوگا۔

اس دلیل عقلی کے بعد ہر صاحب عقل سلیم کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ پہلا لفظ اللہ جس کی معرفت مقصود ہے وہ اپنے معنی کے لحاظ سے مخفی وغیر معلوم ہے۔ اور دوسرا لفظ اللہ جس کے ذریعہ معرفت وامتیاز حاصل کرنا مقصود ہے وہ پہلے کے مقابلہ میں جلی ہے لہٰذا دونوں جدا جدا معنی میں مستعمل قرار دیئے جائیں گے۔

جدا جدا معنی میں استعمال کی ایک صورت یہ ہو سکتی ہے کہ پہلا لفظ اللہ بلحاظ مسمّٰی استعمال ہو۔ اور دوسرا لفظ اللہ بلحاظ اسم مستعمل ہو۔ جس کے معنی یہ ہوں گے کہ اسم کے ذریعہ مسمّٰی کو پہچانو۔

یعنی پہلا لفظ اللہ مُعَرَّف ہوگا جس کو شناخت کرنا ہے۔ اور دوسرا لفظ اللہ مُعَرِّف ہوگا۔ جو شناخت کا ذریعہ ہے۔

خداوند عالم نے لفظ اللہ کو جس معنی کے لئے پیدا کیا ہے۔ وہ معنی پہلے لفظ اللہ سے مراد لئے جائیں اور دوسرے لفظ اللہ کو اسم قرار دیا جائے جو ذریعہ امتیاز ہو یعنی اس حدیث کا پہلا لفظ "اللہ" بمعنی مسمّٰی اور دوسرا بمعنی اسم مراد لیا جائے۔ چنانچہ امام رضا علیہ السّلام اور امام محمد تقی علیہ السّلام کے خطبات توحید کی روشنی میں یہ توجیہ حدیث زیادہ وجیہ معلوم ہوتی ہے۔

خلاصہ خطبات ملاحظہ کیجئے۔

خداوند عالم نے حروف اور ان کی صورتیں اور ہجی اور تقطیع اور اصوات کو خلق فرمایا یعنی لفظ "اللہ" اور اسی طرح لفظ "رب" وغیرہ مخلوق ہیں۔ ان کو خدا نے اپنے ذکر کے لئے ایجاد فرمایا۔ تاکہ ان کے ذریعہ اس کو پکارا جائے۔ اور یاد بھی کیا جائے وہ موجود تھا جبکہ ذکر کا وجود نہ تھا نہ حروف تھے نہ ان کی شکلیں نہ آواز تھی نہ پکارنے والا یعنی مسمّٰی تھا مگر اس کے لئے کوئی اسم نہ تھا معنی "اللہ" تھے مگر اسم "اللہ" نہ تھا معنی "رب" تھے۔ مگر اسم "رب" نہ تھا معنی "خالق" تھے مگر اسم "خالق" نہ تھا۔ معنی "عالم" تھے مگر

اسم عالم نہ تھا۔ یعنی الٰہ تھا جبکہ کوئی مالوہ نہ تھا۔ رب تھا جبکہ کوئی مربوب نہ تھا۔ خالق تھا جبکہ کوئی مخلوق نہ تھا عالم تھا جبکہ کوئی معلوم نہ تھا سمیع تھا جبکہ کوئی مسموع نہ تھا۔ لہٰذا حدیث معصوم سے ثابت ہوگیا۔ کہ ہستی تھا مگر اسماء کا وجود نہ تھا معترَف تھا مگر معترِف کا وجود نہ تھا۔

لفظ "اللہ" اور لفظ "رب" اسی طرح لفظ "رحمٰن" اور لفظ "رحیم" سب مخلوق ہیں ان کے حروف مخلوق ان کی صورتیں مخلوق ان کے نقوش مخلوق ان کا تلفظ مخلوق ان حروف سے جو مرکب ہوا وہ مخلوق مثلاً اللہ مجموعہ ہے۔ ا۔ل۔ل۔ا۔ہ کا اسی طرح لفظ رب مجموعہ ہے ، ر۔ب۔ب کا۔ اسی طرح لفظ رحمٰن رحیم کو مجھ لیجئے۔ جب یہ الفاظ اپنی ترکیب میں حروف کے محتاج ہیں۔ اور صاحب اجزاء ہیں تو یقیناً حادث و مخلوق ہیں۔ ان کا وجود اگر بصورت کتابت ہوگا یعنی کسی شے پر تحریر کئے جائیں گے تو اس صورت میں اپنے کاتب کے محتاج ہوں گے۔ اور اگر بصورت صوت ہوگا تو لا محالہ یعنی بولنے والے کے محتاج ہونگے یعنی ان سے پہلے کوئی ناطق ہوگا۔

لہٰذا لفظ اللہ اور لفظ رب وغیرہ کا وجود مؤخر ہوگا اور ان کا کاتب یا ناطق مقدم ہوگا۔ کاتب و ناطق درحقیقت۔ ان کا معترف ہوگا وہی ان کا تعارف کرائے گا۔ اسی کے ذریعہ عالم ظہور میں آئیں گے ورنہ بغیر کتابت و نطق ان کا وجود ہی نہیں ہوسکتا۔

لہٰذا جب مخلوق مقدم کے ذریعہ یہ اسماء پہچانے جائیں گے وہ ان کے لئے معترِف و اسم قرار پائے گا یعنی اپنے ماسوا سے امتیاز کرانے والا۔ لہٰذا یہ الفاظ جن کے ذریعہ ظہور میں آئے اور جن کے ذریعہ ان کا صدور ہوا وہ ذوات مقدسہ ان کے لئے بہترین اسماء قرار پائیں گے جن کے ذریعہ ان کی معرفی ہوئی ہے اگر وہ ذوات مقدسہ نہ ہوتے تو ان کا وجود ہی نہ ہوتا۔ ان ہی حضرات نے ان الفاظ کو اپنے نطق سے وجود بخشا۔ لہٰذا یہ الفاظ اپنے وجود میں مخلوق اول سے مؤخر اور اپنے ظہور میں اس کے محتاج ہوں گے۔

اس مقصد کی تائید جناب شیخ صدوق رہ کی کتاب اکمال اور کتاب عیون اخبار رضا اور علل الشرائع سے بھی ہوتی ہے جس میں مندرجہ ذیل فقرات موجود ہیں کہ جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا۔

اول ماخلق اللہ ارواحنا فانطقنا بتوحیدہ و تمجیدہ ثم خلق الملائکۃ فلما شاھدوا ارواحنا نوراً واحداً استعظموا امورنا فسبحنا لتعلم الملائکۃ انا خلق مخلوقون وانہ منزہ عن صفاتنا۔

جناب امام رضا علیہ السلام نے اپنے آباء طاہرین علیہم السلام کے سلسلہ سے حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی سند سے یہ حدیث طویل بیان کی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا۔

سب سے اول خدا نے ہمارے ارواح کو خلق فرمایا اور ہمیں اپنی توحید و تمجید کا نطق عطا فرمایا۔ پھر ملائکہ کو خلق کیا۔ جب انہوں نے ہمارے ارواح کو نور واحد مشاہدہ کیا تو انہوں نے اپنی نظر میں ہماری شان کو عظیم سمجھا ہم نے فوراً تسبیح شروع کر دی تاکہ ملائکہ کو علم ہو جائے کہ ہم خدا نہیں ہیں بلکہ اس کے مخلوق ہیں اور وہ ہماری شان سے بلند و بالا اور ہماری صفات سے منزہ ہے۔

اِس حدیث سے ہمارا مقصد نہایت مستحکم اور مضبوط ہو گیا۔ یعنی ان بزرگواروں کے نطق سے اسماء و صفاتِ خدا وجود و ظہور میں آئے۔ لہٰذا جس طرح یہ حضرات الفاظ مذکورہ کے معانی کے مُعرّف ہیں۔ اسی الفاظ کے بھی مُعرّف ہیں۔ یعنی جس طرح معرفت معنی "اللّٰہ" کا سبب ہیں۔ اسی طرح معرفت لفظ کا بھی سبب ہیں۔ یعنی اگر یہ حضرات نہ ہوتے تو عبارت عبادت خدا نہ ہوتی نہ عبارت تسبیح و تقدیس۔ نہ عبارت تحمید و تہلیل۔ لہٰذا جس طرح معانی عبادت و تسبیح و تحمید وغیرہ ان کے ذریعہ وجود میں آئے۔ اسی طرح عبارات و الفاظ عبادت و تسبیح و تکبیر و تحمید وغیرہ ان کے دم قدم سے وجود میں آئے۔ لہٰذا جس طرح ذاتِ خدا کی معرفت کا سبب ہیں۔ اسی طرح الفاظ و عبارات معرفت کا بھی سبب ہیں جن کے ذریعہ خدا کو پکارا جاتا ہے۔ اور اس کی عبادت کی جاتی ہے۔ اسی لئے اسمائے خدا توقیفیہ ہیں۔ لہٰذا یہ ذواتِ عالیہ الفاظ "اللّٰہ" رب، رحمٰن، رحیم، قادر۔ عالم۔ سمیع و بصیر وغیرہ تمام اسماء و صفات کے معانی کی معرّفی کرانے والے ہیں۔ اسی طرح ان کے الفاظ و عبارات کی بھی معرّفی کرانے والے ہیں۔ اور ان اسماء کے حروف و صوَر اور ہجّی و تقطیع سے مقدّم ہیں۔ لہٰذا یہ حضرات حقیقی مُعرّف ہیں ذاتِ خدا کے لئے بھی اور اسماء و صفاتِ خدا کے لئے بھی۔ یہ ذواتِ قدسیہ دونوں اعتبار سے اسم ہیں بلحاظ معنی بھی اور بلحاظ الفاظ و عبارات بھی یعنی امتیاز کرانے والے اسم کے بھی اور مسمّٰی کے بھی۔

توجیہ مذکورہ سے حدیث کا مطلب واضح ہو جاتا ہے کوئی اشکال و ابہام ان تشریحات کے بعد باقی نہیں رہتا۔

اعرفوا اللہ باللہ کا مطلب یہ ہو گا کہ اللہ کو جو مسمّٰی ہے پہچانو اللہ سے جو اسم ہے پہلا لفظ "اللہ" معنی مسمّٰی قرار دیا جائے گا۔ اور دوسرا لفظ "اللہ" بمعنی اسم۔ اس مطلب کی تائید قرآن مجید کے مندرجہ ذیل آیات سے بھی ہوتی ہے۔

(۱) لقد سمع اللہ قول الذین قالوا ان اللہ فقیر و نحن اغنیاء (سورہ آل عمران)

اللہ نے یقیناً ان لوگوں کی بات سن لی ہے جنہوں نے کہا ہے کہ اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں۔

اِس آیت میں پہلے لفظ اللہ سے مراد مسمّٰی ہے یعنی خود ذاتِ خدا۔ جس نے کافروں کا قول سنا ہے

اور دوسرے لفظ اللہ سے مراد اسم ہے جس کے ذریعہ وہ پہچانا گیا ہے۔ جس کو فقیر کہا گیا ہے کیونکہ انہوں نے خدا کو دیکھا ہی نہیں ہے۔ تاکہ انہیں اس کی ضیق معیشت و معاش اور عشرت و تنگدستی کو دیکھ کر اُس کی فقیری معلوم ہو سکے۔ لہٰذا جس لفظ اللہ کی طرف فقیری کی نسبت دی گئی ہے اُس سے مُراد خدا نہیں ہو سکتا بلکہ اس کا اسم مُراد ہے جس کے ذریعہ خدا کو پہچانا گیا ہے۔ اور وہ یہی ذواتِ مقدسہ ہیں جن کے فقر و فاقہ کو دیکھ کر فقیری کی نسبت دی گئی ہے۔ ان ہی کو لفظ اللہ سے ذکر کیا گیا ہے۔ حضرات معصومین علیہم السّلام نے آیہ مذکورہ کی یہی تفسیر بیان فرمائی ہے۔ چنانچہ تفسیر قمی کے حوالہ سے مرأۃ الانوار میں بھی یہی تاویل منقول ہے۔ (مرأۃ الانوار صفحہ ۴۲)

(۲) ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللّٰہ فیسبوا اللّٰہ عدوا بغیر علم (سورہ انعام)

اور تم ان لوگوں کو دشنام نہ دو جو خدا کے سوا کو پکارتے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ بغیر سوچے سمجھے اللہ کو زیادہ گالیاں دیں گے۔

اس آیت میں بھی پہلے لفظ اللہ سے مُراد مسمّٰی ہے۔ یعنی ذاتِ خدا اور دوسرے لفظ اللہ سے مراد اسم ہے۔ یعنی جو لوگ اللہ کو چھوڑ کر غیر کو پکارتے ہیں۔ اس فقرہ میں لفظ اللہ سے مراد خود ذاتِ خدا ہے کیونکہ اس کو چھوڑ کر کافروں نے خود ساختہ بُتوں کو کارساز سمجھ کر پکارا ہے۔ اور دوسرا لفظ اللہ جس کو گالیاں دینے کا ذکر ہے۔ اِس سے مُراد اسم اللہ ہے جو ذاتِ خدا کی طرف دعوت دیتا ہے۔ اور اُس کی مُعرّفی کراتا ہے۔ کیونکہ دنیا میں آج تک کسی نے بھی اللہ کو گالیاں نہیں دی ہیں بلکہ کافر اس کا تقرّب حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا پہلے لفظ اللہ سے مسمّٰی اور دوسرے سے اسم مُراد ہے۔ حضرت معصومین علیہم السّلام نے آیۂ مذکورہ کی یہی تفسیر بیان فرمائی ہے (چنانچہ مرأۃ الانوار صفحہ ۴۲ پر یہی منقول ہے)

(۳) واذا ذکر اللّٰہ وحدہ اشمازت قلوب الذین لا یومنون بالاخرۃ واذا ذکر الذین من دونہ اذا ھم یستبشرون (سورۂ زمر)

اور جب بھی صرف لفظ اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو جن کا ایمان آخرت پر نہیں۔ ان کے دل نفرت کرنے لگتے ہیں۔ اور جب اللہ کے سوا دوسروں کا ذکر کیا جائے تو اس وقت خوش ہونے لگتے ہیں

اس آیت میں اگرچہ لفظ اللہ سے مُراد ذاتِ خدا ہے مگر یہ بتایا گیا ہے کہ جب اولیاء اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے جو محمدؐ و آل محمد علیہم السّلام ہیں تو ان کے ذکر سے ناصبیوں کو نفرت ہوتی ہے اور اپنا منہ بگاڑ لیتے ہیں۔ اور جب ان کے پسندیدہ لوگوں کا ذکر ہوتا ہے۔ تو خوشی سے باچھیں کھل جاتی ہیں۔ چنانچہ تفسیر البرہان جلد ۲ صفحہ ۹۳ میں امام محمد باقر علیہ السّلام سے یہی مرقوم ہے۔ نیز تفسیر قمی کے حوالہ سے

مرادۃ الانوار میں اس آیت کی یہی تاویل مذکور ہے (مرآۃ الانوار صفحہ)

قرآن مجید کی آیاتِ باہرہ سے ہماری توجیہ کی مکمل تائید ہوتی ہے۔ اور یہ امر واضح ہو جاتا ہے۔ کہ قرآن مجید میں لفظ اللہ کبھی مسمّیٰ کے لئے استعمال ہوتا ہے اور کبھی اسم کے لئے۔

اسم وہ ہے جس کے ذریعہ مسمّیٰ کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ اور دوسروں سے ممتاز ہو جاتا ہے چونکہ محمد و آلِ محمد علیہم السّلام کے ذریعہ معرفت خدا حاصل ہوئی ہے اور ان ہی حضرات کے ذریعہ خداوندِ عالم اپنے ماسوا سے ممتاز ہوا ہے۔ لہٰذا یہ حضرات اسماء اللہ ہیں۔ اور بہترین اسماء اللہ ہیں۔ یعنی اسم اللہ کے لئے اسم ہیں۔ یعنی اسم اللہ کی معرفت کرانے والے بھی اور مسمّیٰ اللہ کی بھی۔

اسماءِ حسنیٰ محمدؐ و آلِ محمدؐ ہیں

ارشادِ ربّ العزت ہے۔

وللہ الاسماء الحسنیٰ فادعوہ بھا وذروا الذین یلحدون فی اسمائہ۔

اور خداوندِ عالم کی (معرفت حاصل کرنے کے لئے اسمائے حسنیٰ (اچھے اچھے بہترین نام) ہیں تو تم اسے ان ہی کے ذریعہ پکارو اور اُن لوگوں کو چھوڑ دو جو اُسکے اسمائے حسنیٰ میں طعن کرتے ہیں۔

امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا خدا کی قسم ہم ہی خدا کے اسمائے حسنیٰ ہیں۔ ہماری معرفت کے بغیر خدا کسی کے عمل کو قبول نہیں کرے گا۔ خدا کی معرفت صحیح جب تک نہ ہو کوئی عبادت و عمل قبول نہیں ہوگا۔ معرفتِ صحیح ان کے بغیر ہو نہیں سکتی۔ لہٰذا ان کی معرفت کے بغیر جو بھی عمل کرے گا۔ قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ معرفتِ خدا حاصل کر کے عمل نہیں کیا گیا بلکہ اپنے قیاسی خدا کے حکم پر عمل کیا گیا ہے خواہ اس کا عمل اتفاقیہ صحیح بھی ہو تب بھی قبول نہیں کیا جائیگا۔

لہٰذا اسمائے حسنیٰ یعنی محمد و آل محمد علیہم السلام کی معرفت کے بغیر معرفت خدا حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہی وہ اسماء اللہ ہیں۔ جن کے وجودِ مبارک سے خدا پہچانا گیا۔

امام رضا علیہ السلام نے فرمایا۔

جب تم پر کسی قسم کی بلا و مصیبت آپڑے تو ہمارے ذریعہ خدا سے مدد حاصل کرو کیونکہ خدا کے ارشاد وللہ الاسماء الحسنیٰ فادعوہ بھا کا مقصد یہی ہے کہ اپنے مشکلات حل کرنے کے لئے ہم سے تمسک کرو۔

امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا ہے۔

لا یطاع من لا یعرف من لا یطاع (شموس طالعہ ص)

کسی شخص کی اطاعت نہیں کی جاسکتی۔ جب تک اس کی معرفت حاصل نہ کی جائے اور اسی طرح کسی کی معرفت حاصل نہیں کی جاسکتی۔ جب تک وہ مطاع نہ ہو۔ یعنی اسکی اطاعت کرنی ضروری ہو لہذا جب تک محمدؐ و آل محمدؐ کی اطاعت فرض نہ ہوگی اس وقت تک ان کی معرفت حاصل نہیں کی جائے گی۔ اور جب تک ان کی معرفت حاصل نہ کی جائے گی تو ان کی اطاعت نہ ہو سکے گی۔ اور جب اطاعت ہی نہ ہوگی تو ان کے ہدایات وارشادات پر عمل ہی نہ ہوگا۔

جب تک ان کے ارشادات کی تعمیل نہ ہوگی معرفتِ خدا حاصل نہ ہوگی۔ لہذا کوئی عمل قبول نہیں ہو سکتا۔ جب تک ان ذواتِ مقدسہ کی معرفت اور ہدایات کے مطابق معرفتِ خدا حاصل نہ ہو جس کے بعد عمل قابل قبول ہوتا ہے۔

دیگر احادیث میں جہاں بھی اللہ کو اللہ سے پہچاننے کا صراحۃً یا کنایۃً تذکرہ نظر آئے اس کا مطلب بھی یہی ہو سکتا ہے جو ہم نے بیان کر دیا ہے۔

اصحاب آئمہ علیہم السلام نے بھی جہاں اس مضمون کا ذکر کیا ہے اس کا مطلب وہی سمجھنا چاہیئے جو ہم نے درج کر دیا ہے۔

چنانچہ منصور بن حازم نے حضرتِ امام جعفر صادق علیہ السلام سے اپنے مناظرہ کا ذکر کرتے ہوئے عرض کیا کہ میں نے ان لوگوں سے کہا۔

انّ اللّٰہ جلّ جلالہ اجل واعزّ واکرم ان یعرف بخلقہ بلِ العباد یعرفون باللّٰہ

یعنی اللہ جلّ جلالہ کی ذات بلند و بالا ہے۔ اس سے کہ وہ اپنی مخلوق کے ذریعہ پہچانا جائے۔ بلکہ بندگانِ خدا خود اللہ کے ذریعہ پہچانے جاتے ہیں۔

حضرت نے منصور کا کلام سن کر فرمایا خدا تم پر رحم کرے۔

اس معرفت سے مُراد معرفت کنہِ ذات ہے کیونکہ وہ مخلوقات کے ذریعہ سے بھی حاصل نہیں ہو سکتی بلکہ عقلاً اس کا حصول محال ہے۔ ہاں بندگانِ خدا کی حقیقت خدا کے ذریعہ پہچانی جاتی ہے کیونکہ وہ جن کو علم عطا کرتا ہے۔ وہی حقائق کو پہچانتے ہیں۔

لہذا عبارتِ مذکورہ کا مطلب یہ ہوا کہ کنہِ ذاتِ خدا اس کے مخلوقات کے ذریعہ نہیں پہچانی جا سکتی وہ اس سے اجل و ارفع ہے۔ عقول و افہام اس کے ادراک سے عاجز ہیں۔ البتہ اس کے بندے خود اس کے ذریعہ پہچانے جاتے ہیں کیونکہ انہیں علم و فہم اور قوّت و قدرت عطا کرنے والا وہی ہے

وہ اگر انہیں کمال نہ دیتا تو یہ ہرگز نہ پہچانے جاتے۔

کلام منصور ابن حازم کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ خدا کی معرفت اس معنی سے بھی ناممکن ہے کہ اس کی ذات اپنے ماسوا سے ممتاز ہو کیونکہ معرفتِ خدا کا مطلب ہی یہی ہے کہ وہ کسی شئے کے مشابہ نہ سمجھا جائے بلکہ ہر شئے سے ممتاز ہو نہ کہ اس کی کنہہ معلوم کی جائے جو کسی بھی مخلوق کے ذریعہ ممکن نہیں ہے۔ اسی معرفت کی نفی کی گئی ہے۔ لہٰذا صحیح معرفت اسی وقت حاصل ہوگی۔ جب اس کی عظیم مخلوق میں غور و فکر و تدبّر کیا جائے گا نہ کہ اس کی ذات میں جو شرعاً و عقلاً ممنوع ہے۔ خداوند عالم نے آیات کثیرہ میں اپنے مخلوقات میں تدبّر و تفکّر کا حکم اسی لئے دیا ہے کہ اس کی معرفت ان کے ذریعہ حاصل ہو۔ ثبوت خدا کے لئے بھی آئمہ طاہرین نے فطرت کو جھنجوڑنے کے لئے یہی طریق استدلال بیان فرمایا ہے جیسا کہ ہم درج کر چکے ہیں صحیفۂ کاملہ کی دعا کا بھی یہی مطلب ہے کہ خدا کی کنہہ ذات اس کے مخلوقات کے ذریعہ حاصل نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ خود اس کی ذات کے محتاج ہیں پھر کیونکر مخلوق محتاج اس کی کنہہ ذات کی رہنمائی کر سکتا ہے۔ البتہ اس کے ذریعہ امتیاز خدا حاصل ہو سکتا ہے۔ جب کہ اس کی تخلیقی حکمتوں میں غور و خوض کیا جائے نہ کہ ذاتِ خدا میں جو سببِ ہلاکت ہے اور یہ طرق معرفت بھی اسی کی توفیقات سے حاصل ہوتے ہیں۔ کیونکہ ذرائع معرفت کا خالق وہی ہے۔

اہل بیت سے منحرف کرنے کی معاندانہ مہم خبث باطن کی دلیل ہے

قائلین نے اپنے مؤلفات و بیانات میں مہم جاری کی ہے کہ خدا کو خدا سے پہچانو۔ اور کسی کو درمیان میں نہ لاؤ۔ جس کا مقصد ہے کہ محمدؐ و آلِ محمد علیہم السّلام کو خدا اور بندہ کے درمیان سے ہٹا دو شیطانی عقیدہ پر عمل کرو۔ خدا کے سوا کسی کی عظمت کو تسلیم نہ کرو۔ اور نہ کسی کے کمالات کے سامنے سرنگوں ہو۔ اور نہ کسی کو مشکلات میں پکارو۔ اور نہ کسی کو خدا تک پہنچنے کا ذریعہ بناؤ۔ اور نہ اس کی معرفت حاصل کرنے میں کسی سے مدد لو یعنی مخلوق کو آلۂ معرفت نہیں بنانا چاہئے۔ بلکہ خدا کو خدا ہی کے ذریعہ پہچاننا چاہیئے۔ یہی مولوی خالصی کی تعلیم ہے بلکہ ان کو عاجز بندہ اپنی طرح سمجھو۔ مچھر مکھی کے مانند بلکہ مچھر مکھی سمجھو۔ اور اپنے جیسا البشر قرار دو۔ اور بس اللہ اللہ خیر سلاّ۔

الحمد للہ ہمارے سابقہ مضامین سے یہ مہم ناکام ہوگئی۔ کیونکہ ہم نے دلائل عقلیہ سے ثابت کر دیا ہے کہ تمام مخلوقات اپنا رابطہ خدا سے پیدا کرنے میں وسیلہ کے محتاج ہیں۔ اور وہ مخلوق اوّل ہے جو سبب معرفت و عبادتِ خدا ہے۔ بلکہ عبدہ معرفت ہے سلسلہ معرفت کا نقطہ اعلیٰ ہے۔ جس کے ذریعہ تمام

کائنات کو نعمت معرفت نصیب ہوئی۔ جس کو جتنی معرفت حاصل ہوئی۔ وہ اسی نورِ اول کے طفیل یہ نہ ہوتے تو نہ اسماء و صفات خدا پہچانے جاتے اور نہ اس کا مسمّیٰ و معنی یہی حضرات سلسلہ بدو میں اوّل اور سلسلہ عود میں آخر ہیں۔

ان حضرات عالیہ کو حصول معرفت تخلیقی۔ من جانب خدا پیدائش میں عطا کی گئی ہے یہی حضرات اس کے حضور میں عرض کر سکتے ہیں کہ ہم نے تجھ ہی تجھے پہچانا ہے۔ ان کے سوا کائنات کی کسی فرد کو بھی بلا واسطہ ذواتِ مقدسہ معرفت حاصل نہیں ہوئی اور نہ ہو سکتی ہے بلکہ کافروں کی زبان پر اگر لفظ اللہ آیا۔ تو ان ہی حضرات کے صدقہ میں سلسلہ بہ سلسلہ پہنچا۔ اس کے پکارنے کے لئے الفاظ و کلمات اور اسماء و صفات اور ان کے معانی و مفاہیم ان ہی "اسماء اللہ و کلمات اللہ کے ذریعے پہنچے ہیں۔ یہی اللہ کے اسماء حسنیٰ ہیں اور یہی اس کے کلمات علیا ہیں اور یہی اس کی آیت کبریٰ اور حجت عظمیٰ ہیں۔ ہم نے ان ہی ذواتِ مقدسہ کے ذریعہ اور ان ہی کی معرفی سے معرفت و عبادت حاصل کی ہے۔ جس کے بعد ہم اس قابل ہوئے کہ اس کے معینہ اسماء و صفات سے اس کو پکاریں اور اس سے توفیقات کی استدعا کریں اور ان ہی حضرات کے سمجھائے ہوئے طریقہ کے مطابق اسی کو معبود قرار دیں۔ اور ان ہستیوں کا خالق اور ان کے کمالات کا معطی اور ان کے اقتدار کا واہب سمجھیں۔ ان ہی کے واسطہ سے خدا سے فیوض و برکات طلب کریں اور مشکلات حل کرائیں۔ ان ذواتِ قدسیہ کو اپنے اور خدا کے درمیان کسی لمحہ بھی جدا نہ سمجھیں۔ یہی "حجۃ اللہ قبل الخلق و مع الخلق و بعد الخلق" ہیں۔ تمام کائنات کو فیوض و برکات ان ہی کی معرفت پہنچتے ہیں خواہ ہم سمجھیں یا نہ سمجھیں حقیقت نفس الامری یہی ہے۔

مزید تفصیلات کے لئے "حقائق الوسائط" جلد اوّل" کا مطالعہ کریں

قالیوں نے خدا کو اپنے مثل بنا ڈالا

مؤلف احسن الفوائد نے اپنی کتاب کے ص۱۹ پر ایک عظیم غلطی کا ارتکاب کیا ہے کہ خداوند عالم کے صفات افعال کی حقیقت کو نہ سمجھتے ہوئے لکھ دیا کہ ایک وقت وہ تھا کہ خداوند عالم موجود تھا لیکن بالفعل خالق و رازق نہ تھا بلکہ اب بھی بعض چیزوں کا خالق نہیں ہے۔

خداوند عالم کے لئے بالفعل اور بالقوہ کا استعمال قطعاً باطل ہے یہ الفاظ صرف ممکن الوجود کیلئے اصطلاح ہے۔ کیونکہ ممکن الوجود مستقبل کے لحاظ سے کسی شئے کا فاعل نہیں کہلا سکتا۔ جن کی وجہ

اس کا مقید بزبان و بمکان ہونا ہے وہ ماضی و حال و مستقبل میں محدود ہے۔ اس لئے یہ کہنا درست ہے کہ وہ جب نہ تھا تو کسی کا فاعل بھی نہ تھا اور جب نہ ہوگا تو کسی شے کا فاعل بھی نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ زمانہ و وقت کی کڑیوں میں جکڑا ہوا ہے مگر خداوند عالم کے لئے زمانہ کی نسبت دینا خواہ کسی بھی فعل کے لئے ہو قطعاً غلط ہے۔ اس کے لئے تمام ازمنہ شہود میں ہیں۔ "تھا اور ہے اور ہوگا کے الفاظ" ہمارے لئے ہیں۔ اُس کی ذات یا صفات کو اوقات کے ساتھ محدود کرنا معرفت توحید سے نابلد ہونے کی دلیل ہے۔

چنانچہ حضرت علامہ کاشانی رہ کی کتاب وافی ص۸۰ پر تحریر ہے۔

ان نسبۃ ذاتہ سبحانہ الی مخلوقاتہ یمتنع ان تختلف بالمعیۃ واللامعیۃ والا فیکون بالفعل مع بعض وبالقوۃ مع اخرین فیترکب ذاتہ سبحانہ من جھتی فعل وقوۃ و تتغیر صفاتہ حسب تغیر التجددات المتعاقبات تعالیٰ عن ذلک بل نسبۃ ذاتہ التی ھی فعلیۃ صرفۃ۔

بالتحقیق ذات حق سبحانہ و تعالیٰ کی نسبت اس کے مخلوقات کی طرف معیّت اور لامعیّت کے ساتھ جدا جدا تصوّر کرنا باطل ہے۔ ورنہ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا۔ کہ خداوند عالم بعض مخلوقات کے ساتھ بالفعل تعلّق رکھتا ہے۔ اور بعض کے ساتھ بالفعل تعلّق نہیں رکھتا۔ بلکہ بالقوہ تعلّق رکھتا ہے۔ اس صورت میں اس کی ذات مرکب ہو جائے گی۔ فعل و قوت کے لحاظ سے اور اس کے صفات مخلوقات کے نت نئے حالات کی وجہ سے متغیّر ہوتے جائیں گے۔ حالانکہ اس کی ذات تغیّرات سے بلند و بالا ہے لہٰذا اس کی ذات اقدس کے لئے صرف فعلیّت ہی فعلیت ہے۔

لہٰذا یہ کہنا کہ بعض کا خالق ہے۔ اور بعض کا خالق فی الحال نہیں ہے۔ قطعاً باطل ہے بلکہ ہر شے کا خالق بالفعل ہے۔ اس کی فعلیّت کا زمانہ ہمارے عدم علم کی وجہ سے آیندہ ہے مگر اس کی ذات کے لحاظ سے اپنے اپنے زمانہ میں بالفعل ہے۔ کیونکہ کسی کے لئے بالقوۃ فاعل کہنا اس کی عدم صفت کی دلیل ہے کہ وہ فی الحال عادم صفت ہے۔

چنانچہ حضرت امام رضا علیہ السّلام نے اپنے اُس خطبہ توحید میں ارشاد فرمایا۔ جبکہ مامون آپ کو اپنا ولی عہد بنانا چاہتا تھا۔ اور اُس کے رشتہ دار مخالفت کر رہے تھے۔ حضرت سے

اس وقت معرفت توحید پر خطبہ کی استدعا کی۔ آپ منبر پر تشریف لے گئے۔ اور ایک فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا۔ جس میں یہ کلمات بیان فرمائے۔

له معنى الربوبية اذلا مربوب وحق الالهية اذلا مالوه و معنى العالم اذلا معلوم ومعنى الخالق اذلا مخلوق وتاويل السمع اذلا مسموع ليس منذ خلق استحق معنى الخالق ولا باحداثه البرايا استفاد معنى البارية (احتجاج)

بالتحقیق اُس کی ذات کے لئے معنی ربوبیت اس وقت بھی تھے جب کوئی مربوب نہ تھا۔ اور اس کے لئے معنی اُلوہیت تھے۔ جب کوئی خدا پرست نہ تھا کہ خدا معبود کہلاتا اور اس کے لئے معنی عالم تھے جب کوئی معلوم نہ تھا اور اس کے لئے معنی خالق تھے جب کوئی مخلوق نہ تھا۔ اور اس میں معنی سمع تھے جب کوئی مسموع نہ تھا۔ ایسا ہرگز نہیں ہے کہ جب اس نے پیدا کیا تو خالق کہے جانے کا مستحق ہوا۔ اور ایسا نہیں ہے کہ جب اُس نے کائنات کو ظاہر کیا تو باری کہلایا۔

اس کلام معصوم سے بالکل واضح ہو گیا کہ خداوند عالم کے لئے یہ کہنا غلط ہے کہ جب کسی شے کو پیدا نہیں کیا تھا تو اس کا خالق نہ تھا بلکہ وہ اس کا خالق ہے کیونکہ قبل و بعد کا تعلق زمانہ سے ہے۔ اور وہ زمانہ کا خود خالق ہے۔ اس کو "اب، جب، تب، کب" کے الفاظ سے محدود اور مقید نہیں کیا جا سکتا۔ یہ تعین اوقات ہمارے لئے ہے نہ کہ اس کی ذات واجب الوجود کے لئے۔ لہٰذا خالق تھا یا خالق نہ تھا کے الفاظ اس کی ذات کے لئے مہمل ہیں وہ ہر شے کا فاعل بالفعل ہے۔ یہ ہمارا قصور علم ہے کہ ہمیں زمانہ کا لحاظ کرنا پڑتا ہے۔ اور "تھا، ہے، ہوگا" کے الفاظ اپنے لئے استعمال کرتے ہیں مگر اس کی ذات کے لئے صرف "ہے" ہی ہے۔

حضراتِ محمدؐ و آلِ محمد علیہم السّلام کی نوع تمام کائنات سے جُداگانہ ہے

یہ امر پوشیدہ نہیں ہے کہ شیعیانِ حیدرِ کرار و موالیانِ اہل بیت اطہار کے عقائد منصوصاً ہند و پاک میں بلا اختلاف چلے آرہے ہیں۔ اگر کوئی عارضی اختلاف ہوا بھی تو بطریقِ احسن حل کر لیا گیا۔ مگر جب سے بعض افراد نجف اشرف سے وارد پاکستان ہوئے ہیں۔ انہوں نے بذریعہ تقریر و تحریر اپنے اختلافی مسائل و عقائد کو نہایت اشتعال انگیز لب و لہجہ میں بلکہ سب آمیز زبان میں بیان کیا ہے جو محبانِ اہل بیت کے لئے ناقابلِ برداشت ہے۔ مشتے نمونہ از خروارے ان کی کتب سے پیش ہیں جن کے مطالعہ کے بعد ہر شریف النفس اسی ردِ عمل پر عمل پیرا ہوگا جو اس وقت قوم کے سامنے ہے۔ حامیانِ ناموس اہل بیت طاہرین علیہم السلام کو مندرجہ ذیل القاب و خطابات سے یاد کیا گیا ہے۔

قائلینِ وحدتِ نوع کی دشنام طرازی

دین فروش ملا، منبر کے اجارہ دار، رقص منبر کی مہارت تامہ، گلے پھاڑ پھاڑ کر تقریریں کرنے والے۔ بے دین اہل علم۔ عالم نما جاہل، گندم نما جو فروش، شکم پرست، کذاب، ڈاکو، یاوہ گو ہرزہ سرا۔ باطل کوش، حق کش، بدعقیدہ، بدزبان، اہل باطل، نام نہاد اہل علم، خود غرض مفتری، فتنہ و فساد کے بانی نیم ملا خطرۂ ایمان، جہل مرکب۔ مکر و فریب۔ کذب و زور۔ مدعی علم، من گھڑت نظریات، طبع زاد عقائد، طوفانِ بدتمیزی، بیڑہ غرق کرنے والے۔ سستی شہرت کے مدعی، ذاتی اقتدار کے بندے عبید الدنیا، غلو نواز، مضل و ضال، دجل و فریب وغیرہ وغیرہ۔

یہ ہیں ان کی شرافت کے نمونے گویا یہی ہیں ستباب کے وارث۔

ذاتیات کا نہیں تعظیم و توہین اہلبیتؑ کا مقابلہ ہے

قائلین وحدتِ نوع کا منشور جو اُصول الشریعہ صفحہ ۲۲۱ و صفحہ ۲۲۲ پر مرقوم ہے اس کے تشریحات کرتے ہوئے حضرات محمدؐ و آل محمد علیہم السّلام کی شان میں نہایت توہین آمیز طرزِ عمل اختیار کیا گیا ہے ان ذواتِ مقدسہ کو اپنی نوع ثابت کرنے کی خاطر کس بیدردی سے اپنی صف میں لا کھڑا کرنے کی سعی نامشکور کی ہے ان میں عیوب و نقائص دکھانے کی ناپاک کوشش کی ہے۔ اور حامیانِ ناموس محمدؐ و آل محمد علیہم السّلام کو مذکورہ بالا القاب و خطابات سے نوازا ہے۔ قائلین وحدتِ نوع کے عقائد ان کے منشور سے ظاہر ہیں

اس وقت ان کے ایک عقیدہ پر بحث ونظر مقصود ہے جس پر سات افراد کے دستخط ثبت ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے اصول الشریعہ کی اصل عبارت۔

(۵) پیغمبر اور آئمہ ہدیٰ علیہم السلام نوع بشر کے اکمل افراد ہیں۔ اور یہ کہنا کہ ان کی نوع علیحدہ ہے۔ صحیح نہیں ہے۔ دستخط بعض اعلام۔ عالیجناب مولانا سید گلاب شاہ صاحب قبلہ۔ عالیجناب مولانا حافظ سیف اللہ صاحب قبلہ یہ راقم آثم احقر محمد حسین عفی عنہ (اصول الشریعہ ص ۲۲۲)

علماء وخطباء ذاکرین اور شیعیانِ علی علیہ السلام کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرات محمد وآلِ محمد علیہم السلام کی نوع تمام کائنات سے جُداگانہ ہے جو مذکورہ دستخط کنندگان کے بالکل متضاد بلکہ تناقص عقیدہ ہے۔ عقیدہ جُداگانہ نوع کو مستدل و مبرہن کرنے سے پہلے چند ضروری امور کا ملحوظ رکھنا لازم ہے۔ کتاب اصول الشریعۃ صنا کی مندرجہ ذیل تحریر میں وحدت نوع کو مقابل نور قرار دے دیا گیا ہے ملاحظہ فرمائیے۔

باب دوم:۔ دربیان اینکہ آیا انبیاء وائمہ علیہم السلام نور ہیں یا بشر؟

اس عنوان سے ظاہر ہے کہ ان ذواتِ مقدسہ کے لئے دو ہی صورتیں متصور ہوسکتی ہیں یا نور تسلیم کیجئے یا بشر مانئے۔ چونکہ انہوں نے اپنا عقیدہ بعض اعلام کے امضاء کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ کہ پیغمبر و ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کی نوع علیحدہ نہیں ہے بلکہ اسی نوع کے اکمل افراد ہیں یعنی بلند مرتبہ بشر ہیں۔ یعنی نور نہیں ہیں مسئلہ نوع کا سمجھنا اس عقیدہ کی وضاحت کے لئے ضروری ہے۔ اس لئے بطور مقدمہ جنس وفصل اور نوع کا مطلب بیان کیا جاتا ہے۔ ان مصطلحات کو ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے۔

ذاتی:۔ جو کسی شئے کی حقیقت کا جزو ہو جس کے بغیر اس کا وجود ناممکن ہو۔ جیسے "انسان" یہ دو جزو کا مجموعہ ہے۔ حیوان اور ناطق۔ حیوان سے مراد ذی حیات اور ناطق سے مراد مدرک معقولات ہے اگر ان دونوں میں سے کوئی جزو کم ہو جائے تو وجود انسان ناممکن ہے۔ لہٰذا وجود حقیقتِ انسان کے لئے ان دونوں کا وجود ضروری ہے۔

عرضی:۔ جو کسی شئے کی حقیقت کا جزو نہ ہو بلکہ اس کی حقیقت سے خارج ہو۔ جیسے "علم کتابت و قرادت" یہ صفت حقیقتِ انسان سے خارج ہے۔ ذات انسان کا جزو نہیں ہے۔ یعنی جاہل کتابت و قرائت بھی انسان ہوتا ہے۔

ذاتی کی تین قسمیں ہیں۔ جنس۔ فصل۔ نوع۔

جنس :۔ کسی شے کی حقیقت کے اس جزو ذات کو کہا جاتا ہے جو مختلف الحقیقۃ افراد پر اطلاق کیا جاتا ہے۔ جیسے لفظ حیوان (ذی حیات) انسان اور جانور دونوں پر اطلاق کیا جاتا ہے۔ حالانکہ دونوں کی حقیقتیں جُدا جُدا ہیں۔ اسی طرح لفظ "جسم" دونوں کے لئے اطلاق کیا جاتا ہے۔ باوجودیکہ دونوں کی حقیقت علیحدہ ہے۔ انسان جانور نہیں اور جانور انسان نہیں مگر جسمیت اور حیوانیت میں دونوں شترک ہیں۔ لہٰذا کسی ایک جزو میں اشتراک سے حقیقتیں ایک نہیں ہو سکتیں۔ اسی لئے جنس کی یہ تعریف ہے۔ "ھو المقول علی اکثرین مختلفین بالحقائق فی جواب ما ھو" یعنے جو مختلف الحقائق افراد کے لئے اطلاق کیا جاتا ہے۔

فصل :۔ جو کسی شے کی حقیقت کا ایسا جزو ہو جو دوسری حقیقتوں کے افراد کو اس سے جدا اور ممتاز کرے جیسے انسان کا ایک جزو ناطق ہے جو اس کو جانور سے جُدا کر دیتا ہے۔ کیونکہ جانور مدرک معقولات نہیں ہے۔ لیکن دوسرا جزو حیوان ہے۔ جو انسان اور جانور میں مشترک ہے۔ جُدا کرنے والا جزو فصل کہلاتا ہے۔ اور مشترک کرنے والا جزو جنس کہلاتا ہے۔ جنس کی مختصر تعریف "ما بہ الاشتراک" اور فصل کی "ما بہ الامتیاز" کی گئی ہے۔

نوع :۔ جو ایسے افراد پر اطلاق کیا جائے جن کی حقیقتیں ایک ہوں۔ اس کی تعریف یہ ہے ھو المقول علی کثیرین متفقین بالحقائق فی جواب ما ھو" ـــــ مثلاً انسان صرف ان ہی افراد کے لئے اطلاق کیا جائے گا جن میں حیوان اور ناطق دونوں جزو موجود ہوں۔ جیسے زید۔ عمرو۔ بکر۔ خالد ان سب کی حقیقت ایک ہے۔ ان میں ایک جزو حیوان ہے جو انسان اور جانور دونو مختلف الحقیقت کے لئے اطلاق کیا جاتا ہے۔ اور دوسرا جزو ناطق ہے جو جانور سے انسان کو جُدا کر دیتا ہے۔ ان دونوں جزو کے مجموعہ کا نام نوع ہے۔ یعنی نوع میں ایک جزو جنس کہلاتا ہے جو دونوں میں شترک ہے۔ اور ایک جزو فصل ہوتا ہے۔ جو دونوں کو ممتاز کرتا ہے۔ جن افراد میں یہ دونوں جزو ہوں وہ ایک نوع کے افراد کہلاتے ہیں۔ فلا تغفل۔

جُداگانہ نوع کے دلائل

دلیل (۱) نبی اور امام میں دو جزو ہوتے ہیں۔ ایک جُزو بشریت ہے جو اس کے اور اُمت کے درمیان شترک ہے۔ اور دوسرا جزو وہ کمال ذاتی روحانی ہے جو سبب وحی والہام ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے نبوت و امامت کا عہدہ عطا ہوتا ہے۔ بشریت ان کی جنس ہے جو ان میں اور اُمت میں مشترک ہے

اور کمال ذاتی رُوحانی ان کی فصل ہے جو اُمّت سے اُنہیں جُدا اور ممتاز کرتا ہے۔ کیونکہ حقیقتِ بشر میں یہ کمال ذاتی رُوحانی ماخوذ و مشروط نہیں ہے بلکہ حقیقت بشر سے جُداگانہ خارج از ذات ہے ورنہ ہر بشر نبی و امام ہوتا۔ مگر نبی و امام کو بشریت دے کر مبعوث کیا جاتا ہے۔ اور ان کو بشریت اُس وقت دی جاتی ہے۔ جب ان کی اُمّت بشر ہو لیکن جب ملائکہ یا عالم ارواح ان کی اُمّت ہوں۔ تو بشریت کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ اسی لئے یہ حضرات تخلیقِ بشر سے پیشتر نبی و ہادی تھے۔ جب کہ ابوالبشر پیدا بھی نہیں ہوئے تھے (کنت نبیًّا و آدم بین الماء والطین) لہٰذا ان کی نوع علیحدہ ہے

دلیل نمبر ۲:۔ جناب علامہ صدوق علیہ الرحمۃ نے اپنے اعتقادیہ میں تحریر فرمایا ہے (صفحہ ۹۲ طبع ایران)

ونعتقد ان اللہ تبارک وتعالیٰ خلق جمیع الخلق لہ ولاھلبیتہ وانہ لولاھم لما خلق اللہ سبحانہ السماء والارض ولا الجنۃ ولا آدم ولا حوا ولا الملائکۃ ولا شیئا مما خلق صلوات اللہ علیھم اجمعین۔

اور ہمارا اعتقاد ہے بالتحقیق اللہ تبارک وتعالیٰ نے جمیع مخلوقات کو آں حضرتؐ اور ان کے اہلبیتؑ کے لئے پیدا کیا ہے۔ اگر یہ حضرات موجود نہ ہوتے تو اللہ سبحانہٗ ہرگز آسمانوں اور زمین وجنت و نار اور جناب آدم وحواء کو پیدا نہ کرتا اور نہ ملائکہ ہی کو پیدا کرتا بلکہ جو کچھ اس نے پیدا کیا ہے وہ کچھ بھی پیدا نہ کرتا۔

اس اعتقاد سے ثابت ہوا کہ ان کی حقیقت وجودیہ اولیہ کائنات سے جداگانہ ہے۔ لہٰذا نوع علیحدہ ہے نیز اسی کتاب کے اسی صفحہ پر تحریر فرمایا ہے۔

دلیل نمبر ۳:۔ وان اللہ بعث نبیہ محمدؐ اللانبیاء فی الذر وان اللہ عزوجل اعطیٰ ما اعطیٰ کل نبی علی قدر معرفتہ ومعرفۃ نبینا محمد و سبقہ الی الاقرار بہ (صفحہ ۹۲ طبع ایران)

اور ہمارا یہ اعتقاد ہے بالتحقیق خداوند عالم نے اپنے نبی محمد مصطفےٰؐ کو عالم ذر میں ارواح انبیاء کا نبی بنا کر مبعوث فرمایا اور اللہ عزوجل نے ہر ایک نبی کو جو مرتبہ بھی عطا فرمایا وہ اپنی معرفت اور اپنے نبی محمد مصطفےٰؐ کی معرفت اور اقرار میں سبقت کی مقدار کے مطابق عطا کیا۔

جناب علامہ صدوق کے بیان سے واضح ہے کہ حضرات محمد وآلِ محمد علیہم السلام خلقت ابوالبشر سے پیشتر ہی نبی و ہادی تھے جب کہ بشریت کا وجود ہی نہ تھا اور تمام انبیاء علیہم السلام عالم ذر میں ان کی اُمّت تھے۔ لہٰذا یہ حضرات نوع بشر نہیں ہیں بلکہ ان کی نوع تمام کائنات سے جداگانہ ہے کیونکہ انکی حقیقت

وجودیتہ اولیتہ تمام مخلوقات کے اجزائے تخلیق سے مقدم ہے لہٰذا ان کی نوع علیحدہ ہے۔

دلیل نمبر ۴۔ قال ابوجعفر علیہ السّلام فنحن اول خلق اللہ واول خلق عبد اللہ وسبّحہ ونحن سبب خلق الخلق وسبب تسبیحھم وعبادتھم من الملائکۃ والآدمیین فبنا عرف اللہ وبنا وحد اللہ الخ (بحار الانوار جلد ۷ ص ۲۵۵)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا ہم اول مخلوق خدا ہیں اور خدا کی تسبیح و عبادت کرنے میں ہم ہی اول مخلوق ہیں۔ اور خلقت کائنات کا سبب اور ان کی عبادت و تسبیح کا سبب بھی ہم ہیں فرشتوں کے لئے بھی اور آدمیوں کے لئے بھی۔ ہمارے ہی ذریعہ معرفت توحید خدا جمیع مخلوقات کو حاصل ہوئی ہے۔

حدیث معصوم سے واضح طور پر ثابت ہے کہ یہ حضرات تمام ملائکہ اور تمام بنی آدم بلکہ کل کائنات و مکوّنات سے پہلے موجود تھے۔ اور معلّم عبادت و تسبیح خدا تھے۔ لہذا ان کی حقیقت تمام کائنات کی حقیقتوں سے جداگانہ ہے۔ لہٰذا ان کی نوع علیحدہ ہے۔

دلیل نمبر ۵:۔ حضرت علامہ مجلسی رہ غواص بحار اخبار اہل بیت اطہار نے اپنی کتاب اعتقاد دلیلیۃ) میں تحریر فرمایا ہے۔ ص ۶

لما کنا فی غایۃ البعد عن جناب قدسیہ وحریم ملکوتہ وماکنا مناسبین لساحۃ عزہ وجبروتہ فلابدان یکون بیننا وبین ربنا سفراء وحجب ذوجھات قدسیہ وحالات بشریۃ یکون لھم بالجھات الاولی ارتباط بالجناب الاعلی یاخذون عنہ الاحکام والحکم ویکون لھم بالجھات الثانیۃ مناسبۃ للخلق یلقون الیھم ما اخذوا عن ربھم فلذا جعل اللہ سفرائہ وانبیاءۃ ظاھراً من جنس البشر وباطناً مبانیین عنھم۔

جب کہ ہم اس کی بارگاہ قدس اور درگاہ ملکوت سے انتہائی بُعد میں تھے۔ اور اُس کی عزت و جبروت کے صحن تک رسائی ناممکن تھی تو لامحالہ ضروری ہوا کہ ہمارے اور حق سبحانہ کے درمیان سفیر اور درمیانی حجاب ہوں۔ یعنی جن کی ایک طرف اس سے اور دوسری ہم سے تعلق رکھتی ہو۔ جن میں کمالاتِ قدسیہ بھی ہوں اور حالاتِ بشریہ بھی۔ کمالاتِ قدسیہ کی وجہ سے ان کا رابطہ خدا کی بارگاہِ اعلیٰ سے ہو۔ تاکہ اس کے احکام اور حکمتیں حاصل کریں۔ اور حالاتِ بشریّہ کی وجہ سے لوگوں سے مناسبت رکھتے ہوں تاکہ جو کچھ اپنے رب سے حاصل کیا ہے لوگوں کو پہنچائیں۔ اسی سبب سے خداوند عالم نے اپنے سفراء

اور انبیاء کو ظاہر میں جنس بشر سے بنایا ہے۔ اور باطن میں بالکل ان کے مبائن یعنی جداگانہ بنایا ہے۔
اس بیان سے بالکل واضح ہے کہ نبی و امام ظاہر میں بشر ہیں۔ باطن میں ان کی حقیقت جداگانہ ہے۔
لہٰذا صرف جنس میں مشارکت ہے نوع ان کی جداگانہ ہے۔
دلیل نمبر ۶۔ حضرت علامہ مجلسی علیہ الرحمہ مجدد مذہب شیعہ نے بحار الانوار میں تحریر فرمایا ہے جلد ۵ صفحہ ۱۱

فاحب واقتضی حکمته البالغة ان یعرف خلقه بالتوحید و یخصوه به و لم یکن ذلك ممکنا الا بارسال الرسل لما قد تمهد من کمال علوه و نهایة سموه والخطاط درجة المکلفین وجهلهم وعجزهم فلنا جعل بینه وبین خلقه سفراء لیفیض علیهم من جهة کما لهم و یفیضوا علی الخلق من جهة بشریتهم و مجانستهم لهم۔

خداوند عالم نے چاہا اور اس کی حکمت بلند و بالا مقتضی ہوئی کہ اپنے مخلوقات کو اپنی توحید کی معرفت کرائے اور مخلوقات اس کی مخصوص شانِ توحید کو سمجھیں۔ یہ مقصد حاصل ہونا اس کے بغیر ناممکن تھا کہ وہ مخلوقات کی طرف اپنے سفیر بھیجے کیونکہ یہ امر بالتحقیق مسلّم ہے کہ حق سبحانہ انتہائی بلندی رکھتا ہے۔ اور مکلفین اپنی جہالت و عجز کی وجہ سے انتہائی پست درجہ رکھتے ہیں۔ لہٰذا اس نے اپنے اور مخلوقات کے درمیان سفراء پیدا کئے۔ جن پر ان کے کمال ذاتی کی وجہ سے خود فیضان کرتا ہے اور وہ بشریت اور ہم جنس ہونے کی وجہ سے مخلوقات پر فیضان کرتے ہیں۔

اس بیان سے واضح ہے کہ سفراء (نبی و امام) خداوند عالم اور اس کے بندوں کے درمیان جداگانہ مخلوق بنائے گئے۔ ان کا ایک جزو کمال ذاتی روحانی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ براہِ راست خدا سے فیوض حاصل کرتے ہیں۔ یہ کمال ذاتی روحانی بندوں میں نہیں ہے۔ اور دوسرا جزو بشریت و مجانست (ہمجنس ہونا) ہے جس کی وجہ سے بندوں پر فیضان کرتے ہیں۔ اور بندے ان سے مانوس ہو کر فیض حاصل کرتے ہیں۔ ان کی حقیقت بندوں سے جداگانہ ہے۔ صرف جنس میں مشارکت ہے۔ لہٰذا ان حضرات کی نوع علیحدہ ہے۔
دلیل نمبر ۷۔ جناب علامہ ابوالحسنؒ نے مقدمہ تفسیر قرآن مراۃ الانوار و مشکوٰۃ الاسرار میں تحریر فرمایا ہے۔ صفحہ ۲۱۔

من الجهة الروحانیة التی بسببها کانوا قابلین للفیوضات التی اختصت بهم و بها صاروا وسائط الاستفادة من طرف الله تعالیٰ کما انهم

بعلۃ الجہۃ البشریۃ کانوا وسائط ایصال احکام اللہ تعالیٰ وغیرھا الی الخلق ولکن فھم حقیقۃ ھذہ مما لا تصل عقولنا - فلا تفعل۔

یہ حضرات اپنے جنبۂ روحانی کے سبب ایسے فیوضات خداوند عالم سے حاصل کرتے ہیں۔ جو ان ہی کی ذات کے لئے مخصوص ہیں۔ نیز اسی جنبہ کی وجہ سے مخلوقات کے لئے بھی ان کا وسیلہ بن کر خدا سے فیوض حاصل کرتے ہیں جس طرح جنبۂ بشریت کی وجہ سے انہیں احکامِ خدا اور حکمتیں پہنچانے میں خدا کا وسیلہ بنتے ہیں۔ یاد رکھو اس حقیقت کا سمجھنا ہمارے عقول کی رسائی سے بالاتر ہے۔ لہٰذا غفلت نہ کرنا۔ ص۲۱۔

اِس بیان سے واضح ہے کہ یہ حضرات اپنے کمال ذاتی روحانی کی وجہ سے اپنے لئے بھی خدا سے فیوض حاصل کرتے ہیں۔ اور بندوں کے لئے بھی۔ کیونکہ بندے براہِ راست خداوند عالم سے احکام وغیرہ حاصل نہیں کرسکتے۔ لہٰذا یہی ذواتِ مقدسہ حصول فیض میں بندوں کا وسیلہ ہیں اور چونکہ خداوند عالم خود براہِ راست بندوں کو اپنے احکام نہیں پہنچا سکتا۔ اِس لئے جنبۂ بشریت کی وجہ سے یہ حضرات خدا کا وسیلہ بن کر بندوں کو پہنچاتے ہیں۔ وسیلہ میں دو جہتوں کا ہونا ضروری ہے ورنہ وسیلہ ہی نہیں بن سکتا۔ ایک جہت سے اُس کا تعلق خدا سے ہوتا ہے۔ اور دوسری جہت سے اس کا تعلق مخلوقات سے ہوتا ہے۔ لہٰذا نبی و امام بندوں کا وسیلہ ہیں۔ ان کے لئے خدا سے احکام حاصل کرنا میں اور خدا کا وسیلہ ہیں بندوں کو اس کی طرف سے احکام پہنچانے میں۔ بندوں کے لئے بذاتِ خود براہِ راست خدا سے احکام حاصل کرنا محال ہے۔ اس لئے خدا سے ان کے لئے احکام حاصل کرنے میں ان کا وسیلہ ہیں۔ اور خداوند عالم کے لئے بذاتِ خود براہِ راست ان کو اپنے احکام پہنچانا محال ہے۔ اس لئے اس کے احکام بندوں کو پہنچانے میں اس کا وسیلہ ہیں۔ خداوند عالم کا بذاتِ خود اپنے احکام بندوں تک براہِ راست نہ پہنچانے کے دلائل عقلیہ اس قدر ہیں کہ ایک ضخیم کتاب درکار ہے۔ فی الحال دو حدیثیں پیش کی جاتی ہیں۔ جو دلائلِ عقلیہ پر مشتمل ہیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ و آلہ نے ارشاد فرمایا۔

دلیل نمبر ۸۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ فان ھذا من المحال الذی لا خفاء بہ وان ربنا عزوجل لیس کالمخلوقین یجیٔ ویذھب ویتحرک ویقابل شیئًا حتی یوتی بہ (احتجاج طبرسی ص۳۴)

ایک سائل نے عرض کیا یا رسول اللہ خدا کو ہمارے سامنے لائیے تاکہ اس سے گفتگو کی جائے آں حضرتؐ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا یہ امر محال ہے جو بالکل ظاہر ہے۔ اور ہمارا رب

اجل وارفع ہے۔ مخلوق بھی کی طرح نہیں ہے کہ آئے اور جائے اور حرکت کرے۔ اور کسی شئے کے مقابل ہو تاکہ اسے لایا جا سکے۔

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ خداوند عالم بذات خود براہ راست بندوں تک نہیں آ سکتا ورنہ وہ خدا نہیں لہٰذا خدا اور کائنات کے درمیان وسیلہ کی نوع علیحدہ ہے۔

دلیل نمبر ۹:۔ حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا۔

انا لما اثبتنا ان لنا خالقاً صانعاً متعالیاً عنا وعن جمیع ما خلق و کان ذلک الصانع حکیما لم یجز ان یشاهده خلقه ولا ان یلامسوه وان یباشرهم ویباشروه ویحاجهم ویحاجوه ثبت ان له سفراء فی خلقه وعباده (احتجاج طبرسی ص۱۴۳)

حضرت امام رضا علیہ السلام نے ایک زندیق کے لیں جب وجود صانع ثابت کر دیا تو اس نے سوال کیا کہ نبی و امام کا وجود کس طرح ثابت ہے۔ حضرت نے فرمایا جب ہم نے یہ تسلیم کر لیا کہ ہمارے لئے خالق و صانع ہے اور وہ تمام مخلوقات سے بلند و بالا ہے تو مخلوقات کے لئے یہ ناممکن ہے کہ اس کا مشاہدہ کر سکیں۔ اور یہ بھی ناممکن ہے کہ اس کو چھو سکیں اور یہ بھی ناممکن ہے کہ وہ مخلوقات سے اور مخلوقات اس سے ہم صحبت ہوں۔ اور یہ بھی ناممکن ہے کہ وہ مخلوقات سے اور مخلوقات اس سے مباحثہ کریں۔ صانع عالم چونکہ حکیم ہے اس لئے اس نے اپنی مخلوقات اور اپنے بندوں کے لئے اپنے سفراء پیدا کئے لہٰذا اس کے سفراء (نبی و امام) کا وجود ثابت ہے۔

دونوں معصوموں کے بیان سے بالکل واضح ہو گیا کہ مخلوقات اور خدا کے درمیان جو ہستیاں واسطہ و وسیلہ ہیں ان کی حقیقت جداگانہ ہے لہٰذا یہ حضرات جداگانہ نوع ہیں۔

دلیل ۱۰:۔ حضرت علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے ملیلۃ ۱ میں مزید تشریح فرمائی ہے ص۶۔

انهم وسائط فیوض الله تعالیٰ فی هذه النشاة والنشاة الاخری اذهم القابلون للفیوضات الالهیة والرحمان المقدسیة وبتوسطهم تفیض الرحمة علی سائرات الموجودات وهذه هی الحکمة فی لزوم الصلوٰة علیهم والتوسل بهم فی کل حاجة لانه اذا صلی علیهم لا یرد لان المبدء فیاض والمحل قابل وببرکتهم تفیض علی الداعی بل علی

جمیع الخلق۔

حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام خدا کے فیوض کا واسطہ و وسیلہ ہیں۔ دنیا اور آخرت دونوں میں کیونکہ یہی ذوات مقدسہ فیوضات الٰہیہ اور رحمات قدسیہ کی قابلیت و صلاحیت رکھتے ہیں۔ ان ہی کی وساطت سے تمام موجودات کو فیض رحمت پہنچتا ہے۔ یہی حکمت ہے ان حضرات پر صلوٰۃ لازم قرار دینے اور ہر حاجت میں وسیلہ بنانے کی کہ جب ان پر صلوٰۃ جاری ہوتی ہے تو وہ رد نہیں کی جاتی۔ کیونکہ مبدء (خدا) فیاض ہے۔ اور محل (محمدؐ و آل محمدؐ) قابلیت و صلاحیت حصول فیض رکھتے ہیں۔ اور ان ہی ذوات طاہرہ کی برکت سے خود داعی یعنی صلوات پڑھنے والے کو بھی فیض ملتا ہے بلکہ جمیع موجودات پر ان ہی کی برکت سے فیض جاری ہوتا ہے۔

اس عبارت سے روز روشن کی طرح ثابت ہے کہ خدا کے تمام مخلوقات کے لئے ان ہی حضرات کی برکت سے فیض جاری ہوتا ہے۔ یہ حضرات خداوند عالم اور اس کے تمام مخلوقات کے درمیان واسطہ اور وسیلہ ہیں۔ ان کی حقیقت تمام کائنات سے جدا ہے۔ لہٰذا جداگانہ نوع ہیں۔

دلیل نمبر ۱۱:۔ نیز حضرت علامہ ممدوح علیہ الرحمہ نے "لیلیۃ" ہی میں تحریر فرمایا ہے ص۹۵۔

فکذلک فی افاضۃ سائر الفیوض والکمالات ھم وسائط بین ربھم وبین سائر الموجودات فکل فیض وجود یبتدء بھم علیھم السلام ثم ینقسم علی الخلق۔

حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام تمام فیوض اور تمام کمالات کو تمام موجودات تک پہنچانے میں اپنے رب اور تمام موجودات کے درمیان واسطہ اور وسیلہ ہیں۔ ہر ایک فیض و عطا پہلے ان حضرات تک پہنچتا ہے۔ پھر کائنات پر ان ہی کے ذریعہ تقسیم ہوتا ہے۔

اس عبارت سے واضح و آشکار ہے کہ ایک جانب خدا اور دوسری جانب کل مخلوقات و موجودات ہیں۔ اور یہ حضرات ان دونوں کے درمیان ہیں۔ ان حضرات کی حقیقت تمام موجودات سے جداگانہ ہے۔ لہٰذا ان کی نوع تمام کائنات سے علیحدہ ہے۔

دلیل نمبر ۱۲:۔ نیز علامہ ممدوح نے "لیلیۃ" میں تحریر فرمایا ہے۔ ص۶۹

فھم روحانیون مقدسون قائلون انما انا بشر مثلکم لئلا ینفر منھم امتھم ولیقبلوا منھم ویانسوا بھم لکونھم من جنسھم وشکلھم۔

یہ حضرات روحانی اور قدسی مخلوق ہیں۔ "انما انا بشر مثلکم" ہم بشریت میں تمہاری طرح ہیں اس لئے کہتے ہیں کہ ان کی اُمت ان سے دُور نہ بھاگے۔ ان کی ہدایات کو قبول کرے۔ اور ان سے مانوس رہے۔ اسی لئے یہ ذواتِ مقدسہ اُمت کی جنس اور شکل میں تشریف لائے ہیں۔

اس بیان سے مزید توضیح کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ ان حضرات کی حقیقت جداگانہ ہے۔ صرف شکل وصورت میں مشابہت ہے۔ وہ بھی اس لئے کہ اُمت مانوس رہے۔ اور استفادہ کرے۔ لہٰذا ان کی نوع جداگانہ ہے۔ کیونکہ نوع کا اطلاق اسی وقت ہو سکتا ہے۔ جب ان کی حقیقتیں ایک ہوں۔ مگر ان ذواتِ عالیہ اور اُمت کی حقیقتیں جدا جدا ہیں۔

مولف اصول الشریعہ نے حاشیہ پر علامہ مجلسی رح کی جلالت قدر علمی کا بایں عبارت اقرار کیا ہے "سرکار علامہ قدس سرہ کی علمی شخصیت اس قدر عظیم المرتبت ہے کہ کوئی بھی شیعہ آپ کی فرمائش کا انکار کرنیکی جرأت وجسارت نہیں کر سکتا"

اس اقرار نامہ کے بعد جداگانہ نوع کا انکار مولف کو شیعیت سے خارج کر دیتا ہے۔ قوم فیصلہ کرے کہ علامہ مجلسی کا عقیدہ درست ہے یا مولف کا۔

دلیل نمبر ۱۳۳:۔ جناب علامہ بحرانی علیہ الرحمہ نے حضرات محمد وآل محمد علیہم السلام کی خلقت نوری اور جداگانہ نوعیت تخلیق کے سلسلہ میں ۱۴ احادیث تحریر فرمائی ہیں جو غایۃ المرام اور تفسیر البرہان میں درج کی ہیں۔

پانچویں حدیث مندرجہ ذیل ہے

عن الامام العالم موسٰی بن جعفر الکاظم قال ان اللہ تبارک وتعالٰی خلق نور محمّد من نور اخترعہ من نور عظمتہ وجلالہ وھو نور لاھوتی الذی بدء منہ وتجلی لموسٰی بن عمران لطلب رویتہ فما ثبت لہ وخر صاعقًا مغشیا علیہ وکان ذلک النور نور محمد فلما اراد ان یخلق محمّد امنہ قسم ذلک النور شطرین فخلق من الشطر الاول محمدًا ومن الشطر الاخر علی ابن ابی طالب ولم یخلق من ذلک النور غیرھما خلقھما اللہ بیدہ ونفخ فیھما بنفسہ لنفسہ وصورھما علی صورتھما وجعلھما امناء لہ وشھداء علی خلقہ وخلیفتہ علی خلیفتہ وعینًا لہ علیھم ولسانا لہ الیھم قد استودع فیھما علمہ وعلمھما البیان واستطلعھما علی غیبہ وجعل احدھما

نفسه والاخر روحه ولا يقوم واحد بغير صاحبه ظاهرهما بشرية وباطنهما لاهوتية ظهرا للخلق على هياكل الناسوتية حتى يطيقوا رؤيتهما وهو قوله تعالى وللبسنا عليهم ما يلبسون فهما مقام رب العالمين وحجابا خالق الخلائق اجمعين بهما فتح بدء الخلق وبهما يختم الملك والمقادير ثم اقتبس من نور محمد فاطمة ابنته عليهما السلام كما اقتبس نوره من نوره واقتبس من نور فاطمة وعلى الحسن والحسين عليهما السلام كاقتباس المصابيح هم خلقوا من الانوار وانتقلوا من ظهر الى ظهر ومن صلب الى صلب ومن رحم الى رحم فى الطبقة العليا من غير نجاسة بل نقلا بعد نقل لا انه من ماء مهين ولا نطفة جشرة كسائر خلقه بل انوار انتقلوا من اصلاب الطاهرين الى ارحام المطهرات لانهم صفوة الصفوة اصطفاهم لنفسه وجعلهم خزان علمه وبلغاء عنه الى خلقه اقامهم مقام نفسه لا يرى ولا يدرك ولا تعرف ائيته فهؤلاء الناطقون المبلغون عنه المتصرفون فى امره ونهيه فبهم يظهر قدرته ومنهم ترى اياته ومعجزاته فبهم ومنهم عرف عباده لنفسه وبهم يطاع امره ولولاهم ما عرف الله ولا يدرك كيف يعبد الرحمن فالله يجرى امره كيف يشاء فيما يشاء لا يسئل عما يفعل وهم يسئلون (البرهان ص۲ غاية المرام ص۹).

امام عالم حضرت موسیٰ بن جعفر الکاظم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا بے شک اللہ تبارک و تعالےٰ نے نور محمد کو ایسے نور سے پیدا کیا جس سے اس کی عظمت و جلال کا ظہور ہوتا ہے۔ یہی وہ نور لاہوتی (وجود اور فعل میں مادہ سے بالاتر) ہے جو ان سے ظاہر ہوا۔ اور موسیٰ بن عمران کے طلب رؤیت کے وقت جس کی تجلی ہوئی کہ حضرت موسیٰ برداشت نہ کر سکے۔ غش کھا کر گر گئے۔ یہی نور، نورِ محمدؐ ہے۔ پس جب اللہ تعالےٰ نے اس نور سے (حضرت) محمدؐ کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو اس نور کے دو حصے فرمائے۔ ایک حصہ سے محمدؐ کو اور دوسرے حصہ سے علیؑ ابن ابی طالب کو پیدا کیا۔ اور ان دونوں کے سوا کسی بھی مخلوق کو اس نور سے پیدا نہیں کیا۔ خداوند عالم نے اپنے دست قدرت

سے ان کو خلق کیا۔ اور بذاتِ خود اپنی ہی ذات کے لئے ان میں نفخ روح کیا۔ اور ان کو مخصوص صورت میں بنایا۔ اور ان کو اپنا امین قرار دیا۔ اور اپنی خلق کا گراہ بنایا۔ اور مخلوقات پر اپنا خلیفہ مقرر کیا اور ان کو اپنی چشم نگران اور اپنی زبان گویا بنایا۔ تاکہ مخلوقات کو اسی کا پیغام پہنچائیں۔ ان دونوں کو اپنا علم ودیعت فرمایا۔ اور بیان کی تعلیم دی اور اپنے غیب پر ان کو مطلع فرمایا۔ ان میں سے ایک کو اپنا نفس اور دوسرے کو روح بنایا۔ اور ان میں ایسا تعلق پیدا کر دیا کہ ایک دوسرے کے بغیر قائم نہیں ہو سکتے۔ ان دونوں کا ظاہر بشریت ہے اور باطن لاہوتی ہے۔ یہ دونوں انسانی شکل میں اس لئے ظاہر ہوئے کہ مخلوقات ان کے دیدار کی تاب لا سکے جیسا کہ اللہ تعالے نے فرمایا ہے کہ اگر ہم فرشتوں کو بھیجتے تو مردوں کی صورت میں بھیجتے۔ اور انہیں لباس بشری میں ملبوس کر کے بھیجتے یہ دونوں رب العالمین کے قائم مقام ہیں۔ اور تمام خلائق کے خالق کے لئے دونوں حجاب ہیں۔ یعنی ان کی ایک طرف خالق سے اور ایک طرف مخلوق سے رابطہ رکھتی ہے۔ ان ہی دونوں سے خدا نے ظہور خلق کا افتتاح کیا۔ اور ان ہی پر اپنے ملک اور مقدرات کو ختم کرے گا۔ یعنی یہی حضرات سلسلہ بدو میں اول اور سلسلہ عود میں آخر ہیں۔ پھر خداوند عالم نے نور محمدؐ سے ان کی بیٹی فاطمہؑ کو اخذ کیا۔ اسی طرح جس طرح اپنے نور سے نور محمد کو اخذ کیا۔ اور نورِ فاطمہؑ اور نور علیؑ سے حسنؑ وحسینؑ کو اخذ کیا۔ یہ اخذ اس طرح کیا۔ جس طرح ایک چراغ سے دوسرا چراغ روشن کیا جاتا ہے۔ یہ حضرات انوار ہی سے پیدا ہوئے۔ اور ایک پشت سے دوسری پشت اور ایک رحم سے دوسرے رحم کی طرف بلند و بالا طبقہ میں منتقل ہوئے۔ ان کو کسی قسم کی کوئی نجاست مس نہیں ہوئی بلکہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوئے یہ حضرات ہرگز ذلیل پانی اور نجس نطفہ سے نہیں بنے۔ جس طرح دیگر تمام لوگ بنے ہیں بلکہ یہ انوار ہی انوار اصلاب طاہرین سے ارحام مطہرات کی طرف منتقل ہوئے۔ کیونکہ یہ پاک و پاکیزہ ہستیوں میں سے بھی پاکیزہ تر منتخب ہوئے ہیں۔ ان کا اصطفاء خود اپنی ذات کے لئے فرمایا۔ انہیں اپنے علم کا خزانہ قرار دیا۔ اور اپنی مخلوقات کے لئے ان کو اپنا پیغام رساں بنایا۔ ان کو ہی اپنا قائم مقام بنایا کیونکہ وہ خود نہ تو دکھائی دیتا ہے۔ اور نہ عقول کی اس تک رسائی ہو سکتی ہے۔ اور نہ اس کی حقیقت ذات کی معرفت ممکن ہے۔ یہی حضرات اس کے ناطق پیغام رساں ہیں۔ اس کے امر و نہی کا اختیار ان ہی کو حاصل ہے۔ ان ہی کے ذریعہ اس کی قدرت کا اظہار ہوتا ہے۔ اور اس کے آیات و معجزات بھی ان ہی سے ظاہر ہوتے ہیں۔ ان ہی کے ذریعہ سے اپنی ذات کی معرفت کرائی ہے ان ہی کے ذریعہ اس کے امر کی اطاعت کی جاتی ہے۔ اگر یہ نہ ہوتے تو خدا نہ پہچانا جاتا اور یہ معلوم

نہ ہو سکتا کہ عبادتِ رحمٰن کس طرح کی جائے۔ اللہ تعالیٰ اپنے امر کو جس طرح چاہے اور جس میں چاہے جاری کرتا ہے اس کے افعال کی اس سے باز پرس نہیں کی جا سکتی مگر لوگوں سے باز پرس کی جائے گی۔

اِس حدیثِ مُبارک سے چند مندرجہ ذیل اُمور ثابت ہوتے ہیں۔

دلیل نمبر ۱۴:۔ حضرات محمد و آلِ محمد علیہم السلام کی خلقتِ نوری اس نور سے ہے جس سے کسی بھی نوری مخلوق کو پیدا نہیں کیا گیا۔ یعنی ان کی حقیقتِ نورانیہ بھی تمام مخلوقاتِ نورانیہ سے جداگانہ ہے۔ لہٰذا ملائکہ کی حقیقتوں سے بھی ان کی حقیقت جدا ہے۔ لہٰذا یہ نوعِ ملائکہ میں بھی داخل نہیں چہ جائیکہ نوعِ بشری میں داخل ہوں نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ نور کے اقسام ہیں۔ ان کی قسم نور جداگانہ ہے۔ لہٰذا نور ان کے لئے جداگانہ حقیقت ہے۔ لہٰذا جن اشیاء کے لئے لفظ نور استعمال ہوا ہے۔ ان کا نور حقیقت ہے۔ دیگر ان کے نور پر قیاس نہ کیا جائے۔

دلیل نمبر ۱۵:۔ اِن ذواتِ عالیہ کو ظاہری شکل بشری میں اس لئے بھیجا گیا ہے کہ لوگ ان کی زیارت بھی کر سکیں۔ اور احکامِ خداوندی کا استفادہ بھی ورنہ ان کے نور کی تجلی سے مخلوقات بے ہوش ہو جاتی۔ جیسا کہ موسیٰ بن عمران تاب نہ لا سکے۔ حالانکہ وہ نبی تھے۔ لہٰذا ان کے نوع جداگانہ ہے صرف شکل و صورت بشری میں اشتراک ہے۔

دلیل نمبر ۱۶:۔ یہ حضرات اپنی تخلیقِ نوری میں نبی و ہادی اور معلم ملائکہ و ارواح تھے۔ یہی وجود نوری ان کا حقیقی وجود ہے۔ جو قبل از خلق ہے۔ اور مع الخلق ہے اور بعد الخلق بھی ہے۔ جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے (الحجة قبل الخلق ومع الخلق وبعد الخلق) یعنی حجتِ خدا کا وجود خلقِ خدا سے پیشتر ہوتا ہے تاکہ خلقِ خدا یہ عذر نہ کر سکے کہ ہمارا ہادی نہ تھا۔ اس لئے ہر زمانہ میں خلقِ خدا کے ساتھ بھی حجتِ خدا کا وجود رہتا ہے: اور مخلوقات کے فنا ہو جانے کے بعد بھی حجتِ خدا کا وجود رہتا ہے۔ لہٰذا ان کی نوع جداگانہ ہے۔ کیوں کہ ان کی اور تمام مخلوقات کی حقیقتیں جدا ہیں۔

دلیل نمبر ۱۷:۔ یہ حضرات عالمِ اَرواح میں شکلِ روحانی اور عالمِ ملکوت میں شکلِ ملکوتی اور عالمِ نور میں بشکلِ نورانی ہادی بن کر تشریف لائے اور جب عالمِ ناسوت میں تشریف لائے تو ہیکل ناسوتی میں تشریف لائے۔ جس جس طرح آمنت تبدیل ہوتی گئی۔ ان کی شکل ظاہری تبدیل ہوتی گئی۔ لیکن حقیقتِ اوّلیہ روحانیہ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ یعنی صرف ظاہری لباس بدلتا رہا۔ لہٰذا ان کی نوع جداگانہ ہے۔

دلیل نمبر ۱۸:۔ ان ذواتِ مقدسہ کی حقیقتِ نُورانیہ روزِ خلقت سے آج تک موجود ہے جو فنا نہیں ہوئی۔ اور اس کے آثار بھی موجود ہیں جو فنا نہیں ہوئے لہٰذا ان کی نوع جداگانہ ہے۔

دلیل نمبر ۱۹:۔ یہ حضرات نور سے نور اس طرح بنتے رہے جس طرح چراغ سے چراغ روشن ہوتا ہے اور ایک صلب سے دوسرے صلب اور ایک رحم سے دوسرے رحم میں اس طرح منتقل ہوتے رہے جس طرح کوئی ایک جگہ سے دوسری جگہ چلا جائے۔ ان کی حقیقت جداگانہ ہے۔ لہٰذا ان کی نوع علیحدہ ہے۔

دلیل نمبر ۲۰:۔ اِن ذواتِ طاہرہ کی منتقلی ذلیل پانی اور نجس نطفہ سے نہیں ہوئی جس طرح تمام لوگوں کی خلقت ہے۔ ان کو کسی قسم کی نجاست چھو نہیں سکتی۔ لہٰذا ان کی نوع جداگانہ ہے۔ نیز ثابت ہوا کہ ان کا باہم مَس ہو جانا ہی تولید کا باعث ہے۔ جس طرح جبرئیل بشری شکل میں بی بی مریم کے پاس آئے۔ اور ان سے مس ہوئے تو جناب عیسٰی کی تولید ہو گئی۔ جیسے چراغ سے چراغ روشن ہوتا ہے۔

دلیل نمبر ۲۱:۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ خلقنا اللہ حیث لا سماء مبنیۃ ولا ارض مدحیۃ ولا عرش ولا جنۃ ولا نار کنا نسبح حین لا تسبیح ونقدسہ حین لا تقدیس فلما اراد اللہ بدو الصنعۃ فتق نوری فخلق العرش فنور العرش من نوری ونوری من نور اللہ و انا افضل من العرش ثم فتق من نور علی ابن ابی طالب فخلق منہ الملائکۃ فنور الملائکۃ من نور علی بن ابی طالب ونورہ من نور اللہ ونور علی ابن ابی طالب انضل من الملائکۃ ثم فتق نور ابنتی فاطمۃ فخلق منہ السمٰوات والارض فالسموات والارض من نور ابنتی ونور ابنتی من نور اللہ عزوجل وابنتی فاطمۃ انضل من السموات والارض ثم فتق من نور ولدی الحسن فخلق منہ الشمس والقمر فالشمس والقمر من نور ولدی الحسن ونور ولدی الحسن من نور اللہ والحسن افضل من الشمس والقمر ثم فتق من نور ولدی الحسین فخلق منہ الجنۃ والحور العین فالجنۃ والحور العین (الی ان قال) فاخرج اللہ من نور فاطمۃ قنادیل فعلقھا فی بطنان العرش فاذھرت السمٰوات والارض فاوحی اللہ الیھا ھذا نور اخترعتہ من نور جلالی لامتی فاطمۃ بنت حبیبی و زوجۃ ولی و اخ نبی واب حججی علی عبادی اشھدکم یا ملائکتی انی قد جعلت ثواب تسبیحکم

وتقدلیکم ھذہ المرءۃ وشیعتہا ومحبیہا الی یوم القیامۃ (غایۃ المرام صفحہ)

حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا ہمیں خداوند عالم نے خلق فرمایا جبکہ نہ شامیانہ فلک تھا۔ نہ فرش زمین نہ عرش تھا۔ نہ جنت نہ نار۔ ہم تسبیح کرتے تھے جب کہ تسبیح کا وجود نہ تھا۔ ہم تقدیس کرتے تھے جب کہ تقدیس کا وجود نہ تھا۔ جب خداوند عالم نے صنعت کا افتتاح کیا تو میرے نور کی شعاع سے عرش کو خلق کیا۔ وہ میرے نور کی شعاع ہے۔ اور میرا نور، نورِ خدا کی شعاع ہے۔ میں عرش سے افضل ہوں۔ پھر نور علیؑ ابن ابی طالب کی شعاع سے ملائکہ کو پیدا کیا۔ وہ شعاع نور علیؑ ہیں۔ اور نور علیؑ نورِ خدا کی شعاع ہے۔ علیؑ ملائکہ سے افضل ہیں۔ پھر میری بیٹی فاطمہؑ کی شعاعِ نور سے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور نورِ فاطمہؑ شعاعِ نورِ خدا ہیں۔ فاطمہؑ سموات وارض سے افضل ہیں۔ پھر میرے فرزند حسنؑ کے نور کی شعاع سے شمس وقمر کو پیدا کیا یہ دونوں شعاعِ نورِ حسنؑ ہیں۔ اور حسنؑ کا نور شعاعِ نورِ خدا ہے۔ اور وہ شمس وقمر سے افضل ہیں۔ پھر میرے فرزند حسینؑ کے نور کی شعاع سے جنت اور حور العین کو پیدا کیا۔ یہ دونوں میرے فرزند حسینؑ کی شعاعِ نور ہیں۔ اور حسینؑ کا نور شعاعِ نورِ خدا ہے حسینؑ افضل ہیں جنت وحور العین سے۔ اس کے بعد آں حضرتؐ نے فرمایا کہ خداوندِ عالم نے شعاعِ نورِ فاطمہؑ سے قندیل روشن کئے اور انہیں جوفِ عرش میں معلق فرمایا۔ جن کی روشنی سے تمام آسمان وزمین روشن ہو گئے (اس لئے آپ کا لقب زہرا ہے) پس خداوند عالم نے تاریکیوں کو روشن فرما کر ملائکہ سے فرمایا۔ اے ملائکہ یہ وہ نور ہے جو میں نے اپنے نورِ جلال سے اخذ کیا ہے۔ اپنی کنیز خاص فاطمہؑ کے لئے جو میرے حبیب کی دختر اور میرے ولی کی زوجہ ہیں جو میرے نبی کے برادر اور میری ان حجتوں کے پدر ہیں جن کو میں نے اپنے بندوں پر حجت قرار دیا ہے۔ اے ملائکہ میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے تمہاری تسبیح وتقدیس کا ثواب اسی خاتون اور اس کے دوستوں کے لئے قیامت تک مقرر کر دیا ہے۔

اس حدیثِ رسولؐ سے واضح ہے کہ حضرات محمد وآلِ محمد علیہم السلام کی حقیقت نورانی ہے اور یہی اصل نور ہیں۔ ان ہی کی شعاعوں سے ضیاء اور روشنی عرش وفرش، آسمان وزمین، آفتاب وماہتاب میں پیدا ہوئی ہے۔ اور ان کی حقیقت تمام حقائقِ عالم سے جداگانہ ہے۔ لہٰذا ان کی نوع کائنات عرشی وفرشی سے جداگانہ ہے۔ چہ جائیکہ ان کو نوعِ بشر میں کھینچا جائے۔

دلیل نمبر ۲۲:۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا۔

نحن اسرار الله المودعة فی الهیاکل البشریة میتنا لم یمت وغائبنا لم یغب نزلوانا عن الربوبیة وارفعوا عنا خطوط البشریة فانا مبعدون عما یجوز علیکم منزهون ثم قولوا ما استطعتم فان البحر لا ینزف وسر الغیب لا یدرك وکلمة الله لا توصیف (طوالع الانوار ص۲۳)[۱]

ہم خدا کے راز ہیں جن کو بشری ہیکل میں رکھا گیا۔ ہماری کوئی میت مرتی نہیں ہے۔ اور ہمارا کوئی غائب پوشیدہ نہیں ہوتا۔ ہمیں مرتبہ توحید سے پست رکھو اور لوازمات بشر کو ہم سے ہٹا دو۔ ہم ان لوازمات سے بالکل منزہ اور دور تر ہیں جو تمہارے لئے جاری ہیں۔ پھر ہماری شان میں اپنی استطاعت بھر جو ہو سکے کہو کیونکہ سمندر چلوؤں سے خالی نہیں کیا جا سکتا اور غیبی راز نہیں پایا جا سکتا اور کلمۃ اللہ کی توصیف نہیں کی جا سکتی۔

اس بیان حق ترجمان سے بالکل واضح ہو گیا کہ بشری شکل میں ان کو ظاہر کیا گیا ہے۔ ان میں وہ لوازمات بشری نہیں ہیں جو ہر بشر میں ہوتے ہیں۔ اور یہ حضرات مرتے بھی نہیں۔ غائب بھی نہیں ہوتے لہذا ان کی نوع جداگانہ ہے۔

دلیل نمبر ۲۳:۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا۔

یا جابر کان الله ولا شئ غیره ولا معلوم ولا مجهول فاول من ابتدءه من خلق خلقه الله ان خلق محمداً وخلقنا اهل البیت معه من نور عظمته ناوقفنا اظلة خضراء بین یدیه حیث لا سماء ولا ارض ولا مکان ولا لیل ولا نهار ولا شمس ولا قمر یفصل نورنا من نور ربنا کشعاع الشمس من الشمس (بحار الانوار ص۲۵۲ غایة المرام ص۶)

اے جابر خدا تھا اور اس کے سوا کوئی شے نہ تھی نہ معلوم نہ مجہول جب خدا نے تخلیق کی ابتدا کی تو محمدؐ اور ان کے ساتھ ہم اہل بیت کو بنایا اپنے نور عظمت سے ہماری تخلیق فرمائی۔ ہمیں اپنی جناب میں سبز سائے بنا کر قائم کر دیا جب کہ نہ آسمان تھا نہ زمین نہ مکان تھا نہ لیل و نہار اور نہ شمس و قمر۔ ہمارا نور ہمارے رب کے نور سے اس طرح جدا ہے جس طرح آفتاب سے اس کی شعاعیں جدا ہیں۔

اس حدیث مبارک سے بھی واضح ہو گیا کہ یہ ذوات مقدسہ مکان و زمان سے پیشتر خلق ہوئے اور ان کی حقیقت لازمان اور لامکان ہے۔ لہذا ان کی نوع یقیناً نوع بشر سے جدا ہے۔ جس کی تخلیق زمان و مکان

میں ہُوئی۔ اِس حدیث سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ یہ حضرات جزو نورِ خدا نہیں ہیں۔ بلکہ آثارِ خدا کے اثرِ اول ہیں جس طرح آفتاب کی شعاعیں جزوِ آفتاب نہیں بلکہ آثارِ آفتاب ہیں۔

دلیل نمبر ۲۴:۔ امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا۔

ان اللّٰہ خلقنا من نور عظمتہ ثم صور خلقنا من طینۃ مخزونۃ مکنونۃ من تحت العرش فاسکن ذلك النور فیہ فکنّا نحن خلقا وبشرا نورا نیین لم یجعل لاحد فی مثل الذی خلقنا منہ نصیب۔

(کافی ص۲۴۷، بحار جلد ۱۴ ص۴۳۵)

بالتحقیق خداوند عالم نے ہمیں اپنے نورِ عظمت سے پیدا کیا (یعنی ایسے نور سے جس کی وجہ سے عظمتِ خدا کا ظہور ہوتا ہے) پھر جب ہمیں بشری صورت میں بنایا تو ایسی طینت سے بنایا جو تحت عرش اسی مقصد کے لئے محفوظ و مصئون تھی۔ اس کے بعد ہمارے نور کو اسی طینت میں ساکن کر دیا۔ اسی لئے ہم مخلوق خاص اور بشر نورانی ہیں۔ کسی بھی مخلوق کو یہ اجزائے تخلیق نصیب نہیں ہوئے۔

اِس حدیث میں تمام مخلوقات سے جُداگانہ اجزائے تخلیق کا اظہار فرمایا گیا ہے۔ لہٰذا ان کی نوع علیحدہ ہے۔

دلیل نمبر ۲۵:۔ امام محمّد باقر علیہ السّلام نے فرمایا۔

انّ اللّٰہ تفرد بوحدانیتہ ثم تکلم بکلمۃ نصارت نوراً ثم خلق من ذلك النور محمّدا وعلیّا وعترتہ علیہم السلام ثم تکلم بکلمۃ فصارت روحا و اسکنہا فی ذلك النور واسکنہ فی ابداننا فنحن روح اللّٰہ وکلمتہ احتجب بنا عن خلقہ (بحار الانوار ص۲۵)

بالتحقیق خداوند عالم اپنی وحدانیت میں منفرد ہے۔ جب خدا نے تخلیق کی ابتدا کی تو تکلم فرمایا یعنی ارادہ فرمایا ایک خاص ارادہ پس وہ نور بن گیا۔ پھر اسی نور سے محمد و علی اور ان کی عترت علیہم السلام کو پیدا کیا پھر تکلم فرمایا تو وہ ایک روح بن گیا۔ اسی روح کو اس نور میں ساکن کر دیا اور روح و نور دونوں کو ہمارے ابدان میں ساکن کر دیا۔ لہٰذا ہم روح اللّٰہ بھی ہیں اور کلمۃ اللّٰہ بھی خدا نے تمام مخلوقات اور اپنی ذات کے درمیان ہم ہی کو اپنا حجاب بنایا یعنی ہم درمیانی مخلوق ہیں۔ ہماری ایک طرف خدا سے اور ایک طرف تمام کائنات سے رابطہ رکھتی ہے۔ جس طرح حجاب یعنی پردہ جس کی ایک طرف اندر اور دوسری طرف باہر سے تعلق رکھتی ہے۔

اِس حدیث مبارک سے واضح ہے کہ اِن ذواتِ مقدسہ کے نور و روح کو خدا نے کسی شے سے نہیں بنایا بلکہ ارادہ سے خلق کیا۔ اِسی لئے ان حضرات نے فرمایا ہے کہ ہم اللہ کا ارادہ ہیں۔ کسی شے کے ممنون نہیں ہیں۔ یہ ذوات مقدسہ لاشے سے خلق ہوئے ہیں۔ لہٰذا ان کی حقیقت تمام کائنات کی حقیقتوں سے جداگانہ ہے کیونکہ وہ شے سے شے بنی ہیں۔ اور یہ لاشے سے بنے ہیں۔ لہٰذا ان کی نوع جداگانہ ہے۔

دلیل نمبر ۲۶: حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا۔

ثم قال الزندیق من ای شی خلق الاشیاء قال من لا شی قال کیف یجیٔ من لا شیٔ شیٔ قال ان الاشیاء لا تخلوا اما ان تکون خلقت من شیٔ او من غیر شیٔ فان کانت خلقت من شی کان معہ فکان ذلک الشیٔ قدیما والقدیم لا یکون حدیثا ولا یفنی ولا یتغیر ولا یخلو ذلک الشیٔ من ان یکون جوھرا واحدا ولونا واحدا فمن این جاءت ھذہ الالوان المختلفۃ والجواھر الکثیرۃ الموجودۃ فی ھذا العالم من ضروب شتی ومن این جاء الموت ان کان ذلک الشیٔ الذی انشئت منہ الاشیاء حیا ومن این جاءت الحیوۃ ان کان ذلک الشیٔ میتا ولا یجوز ان یکون من حی ومیت قدیمین لم یزالا لان الحی لا یجیٔ منہ المیت وھو لم یزل حیا ولا یجوز ایضا ان یکون المیت قدیما لم یزل لما ھو بہ الموت لان المیت لا قدرۃ لہ ولا بقاء

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جب کہ ایک زندیق نے مخلوق اوّل کے متعلق سوال کیا۔ کہ وہ کس شے سے بنا تو حضرت نے فرمایا یہ لاشے سے خلق ہوا۔ زندیق نے کہا کیا لاشے سے شے بن سکتی ہے۔ حضرت نے فرمایا خلقت اشیاء دو حال سے خالی نہیں یا شے سے بنی ہیں یا لاشے سے پس اگر یہ اشیاء کسی شے سے بنی ہیں تو وہ شے خالق اشیا کے ساتھ موجود ہوگی پھر یہ شے بھی مثل خالق قدیم ہوگی اور جو شے قدیم ہو وہ حادث نہیں ہو سکتی۔ اور نہ وہ فنا ہو سکتی ہے اور نہ تبغیر ہو سکتی ہے یہ شے جو ہر واحد ہوگی رنگ بھی ایک ہوگا۔ کیونکہ قدیم ہے تو پھر بتاؤ اس عالم میں مختلف جواہر اور مختلف رنگ کہاں سے آگئے۔ اگر وہ شے زندہ ہے تو یہ موت کہاں سے آگئی۔ اگر وہ میت ہے تو حیات کہاں سے آگئی۔ اور یہ بھی محال ہے کہ ایک وحی اور ایک میت دونوں قدیم ہوں۔ کیونکہ ایسے حی سے میت کا نکلنا ممکن نہیں جو حی قدیم ہو اور یہ بھی ممکن نہیں کہ میت قدیم اور لم یزلی ہو۔ کیونکہ اس کے ساتھ موت وابستہ ہے جس میں نہ قدرت ہوتی ہے نہ بقاء۔

اس حدیث مبارک سے ثابت ہوا کہ اوّل مخلوق لاشے سے ہی پیدا ہوگا۔ یعنی اس کے لئے کوئی شے نہ ہوگی جس سے اس کی تخلیق ہو۔ کیونکہ وہی تو اوّل ہے۔ اگر کسی شے سے خلق ہوگا تو وہ اول نہ رہے گا بلکہ جس سے خلق ہوگا وہ شے اوّل ہو جائے گی۔ لہٰذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام جبکہ اول مخلوق ہیں۔ اور تمام کائنات کے ہادی و رہبر ہیں۔ اور کل موجودات سے تخلیق میں متقدم ہیں تو بالتحقیق یہ کسی شے سے خلق نہیں ہوئے بلکہ ارادہ خداوندی سے خلق ہوئے۔ کائنات و مکونات کے ممنون نہیں ہیں۔ اسی لئے خود ارشاد فرمایا ہے۔ نحن ارادۃ اللہ و نحن مشیۃ اللہ۔ ہم اللہ عزوجل کا ارادہ و مشیئت ہیں۔ لہٰذا بالتحقیق ان کی نوع علیحدہ ہے۔

دلیل نمبر ۲۷:۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا۔

قال رسول الله صلى الله عليه وآله ان اول ما خلق الله عزوجل ارواحنا فانطقنا بتوحيده وتحميده ثم خلق الملائكة فلما شاهدوا ارواحنا نوراً واحداً استعظموا امرنا فسبحنا لتعلم الملائكة انا خلق مخلوقون وانه منزه عن صفاتنا فسبحت الملائكة بتسبيحنا ونزهته عن صفاتنا فلما شاهدوا اعظم شاننا هللنا لتعلم الملائكة ان لا اله الا الله وانا عبيد ولسنا بالهة فقالوا لا اله الا الله فلما شاهدوا اكبر محلنا كبرنا لتعلم الملائكة ان الله اكبر ان ينال عظم المحل الابه فلما شاهدوا ما جعل الله لنا من العزة والقوة قلنا لا حول ولا قوة الا بالله لتعلم الملائكة ان لا حول ولا قوة الا بالله فلما شاهدوا ما انعم الله به علينا واوجبه لنا من فرض الطاعة قلنا الحمد لله لتعلم الملائكة فقالت الملائكة الحمد لله فبنا اهتدوا الى معرفة توحيد الله وتسبيحه وتهليله وتحميده وتمجيده ان الله تبارك وتعالى خلق آدم فاودعنا صلبه وامر الملائكة بالسجود تعظيما له واكراما وكان سجودهم لله عزوجل عبودية ولآدم اكراما وطاعة لكوننا فی صلبه (غاية المرام ص۹)

آں حضرتؐ نے فرمایا سب سے پیشتر اللہ عزوجل نے ہمارے ارواح کو پیدا کیا۔ اور ہمیں تخلیق ہی میں ناطق بنا دیا۔ ہم اس کی توحید و حمد و ثنا کا نطق کرنے لگے۔ پھر جب ملائکہ کو خلق فرمایا اور انہوں نے ہمارے ارواح کو ایک ہی نور میں مشاہدہ کیا تو ہماری عظمت سے متاثر

ہوئے۔ ہم نے فوراً تسبیح شروع کر دی تاکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ ہم مخلوق ہیں۔ اور جس کی تسبیح کر رہے ہیں۔ وہ ہمارے صفات سے منزہ ہے۔ پس ملائکہ نے بھی ہماری تسبیح کو دیکھ کر تسبیح شروع کر دی۔ اور ذاتِ حق کو ہماری صفات سے منزہ سمجھنے لگے اور جب انہوں نے ہماری شان کو ملاحظہ کیا تو ہم لا الٰہ الا اللہ کا ورد کرنے لگے تاکہ ملائکہ یہ سمجھ لیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ ہم اس کے بندے ہیں ہم الٰہ نہیں ہیں۔ پس انہوں نے بھی لا الٰہ الا اللہ کا ورد شروع کر دیا۔ جب ملائکہ نے ہمارے مقامِ بزرگ کا معائنہ کیا تو ہم تکبیر کا ورد کرنے لگے تاکہ فرشتے سمجھ لیں کہ اللہ بذاتِ خود اکبر ہے۔ کسی شئے کی نسبت سے اکبر نہیں جب انہوں نے ہماری عزت وقوت پر نظر کی تو ہم لا حول ولا قوۃ الا باللہ پڑھنے لگے۔ یعنی طاقت اور قوت صرف اللہ ہی سے حاصل ہوتی ہے تاکہ فرشتے سمجھ لیں کہ طاقت وقوت کا مبدء خدا ہی ہے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ خدا نے ہمیں کیا ہی نعمتیں دی ہیں۔ اور ہماری اطاعت کو کائنات پر فرض کر دیا ہے تو ہم نے الحمد للہ کا ورد کیا تاکہ ملائکہ حمد کو خدا کے لئے مخصوص سمجھ لیں۔ پس وہ الحمد للہ کہنے لگے۔ ہمارے ہی ذریعہ انہیں تسبیح وتہلیل وتمجید وتحمید کا طریقہ حاصل ہوا ہے۔ جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے آدم کو خلق کیا اور ہمیں ان کے صلب میں سپرد کیا تو ملائکہ کو ہمارے وجود کی وجہ سے سجدہ کا حکم عطا کیا۔ یہ سجدہ خدا کے لئے اس کی عبودیت کا سجدہ تھا اور آدم کے لئے ان کی تعظیم واطاعت کا سجدہ تھا۔

اس حدیث مبارک سے جہاں تخلیق محمد وآل محمد علیہم السلام کی جداگانہ نوعیت کا ثبوت ملتا ہے وہاں یہ بھی واضح ہو گیا کہ سجدہ تعظیمی اطاعتی غیر خدا کے لئے جائز ہے جو درحقیقت سجدہ اطاعت وتکریم ہے۔ خدا کے لئے سجدہ عبودیت ہے جو اس کی ذات کے لئے مخصوص ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے مگر سجدہ تعظیمی اطاعتی شرک نہیں ہے۔ حضرت آدم کو جس سبب سے سجدہ تعظیمی اطاعتی کرایا گیا وہ حضرات محمد وآل محمد علیہم السلام کا وجودِ مبارک نوری ہے۔ خداوند عالم نے جب ان کو صلب آدم میں ودیعت فرمایا تو فرشتوں کو حکم سجدہ عطا فرمایا ان ہی ہستیوں کے اسماء مبارکہ بھی حضرت آدم کو تعلیم کئے گئے تھے۔ اور فرشتوں کے سامنے یہی ہستیاں پیش کی گئی تھیں۔ ثم عرضھم علی الملائکۃ۔ ان کی حقیقت جداگانہ ہے لہٰذا نوع علیحدہ ہے۔

دلیل ۲۸:۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ مرحبا بمن خلقہ اللہ قبل آدم باربعین الف عام قال ابن عباس، فقلت یا رسول اللہ کان الابن قبل الاب قال نعم ان اللہ خلقنی وخلق علیاً قبل ان یخلق آدم بھذہ المدۃ خلق نوراً فقسمہ نصفین فخلقنی من نصفہ وخلق علیا من نصفہ الاخر قبل

الاشیاء کلہا ثم خلق الاشیاء فکانت مظلمۃ فنورھما من نوری و نور علی ثم خلق الملائکۃ فسبحنا فسبحت الملائکۃ فھللنا فھللت الملائکۃ وکبرنا فکبرت الملائکۃ وکان ذلک من تعلیمی و تعلیم علی (غایۃ المرام ص۱۱)

آں حضرتؐ نے فرمایا مرحبا مرحبا اس مرد کے لئے جس کو خداوند عالم نے حضرت آدم سے چالیس ہزار سال پہلے پیدا کیا ہے۔ ابن عباس نے عرض کی یارسول اللہ کیا بیٹا باپ سے پہلے تھا۔ آپ نے فرمایا بے شک پہلے تھا بالتحقیق خداوند تعالیٰ نے مجھے اور علی کو جناب آدم سے مدت مذکورہ سے پہلے ایک نور سے خلق کیا۔ اس کے دو نصف کئے۔ ایک نصف سے مجھے اور دوسرے نصف سے علی کو پیدا کیا۔ ہماری تخلیق تمام اشیاء کائنات سے پیشتر فرمائی۔ تمام اشیاء تاریکی میں تھے میرے اور علی کے نور سے منور ہو گئے پھر فرشتوں کو خلق فرمایا۔ پس ہم نے تسبیح کی تو فرشتوں نے ہم سے تسبیح سیکھی۔ ہم نے تکبیر کی تو ملائکہ نے ہم سے تکبیر سیکھی یہ سب کچھ میری اور علی کی تعلیم سے انہوں نے حاصل کیا۔

اس حدیث مبارک سے معلوم ہوا کہ حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام کی تخلیق کائنات و مکونات سے مقدم ہے۔ بلکہ سبب وجود کائنات ہے۔ لہذا جس طرح باپ اپنے بیٹے کے لئے سبب وجود ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ حضرات بھی سببِ وجود کل موجودات ہیں۔ لہذا یہ حضرات کائنات کے لئے باپ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جیسا کہ احادیث میں ان کی ابوت کا تذکرہ موجود ہے۔ آں حضرتؐ نے فرمایا اے علیؑ میں اور تم یعنی ہم دونوں اُمت کے باپ ہیں چونکہ کل مخلوقات ان کی اُمت ہے۔ لہذا کل مخلوقات کے لئے باپ ہیں۔ اسی نسبت سے جناب آدم کے بھی باپ ہیں۔ کیونکہ ان ہستیوں کا وجود نہ ہوتا تو آدم کا وجود نہ ہوتا یہ ہے ان ذواتِ مقدسہ نورانیہ کی تخلیق جو تمام عالمین سے اپنی نوعیت میں جداگانہ ہے لیکن جب بشری ظہور میں آئے تو بلحاظ بشریت جناب آدم ابوالبشر ان کے باپ کہلائے وہ ان کے باپ ہیں۔ بشری لحاظ سے اور بیٹے ہیں نورانی لحاظ سے۔ لہذا ان کی نوع جداگانہ ہے۔

دلیل نمبر ۲۹:۔ جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا جب کہ محبانِ علی علیہ السلام نے آں حضرتؐ سے عرض کی یارسول اللہ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ تو عہدِ طفلی میں اسلام لائے۔ اس سے ہمارے قلوب محزون ہوتے ہیں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ ان اللہ خلقنی و علیا من نور واحد و انا کنا فی صلب آدم نسبح اللہ تعالیٰ ثم نقلنا الی اصلاب الآباء و ارحام

النساء یسمع تسبیحنا فی الظهور والبطون فی کل عهد وعصراً الی عبدالمطلب وان نورنا کان یظهر فی وجوه آبائنا وامهاتنا حتی تبین اسماءنا مخطوطة بالنور علی جباههم ثم افترق نورنا فصار نصفه فی عبدالله ونصفه فی ابی طالب عمی فکان یسمع تسبیحنا من ظهورهما وکان ابی وعمی اذا جلسا فی الملاء من الناس یتلالأ نورنا فی وجوههم من دونهم حتی ان السباع والهوام لیسلمان علیهما لاجل نورنا

(مدینۃ المعاجز ص۶ وتفسیر برہان ص۳۲۶)

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا (اے مجابن علیؑ تم جانتے ہو کہ) بالتحقیق خداوند عالم نے مجھے اور علیؑ کو نور واحد سے خلق کیا۔ ہم دونوں صلب آدم میں خدا کی تسبیح کرتے تھے۔ پھر ہم منتقل کئے گئے۔ اصلاب وارحام آباء وامہات کی طرف یہاں تک کہ عبدالمطلب کے صلب میں منتقل ہوئے۔ ہر زمانہ اور ہر عصر میں ان بزرگواروں کے صلب ورحم سے ہماری تسبیح کی آوازیں سنی جاتی تھیں۔ اور ہمارا نور ان کی پیشانیوں سے ظاہر ہوتا تھا۔ حتیٰ کہ ہمارے اسماء بھی جو نور سے تحریر کئے گئے تھے۔ ان کی پیشانیوں سے چمکتے دمکتے تھے۔ پھر نصف حصہ نور عبداللہ اور نصف حصہ نور میرے چچا ابوطالب میں پہنچا۔ ان کی پشتوں سے بھی ہماری تسبیح کی آوازیں سنائی دیتی تھیں اور جب میرے والد اور چچا مجمع قریش میں تشریف فرما ہوتے تھے تو میرا نور میرے والد کے صلب سے اور علیؑ کا نور ان کے والد کے صلب سے ظاہر ہوتا تھا اور درندہ جانور، اور حشرات الارض بھی ان پر سلام کرتے تھے۔ یہ کرامات ہمارے نور کی وجہ سے تھے (زیادہ تذکرہ کہ ہم اصلاب وبطون سے شکل بشری ظاہر ہوئے)

اس حدیث مبارک سے واضح ہے کہ یہ حضرات اپنی خلقت اولی نوری میں ہی منتقل ہوتے رہے اور تسبیح وحمد بجالاتے رہے ہیں۔ ہماری طرح نطفہ بن کر منتقل نہیں ہوئے۔ بلکہ ان کے انوار کی شعاعیں پیشانیوں سے چمکتی دمکتی تھیں۔ لہٰذا ان کی نوع جداگانہ ہے۔ صرف بشری شکل عطا کی گئی ہے تاکہ جنس کی مشارکت کی وجہ سے لوگ استفادہ کرسکیں۔

دلیل نمبر ۳۰: قال جابر بن عبدالله الانصاری قلت یا رسول الله هذه حالنا فکیف حالك وحال الاوصیاء بعدك فی الولادة فسکت رسول الله ملیا ثم قال یا جابر لقد سئلت عن امر جسیم لا یحتمله الا ذو حظ عظیم

ان الانبیاء والاوصیاء مخلوقون من نور عظمة الله جل ثناءه یودع الله تعالیٰ انوارهم اصلاباً طیبة وارحاماً طاهرة یحفظها الله بملائکته ویربیها بحکمته ویغذوها بعلمه فامرهم یجل من ان یوصف ولاحوالهم تدق ان تعلم (مائی ممنقبۃ۔ ص۱۳۲)

جب خلقت بشر کی کیفیت وحالت آیہ ولقد خلقنا الانسان من سلالۃ من طین کی روشنی میں جناب رسالت مآبؐ نے بیان فرمائی۔ (ترجمہ آیت) اور یقیناً ہم نے انسان کو گندھی ہوئی مٹی کے جوہر سے پیدا کیا۔ پھر ہم نے اس کو محفوظ جگہ نطفہ یعنی جوہر بنا دیا۔ پھر اس کو جمے ہوئے خون کا پھٹکہ بنا دیا۔ پھر اس کو ایک لوتھڑا بنا دیا۔ پھر اس کو ہڈیاں بنا دیا۔ پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیا۔ پھر ہم نے اس میں (روح ڈال کر) جو ایک دوسری مخلوق ہے۔ انسان پیدا کر دیا۔ پس خدائے بابرکت تمام خالقوں میں افضل خالق ہے۔ پھر اس کے بعد تم مرنے والے ہو۔ پھر یقیناً تم روز قیامت اٹھائے جاؤ گے) تو جابر بن عبداللہ انصاری نے عرض کی یا رسول اللہ! یہ تو ہماری ولادت کا حال ہے۔ اب یہ فرمائیے کہ آپ کی اور آپ کے اوصیا کی ولادت کا کیا حال ہے۔ حضرت نے کچھ دیر خاموش ہو کر فرمایا۔ اے جابر تم نے نہایت عظیم امر کا سوال کیا ہے اس کو صرف وہی لوگ برداشت کر سکتے ہیں۔ جن کو علم و معرفت کا عظیم حصہ عطا ہوا ہو۔ بالتحقیق انبیا و اوصیا خداوند عالم کے نور عظمت سے مخلوق ہوئے ہیں۔ یعنی جن کے نور سے عظمت خدا کا اظہار ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان ہی انوارِ عظمت کو اصلاب طیبہ اور ارحام طاہرہ میں ودیعت فرما دیتا ہے۔ جن کی نگہداشت ملائکہ کرتے ہیں۔ اور خدا اپنی حکمت سے ان کی تربیت کرتا ہے اور غذائے علم عطا کرتا ہے۔ ان کی ولادت کا حال بیان میں نہیں لایا جا سکتا۔ اور تمہارا علم ان کے دقیق ترین احوال ولادت تک نہیں پہنچ سکتا۔

اس حدیث مبارک سے واضح و لائح ہو گیا کہ ہماری تولید کی نوعیت آشکار ہے۔ روزمرہ کا مشاہدہ ہے لیکن انبیاء و ائمہ طاہرین علیہم السلام کی نوعیت تولید قطعاً مختلف ہے۔ جس کی کیفیت کو جابر بن عبداللہ جیسے بلند پایہ صحابی بھی نہیں سمجھ سکتے تھے۔ جناب رسالت مآبؐ نے جس کو امر عظیم فرمایا ہے اور علوم اکتسابیہ بشر کے ادراک سے مافوق ظاہر کیا ہے۔ لہٰذا ہمیں اس کی حقیقت معلوم کرنے کی سعی و کوشش سے اجتناب ہی کرنا چاہیے۔ یہ ہمارے فہم و دانش سے بالاتر ہے۔ بس ہمیں اس قدر تسلیم کر لینا چاہیئے کہ ہماری تولید اور انبیاء و آئمہ کی تولید میں قطعاً و یقیناً فرق ہے۔ اپنی تولید کا ان پر

قیاس نہیں کرنا چاہیئے۔ لہذا ثابت ہوا کہ ان کی نوع جداگانہ ہے۔

دلیل ۲۲ :۔ امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا۔

انا معاشر الاوصیاء لیس نحمل فی البطون وانما نحمل فی الجنوب ولا نخرج من الارحام وانما نخرج من الفخذ الایمن من امهاتنا لاننا نور الله الذی لا تناله ونسات (مدینۃ المعاجز ص۵۸۹)

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنی عمہ جان حکیمہ خاتون کو جب ولادت پسر خود کی بشارت دی تو انہوں نے اظہار کیا کہ نرجس خاتون میں تو کوئی آثار حمل نہیں ہیں، پھر اس شب میں کس طرح ولادت ہوگی۔ اس وقت حضرت نے فرمایا بالتحقیق ہم گروہ اوصیاء کا حمل بطون میں نہیں ہوتا بلکہ امہات کے پہلوؤں میں ہوتا ہے۔ اور ہم رحم مادر سے درآمد نہیں ہوتے بلکہ ان کی داہنی ران سے باہر آتے ہیں کیونکہ ہم نورِ خدا ہیں اس لئے کسی قسم کی کوئی نجاست ہمیں چھو نہیں سکتی۔

اس حدیث مبارک سے بالکل صاف طور پر ثابت ہو گیا کہ ان ذواتِ مقدسہ کی ولادت قطعاً و حتماً ہم سے مختلف ہے۔ ہم جب پیدا ہوتے ہیں تو ہم بھی نجس مادر مہربان بھی نجس۔ مگر یہ حضرات انوارِ الٰہیہ ہیں اس لئے ان کا طریقہ حمل و ولادت جداگانہ ہے۔ ان کو کسی قسم کی آلائش مس نہیں کر سکتی۔ لہذا ان کی نوع جداگانہ ہے۔

دلیل نمبر ۲۳ :۔ عن محمد بن عثمان العمری قدس الله روحه انه قال ولد السید مختونا وسمعت حکیمة تقول انه لم یر بامه دم فی نفاسها وهکذا سائر امهات الائمة صلوات الله علیهم (مدینۃ المعاجز ص۵۹۲)

حضرت ولی العصر عجل اللہ فرجہ کے نائب خاص اور امام حسن عسکری کے مخصوص صحابی و شاگرد جناب محمد بن عثمان قدس اللہ روحہ کا بیان ہے کہ میں نے جناب حکیمہ خاتون سے سماعت کیا کہ حضرت امام زمانہ مختون پیدا ہوئے۔ اور وقتِ ولادت ان کی والدہ ماجدہ سے کوئی نجاست از قسم نفاس قطعاً نظر نہیں آئی۔ تمام آئمہ علیہم السلام کی ولادت کی یہی حالت ہوتی ہے ان کی امہات کو کسی قسم کی نجاست چھو نہیں سکتی۔

اس موثق و معتبر بیان سے واضح ہے کہ آئمہ طاہرین کی والدات کو کسی قسم کی نجاست عارض نہیں ہوتی۔ جیسا کہ ہماری ولادت کے وقت ہوتا ہے۔ ان کی نوعیت ولادت ہم سے مختلف ہے۔ لہذا ان کی نوع جداگانہ ہے۔

دلیل نمبر ۳۴ :۔ جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ ان فاطمۃ صلوات اللہ علیہا لیست کاحد منکن انہا لا تری ومافی حیض ولا نفاس کالحودیۃ (وافی ص۱۴۲/۲۴)

جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا۔ بالتحقیق فاطمہ تم جیسی عورتوں کی طرح نہیں ہیں۔ یہ کبھی کسی قسم کا خون حیض و نفاس نہیں دیکھتی ہیں۔ جیسے حوریہ۔

اس حدیث مبارک سے بھی ظاہر ہے کہ ام الحسنین علیہم السلام کو ہماری عورتوں کی طرح کسی قسم کی نجاست عارض نہیں ہوتی۔ اسی لئے ان ذواتِ مقدسہ کے لئے مسجد النبیؐ میں دروازہ ہر وقت کھلا رہتا تھا۔ ہر حالت میں ہمہ وقت ان کے لئے مسجد میں ٹھہرنا اور آمد و رفت جائز و مباح تھی جب کہ دوسروں کے لئے ممنوع تھی۔ لہٰذا ان کی نوع جداگانہ ہے۔

دلیل نمبر ۳۵ :۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔

ان الامام یسمع فی بطن امہ فاذا ولد خط بین کتفیہ وتمت کلمۃ ربک صدقا وعدلا لا مبدل لکلماتہ وھو السمیع العلیم ۔ (وافی ص۱۵۶/۲۴)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔ بالتحقیق امام شکم مادر میں سب کچھ سنتا ہے۔ اور جب پیدا ہوتا ہے تو اس کے شانوں کے درمیان آیۂ قرآن خود کندہ فرما دیتا ہے۔

اگر ان کی ولادت ہماری طرح نجس ہوتی تو ان کے جسد اقدس پر قرآن تحریر نہ کیا جاتا۔ کیونکہ اس کو بلا وضو و طہارت مس کرنا بھی حرام ہے، چہ جائیکہ کسی جسد پر خود خدا کندہ کر دے۔ لہٰذا ان کی نوع جداگانہ ہے۔

دلیل نمبر ۳۶ :۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی ولادت خانہ کعبہ میں ہوئی۔ دیوار کا شق کرنا اور پھر ملا دینا قدرت کی طرف سے عمل میں آیا۔ اگر یہ ولادت ہماری طرح ہوتی تو خداوند عالم خانہ کعبہ کو خود نجس نہ کرتا جبکہ ابراہیم و اسماعیل علیہم السلام کو تاکیدی حکم دیا ہے کہ کعبہ کو پاک رکھنا نجس نہ ہونے پائے۔ لہٰذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ مولود طیب و طاہر ہے۔ اور والدہ کو کسی قسم کی کوئی نجاست مس نہیں ہوئی۔ لہٰذا ان کی نوع جداگانہ ہے۔

دلیل نمبر ۳۷ :۔ جناب امام حسین علیہ السلام کی ولادت کے وقت آں حضرتؐ نے اُم ایمن سے

فرمایا کہ میرے فرزند کو فوراً میرے پاس لاؤ۔ انہوں نے عرض کی ابھی طاہر نہیں کیا ہے۔ غسل نہیں دیا ہے۔ آپ نے فرمایا کیا تم اس کو پاک کرو گی۔ جس کو خدا نے طیب و طاہر پیدا کیا ہے۔ لے آؤ میرے پاس۔ وہ لے آئیں۔ حضرتؑ نے چشم و ابرو اور لب و دندان کے بوسے دیئے۔ معلوم ہوا کہ ان کی ولادت ہماری طرح نہیں۔ لہٰذا ان کی نوع جداگانہ ہے۔

دلیل نمبر ۳۸:۔ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا:۔

الائمة حالهم فی المنام حالهم فی اليقظة لا يغير النوم منهم شيئاً۔ (مرأة العقول ص۲۹۱)

آئمہ طاہرین کی حالت خواب میں بھی وہی ہوتی ہے۔ جو بیداری میں ہے خواب ان کی حالت میں کوئی تغیر نہیں کر سکتا۔

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ ان کے اور ہمارے بشری اعضاء کی حقیقتیں بھی جدا ہیں۔ چہ جائیکہ نورانی حقیقتیں۔ لہٰذا نوع جداگانہ ہے۔

دلیل نمبر ۳۹:۔ قرآن مجید میں خلقت بشر کے لئے خداوند عالم نے ارشاد فرمایا ہے۔

والله اخرجكم من بطون امهاتكم لا تعلمون شيئاً۔

یعنی خداوند عالم نے تمہیں تمہاری ماؤں کے شکموں سے نکالا کہ تم قطعاً کچھ نہ جانتے تھے۔

یہ ہم انسانوں کی ولادت ہے کہ ہم جاہل پیدا ہوتے ہیں۔ ایک حرف نہیں جانتے اور نبی و امام پیدا ہوتے ہی صحف آسمانی سناتے ہیں۔ اپنی اولادات سے گفتگو کرتے۔ خدا کی توحید و تکبیر و تحمید کے کلمات اپنی زبانِ مقدس سے جاری کرتے ہیں۔ ان کی حقیقتیں جدا ہیں۔ لہٰذا ان کی نوع جدا ہے۔

قرآن مجید کی روشنی میں ثبوت جداگانہ نوع

ہم فی الحال اس مقصد کے ثبوت میں صرف چند آیات قرآن کریم پیش کرتے ہیں۔ جن سے حضرت محمد و آلِ محمد علیہم السلام کی نوعیت خلقت جداگانہ ثابت ہے۔ قرآن مجید چونکہ صرف لغت سے حل نہیں ہو سکتا۔ اور خداوند عالم کے معنی مرادی کا علم بغیر وحی و الہام حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے تفسیر بالرائے کو قیاس شیطانی اور موجب عذاب جہنم قرار دیا گیا ہے۔ لہٰذا ہم ہر آیت کی تفسیر صرف معصومین علیہم السلام کی زبان حق ترجمان سے پیش کریں گے۔

دلیل نمبر ۴۰:۔ وما منا الا له مقام معلوم ○ وانا لنحن الصافون وانا

لنحن المسبحون (پارہ ۲۳ صفت آیت ۱۶۴ - ۱۶۵)

اور ہم میں سے ہر ایک کا ایک مقام معین ہے ۔ اور یقیناً ہم ہی صف بستہ عبادت کرنے والے ہیں ۔ اور ہم ہی یقیناً تسبیح کرنے والے ہیں ۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ آیت آئمہ طاہرین علیہم السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے ۔ معین مقام سے منزلت و مرتبہ مُراد ہے ۔ جو انہیں خداوند عالم نے عطا فرمایا ہے کہ مطابق امر خدا تدبیر عالم کریں ۔

جناب امیر المومنین و امام جعفر صادق علیہم السلام نے فرمایا ہم عالم نور میں صف بستہ تسبیح خدا کرتے تھے ۔ تمام اہل آسمان نے ہم ہی سے تسبیح سیکھی ہے ۔ اور جب ہم زمین پر وارد ہوئے تو تمام اہل زمین نے ہم ہی سے تسبیح سیکھی ۔

اِس آیہ وافی ہدایہ سے معلوم ہوا کہ یہ ذواتِ مقدسہ خلقت ابوالبشر سے پیشتر ہادی و معلم سموات تھے ۔ ان کی حقیقت "خلقت بشر" سے پیشتر اور جُداگانہ ہے ۔ لہٰذا ان کی نوع علیحدہ ہے ۔ کیونکہ متفق الحقائق ایک نوع ہوتے ہیں نہ کہ مختلف الحقائق ۔

دلیل نمبر ۱۸ :- قَالَ يَا اِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ ۔ (پ ۲۳ - سورہ ص آیت ۷۵)

خداوند عالم نے فرمایا اے ابلیس کس بات نے تجھے اس ہستی کو سجدہ کرنے سے روکا جس کو میں نے اپنے دو ہاتھوں سے بنایا ۔ کیا تو نے تکبّر کیا ۔ یا تو بلند مرتبہ ہستیوں میں سے ہے ۔

ابو سعید خدری صحابی کا بیان ہے کہ ہم آں حضرتؐ کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک شخص نے آپ کی خدمت میں عرض کی ۔ یا رسول اللہ جب ابلیس سے خدا نے فرمایا کہ تو نے تکبّر کیا یا تو بلند مرتبہ ہستیوں میں سے ہے ۔ تو اُس وقت بلند مرتبہ ہستیاں کون تھیں ۔ حضرت نے فرمایا میں اور علیؑ اور فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ تھے ۔ ہم آدم سے پیشتر خدا کی تسبیح کرتے تھے ۔ جب آدم پیدا ہوئے تو خدا نے ملائکہ کو سجدۂ آدم کا حکم اس لئے دیا کہ ہم ان کی صلب میں تھے ۔ تمام ملائکہ نے سجدہ کیا ۔ مگر ابلیس نے نہ کیا ۔ پس خدا نے فرمایا کیا تو نے تکبر کیا یا تو بلند مرتبہ ہستیوں میں سے ہے ۔ وہ بلند ہستیاں ہم ہیں ۔ ہم ہی خدا تک پہنچنے کا دروازہ ہیں ۔ جو ہم سے محبت کرے گا ۔ خدا اس سے محبت کرے گا جو ہم سے بغض رکھے گا اور ہم سے صرف حلال زادہ ہی محبت کرے گا ۔ (تفسیر البرہان)

اس آیت سے بھی ثابت ہوا کہ یہ ذواتِ مقدسہ ہی عالین ہیں جو ملائکہ سے پیشتر خلق ہوئے ان ہی کی وجہ سے حضرت آدم مسجودِ ملائکہ بنائے گئے۔ ان کی حقیقت جداگانہ ہے۔ لہذا ان کی نوع جداگانہ ہے۔ کیونکہ بشریت کے وجود سے سابق الوجود ہیں۔

دلیل نمبر ۲۴ :- وتوکل علی العزیز الرحیم ۥ الذی یراک حین تقوم وتقلبک فی الساجدین ۥ انہ ھو السمیع العلیم (پ ۱۹ سورۃ الشعراء آیت ۲۱۸ ۔ ۲۱۹)

اور تم اے رسولِ خدا غالب و رحیم پر بھروسہ کرو جو تمہیں دیکھتا ہے وقتِ قیام بھی۔ اور سجدہ کرنے والوں میں تمہاری مسلسل منتقلی کو بھی۔ وہ یقیناً سمیع و علیم ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں امام محمد باقر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ سجدہ کرنے والوں میں تقلب کے معنی ان کے اصلاب میں منتقل ہونا ہے۔ اور وہ اصلاب انبیاء ہیں۔ اور منتقل ہونے والے محمد و علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ اہل بیت ہیں۔ جو ایک نبی سے دوسرے نبی کی صلب میں منتقل ہوتے رہے۔ اور پہلے حضرت آدم کے صلب میں منتقل ہوئے۔

جناب رسالت مآبؐ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا جب کہ جابر بن عبداللہ انصاری نے دریافت کیا کہ جب آدم جنت میں تھے تو آپ کہاں تھے۔ حضرت نے فرمایا کہ ہم صلب آدم میں تھے اور جب وہ زمین پر آئے تو بھی ہم صلب میں تھے۔ اور جب حضرت نوح کشتی میں تھے تو ہم بھی ان کے ساتھ کشتی میں تھے۔ اور جب حضرت ابراہیم نارِ نمرود میں ڈالے گئے تو ہم بھی ان کے ساتھ ساتھ تھے ہمیں خداوند عالم نے اصلابِ طاہرہ اور ارحامِ مطہرہ میں منتقل کیا۔ یہاں تک کہ عبدالمطلب کے صلب میں پہنچے۔ پس خدا نے ہمیں دو حصوں میں منقسم کر دیا۔ مجھے صلب عبداللہ میں اور علیؑ کو صلب ابوطالب میں۔

اس آیت کی تفسیر سے بھی ثابت ہوا کہ حضرات محمد و آلِ محمد علیہم السلام خلقتِ آدم سے پیشتر موجود تھے۔ انبیاء علیہم السلام کے اصلاب میں منتقل ہوتے رہے۔ جس طرح کوئی آدمی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جاتا ہے۔ ان کی تخلیق ہماری طرح نہیں ہے۔ بلکہ ان کی حقیقت حضرت آدم کی حقیقت سے بھی جداگانہ ہے۔ حضرت آدم قطرہ نجس سے نہیں بنے۔ بلکہ گندھی ہوئی مٹی سے پیدا کئے گئے۔ اور بشر کہلائے۔

لہذا معلوم ہوا کہ بغیر قطرہ نجس پیدا ہونے والا (آدم) لفظ بشر کا مصداق ہے۔ کیونکہ انہیں بشرہ کی وجہ سے بشر کہا گیا۔ بشرہ جلد یعنی کھال کو کہتے ہیں۔ چونکہ وہ کھال والے تھے۔ اس لئے بشر یعنی صاحب بشرہ کہلائے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ بھی بغیر قطرہ نجس پیدا ہوئے اور بشر کہلائے نیز جبرائیل

بھی جب شکل بشر میں بی بی مریم کے پاس آئے تو ان کو بھی بشرہ کی وجہ سے بشر سوی کہا گیا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ بغیر قطرۂ نجس پیدا ہونے والے کو صاحب بشرہ ہونے کی وجہ سے بشر کہا گیا ہے۔ جیسے حضرت آدمؑ اور جناب عیسیٰؑ اور جناب جبرئیل بلکہ دیگر فرشتے بھی جو جناب ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں بشکلِ بشر حاضر ہوتے تھے۔ اگرچہ ان ملائکہ میں بشر کی طرح اکل وشرب کا مادہ نہ تھا۔ مگر جناب آدمؑ اور جناب عیسیٰؑ میں یہ مادہ تھا۔ وہ اکل وشرب کرتے تھے۔ دونوں صورتوں میں بغیر قطرۂ نجس پیدا ہونے والے بشر کہلائے۔ لہٰذا بشریت کے لئے قطرہ نجس سے پیدا ہونا ضروری نہیں ہے۔

اس موضوع پر آئندہ گفتگو ہوگی جب کہ قائلین وحدتِ نوع کے شبہات رد کئے جائیں گے بہر حال آیۂ مذکورہ سے ان ذواتِ عالیہ کی نوع جداگانہ ثابت ہے۔ کیونکہ حقیقت جداگانہ ہے۔

دلیل نمبر ۴۳:۔ قل ان کان للرحمن ولد فانا اول العابدین۔

(پ ۲۵۔ سورۂ زخرف آیت ۸۱)

کہہ دو اگر رحمٰن کا کوئی بیٹا ہوتا تو میں تو عبادت گذاروں میں اول ہوں۔ مجھے اس سے انکار نہ ہوتا۔

اس آیت سے آں حضرتؐ کی اوّلیت تخلیق ثابت ہوتی ہے۔ یعنی آپ سب سے پہلے عبادت گذار ہیں۔ جب کہ عالم انوار میں تھے۔ اور خدا کے سوا کوئی شے نہ تھی۔ اگر خدا کا بیٹا ہوتا۔ تو آپ ولد خدا کا انکار نہ فرماتے۔ جیسا کہ امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ اس آیت سے اوّلیت کے ساتھ انکار ولد مراد ہے۔

تفسیر آیۂ مذکورہ میں مفسرین نے مندرجہ ذیل تاویلات تحریر کئے ہیں۔

اوّل:۔ جن لوگوں نے خدا کے لئے اولاد تجویز کی تھی ان کی رد کی گئی ہے۔ بایں طریق کہ اگر خدا کا کوئی بیٹا ہوتا تو میں نے جب کہ سب سے پہلے عبادت کی ہے۔ اور عبادت صرف معبود واحد ہی کی ہو سکتی ہے۔ تو صاحب ولد کی عبادت کا میں سب سے پہلے منکر ہوتا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ اس کی کوئی اولاد نہیں ہے۔ کیونکہ میں اس کا اول عبادت گذار ہوں۔

دوم:۔ اس آیت میں لفظ "ان" بمعنی ما نافیہ" ہے۔ یعنی نہیں اللہ کے لئے کوئی ولد میں تو اس کا اوّل عبادت گذار ہوں۔

سوم:۔ اگر اس کا کوئی ولد ہوتا تو میں سب سے پہلے اس کی عبادت کا انکار کرتا کیونکہ جس کی اولاد ہوگی وہ یقیناً جسمانی اور حادث ہوگا۔ مستحق عبادت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ ان انعامات پر قادر ہی نہیں

ہو سکتا جو عبادت گذاروں کو ان کی عبادت کے صلہ میں عطا کئے جائیں ۔ لہٰذا امیر اوّل العابدین ہونا دلیل ہے کہ اس کی اولاد نہیں ہے ۔

چہارم ۔ اگر خدا کے لئے ولد ہوتا تو میں اس کی عبادت سب سے پہلے کرتا مگر میں نے ہرگز ولد خدا کی عبادت نہیں کی ۔ لہٰذا اس کا ولد نہیں ہے ۔

بہر حال اس آیت سے خلقت اوّلیہ کا ثبوت ملتا ہے ۔ لہٰذا ان کی نوع جدا ہے ۔ کیونکہ انکی حقیقت جداگانہ ہے ۔ متفق الحقائق نہیں ہیں ۔

دلیل نمبر ۴ :- کل شئ ھالک الا وجھہ لہ الحکم والیہ ترجعون (پ ۲۰ قصص ۸۸)

اس کے وجہ کے سوا ہر شے ہلاک ہونے والی ہے ۔ فیصلہ اسی کا ہے ۔ اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے ۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے آیۂ مذکورہ کی تفسیر دریافت کی گئی تو آپ نے فرمایا ۔ کہ اللہ تعالٰی اس سے اجل وارفع ہے کہ اس کا چہرہ ہو ۔ یعنی تمام اعضاء اس کے ہلاک ہو جائیں ۔ بس ایک چہرہ ہلاکت سے بچ جائے ۔ کیا تم نے یہ آیت نہیں پڑھی ۔ " کل من علیھا فان ویبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرام " جو کچھ زمین پر ہے سب فنا ہو جائے گا ۔ تمہارے رب کا صاحب جلال و اکرام چہرہ باقی رہ جائے گا ۔ اللہ تعالٰی نے تمام خلق کو جدا اور اپنے چہرہ کو جدا کر کے بیان فرمایا ہے ۔ ائمہ اہل بیت علیہم السّلام نے وجہ اللہ کے معنی مراد یہ ارشاد فرمائے ہیں کہ جس کے ذریعہ خدا کی معرفت و عبادت حاصل ہو وہ وجہ اللہ ہے ۔ اور قسم کھا کر فرمایا ہے واللہ نحن وجہ اللہ ہم ہی قسم بخدا وجہ اللہ ہیں ۔

امام رضا علیہ السّلام نے ابو صلت سے فرمایا کہ لوگوں نے خدا کے لئے چہرہ تجویز کر لیا ۔ جیسے مخلوق کے چہرے ہوتے ہیں ۔ یہ لوگ کافر ہیں ۔ اے ابو صلت وجہ اللہ ہم ہیں ۔ ہم حجۃ اللہ ہیں ہمارے ذریعہ خدا تک پہنچا جاتا ہے ۔ ہم ہی وجہ معرفت خدا ہیں ۔

امام محمد باقر علیہ السّلام نے فرمایا ہم ہی وجہ اللہ ہیں ۔ ہمارے ہی ذریعہ معرفت خدا حاصل ہوتی ہے ۔ وجہ اللہ ہی دین اللہ ہے (کیونکہ دین کوئی مادی چیز نہیں ہے)

امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا ہم وجہ اللہ ہیں ۔ ہر شے ہلاک ہوگی ہم ہلاک نہ ہونگے (البرہان) یہی حضرات دین ہیں کیونکہ دین الہٰی کے حرکات و سکنات کا نام ہے ۔ حضرت امیر المومنین

علیہ السلام نے دیگر خلق اور وجہ میں فصل وجدائی بیان فرمائی ہے۔ یعنی وجہ اللہ اور دیگر خلق میں خدا نے فصل کر دیا ہے۔ خلق اور ہے اور وجہ اللہ اور ہیں۔ لہٰذا وجہ اللہ کی نوع جداگانہ ہے۔ کیونکہ ان حضرات میں ایک فصل ممیز ہے جو دیگر مخلوقات میں نہیں ہے۔

دلیل نمبر ۵۴:۔ ما اشھدتھم خلق السموات والارض وخلق انفسھم وما کنت متخذ المضلین عضدا (پ ۱۵ سورہ کھف آیت ۵۱)

میں نے نہ تو ان کو خلقت سموات و ارض کا گواہ بنایا اور نہ ان کی اپنی خلقت کا گواہ بنایا اور میں گمراہوں کو قوتِ بازو بنانے والا نہیں۔

اِس آیت کی تفسیر میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔ بالتحقیق خداوند عالم اپنی وحدانیت میں ہمیشہ سے منفرد ہے۔ اس نے محمدؐ و علیؑ و فاطمہؑ کو پیدا کیا۔ پس وہ ہزار دہر تک اسی حالت میں رہے۔ پھر تمام اشیاء پر ان کی اطاعت کو واجب قرار دے دیا۔ اور امر اشیاء ان کے سپرد کر دیا۔ (صافی) اور مخلوقات کے اُمور ان کو تفویض فرمائے پس وہ حلال کرتے اور حرام کرتے ہیں جو چاہتے ہیں مگر وہ وہی چاہتے ہیں جو خدا چاہتا ہے۔ پھر حضرت (امام محمد باقر علیہ السلام) نے اپنے صحابی محمد سے فرمایا اے محمد یہی وہ دین و دیانت ہے جو اس سے آگے بڑھے گا وہ خارج از دین ہے اور جو اس سے پیچھے ہٹے گا۔ وہ ہلاک ہے۔ اور جو اس پر قائم رہے گا وہ ہم سے ملحق رہے گا یعنی ہمارے ساتھ ہوگا۔ اے محمد میری اس ہدایت و نصیحت کو یاد رکھو۔ (بحار الانوار جلد، صـــ۳۶۲)

حضرت علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے اس کی شرح اس طرح فرمائی ہے۔ اشھدھم خلقھا (یعنی محمد و آل محمد علیہم السلام کو خلقت اشیاء کا گواہ بنانے) کے معنی یہ ہیں کہ تمام اشیاء کو انکی موجودگی اور ان کے علم میں پیدا کیا۔ یہ حضرات تخلیق اشیا کے طور طریقوں اور رموز و اسرار سے مطلع ہو گئے۔ اسی وجہ سے وہ مستحق امامت قرار پائے کیونکہ انہیں شریعتوں اور احکام خداوندی کا علم بھی کامل طور پر حاصل ہے۔ اور مخلوقات کے تخلیقی علل و اسباب اور پوشیدہ رموز و اسرار کا بھی کامل طور پر علم ہے۔ یہ ہیں ہمارے آئمہ طاہرینؑ جو سب کے سب ان صفاتِ مذکورہ سے متصف ہیں۔ یہ کمال کسی فرقہ کے امام کو حاصل نہیں ہے۔

جناب علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے فخریہ طور پر اپنے آئمہ طاہرین علیہم السلام کے کمالات بیان فرماتے ہوئے اپنی روحانی مسرتوں کا کس ایمان افروز انداز سے اظہار فرمایا ہے کہ یہ منزلت و مرتبہ

کسی بھی فرقہ کے اماموں کو نصیب نہیں ہے جو ہمارے آئمہ کو حاصل ہے۔

واجوی طاعتهم علیها (اور آئمہ طاہرین کی اطاعت جمیع اشیاء پر لازم قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ تمام کائنات پر ان حضرات کے فرمان کی تعمیل واجب کر دی۔ یہاں تک کہ جمادات بھی ان کے مطیع و فرمانبردار ہیں۔ آسمانی اور ارضی تمام مخلوقات ان کے تابع ہیں۔ جیسے آسمان پر شق قمر اور جیسے زمین پر درختوں کو بلانے پر ان کی حاضری اور سنگریزوں کا تسبیح کرنا۔ اور اسی طرح کے لاتعداد واقعات ہیں جن کا احصاء ناممکن ہے۔ (بحار الانوار جلد، ص۳۶۳)

احتجاج طبرسی میں علامہ طبرسی نے اس مقصد کو بایں عبارت ادا فرمایا ہے۔

وانه قد جعل الارض والسماء طوعك والجبال والبحار تتصرف بامرك وسائر ماخلق من الرياح والصواعق وجوارح الانسان واعضاء الحيوانات لك مطيعة وما امرت به من شئ ايتمرت (احتجاج ص۲۲)

بالتحقیق خداوند عالم نے اے رسول آپ کے لئے زمین و آسمان کو مطیع و فرمانبردار بنا دیا ہے پہاڑ اور سمندر آپ کے تابع حکم ہیں۔ اور خداوند عالم کی خلق کردہ تمام اشیاء آپ کی مطیع ہیں۔ خواہ وہ ہوائیں ہوں یا آسمانی گرج۔ خواہ وہ انسانی اعضاء ہوں یا حیوانی۔ سب کے سب آپ کے تابع فرمان ہیں۔ آپ جس چیز کو جو حکم دیں گے تعمیل کرے گی۔

آیۂ مذکورہ کی تفسیر اہل بیت سے واضح و آشکار ہے کہ یہ ذوات مقدسہ کائنات سے پیشتر پیدا ہوئے۔ اور تمام مخلوقات ان کے روبرو ان کے علم میں ان کی گواہی میں پیدا کئے گئے۔ یہ حضرات علوم تشریع اور علوم تکوین دونوں کے واقف و عالم ہو گئے۔ انہیں احکام شریعت اور امور تخلیق میں اختیارات عطا کر دیئے گئے۔ ہر شے کو تابع فرمان بنا دیا گیا۔ لہذا ان کی نوع جداگانہ ہے۔ کیونکہ ان کی حقیقت تمام کائنات سے مختلف ہے۔

دلیل نمبر ۶ ۴: فلما اسفونا انتقمنا منهم فاغرقناهم اجمعين

(پ ۲۵ زخرف آیت ۵۵)

پس جب انہوں نے ہمیں غصہ دلایا ہم نے ان سے انتقام لیا کہ ان سب کو غرق کر دیا۔

اس آیت کی تفسیر میں آئمہ طاہرین علیہم السلام نے ارشاد فرمایا۔ حضرت صادق آل محمد علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ بالتحقیق اللہ ہماری طرح نہ غصہ کرتا ہے اور نہ افسوس کرتا ہے (امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ غصہ اور رضامندی دونوں کیفیتیں ہیں جو خداوند عالم نے مخلوقات میں پیدا کی ہیں وہ کیفیتوں

سے بالا تر ہے وہ تھا اور کیفیتوں کا وجود نہ تھا) اللہ تعالےٰ نے خود اپنی ذات کے لئے اولیاء پیدا کئے۔ وہ غصّہ اور رضامندی کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ اس کے مخلوق و مربوب ہیں۔ اُس نے ان کی رضامندی کو اپنی رضا اور ان کے غصہ کو اپنا غصہ قرار دیا ہے۔ کیونکہ ان ہی کو اپنی ذات کی طرف دعوت دینے والا اور اپنی معرفت ذات کی دلیل بنایا ہے۔

اِن ذواتِ مقدسہ کو اسی لئے تمام کائنات سے پیشتر پیدا کیا ہے۔ تاکہ مخلوقات ان ہی کے ذریعہ اپنے مالک و خالق کی رضا اور ناراضگی کو معلوم کر سکیں۔ لہٰذا ان کی حقیقتیں تمام کائنات سے جداگانہ ہیں۔ لہٰذا نوع علیحدہ ہے۔

دلیل نمبر ۷ لم :۔ وما ظلمونا ولکن کانوا انفسھم یظلمون (پ بقرہ آیت ۵۷)
اور انہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا بلکہ اپنے آپ پر ہی ظلم کرتے رہے۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا اللہ تعالےٰ اجل وارفع ہے اس سے کہ کوئی اس پر ظلم کرے۔ اور اعزّ و امنع ہے اس سے کہ اس کی طرف مظلوم ہونے کی نسبت دی جائے مگر اس نے ہمیں اپنی ذات کے ساتھ ایسا وابستہ کر لیا ہے کہ ہم پر ظلم کو وہ اپنی ذات پر ظلم قرار دیتا ہے۔ اور ہم سے محبّت کو اپنی ذات سے محبّت قرار دیتا ہے۔ یہی تفسیر حضرت امام حسن عسکری علیہ السّلام نے بھی بیان فرمائی ہے۔ کہ اللہ پر ظلم کے معنی ہم پر ظلم کرنا اور اللہ سے محبّت کے معنی ہم سے محبّت کرنا ہیں۔ اس نے ہمیں اپنی ذات کے ساتھ شامل فرما لیا ہے۔ اس آیت سے ثابت ہے کہ یہ ذواتِ طاہرہ کائنات سے پیشتر پیدا کئے گئے۔ کیوں کہ کائنات کی پیدائش سے پہلے ایسے معیار کی ضرورت ہے۔ جس کے ذریعہ عدل و ظلم، محبّت و نفرت کی حقیقتوں کا پتہ معلوم ہو سکے تاکہ کائنات میں سے کوئی بھی اگر ظلم کرے تو وہ یہ عذر نہ کر سکے کہ ہمیں ظلم کے معنی ہی معلوم نہ تھے۔ اور نہ یہ کہہ سکے کہ ہمیں معلوم ہی نہ تھا کہ خدا سے محبّت کس طرح کرنا چاہیے۔ خداوند عالم نے ان ہستیوں کو پہلے پیدا کیا۔ اور ان کی محبت کو اپنی محبت۔ اور ان پر ظلم کو اپنی ذات پر ظلم قرار دیا۔ لہٰذا ان کی حقیقتیں جدا ہیں۔ لہٰذا ان کی نوع علیحدہ ہے۔

دلیل نمبر ۸ لم :۔ قل ان صلوٰتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین لاشریک لہ وبذلک امرت وانا اول المسلمین (پ انعام آیت ۱۶۲)
اے رسول کہہ دو، بالتحقیق میری نماز اور میری عبادتیں اور میرا جینا اور میرا مرنا خدائے رب العالمین کے لئے مختص ہے۔ اور میں اول المسلمین ہوں۔

اس آیت سے بالکل واضح طور پر ثابت ہے۔ کہ آپ سب سے اول فرمانبردار خدا ہیں حضرت آئمہ طاہرین علیہم السلام نے فرمایا۔ کہ عالم ذر میں جب خدا نے میثاق لیا تھا۔ تو ہم ہی نے سب سے پہلے اقرار توحید کیا تھا۔ یعنی ہم کل کائنات سے پیشتر ہیں۔ کیونکہ ہمارا اسلام اور فرمانبرداریٔ خدا تمام خلائق سے مقدم ہے۔ لہٰذا اس سے ثابت ہوا کہ ان کی حقیقتیں جدا ہیں۔ لہٰذا ان کی نوع علیحدہ ہے۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ ہر نبی کا اسلام اس کی اُمت سے مقدم ہوتا ہے۔ اس لئے ہر نبی اپنی اُمت کے مقابلہ میں اوّل المسلمین ہے۔ لیکن عالم ذر میں تمام کائنات و مکوّنات سے مقدم محمدؐ و آلِ محمدؐ علیہم السلام اول المسلمین ہیں۔

دلیل نمبر ۹۴:۔ وقولہ وھو الذی فی السّمآء الہ وفی الارض الہ وقولہ وھو معکم اینما کنتم وقولہ ما یکون من نجوی ثلثۃ الاّ و ھو رابعھم فانما اراد بذلک استیلاء امنائہ بالقدرۃ الّتی رکبھا فیھم علیٰ جمیع خلقہ وان فعلہ فعلھم فافھم عنی ما اقول لک فانی ارید ک فی الشرح لا ثلج فی صدرک وصدر من لعلہ بعد الیوم فی مثل ما شککت فیہ فلا یجد مجیبا عما یسئل عنہ (احتجاج طبرسی ص۱۲۶)

حضرت امیر المومنین علیہ السّلام نے تین آیتوں کی تفسیر بیان کرتے ہوئے نبی و امام کی نوع کو کائنات کی نوع سے جُداگانہ ظاہر فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا۔ خدا کا قول (وہ خدا وہ ہے کہ آسمان میں بھی معبود ہے اور زمین میں بھی معبود) اور خدا کا قول (وہ خدا وہ ہے جو تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں بھی تم ہو) اور خدا کا قول (جب بھی تین آدمی مل کر سرگوشی کرتے ہیں تو وہ وہاں چوتھا ہوتا ہے)، اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ تم خدا کے لئے جگہ اور مکان مقرر کر دو۔ بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس نے اپنے امور کے لئے امین پیدا کئے ہیں۔ اور ان کی تخلیق میں ایسی قدرت پیدا کر دی ہے۔ جو ان کی تخلیقی ترکیب کا جزو ہے۔ جس کے ذریعہ وہ تمام کائنات پر غالب ہیں۔ اور یقیناً خدا کا فعل ان ہی کا فعل ہے۔ پس اے سائل میری گفتگو کو اچھی طرح سمجھ کیونکہ میں چاہتا ہوں یہ مطلب تیرے دل میں اچھی طرح بٹھا دوں۔ اور ان کے دلوں میں بھی جو آج کے بعد تیری طرح

شک کریں گے۔ اور انہیں کوئی جواب سمجھانے والا نہ ملے گا جس سے مسائل حل کریں۔

اس بیانِ حق ترجمان سے واضح ہو گیا کہ حضرات محمد و آلِ محمد علیہم السلام کی تخلیق میں ایسی قدرت عطا ہوتی ہے کہ جس کی وجہ سے کل کائنات پر غالب ہیں۔ اور اسی لئے خدا نے ان کو اپنا امین اور اپنی حجت تمام کائنات سے پہلے بنایا۔ لہٰذا ان کی حقیقتیں جداگانہ ہیں۔ لہٰذا ان کی نوع جداگانہ ہے۔ کیونکہ مختلف الحقائق ایک نوع نہیں ہو سکتے۔

قرآن و حدیث سے جب یہ ثابت ہے کہ حضرات محمد و آل محمد علیہم السّلام مخلوق اول ہیں اور مخلوق اوّل کسی شئے سے پیدا نہیں ہو سکتا ورنہ اول نہ رہے گا۔ لہٰذا تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ یہ حضرات ارادۂ خداوندی سے پیدا ہوئے جیسا کہ ان ہی کے ارشادات سے ثابت ہے۔ نحن ارادة الله نحن مشیة الله۔ ہم اللہ کا ارادہ ہیں ہم اللہ کی مشیّت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہادی و رہبر جمیع مخلوقات بنایا۔ خواہ وہ سماوی ہوں یا ارضی عالم ارواح ہوں یا عالم اجسامی یہ حضرات سب ہی کے معلّم معرفت و عبادت خدا ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ صفت رہبری عرض ہے یا جوہر یعنی عارضی ہے۔ یعنی خارج از ذات ہے یا جوہر یعنی ذاتی ہے یعنی جزوِ ذات ہے۔ عرض کا وجود بالغیر ہوتا ہے۔ یعنی وہ اپنے وجود میں محتاج غیر ہوتا ہے۔ جس طرح رنگ اپنے وجود میں کسی جوہر کا محتاج ہے بذات خود اس کا وجود ممکن نہیں۔ کسی نہ کسی مادہ کے ذریعہ اس کا ظہور ہوتا ہے جس کے ذریعہ اس کا وجود ہوتا ہے۔ اس کو جوہر کہتے ہیں جو قائم بالذات ہوتا ہے۔ یعنی ہر ما بالعرض اپنے وجود میں ما بالذات کا محتاج ہوتا ہے۔

اگر ان ذواتِ مقدسہ کی صفت رہبری عارضی ہے تو اس کے لئے کوئی جوہر تسلیم کرنا پڑے گا۔ جو اس صفت کا مبدء ظہور اور منشاء صدور ہو گا وہ یقیناً ذاتی ہو گا۔ یعنی جزو ذات ہو گا۔ کیونکہ اگر وہ بھی عارضی ہو گا تو اس کے لئے بھی ایک جوہر تسلیم کرنا پڑے گا جو قائم بالذات ہو۔ اس طرح تسلسل لازم آئے گا جو عقلاً باطل ہے۔ لہٰذا ایک جوہر ذاتی کا تسلیم کرنا لازم ہے۔

جب عقلاً یہ ثابت ہے کہ ان ذواتِ مقدسہ کے لئے ایک جوہر ذاتی ہے۔ جو ان کی ذات سے جدا نہیں ہو سکتا وہ ان کے اقوام ذات کا جزو لاینفک ہے۔ لہٰذا اس جوہر ذاتی کی وجہ سے ان کی حقیقت تمام مخلوقات سے جداگانہ ہے۔ لہٰذا ان کی نوع علیحدہ ہے۔ اگر ان ذوات عالیۃ المقام کی غرضِ خلقت کو قرآن و حدیث کی روشنی میں نظرِ غائر سے مطالعہ کیا جائے تو

اس کے دو پہلو نکلتے ہیں۔ایک سبب وجود و بقائے عالم دوسرے سبب ہدایت عالم۔یعنی یہ حضرات سبب بقائے عالم بھی ہیں۔اگر یہ نہ ہوں تو عالم فنا ہو جائے گا۔جیسا کہ احادیثِ کثیرہ سے ثابت ہے لہٰذا ان کے وجودِ مبارک کو صرف ہدایت خلق کے لئے محدود نہ سمجھا جائے۔اگر ان ذواتِ مقدسہ کے لئے کسی سبب سے ظاہری مواقع رہنمائی حاصل نہ بھی ہوں بلکہ لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہوں تو ان کا وجود مثبت نہ ہوگا۔بلکہ سبب بقائے عالم ہونے کی وجہ سے تمام عالم ان ہی کی برکاتِ وجودیہ سے مستفید ہو رہا ہے۔چنانچہ ارشادِ معصوم ہے۔

عن جابر عن ابی جعفر قال قلت لای شئ یحتاج الی النبی والامام فقال لبقاء العالم علیٰ صلاحہ (بحار الانوار جلد ۷ ص)

دلیل نمبر ۵۰:۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام نے فرمایا جب کہ جابر بن عبداللہ انصاری نے سوال کیا کس لئے نبی و امام کی احتیاج ہے۔حضرت نے فرمایا۔بقائے عالم کے لئے ضرورت ہے تاکہ وہ صحیح نظام پر جاری رہے۔

سابقہ احادیث سے ثابت ہو چکا ہے کہ یہ حضرات سبب وجود کائنات ہیں۔اگر یہ نہ ہوتے تو کچھ نہ ہوتا۔اور اس حدیث مبارک سے یہ ثابت ہے کہ یہ حضرات سبب بقائے عالم ہیں۔لہٰذا ان کی حقیقت جداگانہ ہے۔لہٰذا نوع علیحدہ ہے۔

اس مضمون کے بکثرت احادیث وارد ہیں بلکہ اس کو ایک باب قرار دیا گیا ہے کہ بقائے ارض و سماء کا سبب وجود حجت خدا ہے۔اگر وہ نہ ہوں تو عالم فنا ہو جائے گا۔لہٰذا ان دونوں حیثیتوں سے ان کی حقیقت جداگانہ ہے لہٰذا نوع جدا ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

کل فقہائے شیعہ کا نجاست منی پر اتفاق ہے

کس قدر تعجب خیز اور حیرت انگیز ہے قائلین وحدت نوع کا یہ خیال کہ "منی" کی دو قسمیں ہیں۔ایک پاک اور دوسری نجس۔حالانکہ جمیع فقہاء کا اجماع و اتفاق ہے کہ "منی" نجس العین ہے کسی فقیہ نے آج تک اس کی طہارت کا فتویٰ نہیں دیا۔اور نہ اس کی دو قسمیں لکھیں۔اسی طرح قائلین وحدتِ نوع نے "جنب" کی بھی دو قسمیں سمجھ لی ہیں۔حالانکہ فقہا نے کہیں بھی اس کی

دو قسمیں نہیں لکھی ہیں کہ ایک کے لئے قیام مسجد حلال ہو۔ اور دوسرے کے لئے حرام۔ بلکہ بحالتِ جُنب قیام مسجد حرام ہی لکھا ہے۔

لہٰذا "منی" اور "جنب" کے عمومی معنی جو عامۃ الناس کے لئے مستعمل ہیں۔ وہ معنی ہرگز حضرات محمدؐ و آلِ محمدؐ علیہم السلام کے لئے درست نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ حضرات ہمہ وقت اور ہر لمحہ طاہر ہیں۔ اور ہمہ وقت مسجد میں قیام فرما سکتے ہیں۔ اسی لئے ان کے بیت الشرف کا دروازہ مسجد میں باقی رکھا گیا۔ جب کہ دیگر تمام دروازے بند کرا دیئے گئے۔

ہر انسان کے لئے شرم گاہ سے دو چیزیں پاک اور دو چیزیں نجس خارج ہوتی ہیں۔ مذی اور ودی پاک ہیں۔ اور منی اور پیشاب نجس ہیں۔ لہٰذا یہ کیوں نہیں درست ہو سکتا ہے۔ جب کہ اِس میں کوئی عقلی استبعاد بھی نہیں ہے کہ ان حضرات طاہرین و مطہرین کے پاک شئے خارج ہو۔ اور اسی سے اولاد جسمانی پیدا ہو۔ اور ان کی اولاد سے جو دیگر اولاد پیدا ہو وہ عمومی طور پر پیدا ہو۔ اور اسی وجہ سے ان حضرات کی اولاد کو دوسروں پر شرف سیادت حاصل ہوا ہو۔ جیسا کہ احادیثِ متفقہ سے ثابت ہے کہ اُن کے لئے ہر حالت میں قیام مسجد جائز و مباح تھا۔

نیز جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کے لئے کتاب کافی اور کتاب وافی میں یہ حدیث موجود ہے۔ کہ آپ تمام ان نجاستوں سے پاک و پاکیزہ تھیں جو عام عورتوں کو ماہواری یا وقتِ ولادت عارض ہوتی ہیں۔ اِسی لئے آپ کا لقب بتول ہے۔

آپ کی اولاد میں دو اماموں کے سوا دیگر اولاد امام نہیں ہے۔ امام کے لئے یہ نص امام ہے کہ وہ صرف مس ہونے سے پیدا ہوتا ہے۔ جیسے چراغ سے چراغ روشن ہو جاتا ہے۔ لیکن غیر امام کے لئے یہ صورت نہیں ہے۔

تمام کتبِ احادیث میں ان حضرات کے لئے لفظ "منی" وارد نہیں ہے۔ بلکہ اس کے بجائے لفظ "نطفہ" وارد ہوا ہے۔ جس کے معنی جوہر دقیق ہیں۔

اگر یہ جوہر دقیق ماء عرشی اور مشروب جنتی سے بنا ہے۔ تو اس سے امام کی جسمانی خلقت ہو گی اور اگر یہ جوہر غذائے ارضیہ سے بنا ہے تو اس سے غیر امام اولاد کی خلقت جسمانی ہو گی۔ "نطفہ" معنی جوہر دقیق کتب لغت میں موجود ہے اور احادیث و تفاسیر سے بھی ثابت ہے۔

بلکہ لفظ نطفہ بمعنی جوہر دقیق لطیف حضرات معصومین علیہم السّلام کی خلقت اوّلی نوری قبل آدم علیہ السّلام کے لئے بھی وارد ہوا ہے۔ چنانچہ امالی حضرت شیخ طوسی رہ میں یہ حدیث موجود

ہے کہ خداوندِ عالم نے جس نطفہ سے حضرت رسولِ خدا و علی مرتضیٰ کو پیدا کیا۔ اسی سے جناب سیّدہ اور حسن وحسین علیہم السلام کو پیدا کیا ہے۔ یہی معنی "نطفہ" مراۃ الانوار علامہ ابوالحسن الشریفؒ اور مجمع البحرین علامہ طریحی میں بھی منقول ہیں۔

اب ہم قائلین وحدت نوع کے شکوک وشبہات کا ازالہ کرتے ہیں۔ تاکہ ہمارے شفاف عقیدہ جُداگانہ نوع پر کسی اعتراض کا غبار نہ آنے پائے۔ اور مومنین مخلصین موالیان اہلِ بیت طاہرین علیہم السلام کے قلوب مُبارکہ میں نوری تجلّیاں بڑھ جائیں۔

عُلماءِ محققین نے اطلاقِ بشریّت سے انکار نہیں کیا

قائلین وحدت نوع نے اپنی تالیف "اُصول الشریعہ" میں کثیر صفحات صرف اس مقصد کے ثبوت میں ضائع کئے ہیں کہ حضرات محمد وآل محمد علیہم السلام اور ہر ایک نبی اور امام کے لئے بشریّت کا اطلاق ہوا ہے۔ حالانکہ محققین نے کبھی اس سے انکار نہیں کیا ہے۔

علماءِ محققین کا موقف یہ ہے کہ جب یہ ذواتِ مقدّسہ عالمِ ناسُوت کی ہدایت کے لئے تشریف لائے تو بشکلِ بشری ظاہر ہوئے۔ بشریّت ان کے لئے جنس ہے۔ اور نورانیت ان کی فصل ہے۔ جس کی وجہ سے نبی یا امام کے عہدہ پر ممتاز ہوئے۔ یعنی بشریّت عطاءِ نبوت و امامت کا سبب نہیں ہے۔ بلکہ کمال ذاتی رُوحانی نورانی اس کا سبب ہے۔ یعنی بشر کو یہ عہدہ نہیں دیا جاتا۔ بلکہ صاحبِ عہدہ کو بشریّت دی جاتی ہے۔ یعنی ہر بشر نبی نہیں ہوتا۔ بلکہ ہر نبی و امام بشر بن کر ہدایت کرتا ہے۔ جب کہ اس کی اُمّت بشر ہو۔ اسی مقصد کو حضرت امام رضا علیہ السّلام نے خطبہ مشہورہ امامت میں بایں معنی ادا فرمایا ہے کہ یہ عہدہ جلیلہ امامت نہ تو دُعا کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اور نہ اکتساب سے بلکہ یہ صاحب فضل خدائے وہاب کی طرف سے عطا ہوتا ہے۔ یعنی نبی و امام دُعا سے یا اپنی جد وجہد سے نہیں بنتے۔ بلکہ نبی، نبی اور امام، امام ہی پیدا ہوتے ہیں۔ اِسی لئے جو کوئی غیر نبی یا غیر امام پیدا ہوا ہو۔ وہ یہ دُعا نہیں کرتا کہ مجھے نبی یا امام بنا دیا جائے۔ اور نہ یہ جدّ وجہد کرتا ہے کہ وہ اپنی سعی وکوشش سے نبی یا امام بن جائے کیونکہ "النّبیّ نبی فی بطن امّہ والامام امام فی بطن امہ" یعنی نبی نبی ہوتا ہے شکم مادر میں اور امام، امام ہوتا ہے شکم مادر ہی میں۔ وہ اپنی ماں سے گفتگو کرتا

رہتا ہے۔ اور شکمِ مادر سے اس کی تسبیح و تہلیل کی آواز سنائی دیتی رہتی ہے۔ اور والدین کی پیشانی سے شعاع نورانی چمکتی رہتی ہے۔ طیّب و طاہر پیدا ہوتا ہے۔ اُس کے بازو پر آیاتِ قرآنی نقش ہوتی ہیں۔ مختون پیدا ہوتا ہے۔ وہ جیسے آگے دیکھتا ہے اسی طرح پیچھے دیکھتا ہے۔ اس کے جسم کا سایہ نہیں ہوتا۔ یہ تمام صفات تخلیقی ہیں۔ اس لئے کوئی بشر بھی جو غیر نبی یا غیر امام پیدا ہوا ہو۔ دُعاؤں یا تعلیم و تعلّم سے نبی یا امام نہیں بن سکتا۔ حضرت امام رضا علیہ السلام نے اس کمال ذاتی نورانی کی حقیقت کے متعلق اسی خطبہ میں ارشاد فرمایا ہے:۔

الامام واحد دهره لا يدانيه احد ولا يعادله عالم ولا يوجد منه بدل ولا له مثل ولا نظير مخصوص بالفضل كله من غير طلب منه له ولا اكتساب بل اختصاص من المفضل الوهاب فمن ذالذى يبلغ معرفة الامام او يمكنه اختياره هيهات هيهات ضلت العقول وتاهت الحلوم وحارت الالباب وخسأت العيون وتصاغرت العلماء وتحيرت الحكماء وتقاصرت الحكماء وحسرت الخطباء وجهلت الالباء وكلت الشعراء وعجزت الادباء وعييت البلغاء عن وصف شان من شانه او فضيلة من فضائله واقرت بالعجز والتقصير وكيف يوصف بكله اوينعت بكنهه۔ الخ۔

امام اپنے زمانہ میں واحد و یگانہ ہوتا ہے۔ کوئی بھی فضل و کمال میں اُس کے نزدیک بھی نہیں ہوتا۔ اور نہ کوئی عالم اس کے مقابلہ کا ہوتا ہے۔ نہ اس کا کوئی بدل پایا جاتا ہے۔ نہ اُس کا کوئی مثل و نظیر ہوتا ہے۔ وہ خدا سے بغیر طلب کے اور بغیر اپنے اکتساب کے ہر قسم کی فضیلت سے مخصوص ہوتا ہے۔ ہر اختصاص اس کے لئے خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔ پس کون ہے کہ معرفت تامہ اس کو حاصل کر سکے۔ یا امام بنانا کسی کے اختیار میں ہو۔ ہائے ہائے لوگوں کی عقلیں گمراہ ہوگئی ہیں۔ اور فہم و ادراک سرگشتہ و پریشان ہیں۔ اور عقول حیران ہیں۔ اور چشم بصیرت ادراک سے قاصر ہے اور عظیم المرتبت لوگ اس امر میں حقیر ثابت ہوئے۔ اور حکماء حیران ہوگئے۔ عقول

پر جہالت کا پردہ پڑ گیا۔ اور شعراء تھک کر رہ گئے۔ اور اہلِ ادب قاصر ہو گئے۔ اور صاحبانِ بلاغت عاجز ہو گئے۔ امام کی کسی ایک صفت اور فضیلت کو بھی بیان نہ کر سکے۔ انہوں نے اپنے عجز کا اقرار کیا۔ اور اپنی کوتاہی کے قائل ہوئے۔ پس جب امام کی ایک وصف کا یہ حال ہے تو اس کے تمام صفات کی حقیقت کو کس کی طاقت ہے کہ بیان کر سکے۔ اور ان کے حقائق پر روشنی ڈال سکے یا اس کے متعلق کچھ سمجھ سکے۔

اِس کلامِ امام کی روشنی میں وحدتِ نوع کے قائلین کا یہ سوال قطعًا غلط ہے۔ کہ نبی و امام کی فصل ممیّز کی حقیقت واضح کی جائے۔ سوائے خدائے وہاب کے کوئی اس کی حقیقت کو نہیں جانتا۔ اور اِسی لئے انبیاء و آئمہ طاہرین علیہم السّلام کے کمالات اور ان کی حقیقتیں اور ان کے آثار و صفات کی حدیں معیّن نہیں کی جا سکتیں۔ ہم اس فصل ممیز کو کمال ذاتی و نورانی کہتے ہیں جو جزو ذات ہوتا ہے۔ یعنی حقیقت نبی و امام اس جزو کے بغیر وجود میں نہیں آسکتیں۔ بشر کتنا ہی بلند سطح کا بشر ہو نبی یا امام نہیں ہو سکتا جب تک اس کی تخلیق میں یہ جزو نہ ہو۔ حضرات محمد و آلِ محمد علیہم السّلام جس طرح اپنی تخلیق نورانی میں تمام مخلوقات نورانیہ سے اکمل و افضل ہیں۔ اسی طرح اپنی تخلیق بشری میں بھی تمام مخلوقاتِ بشریّہ سے اکمل و افضل ہیں مگر یہ اکملیّت و افضلیت وحدتِ نوع کے لحاظ سے نہیں ہے۔ بلکہ وحدتِ جنس کے لحاظ سے ہے۔ یعنی جس طرح جسمانیت میں تمام اجسام سے ان کا جسم افضل اور ذی حیات ہونے میں تمام ذی حیات سے ان کی صفت حیات افضل اور ادراک معقولات میں تمام مدرک معقولات سے ان کا ادراک افضل اسی طرح بشریت میں تمام افرادِ بشری سے ان کی بشریت افضل ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جسمانیت و حیوانیت و ادراک معقولات اور بشریّت ان کی تمام حقیقت اور کل ماہیت ہے۔ یعنی محض بشر کامل ہیں۔ اور ان میں کوئی اور کمال ذاتی نہیں ہے۔ بلکہ ان کی ذواتِ عالیہ میں ایک کمال ذاتی ان تمام صفات کے علاوہ بھی ہے۔ اور وہ ان کی خصوصی نورانیّت اور مخصوص روحانیت ہے۔ جس کی وجہ سے نبی و امام قرار پاتے ہیں۔ یہی کمال ذاتی ان کی فصل ممیّز ہے۔ لہٰذا یہ کہنا تو درست ہو سکتا ہے کہ یہ حضرات نوع امام اور نوع نبی کے افراد کاملہ ہیں مگر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ نوعِ بشر کے اکمل افراد ہیں۔ کیونکہ لفظ نوع کا اطلاق کُل ماہیت اور تمام حقیقت پر ہوتا ہے۔ ان کی کل حقیقت صرف بشریّت نہیں ہے۔ بلکہ بشریّت کے علاوہ کمال ذاتی نورانی ان کی ذات کا جزو لاینفک ہے جو فصل ممیز ہے۔ وہ جزو ذاتی اور بشریّت دونوں مل کر عالم ناسوت کے نبی و امام ہیں۔ لہٰذا

بشریت ان کے لئے صرف ایک جزو ہے نہ کہ کل حقیقت و تمام ماہیت۔ اور یہ مسلمات میں سے ہے کہ مختلف الحقیقت افراد میں جو جزو مشترک ہوتا ہے وہ جنس کہلاتا ہے نہ کہ نوع۔ لہٰذا یہ حضرات جنس بشر کے افراد کاملہ کہے جا سکتے ہیں نہ کہ نوع بشر کے اکمل افراد۔ جو لوگ ان ذواتِ کاملہ کی کل حقیقت و تمام ماہیت کو صرف بشریت ہی میں محدود سمجھتے ہیں۔ اور اس کے علاوہ کسی کمال ذاتی کے قائل نہیں ہیں جو ان کی ذواتِ مقدسہ کا جزو لاینفک ہے۔ جس کی وجہ سے درجہ نبوت و امامت عطا ہوتا ہے۔ ایسے ہی لوگ ان کو اپنی نوع کے افراد کاملہ سمجھتے ہیں یعنی بلند سطح کے بشر اور بس۔ لیکن علمائے محققین ان کی بشریت کاملہ کے علاوہ ان کے ایک کمال ذاتی کے معتقد ہیں جو ان کے لئے جزو ذات ہے۔ اور وہ ان حضرات کی نورانیت ہے جس سے کل نوع بشر محروم ہے ورنہ ہر ایک بشر نبی و امام ہوتا۔ لہٰذا صرف جنس میں مشارکت ہے جیسے جسم ہونے میں دیگر اجسام کے ساتھ۔ اور حیوانیت میں دیگر ذی حیات کے ساتھ۔ اور بشریت میں دیگر بشر کے ساتھ مشارکت ہے۔ مگر نورانیت میں ہرگز مشارکت نہیں ہے لہٰذا جنس بشر کے افراد کاملہ کہنا درست ہو سکتا ہے نہ کہ نوعِ بشر کے افراد کاملہ۔ یہی وہ عقیدہ ہے جو قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ اور دلائل عقلیہ بھی اسی کے مؤید ہیں۔ لہٰذا ہم قائلین وحدتِ نوع کو چیلنج دیتے ہیں کہ وہ کسی آیت قرآن یا حدیث معصوم سے ان کی تمام حقیقت و کل ماہیت صرف بشر ہونا ثابت کر دیں۔ ودونہ خرط القتاد۔ پورے قرآن میں کوئی آیت۔ اور کل کتب احادیث میں کوئی حدیث ہرگز نہیں ہے۔ جس میں ان حضرات کو صرف بشر کہا گیا ہو اور بشریت کے علاوہ کمال ذاتی یا اس کے آثار و صفات کا ذکر نہ کیا گیا ہو۔

اب ہم قائلین وحدت نوع کے شبہات کا جائزہ لیتے ہیں جو انہوں نے وحدتِ نوع کے ثبوت میں اپنی کتاب اصول الشریعہ میں درج کئے ہیں جو پانچ دلائل پر مشتمل ہیں۔

قائلینِ وحدت نوع کے سفطوں پر نقد و نظر

کتاب مذکورہ کے صفحہ ۶۱ پر بعنوان "بشریت انبیاء حقائقِ قرآنی کی روشنی میں" تحریر ہے۔ ملاحظہ کیجئے۔

دلیل اوّل :- خدائے حکیم سب سے پہلے نبی حضرت ابو البشر کے بارہ میں فرماتا ہے :-

انی خالق بشراً من طین (پ ۲۳۔ س ص ع ۱۴)

میں گیلی مٹی سے ایک آدمی بنانے والا ہوں۔

دوسرے مقام پر ان ہی کے متعلق ارشاد فرماتا ہے۔

انی خالق من صلصال من حماء مسنون (پ ۱۴ س حجر ع ۳)

میں ایک آدمی کو خمیر دی ہوئی مٹی سے جو سوکھ کر کھن کھن بولنے لگے پیدا کرنے والا ہوں۔

ان آیاتِ مبارکہ میں بشر۔ طین۔ صلصال۔ حماء مسنون سب ہی لفظیں خداوند عالم نے صرف کی ہیں۔ احادیث میں ان کی خلقت کی تفاصیل موجود ہیں۔ اس سلسلہ میں نہج البلاغہ کے پہلے خطبہ کا ہی مطالعہ کر لینا کافی ہے۔ بعد ازیں کیونکر کوئی مسلمان ان کے بشر اور انسان ہونے کا انکار کرنے کی جسارت کر سکتا ہے۔ (اصول الشریعہ)

الجواب:۔ اول تو یہ بات قطعاً غلط ہے کہ سب سے پہلے نبی حضرت آدم ہیں کیونکہ ان کی خلقت سے ہزار ہا سال پیشتر ہمارے نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ کی بعثت عالم ذر میں ہو چکی تھی۔ اور وہ اور ان کے اجزاء نوریہ عالم لاہوت و ملکوت میں معلم ارواح و ملائکہ تھے جیسا کہ ہم مفصل قرآن و حدیث کی روشنی میں بیان کر چکے ہیں۔ من جملہ ایک حدیث احتجاج طبرسی صد ۳۲ سے پیش کرتے ہیں۔

آں حضرتؐ نے فرمایا۔ اے لوگو! میرے بارہ میں تمام انبیاء و مرسلین کو بشارت دی گئی کہ میں خاتم النبیین والمرسلین ہوں۔ اور جمیع مخلوقات سموات و ارضین کا نبی بنایا گیا ہوں جو اس میں شک کرے گا وہ زمانۂ جاہلیت کے کافروں کی طرح کافر ہو جائے گا۔ اور جو شخص میرے اس قول کے کسی جزو میں شک کرے گا تو اس نے گویا میرے کل قول میں شک کیا۔ اور شک کرنے والے کے لئے جہنم ہے۔

دوم:۔ خالق بشراً۔ کا ترجمہ "ایک آدمی بنانے والا ہوں" غلط ہے۔ کیونکہ ابوالبشر خود حضرت آدمؑ ہیں۔ جن کو سب سے پہلے بشر بنایا جا رہا ہے۔ ان کی اولاد آدمی کہلائے گی نہ کہ یہ خود۔ لہٰذا آدمی کو چاہیئے کہ آدم اور آدمی کا فرق سمجھے ورنہ آدمی نہیں۔

سوم:۔ آیۂ مذکورہ میں صرف تخلیق بشر کا ذکر ہے۔ جس سے کسی بشر کو انکار نہیں ہے۔ بلکہ بحث یہ ہے کہ یہ بشریت کسی ذات کے لئے تخلیق کی گئی۔ جس کا ذکر قرآن و حدیث میں اس طرح مرقوم ہے کہ تسویہ بشر کے بعد خداوند عالم نے حضرت آدم کی وہ روح جو پہلے سے ان ارواح کے ساتھ موجود تھی جن کی طرف عالم ذر میں ہمارے نبی کو مبعوث کیا گیا تھا۔ جب اس روح کو

جسم بشری میں داخل کیا تو ملائکہ کو حکم سجدہ دیا گیا۔ رُوحِ خاص آدم پہلے موجُود تھی جس کو بدن میں نفخ کیا گیا۔ جو بدن آب و گل سے تیار کیا گیا اس کو سجدہ نہیں کرایا گیا بلکہ نفخ روح کے بعد جب نور محمّد و آلِ محمد علیہم السلام کو صلب آدم میں ودیعت کیا گیا تب ملائکہ کو حکم سجدہ ہوا۔ حضرات آئمہ معصومین علیہم السّلام نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ شیطان نے صرف بشریت آدم کو دیکھ کر جو آب و گل سے تیار کی گئی تھی اپنے اُوپر قیاس کیا۔ نورانیت و روحانیتِ آدم کو نہیں دیکھا۔ اِس لئے اُس نے آب و گل کے مقابلہ میں اپنی ناریّت کو پیش کر کے کہہ دیا کہ اس آدم سے میں افضل ہوں۔ مجھے تو نے آگ سے بنایا ہے اور آدم کو گندھی ہُوئی مٹی سے۔ اگر وہ نورانیتِ آدم سے اپنی ناریت کا مقابلہ کرتا تو کبر و غرور نہ کرتا۔ اُور ملعون و شیطان نہ بنتا۔ معلُوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام صرف بشر نہیں تھے بلکہ بشریت کے ساتھ ان کا ایک جزو لاینفک نورانیت بھی تھا۔ اور یہی ان کی فصل ممیز ہے۔ جس کی وجہ سے وہ نبی بنائے گئے۔ مگر شیطان نے اس جزو ملکاتی اور کمال روحانی کو نظر انداز کر دیا۔ جس کی وجہ سے راندۂ درگاہ ہوا۔

قائلین وحدتِ نوع بالکل وہی سبق دُہرا رہے ہیں۔ صرف بشریت آدم کا ثبوت قرآن سے پیش کرتے ہُوئے لکھتے ہیں کہ "بعد ازیں کیونکر کوئی مُسلمان ان کے بشر ہونے کا انکار کرنے کی جسارت کر سکتا ہے" حالانکہ آج تک کسی بھی مسلمان نے بشریّت آدم بلکہ بشریّت انبیاء و آئمہ کا انکار نہیں کیا ہے۔ نہ کسی نے اس کی جسارت کی ہے۔ خواہ مخواہ اس کے ثبوت میں آیات پیش کی گئی ہیں۔ یہ مسئلہ ہرگز اختلافی نہیں ہے۔ ہر عاقل اس کو تسلیم کرتا ہے۔ اصل اختلاف تو اس امر میں ہے کہ بشریّت کے علاوہ ان میں نُورانیّت ہے یا نہیں جو ان کی فصل ممیز ہے۔ یعنی ان کی ذات کا ایسا جزو لاینفک ہے کہ جس کی وجہ سے وہ نبی یا امام قرار پاتے ہیں۔ اگر بشریت و نورانیت دونوں کو ذات نبی و امام کا جزو تسلیم کر لیا جائے تو ان کی تمام حقیقت و کل ماہیت دونوں جزوں کا مرکب ہو گی۔ اور یہ مرکب ہی نبی و امام کہلائے گا۔ صرف بشریت خواہ کتنے ہی بلند مرتبہ پر فائز کیوں نہ ہو۔ نبی و امام نہیں بن سکتی۔ جب تک کہ اس میں جُزو نوری جزو ذات کی حیثیت سے اُس کی فصل ممیز قرار نہ پائے۔ اور جب جُزو نوری ان کی قوام حقیقت کا جزو لاینفک ہوگا تو نبی و امام جُداگانہ نوع قرار پائیں گے کیونکہ ان کی تمام حقیقت دو جزو ہیں۔ ایک بشریت اور دُوسرا، نورانیت۔ لہٰذا البشریت صرف جزو نبی و امام ہے۔ تمام حقیقت اور کل ماہیت نبی و امام نہیں ہے۔ اُور جب تمام حقیقت نہیں تو ایک نوع نہیں کیونکہ وحدت نوع کے لئے تمام حقیقت

میں متفق ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا بشریت ان کے لئے جنس ہے۔ یعنی یہ بھی بشر ہیں۔ اور اُمت بھی بشر ہے۔ یہ اشتراک صرف بشریت میں ہے نہ کہ نورانیت میں نہ کہ روحانیت میں نہ کہ کمال ذاتی میں۔ لہٰذا دونوں کی حقیقتیں جُدا جدا ہیں۔ دونوں مختلف الحقائق ہیں۔ اور جو جز وذاتی مختلف الحقائق پر اطلاق کیا جائے اس کو جنس کہتے ہیں نہ کہ نوع۔ لہٰذا یہ حضرات جنس بشر کے افراد کاملہ ہیں جس کو علمائے محققین ہمیشہ بیان کرتے ہیں۔ اور قائلینِ وحدتِ نوع ہمیشہ انکار کرتے ہیں۔ وہ ان کو بشر ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے رہتے ہیں۔ اور سامعین کو دھوکا دیتے ہیں کہ حضرات محمدؐ وآلِ محمدؐ علیہم السّلام قرآن وحدیث کی روشنی میں بشر ہیں۔ ہم نے بشریت کا کبھی انکار ہی نہیں کیا۔ اور نہ کوئی مُسلمان اس کی جسارت کرسکتا ہے۔ اصل اختلاف تو یہ ہے۔ کہ ان حضرات کے دو جزو ہیں۔ بشریت ونورانیت۔ اور دونوں ہی اکمل ہیں۔ یا صرف بشریت ہی بشریت ہے جزو نورانی نہیں ہے۔

علمائے محققین کا عقیدہ یہ ہے کہ نبی وامام میں دو جُزو ہیں۔ بشریت کاملہ اور نُورانیت کاملہ۔ دونوں کا مرکب نبی وامام ہے۔ جو جُداگانہ نوع ہے۔ حضرات محمدؐ وآلِ محمدؐ علیہم السلام نوعِ نبی اور نوعِ امام کے افراد کاملہ ہیں۔ قائلینِ وحدتِ نوع مولّف اُصول الشرلعیہ اور ان کے ہمنوا سات افراد جن کے دستخط صفحہ ۲۲۳ پر ثبت ہیں۔ صرف بشریت کے قائل ہیں۔ اور بشر ہی کے اکمل افراد۔ ان کا عقیدہ ہے۔ یہ حضرات نورانیت کے منکر ہیں۔ چنانچہ اُصول الشرلعیہ میں حرف تردید کے ساتھ یہ عنوان قائم کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۲۰۶۔

"باب دوم در بیان اینکہ آیا انبیاء وآئمہ علیہم السلام نور ہیں یا بشر" ان کی اس عبارت میں دو صُورتیں بتائی گئی ہیں۔ دونوں صورتوں میں سے اُنہوں نے بشریت ہی کو اپنا عقیدہ بنا کر بے شمار صفحات ثبوتِ بشر میں سیاہ کر ڈالے ہیں۔ حالانکہ علمائے محققین نے بشریت کا کبھی انکار نہیں کیا ہے۔ بلکہ ان حضرات کو بشر بھی مانتے ہیں۔ اور نور بھی۔ یعنی بشر نورانی تسلیم کرتے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے جُداگانہ نوع ثابت کرنے کے سلسلہ میں قرآن وحدیث وعقل سے دلائل پیش کئے ہیں۔ مگر قائلینِ وحدتِ نوع کا عقیدہ ہے کہ یہ حضرات صرف بشر ہیں۔ اور بشر ہی کے افرادِ کاملہ ہیں۔ حالانکہ بلند سطح کا بشر تو کفار بھی تسلیم کرتے ہیں مگر پھر کافر ہیں۔ کیونکہ نورانیت کے منکر ہیں۔ بلکہ شیطان بھی حضرت آدم کی بشریت ہی کا قائل رہا۔ نورانیت پر ایمان نہیں لایا۔

سوئم یہ کہ پیش کردہ آیت کا صرف ایک جملہ جس میں "بشراً من طین" ہے، تحریر کرکے

اپنا عقیدہ "صرف بشریت" ثابت کیا ہے۔ حالانکہ یہ طریقہ نقل بد دیانتی ہیں۔ خصوصاً قرآن مجید کے باب میں یہ خیانت جرم عظیم ہے۔ ہم پوری آیت پیش کرتے ہیں۔

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ۝ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ۝ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۝ اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ ؕ اِسْتَكْبَرَ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ۝ قَالَ یٰۤاِبْلِیْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ ؕ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِیْنَ ۝ قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ ؕ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ ۝ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِیْمٌ ۝ وَّ اِنَّ عَلَیْكَ لَعْنَتِیْۤ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ

وہ وقت یاد کرو جب کہ تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ یقیناً میں مٹی سے ایک بشر پیدا کرنے والا ہوں۔ پس جب اُسے درست کر چکوں۔ اور اُس میں اپنی خاص روح پھونک دوں تو تم اس کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے گر پڑنا پس سب کے سب فرشتوں نے سجدہ کر لیا سوائے ابلیس کے اُس نے تکبّر کیا اور کافروں میں شمار ہو گیا۔ خدا نے فرمایا اے ابلیس تجھے کس چیز نے اسے سجدہ کرنے سے روکا۔ جسے میں نے اپنے دو ہاتھوں سے بنایا کیا تو نے تکبّر یا تو عالین (بلند مرتبہ حضرات) میں شمار تھا۔ اُس نے کہا میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اس کو مٹی سے پیدا کیا۔ خدا نے فرمایا۔ فوراً یہاں سے نکل جا۔ کیونکہ تو مردود ہے۔ اور تجھ پر یقیناً روز قیامت تک لعنت ہے۔

آیات مذکورہ کے عیون الفاظ سے ثابت ہے کہ شیطان نے حضرت آدم کی صرف بشریت کو دیکھ کر انکارِ سجدہ کیا۔ اور کہہ دیا کہ میں ان سے افضل ہوں۔ کیونکہ اُس نے اپنی دلیل میں مٹی سے ان کی پیدائش کا ذکر کیا ہے۔ اور اپنی پیدائش آگ سے ظاہر کی ہے۔ اُس نے روحانیتِ آدم کو پیش نظر نہیں رکھا۔ جس کی وجہ سے اُنہیں نبوت عطا کی گئی تھی جس کو فرشتوں نے سمجھ لیا اور فوراً سر اطاعت جھکا لیا۔ خداوند عالم نے مکمل بشر بنانے کے بعد حکم سجدہ نہیں دیا بلکہ نفخ روح خاص کے بعد حکم سجدہ دیا۔ جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ بشریت کو سجدہ جائز نہیں ہے بلکہ روحِ خاص کو سجدۂ اطاعت ضروری ہے جس کا منکر ابلیس ہے۔

لفظ "عالین" (یعنی بلند مرتبہ حضرات) سے ثابت ہے کہ وقت تخلیق آدم علیہ السلام یہ ہستیاں موجود تھیں جو ملائکہ کے علاوہ تھیں۔ اور بشریت کے وجود اوّلی سے پہلے تھیں۔ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ کا ارشاد ہے کہ عالین سے مراد ہم محمد و آل محمد (علیہم السلام) ہیں لہٰذا ان حضرات کو صرف بشر کہنا یا سمجھنا ابلیسی قیاس ہے۔ کیونکہ اہل زمین کی ہدایت کے لئے ہی عالین بشکلِ بشر تشریف لائے ہیں۔ لہٰذا ان کے دو جز و ہیں۔ ایک نورانیت جس کی وجہ سے عالین ہیں۔ اور ایک بشریت جو اہل زمین کی ہدایت کے لئے عطا کی گئی ہے۔ لہٰذا ان کی نوع جداگانہ ہے۔

خداوند عالم کا خطاب کل ملائکہ سے ہے۔ خواہ وہ جبریل ہوں۔ یا میکائیل اسرافیل ہوں یا عزرائیل "کلہم اجمعون" اس کے مخاطب ہیں۔ اور سب ہی سجدہ اطاعت بجا لاتے ہیں مگر بشریت کو سجدہ نہیں کیا بلکہ نورانیت کو ہے۔ خداوند عالم نے ابلیس کے انکار سجدہ کی دو وجہیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک تکبر اور دوسرا عالین میں شمار ہونا۔ چونکہ وہ عالین میں سے نہیں تھا اس لئے انکار سجدہ کی وجہ تکبر ہی ہے۔ جس کا انکار متکبرین ہی کریں گے۔

قائلین وحدتِ نوع نے اسی دلیل اوّل میں ایک دوسری آیت بھی پیش کی ہے۔ جس میں لفظ بشر آیا ہے۔ اس کا بھی صرف ایک جز و پیش کر کے ارتکاب خیانت کیا ہے ہم مکمل آیت پیش کرتے ہیں جو ان کے عقیدہ کے قطعاً خلاف ہے۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ۝

(یاد کرو اُس وقت کو) جب تمہارے رب نے ملائکہ سے فرمایا کہ میں بے شک ایک بشر کو خمیر کی ہوئی کھنکھناتی مٹی سے پیدا کرنے والا ہوں۔ پس جب میں اُسے مکمل کر لوں۔ اور اس میں اپنی خاص روح کا حصہ پھونک دوں۔ تو تم سب کے سب سجدہ کرتے ہوئے گر جانا۔

اِس آیت میں بھی بعینہٖ وہی خطاب اور وہی تکمیلِ بشر اور وہی نفخ روح کے بعد حکمِ سجدہ ہے۔ تسویہ بشر کے بعد نفخ روح ہی سبب عطائے نبوّت ہے۔ لہٰذا نبی صرف بشر نہیں ہے۔ بلکہ دوسرا جزو اس میں روحِ خاص ہے۔

لہٰذا اس آیت سے بھی نبی کا صرف بشر ہونا ثابت نہیں ہے۔

خداوند عالم نے رُوح کو اپنی ذات کی طرف اسی طرح منسوب فرمایا ہے۔ جس طرح کعبہ کو "بَیْتِیَ" یعنی میرا گھر فرمایا ہے۔ مولف کتاب اصول الشریعہ نے اس آیت میں بھی لفظ بشر کا ترجمہ آدمی کیا ہے۔ حالانکہ یہ لفظ بشر حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے لئے ہے نہ کہ آدمی کی مگر مترجم بنی آدم اور آدم میں امتیاز سے غافل ہے۔

دلیل نمبر ۲:۔ سورہ ابراہیم میں خداوند عالم کفار کا یہ قول نقل کرتا ہے۔ کہ انہوں نے یہ کہہ کر نبوت کا انکار کر دیا۔

قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ؀

(پ ۱۳ س ابراھیم ع ۱۴)

وہ لوگ بول اُٹھے کہ تم بھی ہمارے ہی سے آدمی ہو (اچھا اب سمجھے ا تم یہ چاہتے ہو کہ جن معبودوں کی ہمارے باپ دادا پرستش کرتے تھے تم ہم کو ان سے باز رکھو۔ (اچھا تو تم سچے ہو تو) کوئی صاف کھلا ہوا صریح معجزہ ہمیں لا دکھاؤ۔

اگر یہ انبیاء بشر و انسان نہ ہوتے بلکہ صرف جامہ بشریت میں ملبوس ہوتے تو یہاں چونکہ صرف اُن کے بشر ہونے کی وجہ سے ان کی نبوّت کا انکار کیا جا رہا تھا تو مقتضائے مقام یہ تھا کہ وہ یہاں یہ جواب دے کر کفار کا ناطقہ بند کر دیتے کہ تمہیں مغالطہ ہوا ہے صرف ظاہر میں تم کو ہم بشر و انسان دکھائی دیتے ہیں۔ ورنہ حقیقت میں ہم کچھ اور ہی ہیں۔ مگر قرآن شاہد ہے کہ انہوں نے یہ جواب نہیں دیا۔ بلکہ اپنی بشریت کے اقرار کے ساتھ ساتھ اپنی خصوصیّت کا اظہار فرمایا ہے۔ خدا نے اُن کے جواب کو بایں الفاظ نقل کیا ہے۔

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ

(پ۱۳ س ابراھیم ع ۱۴)

اُن پیغمبروں نے ان کے جواب میں کہا کہ اس میں شک نہیں کہ ہم بھی تمہارے ہی سے آدمی ہیں۔ مگر خدا اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنا فضل (و کرم) کرتا ہے (اور رسالت عطا فرماتا ہے) اور ہمارے اختیار میں یہ بات نہیں کہ بے حکم خدا

(تمہاری خواہش کے موافق) ہم کوئی معجزہ تمہارے سامنے لاسکیں۔ اور خدا ہی پر سب ایمانداروں کو بھروسہ رکھنا چاہیے۔ (ترجمہ فرمان)

اِس آیت مبارکہ نے جہاں ان بزرگواروں کے بشر ہونے پر نص قائم کر دی ہے۔ وہاں اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ انبیاء کو بشر کہنا کفار کا ہی مقولہ نہیں ہے (جیسا کہ بعض غلو نواز حضرات کا خیال ہے) بلکہ اس حقیقت کا انبیاء علیہم السلام کو بھی اعتراف ہے۔ فرق اس قدر ہے۔ کہ کفار بموجب کلمۃ حق یراد بہا الباطل' ان کو بشر کہہ کر ان کی خصوصیات نبوت کا انکار کر دیتے تھے اور انبیاء نے بشریت کے اعتراف کے ساتھ ساتھ ان خصوصیات کو بھی آشکار کیا ہے۔ چنانچہ شیخ الطائفہ شیخ طوسی نے اپنی تفسیر التبیان جلد ۶ صفحہ ۲۸۰ پر مذکورہ بالا آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

حکی اللہ فی ھذہ الآیۃ ما اجابت بہ الرسل الکفار فانھم قالوا لھم ما نحن الا بشر مثلکم ولسنا ملائکۃ کما زعمتم ولکن اللہ من علینا فاصطفانا وبعثنا انبیاء وھو یمن علیٰ من یشاء من عبادہ ولم یکن لنا ان نجیئکم بسلطان ای بحجۃ علی صحۃ دعوانا الا بامر اللہ واطلاقہ لنا فی ذلک کذلک فی مجمع البیان للطبرسی ج ۲ ص ۳۱۱)

یعنی خداوند عالم نے اس آیت میں انبیاء کے اس جواب کی حکایت کی ہے جو انہوں نے کفار کو دیا تھا کہ ہم یقیناً بشر ہیں۔ اور جس طرح تمہارا گمان ہے کہ نبی فرشتہ ہونا چاہیئے۔ ہم فرشتے نہیں ہیں۔ لیکن خدائے منان نے ہم پر احسان فرمایا ہے۔ اور ہم کو بندوں میں سے منتخب کر کے نبی بنا دیا ہے۔ اور وہ جس پر چاہتا ہے احسان کرتا ہے اور ہم اپنے دعویٰ کی صحت وصداقت پر خدا کے امر و اجازت کے بغیر کوئی بینہ و برہان نہیں لاسکتے (اصول الشریعہ)

الجواب" قائلین وحدت نوع نے آیۂ مذکورہ سے یہ ثابت کیا ہے کہ کفار بھی انبیاء کو بشر مانتے تھے۔ اور انبیاء نے بھی اعتراف کیا ہے کہ ہم بشر ہیں۔ علماء محققین نے کبھی بشریت کا انکار نہیں کیا ہے بلکہ صرف بشریت کا انکار کیا ہے۔ یعنی انبیاء و آئمہ علیہم السلام صرف بشر ہی نہیں ہیں۔ بلکہ ان میں ایک ایسا ذاتی کمال ہے جس کی وجہ سے وہ نبی و امام ہیں۔ اور وہ ان کا جزو

لاینفک ہے۔ وہی ان کی فصل ممیز ہے۔ بے شک انبیاء نے اپنی بشریت کا اظہار فرمایا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس جزو لاینفک کا بھی اعلان فرمایا ہے جو ان کی ذات کے لئے مخصوص ہے یعنی حدِ فاصل ہے جس کی وجہ سے وہ نوع بشر سے ممتاز ہیں۔ البتہ بشریت ان کی جنس ہے۔ جس کا اعتراف فرمایا ہے۔ اگر وہ جزو مخصص جزو ذات انبیاء نہ ہوتا بلکہ عارضی ہوتا تو جس وقت وہ ان کی ذات سے جدا ہو جاتا تو وہ نبی نہ رہتے بلکہ صرف بشر رہ جاتے پھر نہ ان پر وحی ہوتی نہ الہام اور نہ فرشتوں کو دیکھ سکتے۔ جس طرح تمام نوع بشر ان خصوصیات سے عاری و خالی ہے۔ لیکن وہ ہر لمحہ نبی ہیں کسی وقت بھی ان سے نبوت جدا نہیں ہوتی۔ لہٰذا کسی وقت بھی کمال ذاتی ان سے جدا نہیں ہوتا بلکہ وہ ان کی ذات کا جزو لاینفک ہے۔

آیۂ مذکورہ میں انبیاء علیہم السّلام نے اپنے دو جزو ظاہر فرمائے ہیں۔ ایک بشریت اور دوسرا وہ کمال ذاتی جس کو احسانِ خاص اور فضل خاص خداوندی سے تعبیر فرمایا ہے جو کسی سابقہ عمل کی جزا نہیں ہوتا ہے۔ جیسا کہ مذہب آریہ کا عقیدہ ہے۔ کہ جس کو دیوتا یا رشی بنایا گیا ہے وہ سابقہ اعمال نیک کی جزا ہے لہٰذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ فضل خاص ان کی تخلیق ہی میں عطا ہوتا ہے۔ بشر بننے کے بعد دعاؤں یا ذاتی اکتساب سے حاصل نہیں ہوتا۔ جیسا کہ امام رضا علیہ السّلام نے فرمایا ہے کہ یہ مرتبہ خدائے صاحب فضل واحسان کی طرف سے عطا ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ فضل خاص نبی و امام ہی کے ساتھ مختص ہے۔ عام بشر جو اُمت ہیں۔ اس کمالِ ذاتی سے محروم ہیں۔ درحقیقت کفار نے انبیاء علیہم السّلام کو اپنے مثل بشر دیکھ کر یہ سمجھا تھا کہ ہماری طرح جب یہ بشر ہیں تو ہم نبی کیوں نہیں بنے یہ نبی کیسے بن گئے ان کو ہم پر کیا فوقیت ہے یہ فرشتے تو ہیں نہیں۔ ہمارے مثل بشر ہیں اسی فکر و نظر کا اظہار انہوں نے ان الفاظ میں کیا ہے کہ تم نہیں ہو مگر ہمارے جیسے بشر اس کا جواب انبیاء علیہم السّلام نے یہ دیا ہے کہ اتنی بات تو تمہاری درست ہے کہ ہم تمہارے مثل بشر ہیں مگر تم میں اور ہم میں یہ فرق ہے کہ خداوند عالم نے ہمیں اپنے فضلؔ و احسان سے مخصوص کر لیا ہے۔ اور وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے۔ مخصوص کر لیتا ہے وہ خصائص نبوت تمہارے ابنائے جنس میں نہیں ہیں۔

اِس جواب کے بعد یہ کہنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی کہ تم اور نوع ہو اور ہم اور نوع ہیں۔ کیونکہ ہر صاحب عقل سمجھ سکتا ہے کہ جب فرق بتا دیا گیا جو فصل ممیز ہے تو اس سے جدائی واضح ہو گئی یہی فارق ان کے کمال ذاتی کی دلیل ہے۔

قائلینِ وحدت نوع کو اگر تفسیر صافی کے مطالعہ کی توفیق ہوتی تو مندرجہ ذیل عبارت پڑھ کر اپنا

منہ بند کر لیتے۔

سلموا مشارکتھم فی البشریۃ وجعلوا الموجب لاختصاصھم بالنبوۃ فضل اللہ مومنہ علیھم بخصائص فیھم لیست فی ابناء جنسھم (صافی ص۳۳۴)

انبیاء علیہم السّلام نے صرف بشریت میں مشارکت تسلیم کی ہے۔ اور اپنے نبی ہونے کے اختصاص کا سبب خداوند عالم کے فضل و احسان خاص کو قرار دیا ہے۔ جس کی وجہ سے ان میں وہ خصائص نبوّت ہیں۔ جو ان کے ابنائے جنس یعنی عام بشر میں نہیں ہیں جو ان کے ہم جنس ہیں۔

اس تفسیر سے بالکل واضح ہو گیا کہ انبیاء علیہم السّلام نے بشریت میں ہم جنس ہونا ظاہر فرمایا ہے نہ کہ ہم نوع ہونا۔

اس جواب انبیاء کے بعد کافروں کا منہ بند ہو گیا پھر انہوں نے یہ نہیں کہا کہ تم ہم جیسے بشر ہو بلکہ اس شرط پر نبوّت تسلیم کرنے کا اقرار کیا کہ ہمیں وہ معجزہ دکھاؤ۔ جو ہم چاہتے ہیں۔ جس کا جواب انبیاء علیہم السّلام نے یہ دیا کہ ہم ہر شخص کے مطالبہ کے مطابق از خود معجزہ نہیں دکھا سکتے۔ کیونکہ ہم خدا کے امر اور اس کی اجازت کے پابند ہیں۔ کیونکہ ہم اُس کے فرستادہ ہیں۔ وہ اپنی مشیّت و مصلحت کے مطابق معجزہ دکھانے کی اجازت دیتا ہے۔

جناب شیخ الطائفہ علیہ الرحمہ کی تفسیر سے حرف بحرف ہماری تائید ہوتی ہے۔ کیونکہ انہوں نے انبیاء علیہم السّلام کے اصطفاء و بعثت کو خداوند عالم کا فضل و احسان قرار دیا ہے جو ان کی فصل ممیز ہے۔

ہم نص قرآن اور اعتراف انبیاء کے معترف ہیں کہ یہ حضرات بشر ہیں مگر صرف بشر نہیں بلکہ ان میں ایک کمال ذاتی ہے۔ جو سبب اصطفاء و بعثت ہے۔ لیکن ان کو صرف بشر سمجھنا کفار کا مقولہ ہے جو نہ تو خدا کا ارشاد ہے۔ اور نہ انبیاء کا اعتراف ہے۔ اور نہ محققین کا ایمان ہے لہٰذا ان کو غلو نواز کہنا کفار کی تائید ہے۔

حضرت محدّث کبیر شیخ الطائفہ طوسیؒ نے جو کتب اربعہ میں دو کتابوں استبصار اور تہذیب کے جامع ہیں۔ حضرت رسالت مآبؐ و حضرت ولایت مآبؑ کے لئے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام کی حدیث طویل اپنے سلسلہ سند سے بیان فرمائی ہے جس میں یہ الفاظ موجود ہیں۔

"ظَاهِرُهُمَا بَشَرِيَّةٌ وَبَاطِنُهُمَا لَاهُوتِيَّةٌ" :-

یعنی ان حضرات کا ظاہر بشریت ہے اور باطن نورانیت ہے۔

جیسا کہ ہم دلائل جداگانہ نوع میں تحریر کر چکے ہیں۔ لہٰذا ان ذواتِ مقدسہ کو ظاہر میں بشر اور باطن میں نور سمجھنا ہی عین ایمان ہے۔ جس سے کفار نابلد تھے بلکہ اس کے منکر تھے۔ نیز زیارات معصومین علیہم السلام میں "اَلسَّلَامُ عَلٰی ظَاهِرِكُمْ وَعَلٰی بَاطِنِكُمْ" موجود و ماثور و متداول ہے۔

دلیل سوم :- بالکل ایسا ہی جناب رسولؐ خدا کا یہ ارشاد ہے۔

"قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ اَنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ"

(اے رسول کہہ دو، کہ میں بھی تمہارا ایسا ہی ایک آدمی ہوں (فرق صرف اتنا ہے) کہ میرے پاس وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود یکتا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں بھی اس امر کا اظہار کیا گیا ہے کہ چونکہ کفار آں حضرتؐ کو بشر کہتے ہوئے خصائص کو نظر انداز کر جاتے تھے۔ آں حضرتؐ نے بحکم پروردگار جہاں اپنے بشر ہونے کا اعلان کیا۔ وہاں اپنی خاصیت (وحی نبوت) کا بھی اظہار فرما دیا۔

علامہ طبرسی مجمع البیان ج ۲ ص۱۱۳ پر اسی آیت کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں۔

"لا فضل لی علیکم الا بالدین والنبوۃ ولا علم لی الا ما علمنیہ اللہ تعالیٰ"

"یعنی مجھے آپ لوگوں پر سوائے دین و نبوت کے اور کوئی فضیلت نہیں (ہاں یہی فضیلت تمام فضائل کی جامع ہے) اور میرے پاس سوائے اس علم کے جو خدا نے مجھے تعلیم دیا۔ اور کوئی علم نہیں ہے۔

تفسیر صافی ص۳۱۳ پر بحوالہ احتجاج طبرسی و تفسیر امامؑ اس آیت کی تفسیر امام حسن عسکری علیہ السلام سے یوں مروی ہے۔

"قل لهم انا فی البشرية مثلكم ولكن ربی خصّنی بالنبوة دونكم كما يخصّ بعض البشر بالغنی والصحة والمال دون بعض من البشر فلا تنكروا ان يخصّنی ايضًا بالنبوّة۔

یعنی اے رسول ان (منکرین نبوت) سے کہہ دو کہ میں بشر ہونے میں تمہارے مثل ہوں لیکن جس طرح خداوند عالم بعض انسانوں کو تونگری، صحت و سلامتی۔ اور حسن و جمال سے

نوازتا ہے اور بعض کو محروم رکھتا ہے۔ اسی طرح خدائے حکیم نے مجھے مرتبہ نبوت پر ممتاز کیا ہے۔ اور تمہیں اس سے محروم رکھا ہے۔ لہٰذا جس طرح تم بعض انسانوں کی نابردہ خصوصیات کا انکار نہیں کرتے اسی طرح تم اس بات کا بھی انکار نہ کرو کہ خدا نے مجھے نبوت کے ساتھ مختص کر دیا ہے۔ (کذا فی الاحتجاج للطبرسی) (اصول الشریعہ)

الجواب: ۔ آیت مذکورہ کا اگرچہ ترجمہ نظری ہے مگر ہم صرفِ نظر کرتے ہوئے ان کی اپنی عبارت دفرق اتنا ہے اہی کو ان کی اپنی خود ردّ کے لئے کافی سمجھتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے عام بشر اور نبی میں فرق تسلیم کر لیا ہے۔ اور جب فرق ثابت ہے تو ہمیں غور کرنا چاہیئے کہ یہ فارق جس کی وجہ سے عام بشر سے نبی جداگانہ ہے آیا عارضی ہے یا ذاتی؟ اگر عارضی ہے تو اس کا قیام بغیر جوہر محال ہے۔ کیونکہ عرض کا وجود "ماقام بہ" پر موقوف ہے۔ لہٰذا حقیقت نبی میں ایک کمال ذاتی تسلیم کرنا پڑے گا۔ جو اس کی ذات سے جدا نہیں ہو سکتا۔ جس کے ساتھ یہ فارق قائم ہے۔ اگر یہ فارق ذاتی ہے یعنی جزو ذات نبی ہے تو اس کو فصل ممیّز کہتے ہیں۔ لہٰذا بشریت اور جزو فارق دو جزو ثابت ہو گئے۔ بشریت جنس ہے اور فارق فصل ہے۔ ان دونوں کا مرکب نبی ہے۔ لہٰذا نوع جداگانہ ہے۔ اس کی مزید وضاحت خود ان کی مندرجہ ذیل عبارت سے ثابت ہے۔ "چونکہ کفار آں حضرتؐ کو بشر کہتے ہوئے اُن کے خصائص کو نظر انداز کر جاتے تھے۔ آں حضرتؐ نے بحکم پروردگار جہاں اپنے بشر ہونے کا اعلان کیا وہاں اپنی خصوصی خاصیت (وحی نبوت) کا بھی اظہار فرمایا" عبارت مذکورہ سے کس قدر واضح ہے کہ کافر صرف بشر سمجھتے ہیں۔ اس لئے خداوند عالم نے ان کے اس خیال کی ردّ کے لئے آں حضرتؐ کو حکم دیا کہ اپنی خصوصیت (وحی نبوت) کا اعلان کر کے ثابت کر دیں کہ بشریت کے علاوہ ان میں ایک کمال ذاتی بھی موجود ہے۔ جو فارق ہے۔ اور فصل ممیّز ہے۔ جس کی وجہ سے نبوت عطا ہوئی ہے۔ اور وحی بھی ہوتی رہتی ہے۔ لہٰذا ان کی تحریر کردہ عبارت سے ثابت ہے کہ نبی کی نوع جداگانہ ہے۔ صرف بشریت میں اشتراک ہے۔ جو ان کی جنس ہے۔ لہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ بشر و نبی ہم جنس ہیں مگر نبی اس جنس کے افراد کاملہ میں سے ہے۔ انہوں نے اس کے بعد علامہ طبرسی کی عبارت پیش کی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ دین جو درحقیقت وجودِ نبی کے آثار اور حرکات و سکنات کا نام ہے۔ یہ وہ فضیلت ہے جو عام بشر کو حاصل نہیں۔ دوسری فضیلت نبوت ہے۔ جس سے عام بشر خالی و عاری ہے۔ تیسری فضیلت علم ہے جو عطیۂ خدا ہے۔

اور حقیقی علم ہے عام بشر کی طرح اکتسابی نہیں ہے۔ بلکہ تخلیقی ہے۔ لہٰذا صرف بشر سمجھنا جہالت ہے
اس کے بعد انہوں نے تفسیر صافی کے حوالے سے ایک روایت نقل کی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ
اے رسول کافروں سے کہہ دو کہ میں بشریت میں تمہارے شل ہوں۔ لیکن تم میں اور مجھ میں یہ فرق
ہے کہ مجھے خدا نے نبوت کے ساتھ مختص کیا ہے تمہیں نہیں کیا۔ جیسا کہ تم تسلیم کرتے ہو۔ کہ خدا
نے بعض بشر کو تونگری وصحت وحسن سے مخصوص کر دیا ہے اور بعض کو نہیں کیا۔ پھر تمہیں یہ تسلیم
کرنے میں کیا عذر ہے کہ مجھے نبوت کے ساتھ مخصوص کر دیا۔ کیونکہ جب تم خدا کا یہ اختیار تسلیم
کرتے ہو کہ جس کو چاہے غنی بنا دے اور جس کو چاہے فقیر بنا دے اور جس کو چاہے حسین وجمیل
بنا دے اور جس کو چاہے اس سے محروم کر دے۔ تو پھر خدا کے اس اختیار کا انکار کیوں کرتے
ہو کہ جس کو چاہے نبی بنا دے اور جس کو چاہے اُمت بنا دے یہ تخصیص اللہ کے اختیار میں ہے
اس عبارت سے بھی عام بشر اور نبی میں فرق واضح ہے۔ کیونکہ نبوت کمال ذاتی کی وجہ
سے عطا ہوتی ہے نہ کہ بشریت کی وجہ سے ورنہ ہر بشر نبی بن جاتا۔ لہٰذا نبی کی نوع جداگانہ ہے
صرف بشریت میں مشارکت ہے۔ کیونکہ بہر حال خصوصیات نبوت کا منشاء صدور اور مبداء ظہور
تسلیم کرنا پڑے گا جو عارضی نہیں بلکہ جوہر ذاتی ہوگا یہی فصل ممیز ہے۔

دلیل چہارم:۔ سورۂ انبیاء میں خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے۔

وما ارسلنا قبلک الا رجالاً نوحی الیھم فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون ۔ وما جعلنا ھم جسداً لا یاکلون الطعام وما کانوا خالدین ۔ (پ۱۷ س انبیاء ع ۱)

اور (اے رسول) ہم نے تم سے پہلے بھی آدمیوں ہی کو (رسول بنا کر) بھیجا تھا کہ ان کے
پاس وحی بھیجا کرتے تھے۔ تو اگر تم لوگ خود نہیں جانتے تو عالموں سے پوچھ دیکھو۔ اور ہم نے
ان (پیغمبروں) کے بدن ایسے نہیں بنائے تھے کہ وہ کھانا نہ کھائیں۔ اور نہ وہ دنیا میں ہمیشہ
رہنے بسنے والے تھے (ترجمہ فرمان)

ظاہر ہے کہ رجال بنی نوع انسان کی صنف درشت ہی کو کہا جاتا ہے۔

الجواب:۔ محققین نے کبھی انبیاء علیہم السلام کی بشریت کا انکار نہیں کیا۔ اور انہیں مرد ہی تسلیم
کیا ہے۔ صنف نازک کو کبھی نبی نہیں کہا۔ انبیاء بوجہ بشریت کھاتے پیتے ہیں۔ کیونکہ ان کو بدن
دیا گیا ہے۔ جس کی بقاء کے لئے کھانا پینا ضروری ہے۔ مؤلف اصول الشریعہ نے رجال کا ترجمہ

"آدمیوں" غلط کیا ہے۔ کیونکہ آدمی عورت اور مرد دونوں کو کہا جاتا ہے۔ صحیح ترجمہ "مردوں" ہونا چاہیئے تھا۔

یہ آیت کافروں کے اُس خیال کی رد ہے کہ وہ انبیاء کو فرشتہ سمجھتے تھے۔ اور کھانے پینے کی وجہ سے آں حضرتؐ کو اپنے جیسا بشر سمجھ کر انکارِ نبوت کرتے تھے۔ خداوند عالم نے انہیں تنبیہ کی ہے کہ انبیاء آں حضرتؐ سے پیشتر بھی بھیجے گئے تھے وہ بھی تو مردوں ہی کی طرح بدن رکھتے تھے۔ اور کھاتے پیتے تھے پھر تم نے انہیں کیوں نبی تسلیم کر لیا۔ کھانے پینے کا تعلق بدن بشری سے ہے۔ اور رُوحی کا تعلق نورانیت سے ہے۔ یعنی ان میں دو جُزو ہوتے ہیں۔ بشریّت اور نورانیت۔ کفار نے صرف بشریّت کو دیکھ کر انکارِ نبوت کر دیا۔ ان کی نورانیت کو نہیں سمجھا۔ جس کی وجہ سے وحی ہوتی ہے۔ اِس آیت سے بھی ہمارا ہی عقیدہ ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ صرف بشر کو نبی نہیں کہا گیا ہے۔ بلکہ وحی کی شرط کے ساتھ نبی کہا گیا ہے۔ یہ ہمارا چیلنج ہے کہ قرآن وحدیث میں کہیں بھی صرف بشر نہیں کہا گیا بلکہ بشریّت کے ساتھ ایک کمال ذاتی کا اشعار ہر جگہ موجود ہے جس کے خصائص و آثار بیان کئے گئے ہیں۔ لہٰذا ان کی نوع جُداگانہ ہے۔

قائلین وحدت نوع کے نزدیک بشر کو نبی بنایا جاتا ہے۔ اور محققین کے نزدیک نبی کو بشریّت دی جاتی ہے۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ ان کے نزدیک بشر کا وجود پہلے ہوتا ہے۔ اور نبوت بعد میں دی جاتی ہے۔ اور محققین کے نزدیک کمالِ نورانی سابق ہوتا ہے۔ اس کو بشریّت دے کر ہدایت کے لئے بھیجا جاتا ہے۔ کیونکہ بعثت اور ارسال دونوں اس امر کے مقتضی ہیں کہ مبعوث و مرسل کا وجود سابق ہو۔ جس کو بھیجا جاتا ہے نہ کہ خلق کیا جاتا ہے۔

چنانچہ قرآن وحدیث میں ان کے وجودِ نوری کا تذکرہ موجود ہے جو بشریت سے سابق ہے۔ اسی لئے یہ حضرات شکم مادر ہی میں گفتگو کرتے رہتے ہیں۔ اور ولادت کے ساتھ ہی اس کمال ذاتی کا ظہور ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ ہم دلائلِ نورانیہ کے ضمن میں مفصل بیان کر چکے ہیں۔ ہمارے نبی کو عالم ذر میں اَرواحِ انبیاء کی بھیجا گیا۔ اُس وقت نہ بشریّت کا وجود تھا اور نہ ابوالبشر آدمؑ کا۔ لہٰذا نورانیت سابق ہے اور بشریّت لاحق ہے۔ لہٰذا نوع جُداگانہ ہے۔

دلیل پنجم:۔ نیز ارشادِ قدرت ہے۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّ صِهْرًا (پ ۱۹ س فرقان ع ۴)

اور وہی تو وہ خدا ہے۔ جس نے پانی (منی) سے آدمی کو پیدا کیا۔ پھر اس کو خاندان اور سسرال والا بنایا (ترجمہ فرمان)

ہماری بکثرت روایات میں وارد ہے کہ یہاں بشراً سے مراد جناب رسالت مآبؐ و خلافت مآب ہیں اور نسباً سے ذاتِ نبویؐ۔ اور صہراً سے ذات علوی مراد ہے۔

صاحب مقدمہ تفسیر مرأۃ الانوار ص ۹۵ پر رقمطراز ہیں۔

فالمراد بالبشر رسول اللہ و علیؑ صلوات اللہ علیہما کما ان المراد بالصہر علی علیہ السلام و بالنسب النبیؐ صلی اللہ علیہ و آلہ۔

بنا بر اختصار اسی مقدار پر اکتفا کی جاتی ہے۔ ورنہ ان تمام روایات و آیات کی جمع آوری کے لئے جن میں ان ذواتِ مقدسہ پر بشر کا اطلاق کیا گیا ہے۔ ایک دفتر درکار ہے (اصول الشریعہ)

الجواب:۔ ہمیں سخت تعجب ہے بلکہ قائلین وحدتِ نوع کے ایمان و دیانت پر حیرت ہے کہ اُنہوں نے آیۂ مذکورہ کا ترجمہ جناب مولانا فرمان علی صاحب مرحوم کے قرآن مترجم سے پیش کیا ہے۔ خود اس کا ترجمہ نہیں کیا ہے۔ حالانکہ متعدد مقامات پر خود کردہ ترجمہ پیش کرتے رہے ہیں۔ مرحوم نے اس ترجمہ میں عام بشر کی تولید کا ذکر کیا ہے۔ اِس لئے پانی سے مراد (منی) تحریر کیا ہے۔ لیکن ان لوگوں کی چالاکی اور جسارت دیکھئے کہ پانی سے مراد (منی) لکھ کر جو عام بشر کی تولید سے متعلق ہے یہ لکھ دیا کہ ہماری بکثرت روایات میں وارد ہے۔ کہ یہاں بشر سے مراد رسالتمآبؐ اور خلافت مآبؑ ہیں۔ جس کا مطلب یہ ظاہر کیا گیا ہے۔ کہ یہ حضرات منی کی پیداوار ہیں جو عرف عام میں یقیناً قطرۂ نجس ہے۔ اس کے ساتھ ان کی جرأت دیکھئے کہ تحریر کرتے ہیں " ہماری بکثرت روایات میں وارد ہے کہ یہاں بشر سے مراد رسولؐ و علیؑ ہیں " حالانکہ ہرگز ہماری کسی ایک روایت میں بھی وارد نہیں ہے۔ ہمارا چیلنج ہے کہ یہ سات نفر قائلین وحدتِ نوع صرف ایک روایت ہی پیش کر دیں۔ جس میں پانی سے مراد قطرۂ نجس منی ہو۔ اور اُس سے جناب رسالتمآبؐ اور خلافت مآبؑ کی پیداوار مرقوم ہو۔ یہ حضرات قیامت تک کوئی حدیث ہماری کسی کتاب سے پیش نہیں کر سکتے یہ لکھنا کہ " ہماری بکثرت روایات میں وارد ہے " قطعاً غلط ہے۔ کذب صریح ہے۔ جہلاء کو گمراہ کرنے اور اپنی علمیت منوانے کا غیر شریفانہ انداز ہے بلکہ حضرات محمد و آلِ محمد علیہم السلام کی شان میں سوء ادب اور خبث سریرہ کا مظاہرہ ہے۔

اس کے بعد ان لوگوں نے علامہ ابوالحسن الشریف کی کتاب مرآۃ الانوار کے حوالہ سے جو عبارت پیش کی ہے۔ اس میں ناصبیانہ خیانت کی ہے۔ علامہ نے آیۂ مذکورہ کی تفسیر میں سب سے پہلے سطر میں تحریر فرمایا ہے کہ آیت میں لفظ "ماء" سے مراد ماء تحت العرش ممزوج بنور اللہ" وہ پانی جو زیر عرش ہے اور نور سے مخلوط ہے۔ اس ماء عرشی نورانی سے محمد و علی علیہما السلام کی خلقت بشری ہوئی ہے۔ اس پوری سطر کو چھوڑ کر نیچے والی یہ سطر نقل کی ہے۔ کہ بشر سے مراد جناب رسالت مآبؐ و خلافت مآبؑ ہیں۔ اور "نسب" سے مراد رسول اللہ اور "صہر" سے مراد علی ابن ابی طالبؑ ہیں۔

علامہ موصوف نے آیۂ مذکورہ کی ترتیب کے مطابق پہلے لفظ "ماء" سے مراد ماء عرشی نورانی تحریر کیا ہے۔ اور اس کے بعد لفظ بشر سے مراد حضرت رسول اللہ اور علی مرتضیٰ علیہ السلام تحریر کیا ہے اور اس کے بعد لفظ "نسب" سے مراد "رسول اللہ" اور لفظ "صہر" سے مراد علی ابن ابی طالبؑ لکھا ہے مگر ان قائلین وحدت نوع نے آیت کا اردو ترجمہ مولانا فرمان علی صاحب مرحوم کے قرآن مترجم سے نقل کیا ہے۔ جس میں عام بشر کو پانی یعنی منی کی پیداوار لکھا گیا ہے۔ اور اس کے بعد ان لوگوں نے علامہ ابوالحسن الشریف کی کتاب سے وہ سطر چھوڑ کر جس میں پانی سے مراد عرشی، اور نورانی پانی تحریر ہے۔ بعد والی سطر نقل کر دی ہے۔ جس میں بشر سے مراد محمد و علی علیہم السلام لکھا ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ان صاحبان نے حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام کو اپنی طرح قطرۂ نجس سے متولد ثابت کرنے کے لئے علمی خیانت اور نقل حوالہ میں بددیانتی کی بھی پرواہ نہیں کی ہے۔ یہ صرف لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے نقل عبارت میں جرم عظیم کا ارتکاب کیا ہے۔ پانی سے مراد منی اردو ترجمہ قرآن سے نقل کیا ہے۔ اور بشر سے مراد محمد و علی علیہما السلام عربی کتاب سے نقل کیا ہے۔ اور اس میں بھی بددیانتی کرکے پانی سے مراد عرشی پانی چھوڑ دیا ہے ان لوگوں پر یہ مثل مکمل ثابت ہوتی ہے۔ "کہاں کی اینٹ کہاں کا روڑا بھان متی نے کنبہ جوڑا"۔ ان لوگوں کی یہ بددیانتی ایک پوسٹر میں شائع کی گئی تھی۔ جناب سید جمیل حسین صاحب رضوی نے جب ایک مجلس اپنی کوٹھی پر ان کے سرخیل سے پڑھوائی تو مومنین نے انہیں پشیمان کیا چونکہ مجلس میں فضائل اہلبیت بیان کئے گئے تھے اس لئے رضوی صاحب نے کہا کہ مجلس میں جو پڑھا گیا وہ تو بہترین فضائل تھے کوئی بات قابل اعتراض نہیں تھی۔ چنانچہ میں نے انہیں توجہ دلائی کہ مجلس میں وہ عقیدہ نہیں بیان کرتے ہیں جو کتابوں میں لکھا ہے۔ چنانچہ میں نے پوسٹر بھیج دیا جس میں کتاب اصول الشریعہ

کا یہی حوالہ دیا گیا ہے۔ کہ یہ لوگ حضرات محمد و آلِ محمد علیہم السّلام کو قطرۂ نجس کی پیداوار سمجھتے ہیں۔ کیونکہ عرف عام میں منی نکلنے سے آدمی جنب کہلاتا ہے۔ قرآن کے حروف چھونا حرام۔ مسجد میں قیام حرام ہو جاتا ہے۔ اِسی لئے قطرۂ نجس سے اِن ذواتِ مقدسہ کی پیدلوار ثابت کرنے کے لئے ترجمہ قرآن پیش کیا گیا ہے۔ حالانکہ وہ ترجمہ عام بشر کے لئے تحریر کیا گیا ہے۔ جناب رضوی صاحب نے وہ پوسٹر ان کو سرگودھا بھیج دیا۔ اور اس کا جواب طلب گیا۔ انہوں نے جواباً لکھا کہ "میں نے ترجمہ فرمان نقل کیا ہے۔ ناقل کی ذمہ داری صرف اتنی ہے کہ وہ صحیح نقل کرے"۔ یہ جواب خود ایک فریب ہے کیونکہ انہوں نے اپنے جیسا البشر ثابت کرنے کے لئے اپنی کتاب کی پانچویں دلیل میں آیۂ مذکورہ اور یہ ترجمہ پیش کر کے ثابت کیا ہے کہ قرآنی آیات اور روایات سے حضرات محمد و آلِ محمد علیہم السّلام کا ہماری طرح بشر ہونا ثابت ہے۔ یہ ترجمہ نقل کرنے کا مقصد اگر اپنی طرح کا بشر ثابت کرنا نہیں تھا اور منی سے پیداوار ان کا عقیدہ نہیں تھا تو اس ترجمہ کے فوراً بعد پانی سے مُراد منی اور بشر سے مراد رسالت مآبؐ اور خلافت مآبؑ دونوں کو ملا کر کیوں لکھا۔ اور صاحب کتاب مرأۃ الانوار نے جب پانی سے مُراد عرشی پانی تحریر کیا ہے تو اس کی نقل میں ناقل کی ذمہ داری کیوں فراموش ہو گئی۔ جب علاّمہ کی کتاب سے یہ تفسیر نقل کی تھی کہ بشر سے مُراد اس آیت میں محمد و علی علیہما السلام ہیں۔ تو یہ تفسیر جو ساتھ ہی ملی ہوئی ہے پہلی ہی سطر میں تھی کہ پانی سے مُراد نورانی و عرشی پانی ہے۔ یہ جزو عبارت کیوں فراموش ہو گیا۔ اور منی والا ترجمہ اس کی بجائے دوسری جگہ سے نقل کر کے اس کے ساتھ کیوں ملایا گیا۔ یہ اس بات کا کھُلا ہوا ثبوت ہے کہ ناقل ان ذواتِ مقدسہ مطہرہ کو اپنی نوع میں شامل کرنے کے لئے یہ پاپڑ بیل رہا ہے کہ انہیں بھی معاذ اللہ منی کی پیداوار ثابت کرے۔ ورنہ پانی سے مُراد منی لکھ کر یہ تشریح کر دیتا کہ عام بشر اسی نجس پانی سے پیدا ہوتے ہیں۔ مگر جب آیت میں بشر سے حضرات محمد و آلِ محمد علیہم السلام مُراد لئے جائیں تو پانی سے مُراد عرشی و نورانی پانی ہو گا۔ کیونکہ یہ حضرات اس نجس پانی سے پیدا نہیں ہوئے ہیں۔ لیکن ان سات نفر مولوی صاحبان کے دستخط ثابت کر رہے ہیں۔ کہ یہ لوگ (معاذ اللہ) ان ذواتِ مطہرہ کو منی کی پیداوار سمجھتے ہیں۔ اور اسی لئے انہوں نے ترجمہ بھی وہ نقل کیا ہے۔ جس میں پانی سے مُراد منی تحریر ہے۔ جو عام بشر کے لئے ہے اگر یہ ترجمہ ان کی نظر میں غلط تھا تو اس کی ردّ کرتے اور اپنا صحیح ترجمہ پیش کرتے۔ کیونکہ کتاب اصول الشریعہ انہوں نے اپنے عقائد کو ثابت کرنے کے لئے لکھی ہے۔ نہ کہ اپنے خلاف عقائد درج کرنے کے لئے۔ یہ سب جوڑ توڑ صرف اسی لئے کئے گئے ہیں کہ اہل بیت طاہرین و مطہرین علیہم السّلام

کو (معاذ اللہ) آیۂ تطہیر سے بھی خارج کرنا پڑے تو پرواہ نہیں۔ اپنی نوع میں داخل کرنا ضروری ہے خواہ شیعیت سے خارج کیے جائیں لیکن دستخط کنندگان کی ناک سالم رہے۔

ان لوگوں نے قرآن مجید کی مذکورہ پانچ آیات سے استدلال کیا تھا جس کی رد ہم نے پیش کر دی ہے۔ اس کے بعد اسی پانچویں دلیل کے بعد تحریر کرتے ہیں۔" ان حقائق کے بعد ہمارے دعوے کی صداقت روز روشن کی طرح واضح و لائح ہو جاتی ہے کہ انبیاء و آئمہ کے بشر ہونے کا انکار قرآن و حدیث و اجماع مسلمین کے انکار کے مترادف ہے"

الجواب:۔ کس قدر چالاکی ہے کہ بشر ہونے کا انکار ہماری طرف منسوب کیا جا رہا ہے حالانکہ محققین نے کبھی بشریت کا انکار نہیں کیا بلکہ بشریت کے ساتھ ایک دُوسرا جزو نورانیت لازمی جانتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان حضرات کی نوع جداگانہ ثابت ہوتی ہے۔ مگر قائلین وحدتِ نوع صرف بشریت مانتے ہیں۔ جس کے ثبوت میں وہ کوئی آیت یا کوئی حدیث آج تک پیش نہیں کر سکے اور نہیں کر سکتے۔ جس میں انبیاء و آئمہ علیہم السلام کو صرف بشر کہا گیا ہو۔ اور ان کی نورانی خصوصیات بیان نہ کی گئی ہوں۔ ان خصوصیات کا مصدر کمال ذاتی ہے۔ کیونکہ کسی عرض کا وجود بغیر جوہر ممکن نہیں ہے۔ ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔

اجسادِ معصُومین علیہم السّلام کے اجزائے اصلیہ تمام نوعِ بشر سے جُداگانہ ہیں

ہم نے حقائق الوسائط جلد اوّل میں ذواتِ مقدسہ معصومین علیہم السلام کی خلقت جسمانی پر مختصر تبصرہ کرتے ہوئے ان کے اجزائے اصلیہ و اجزائے فضلیہ کی بحث جلد دوم کے لئے ملتوی کر دی تھی۔ کیونکہ ہماری کوشش تھی کہ ہماری کتاب جلد از جلد مومنین کرام کی دست بوس ہو جائے تاکہ مقصرین و قالین کی لن ترانیاں لگام بدہن ہو جائیں۔ اور گمراہی سے بچانے کے لئے بتعجیل موازنہ حق و باطل کا موقعہ فراہم کر دیا جائے۔ اس لئے عنوانات مضامین کی فہرست بھی مکمل طور پر تحریر نہ ہو سکی۔ انشاء اللہ زیر تالیف جلد دوم میں اس کی تلافی کا خاص طور پر خیال رکھا جائے گا۔

مذکورہ بالا عنوان کے تحت حقائق و دقائق پیش کرنے سے قبل مناسب سمجھتے ہیں کہ اس سلسلہ میں مقصرین کی معاندانہ عبارات من وعن نقل کر دیں تاکہ وہ آج کل سر پر قرآن رکھ کر مومنین کو جو دھوکہ دے رہے ہیں اُس کی قلعی کھل جائے۔

معصومین علیہم السّلام کی تخلیق جسمانی میں مقصّرین کا اعتقاد

کتاب و سُنّت میں ذواتِ مقدسہ معصومین علیہم السّلام کی شان میں جہاں کہیں لفظ نور مذکور تھا۔ قالیوں نے اس حقیقت کا انکار کرتے ہوئے لکھ دیا کہ لفظ نور کا استعمال ان کے لئے مجازاً ہے۔ کیونکہ یہ حضرات حقیقت میں ہم جیسے بشر ہیں۔ اور ہماری طرح ان کی جسمانی پیدائش "منی" سے ہوئی ہے۔ چنانچہ مولّف اُصول الشریعہ نے ص۲۶ تا ۲۷ پر تحریر کیا ہے ملاحظہ کیجئے۔

(۵) نیز ارشادِ قدرت ہے:۔

هو الّذی خلق من الماء بشرا وجعله نسبًا وصهرا۔ (پ۱۹ س فرقان ع ۳)

اُور وہی تو وہ خدا ہے جس نے پانی (منی) سے آدمی کو پیدا کیا۔ پھر اُس کو خاندان اُور سُسرال والا بنایا۔ (ترجمہ فرمان)

ہماری بکثرت روایات میں وارد ہے۔ کہ یہاں بشر سے مُراد جناب رسالت مآبؐ، اور خلافت مآبؑ ہیں۔ اور نسباً سے ذات نبویؐ اور صهراً سے ذات علوی مُراد ہے۔

صاحب مقدمہ تفسیر مرآۃ الانوار ص۹۵ پر رقمطراز ہیں۔

فالمراد بالبشر رسول الله وعلی صلوات الله علیهم کما ان المراد بالصهر علی علیه السّلام وبالنسب النبیّ صلی الله علیه وآله

بنا بر اختصار اسی مقدار پر اکتفا کی جاتی ہے۔

ہم نے من وعن عبارت پیش کردی ہے تاکہ قالیوں کو کسی اعتراض کی گنجائش نہ مل سکے۔ اب ہم مولّف کی خیانت پیش کرتے ہیں۔ آیہ مذکورہ کے ترجمہ میں پانی کے معنی (منی) تسلیم کرکے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ دیگر لوگوں کی طرح حضرات معصومین علیہم السّلام (منی) سے پیدا ہوئے ہیں۔

اپنے مقصد باطل کے ثبوت میں صاحب مقدمہ تفسیر مرآۃ الانوار کی عبارت اس امر کے ثبوت میں پیش کی ہے کہ آیت میں جس بشر کے "منی" سے پیدا ہونے کا ذکر ہے اس سے مُراد جناب رسالت مآبؐ و خلافت مآب ہیں۔ جو "منی" سے پیدا ہوئے ہیں۔ جیسے دیگر بشر "منی" سے پیدا ہوئے ہیں۔ ذرا عبارت میں حالاکی ملاحظہ فرمائیے کہ ان بزرگواروں کو "جناب رسالتمآبؐ و خلافتمآبؑ"

اور" ذات نبوی و ذات علوی" جیسے مؤدبانہ الفاظ میں اس لئے یاد کیا ہے کہ موالیانِ اہل بیت علیہم السّلام ان کی پیدائش میں" منی" کا لفظ برداشت نہیں کریں گے۔ لہٰذا خطابات سے سرفراز کیا۔ ورنہ حرکت قلم غمازی کر رہی ہے کہ کسی دشمن کے ہاتھ میں ہے کہ اپنی طرح "منی" کی پیدائش ان ذواتِ مقدسہ کے لئے ثابت کر رہا ہے۔

مولف کتاب نے اپنے مقصد باطل کے ثبوت میں جس خیانت کا ارتکاب کیا ہے۔ وہ کسی طرح قابلِ معافی نہیں ہے۔ کیونکہ یہ خیانت حضرات معصومین علیہم السّلام کے باب میں ہے اور جرم بھی اتنا عظیم ہے کہ آیت مذکورہ میں لفظ" ما" کے معنی "منی" تسلیم کر کے جناب مفسر جلیل صاحب مرأۃ الانوار کی طرف نسبت دے کر عبارت کا حصہ اوّل عمداً نقل نہیں کیا ہے۔ کیونکہ اس میں صاف طور پر لفظ" ماء" سے مُرادوہ" ماء" بیان کیا گیا ہے جو تحت العرش سے آیا ہے جس کا تعلق زمین کی غذاؤں سے نہیں تھا۔

اب ہم مقدمہ تفسیر مرأۃ الانوار کی عبارت کا حصہ اوّل پیش کرتے ہیں جس کو مولف اُصول الشریعہ نے عمداً ترک کر دیا ہے۔

جناب علامہ لفظ بشر کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

سیأتی فی سورۃ الفرقان عند قولہ تعالیٰ ھوالذی خلق من الماء بشرا فجعلہ نسبًا وصہرًا ما یدل علی ان المراد بالماء ما خلقہ اللہ من تحت العرش ومزجہ بنورہ (مرأۃ الانوار ص۷۶)

ترجمہ:۔ سورۂ فرقان کی آیۂ مذکورہ کی تفسیر میں یہ ثبوت تحریر کیا جائے گا کہ لفظ بشر سے مُراد رسول اللہ اور حضرت علی علیہما السّلام ہیں۔ جو اس آیت میں نسبًا وصہرًا کی خصوصیت کے ساتھ مذکور ہیں۔ ان کی تخلیق میں جس "ماء" (پانی) کا ذکر ہے وہ مادہ ہے۔ جس کو خداوند عالم نے تحت عرش خلق فرمایا اور اس کو اپنے نور سے ممزوج فرما کر حضرت رسول اور حضرت علی علیہما السّلام کے جسد کا جزو ترکیبی قرار دیا۔

ناظرین کرام غور فرمائیں کہ مقدمہ مرأۃ الانوار میں صاف طور پر ماء (پانی) سے مراد ماءِ عرشی نورانی مذکور ہے۔ جس سے ان ذواتِ مقدسہ کا جسد اصلی پیدا کیا گیا ہے۔ اور یہی ماء ممزوج نور ہی ان کے جسد مقدس کا جزو ترکیبی ہے۔ لیکن مولف نے اس حصہ کو عمداً ترک کر کے آیت میں لفظ" ما" کے معنی "منی" تسلیم کر کے ان ذواتِ مقدسہ کی خلقت جسمانی کو اپنی طرح" منی" سے ظاہر کیا ہے

کیا یہ خیانت دلیل ناصبیت نہیں ہے؟ اور کیا یہ قلم باطل رقم دشمن کے ہاتھ میں نہیں چل رہا ہے؟
اگر ہم نے ایسے لوگوں کو غالی اور ناصبی لکھا ہے تو ان کے معاندانہ حرکات کی وجہ سے لکھا ہے۔
خلقت نبی و امام کے متعلق حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام کا ارشاد ہے کہ آئمہ طاہرین علیہم السّلام کی پیدائش نجس نطفہ اور نجس پانی (منی) سے نہیں ہوئی جس طرح دیگر لوگوں کی ہوتی ہے۔
(تفسیر البرہان جلد ۲ صفحہ)

نیز امام حسن عسکری علیہ السّلام نے فرمایا کہ آئمہ طاہرین علیہم السّلام کا حمل شکم مادر میں نہیں ہوتا بلکہ پہلو میں ہوتا ہے۔ اور رحم کے بجائے ران سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور کوئی نجاست ان کو چھو نہیں سکتی۔ کیونکہ وہ نورِ خدا ہیں۔ (مدینۃ المعاجز صفحہ ۵۸۹)
مؤلف اُصول الشریعہ نے لفظ ماء کو جس کا ترجمہ پانی ہے منی سے تعبیر کیا ہے کہ ہمارے محاورات میں یہ لفظ نجس قطرہ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جس کے خارج ہونے سے غسل جنابت واجب ہو جاتا ہے تاکہ حضرات معصومین علیہم السّلام کے لئے بھی لفظ منی کے یہی معنی ثابت کر کے انہیں بھی اپنی طرح معاذ اللہ نجس ثابت کیا جائے۔ ورنہ اس کے حقیقی و مرادی کی تشریح کی جا سکتی تھی۔

ہر انسان اپنے اجزائے اصلیہ کے ساتھ محشور ہوگا

اسلامی تمام فرقوں کا اتفاق و اجماع ہے کہ یوم قیامت ضرور آئے گا۔ اور وہ روزِ جزا ہوگا، خداوند عالم تمام لوگوں کی روحوں کو ان کے بدنوں میں داخل کر کے زندہ کرے گا۔ پھر حساب کے بعد جزا و سزا دے گا۔ نیکیوں کا ثواب اور برائیوں کا عقاب ملے گا۔ اسی کو معادِ جسمانی کہتے ہیں۔
دنیا میں جو عمل کیا تھا نہ تنہا روح نے کیا تھا اور نہ تنہا جسم نے بلکہ دونوں نے مل کر۔ اس لئے دونوں کو محشور کیا جائے گا۔ یہ بدن وہی ہوگا جو عمل کرنے میں شریک روح تھا۔ اور روح بھی وہی ہوگی جو عمل کرنے میں شریک بدن تھی۔
اس اسلامی متفقہ عقیدہ پر منکرین معاد جسمانی نے مندرجہ ذیل اعتراض کیا ہے۔

منکرین معاد جسمانی کا اعتراض

ان المعاد الجسمانی غیر ممکن لانہ لو اکل الانسان انسانا حتی

صار بدن الماکل جزء بدن الاکل فهذا الجزاما لا یعاد اصلا وهو للطلوب او یعاد فی کل واحد منهما وهو محال لا استحالة ان یکون جزء واحد بعینه فی آن واحد جزء فی شخصین متبائنین او یعاد فی احدهما وحده فلا یکون الاخر معادا بعینه وهذا مع افضائه الی الترجیح بلا مرجح یثبت مقصودنا وهو انه لا یمکن اعادة جمیع الابدان باعیانها (قوشجی)

معاد جسمانی ممکن نہیں ہے کیونکہ اگر ایک انسان دوسرے انسان کو اپنی خوراک بنالے تو جس کو کھایا ہے وہ کھانے والے کا جزو بن جائے گا۔ پس اگر یہ جزو محشور نہ ہو تو معاد جسمانی ثابت نہیں ہوگی۔ اور اگر وہ جزو دونوں میں محشور ہو تو لازم آئے گا کہ ایک ہی جزو دو شخصوں میں ایک ہی وقت میں جدا جدا موجود ہو۔ یہ امر محال ہے۔ اور اگر وہ جزو ایک میں محشور ہو اور دوسرے میں نہ ہو تو جس میں یہ جزو نہ ہوگا۔ اس کی معاد جسمانی ثابت نہ ہوگی۔ علاوہ ازیں اس صورت میں ترجیح بلا مرجح لازم آئے گی کہ ایک شخص میں یہ جزو کیوں واپس ہوا۔ اور دوسرے میں کیوں نہیں۔ لہذا ثابت ہوگیا کہ تمام اجسام کا محشور ہونا ممکن نہیں ہے۔ اور جب یہ ممکن نہیں ہے تو معاد جسمانی باطل ہے۔

جواب اعتراض معاد جسمانی

ہر شخص کے اجزائے بدن دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک اجزائے اصلیہ اور دوسرے اجزائے فضلیہ (فاضل اجزاء)، ہر شخص اپنی پیدائش سے آخر عمر تک ایک ہی ہوتا ہے۔ مثلاً زید اپنی پیدائش سے آخر عمر تک زید ہی رہتا ہے۔ عرفاً بھی اور شرعاً بھی۔ عہد طفلی میں بھی زید ہے اور عہد شباب میں بھی زید ہے۔ اسی طرح عہد پیری میں بھی۔ حالانکہ اس کے جسم میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ کبھی لاغر و نحیف ہوتا ہے۔ اور کبھی لحیم و شحیم اسی طرح طول و عرض و عمق میں بھی فرق ہوتا رہتا ہے۔ ان تبدیلیوں سے اس کے زید ہونے میں فرق نہیں آتا۔ لہذا اس نے اگر کوئی نیکی یا بدی اپنے جسم کی لاغری میں کی ہے اور اس کے بعد اس میں موٹائی آگئی ہے یا جسم کی موٹائی کی حالت میں کوئی عمل کیا ہے اور اب لاغری آگئی ہے تو شرعاً اور عرفاً جسم کی کمی یا

زیادتی سے زید میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ سزا یا جزا کا تعلق زید سے ہوگا۔ اس کے جسم کے موٹا تازہ یا دُبلا پتلا ہو جانے سے نہیں ہوگا۔

لہٰذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ زید کے بدن میں دو قسم کے اجزا ہیں۔ ایک اصلیہ اور دُوسرے فصلیہ۔ اجزائے اصلیہ کی وجہ سے زید کہلاتا ہے۔ اور اجزائے فصلیہ کی وجہ سے موٹا یا دبلا کہلاتا ہے۔ یہ اس کے اجزائے غذائیہ ہوتے ہیں۔ جن میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ لہٰذا ہر انسان کے دو بدن ہیں ایک اصلی اور دُوسرا عارضی۔

قیامت میں جس کی واپسی ہوگی۔ وہ اجزائے اصلیہ ہیں جن کی وجہ سے زید بنا ہے۔ وہ اس کے بنیادی اجزاء ہیں۔ دیگر اجزائے جسم "عارضی ہیں جن میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ وہ ایک لباس کے مانند ہیں۔ جو کثیف و لطیف اور رنگ برنگ ہوتا رہتا ہے۔ اسی طرح یہ بدن عارضی بھی لطیف و کثیف اور رنگ برنگ ہوتا اور بدلتا رہتا ہے۔ اگر کسی انسان نے دُوسرے انسان کو خوراک بنا لیا ہے۔ تو دونوں کے اجزائے اصلیہ جُدا جُدا ہیں۔ جن کے ساتھ ان کا بدن محشور ہوگا۔ جس انسان نے دوسرے انسان کو کھا لیا ہے۔ کھانے والا آکل اور جس کو کھایا ہے وہ ماکول ہے۔ انسان ماکول انسان آکل کا جزو غذائی بنا ہے۔ کیونکہ انسان آکل کے اجزائے اصلیہ اس کو خوراک بنا لینے سے پہلے موجود ہیں۔ جن کے ساتھ اس کا حشر ہوگا۔ اور انسان ماکول کے اجزائے اصلیہ ماکول ہونے سے پہلے موجود ہیں۔ جو آکل کے اجزائے غذائیہ بنے ہیں نہ کہ اجزائے اصلیہ۔

لہٰذا آکل اپنے اجزائے اصلیہ کے ساتھ اور ماکول اپنے اجزائے اصلیہ کے ساتھ محشور ہوگا۔

اس بیان سے ثابت ہوا کہ انسان کی شخصیت اس کے اجزائے اصلیہ کی وجہ سے ہے۔ اسی وجہ سے اگر عالم شباب میں کسی نے جرم کیا ہے۔ اور اس کو عالم پیری میں سزا دی جائے تو یہ نہیں کہا جا سکتا۔ کہ سزا غیر مجرم کو دی گئی ہے کیونکہ جُرم کا تعلق اجزائے اصلیہ سے ہے۔

یہ امر قطعاً باطل ہے کہ انسان کو سزا اس کے تمام اجزائے جسم کو جمع کر کے دی جائے جو اس کی پیدائش سے اس کی آخری عمر تک تعلق رکھتے ہیں، مثلاً ناخن۔ بال۔ بول و براز۔ بلغم و خون وغیرہ۔ اگر ان سب فضلات کو جمع کیا جائے تو وہ انسان ایک پہاڑ بن جائے گا۔ یہ اس کے وہ اجزا ہیں۔ جو انسان کے وجود میں بنیادی حیثیت نہیں رکھتے۔ ان کے ہونے یا نہ ہونے سے زید کی شخصیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لہٰذا ان کی واپسی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

مرآۃ العقول جلد ۳ صفحہ ۱۱۱ شرح کافی میں حدیث موثق عمار بن موسیٰ ساباطی سے منقول ہے کہ

امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ کیا میت قبر میں بوسیدہ ہو جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ اس کا گوشت و استخوان سب بوسیدہ ہو جاتے ہیں۔ مگر وہ طینت ہر حال میں باقی رہتی ہے جس سے وہ جسم خلق ہوا ہے۔ اسی طینت سے خداوند عالم جس کو دوبارہ پیدا کرے گا۔ جس طرح ابتدا میں خلق کیا تھا۔

اس حدیث سے ثابت ہے کہ اصلی بدن یعنی طینت جس سے اجزائے اصلیہ خلق ہوئے ہیں۔ بوسیدہ نہیں ہوتی۔ بدن عارضی بوسیدہ ہو جاتا ہے۔ جو اجزائے غذائیہ سے بنا ہے۔ اسی کے منتشر ہو جاتے ہیں۔ پانی پانی میں ہوا ہوا میں آگ آگ میں مٹی مٹی میں مل جاتے ہیں مگر طینت یعنی اجزائے اصلیہ باقی رہتے ہیں لیکن نبی اور امام کا بدن عارضی بھی بوسیدہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ زمین پر حرام ہے کہ ان کے ابدان عارضی گوشت و خون و استخوان کو کوئی گزند پہنچائے۔ بلکہ مومنین کاملین کے اجسام عارضی کو بھی زمین بوسیدہ نہیں کر سکتی۔ جیسا کہ مشاہدہ ہو چکا ہے۔

حضرت حذیفہ بن یمان اور حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما کی قبریں ۱۹۳۲ء میں کھود کر میتیں صحیح و سالم اور کفن بھی اصلی حالت میں دیکھا جا چکا ہے۔ اور انہیں ان کے حسب ارشاد مدائن میں سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے پاس دفن کیا گیا۔

حضرات معصومین علیہم السلام کی طینت مخزونہ ہی جسدِ اصلی ہے

معصومین علیہم السلام کے اجساد طاہرہ دو قسم کے ہیں۔ ایک جسدِ اصلی اور دوم جسد فضلی۔ جسد اصلی وہ جسد ہے جو ماء عرشی سے پیدا ہوا ہے۔ اُس کو احادیث میں طینت مخزونہ تحت العرش سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اسی سے جسد طاہر کے اجزائے اصلیہ خلق ہوئے ہیں۔ یہی ان کے بنیادی اجزاء ہیں یہی وہ ماء ممزوج نوری عرشی ہے۔ جس کا ذکر آیہ مذکورہ میں ہے۔ جیسا کہ بحار الانوار و مدینۃ المعاجز و تفسیر البرہان و مرآۃ الانوار میں ہے۔ معصوم کے تشخص جسدی کا سبب ہی اجزائے اصلیہ ہیں۔ اسی طینت مخزونہ سے معصومین علیہم السلام کے جسد مقدس کی خلقت ہوئی ہے۔ یہی طینت ممزوج نوری ہے یعنی ماء عرش کو نور خدا میں مخلوط کر کے طینت جسد تیار کی گئی ہے۔ جیسا کہ مقدمہ مرآۃ الانوار کی عبارت دلالت کرتی ہے۔

وہ جسد جو طینت مخزونہ ممزوجہ نوریہ سے تیار ہوتا ہے۔ اسی سے روح نبوتی و امامتی کا تعلق ہوتا ہے۔ کیونکہ اجزائے فرشی و طینت ارضی میں یہ استعداد و قوت نہیں ہے کہ روح نبوتی

اور رُوح امامتی کا تحمل کر سکے۔ یہی اجزائے متقومہ نبی وامام ہیں۔ جن کی وجہ سے ان کی نوع جُداگانہ ہے اسی لئے شکم مادر میں یا پیدا ہوتے ہی آغوش پدر میں نبی اور امام کے سوا کسی بشر کو قوت کلام وعلم وفہم حاصل نہیں۔ کیونکہ کسی بشر کے اجزائے اصلیہ کی بنیاد میں طینت مخزونہ نوریہ شامل نہیں ہے مگر بطریق معجزہ کلام پیدا کیا جا سکتا ہے۔ جیسے یوسف نبی کی گواہی کے لئے طفل نے تکلم کیا۔

معصومین علیہم السلام کا دوسرا جسد وہ ہے جو غذائے طاہر وخوراک پاکیزہ سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ جسد تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ اس میں کمی وزیادتی ہوتی رہتی ہے۔ یہ جسد عارضی مثل لباس ہے۔ مگر یہ بھی طیب وطاہر غذاؤں سے پیدا ہوتا ہے۔ اسی لئے جسد اصلی کے ساتھ جسد عارضی پر بھی سلام کیا جاتا ہے۔

السلام علیٰ اجسادکم وعلیٰ اجسامکم۔ یعنی آپ کے جسد اصلی پر بھی سلام جو طینت مخزونہ سے خلق ہوا ہے۔ اور جسم عارضی پر بھی سلام جو طیب وطاہر ہے۔ اور جسد اصلی کا غلاف ہے اسی مطلب کو زیارت جامعہ میں اَجْسَادُ فِی اَجْسَادٍ سے ادا کیا گیا ہے۔

وجود جسد اصلی نوری روح نبوتی وامامتی کے ساتھ امکنہ متعددہ میں ممکن ہے

حضرت جبرئیل علیہ السلام کے جسد نوری کا اور اسی طرح دیگر ملائکہ کے اجساد نوریہ کا جسم عارضی بشری میں بصورت انسان حاضر ہونا آیات واحادیث سے ثابت ہے۔ جس کا انکار کوئی باایمان نہیں کر سکتا۔ ملائکہ اپنے اجساد اصلیہ کی وجہ سے امکنہ متعددہ میں فی وقت واحد موجود ہیں۔ کیونکہ ان کے اجساد نوری ہیں جن کو مکان محدود نہیں کر سکتا۔ مگر جب بصورت بشر مثلاً جبرئیل دحیہ کلبی کی شکل میں یا دیگر ملائکہ اشکال بشری میں بی بی مریم کے پاس یا حضرت ابراہیم یا دیگر انبیاء کے سامنے ظاہر ہوئے ہیں۔ اور لوگ انہیں دیکھتے ہیں اس وقت بشری شکل وصورت ان کے لئے ایک غلاف یا لباس کی حیثیت ہوتی ہے۔ یہ عارضی جسم ہوتا ہے۔ چنانچہ بعد انقضائے مصلحت پھر اپنے جسد نوری میں منقلب ہو جاتے ہیں۔ یعنی جسد اصلی نوری میں واپس ہو جاتے ہیں۔ اب انہیں کوئی بشر نہیں دیکھ سکتا مگر جسد نوری کل امکنہ پر محیط ہوتا ہے۔ جسد عارضی ان کے لئے مانع احاطہ نہیں ہوتا۔

معصومین علیہم السلام کے لئے بھی دو جسد ہیں۔ اصلی وعارضی۔ جسد عارضی کی وجہ سے ہمیں نظر آتے ہیں اور تعلیم احکام فرماتے ہیں۔ منبر پر خطبات ارشاد فرماتے ہیں۔ مسجد میں تشریف فرما ہوتے ہیں۔ لیکن جسد نوری اپنی رُوح کے ساتھ تمام کائنات پر حاوی ہوتا ہے۔ اسی لئے تمام کائنات ان کے سامنے

مثلِ کفِ دست ہے۔ وہ ہر وقت اپنے جسدِ نوری کی وجہ سے ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔ اور جسدِ عارضی کے لحاظ سے جب چاہیں ہمیں نظر آ سکتے ہیں۔ لہٰذا ہمارا ہر وقت ان کے ذواتِ مقدسہ کو جسمِ عارضی میں نہ دیکھنا اس امر کی دلیل نہیں ہے کہ وہ ہمیں نہیں دیکھتے۔ اور حاضر و ناظر نہیں ہیں۔ کیونکہ وہ اپنے جسدِ نوری اور رُوح کے ذریعہ تمام کائنات پر محیط ہیں۔

معصومین علیہم السّلام کے ظہور و شہود کے اس قدر احادیثِ صحیحہ منقول ہیں کہ جن کا انکار ناممکن ہے اسی لئے یہ مسئلہ مسلّماتِ شیعہ میں سے ہے۔ اس کا انکار مذہبِ شیعہ سے خارج کر دیتا ہے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل احادیث سے یہ مقصد واضح ہو جاتا ہے۔

اعاظم محدثین نے ان احادیث کو درج فرما کر تحریر فرمایا ہے کہ کیفیت حضور و شہود کو خدا اور معصومین علیہم السّلام ہی جانتے ہیں مگر ہمیں ان کے حضور و شہود پر ایمان لانا لازم ہے۔

حکماء نے جو قانون بیان کیا ہے کہ جسمِ واحد کا امکنہ متعددہ میں فی وقت واحد موجود ہونا محال ہے۔ وہ ان اجسام پر حاوی ہو سکتا ہے جو خالص جسمِ تعلیمی ہوں۔ یعنی مادہ ارضی کثیف سے ان کا طول و عرض و عمق وجود میں آیا ہو۔

لیکن مخلوق نوری زمان و مکان کے قیود سے بالاتر ہے۔ وہ خود امکنہ و ازمنہ پر حاوی و محیط ہے وہ روح اور جسدِ نوری کی قوتِ فطریہ سے چالیس نہیں ہزاروں جگہ ظاہر ہو سکتا ہے۔ اور جسمِ عارضی کو غلاف کی طرح اتار سکتا ہے۔ کیونکہ جسمِ عارضی کا اس کے اجزائے اصلیہ میں کوئی دخل نہیں ہے جس طرح جبرئیل جسمِ عارضی بشری میں مع لباس ظاہر ہوئے۔ پھر اُس کو اُتار دیا۔ اور اصلی جسدِ نوری میں واپس ہو گئے۔ یہ حضرات بھی چشم زدن میں تمام عالم کی سیر کر لیتے ہیں۔ اور جسمِ عارضی جو ہمیں نظر آتا ہے۔ وہ ہمارے سامنے رہتا ہے۔ ہمارے دیکھتے دیکھتے فرماتے ہیں کہ ہم نے ہزارہا عوالم کی سیر کر لی۔

درحقیقت رُوحِ نبوتی و اماّمتی اپنے جسدِ اصلی نوری کے ساتھ امام اور نبی ہے نہ کہ جسمِ عارضی کے ساتھ جو صرف ہماری ہدایت کے لئے ہے۔ تاکہ ان سے اپنی ضروریات حاصل کر سکیں۔ جسمِ عارضی عہدِ طفلی و شباب و پیری میں بدلتا رہتا ہے۔ مگر امامت و نبوت میں فرق نہیں۔ طفلی و شباب و پیری یکساں ہیں۔ لہٰذا اس جسم کا تعلق ہماری ہدایت کی خاطر ہے نہ کہ اجزائے مقومہ میں شامل ہے۔ ان کی شکل و صورت بشری عارضی ہے جو سبب ہدایت ہے۔ اور وجود اصلی سبب وجود و بقائے کائنات ہے۔

اگر وجود اصلی معدوم ہو جائے تو تمام کائنات معدوم ہو جائے گی۔ مگر صورت بشری عارضی کا تغیر و تبدل کائنات پر اثر انداز نہیں ہے۔ ورنہ اس کی تبدیلی سے نبوت و امامت میں تبدیلی ہو جاتی۔ لہٰذا یہ ایک غلاف و لباس کی حیثیت سے ہے۔ جیسا کہ علامہ مجلسی نے مرآۃ العقول جلد ا ص ۲۹۲ میں اور علامہ کاشانی نے کتاب وافی جلد ۲ ص ۱۵۶ میں تحریر فرمایا ہے۔

انما نسب اجسادهم الی علیین لعدم علاقتهم علیهم السلام الی هذه الابدان الحسیة فکانهم وهم بعد فی هذه الجلابیب قد نقضوا ها و تجردوا عنها۔

ان بزرگواروں کے اجساد علیین سے ماخوذ ہیں۔ کیونکہ ان کی خلقت مادہ عرشی نوری سے ہے اور ان کے ابدان جو ہمیں نظر آتے ہیں۔ جن کی وجہ سے ہم ان بزرگواروں کی زیارت کرتے ہیں۔ یہ ابدانِ حسیہ درحقیقت غلاف ہیں۔ جن کو اتار کر اپنی اصلی حالت میں آجاتے ہیں۔ یہ اتارنا اور پہننا ان کے اختیار میں ہے۔ جس طرح جناب جبرئیل اور دیگر ملائکہ بشری شکل میں ظاہر ہوئے تو انہوں نے یہ غلاف پہن لیا۔ اور جب اصلی حالت میں ہو گئے تو یہ غلاف اتار دیا۔ کیونکہ ان کے اجساد اصلیہ بھی نوری تھے۔

جب ملائکہ نے غلاف بشری پہنا اور لباس بھی پہنا کیونکہ برہنہ بشر کی شکل میں ظاہر نہیں ہوئے بلکہ ملبوس کی شکل میں تھے تو اس وقت لباس و جسم بشری دفعتہً کہاں سے آیا۔ اور جب اصلی شکل میں ہو گئے تو دفعتہً کہاں چلا گیا۔

اس حکمت و قدرت پر غور و فکر کرنے سے آئمہ طاہرین علیہم السلام کے اجسادِ اصلیہ نوریہ اور ابدان ظاہریہ محسوسہ کا فرق معلوم ہو سکتا ہے اور ان کا جسد اصلی کے ساتھ امکنہ متعددہ میں ظاہر ہونا بلا اشکال ثابت ہو جاتا ہے کیونکہ زمان و مکان کی قیود سے جسد اصلی نوری بالاتر ہے۔ جیسا کہ علامہ مجلسیؒ نے تحریر فرمایا ہے۔

لان انوارهم منزهة عن الزمان والمکان لانها مخلوقة قبل خلق الزمان والمکان وهی بریة عن الامکنة والحدود۔

یعنی ان ذوات مقدسہ کے انوار زمان و مکان کی خلقت سے پیشتر ہیں۔ اس لئے مکان و زمان اور حدود سے مبرا و منزہ ہیں۔ لہٰذا وہ اپنے جسد اصلی کے ساتھ ہزاروں جگہ وقتِ واحد میں ہیں بلکہ کل کائنات پر حاوی و محیط ہیں۔

حضرات معصومین علیہم السّلام کے اظہار احتیاج و فقر کی حقیقت

اس موضوع پر روشنی ڈالنے کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کہ معصومین علیہم السلام کے لئے بظاہر دو متضاد اُمور کا اظہار ملتا ہے۔ " اقتدار و اختیار بھی " اور " فقر و احتیاج بھی " نیز قرآن مجید میں بھی انبیاء علیہم السّلام کے لئے بظاہر دو متضاد اُمور ملتے ہیں۔ جس کی وجہ سے غلو و تقصیر کے دو نظریئے پیدا ہوئے ہیں۔

یہ اَمر صراحۃً معلوم ہے کہ یہ ذواتِ مقدسہ کائناتِ عالم پر اقتدار و اختیار رکھتے ہیں۔ جیسا کہ ان کے اقوال و افعال سے اقتدار و اختیار کے کثیر شواہد موجود ہیں۔ مثلاً شقِ قمر، رجعتِ شمس، احیاء موتی، خلق طیر، انقلاب مرد بصورت زن، انطاق جمادات، انقلاب ریگ بصورت آرد۔ انقلاب سنگریزہ بشکل انگور، اعطائے چشم بینا، اعطائے اولاد، شفائے امراض، تسخیر جن و وحش و طیر، سرعت سیر، السنۂ کائنات عالم کا علم، اخبار مغیبات و ضمائر وغیرہ یعنی ان ذوات مقدسہ نے اپنے اقتدار سے ایسے مافوق البشر اُمور ظاہر فرمائے ہیں کہ جن کی وجہ سے لوگوں کو رُبوبیّت کا گمان پیدا ہوا بلکہ بے بصیرت لوگوں نے ان کو خدا تسلیم کر لیا۔ کیونکہ وہ اس اقتدار کی حقیقت اور مصلحت و حکمت کو نہیں سمجھے۔

ان اُمور کی تفصیل اور ان کے اقتدار کے مسلّم واقعات معلوم کرنے کے لئے ہماری کتاب " حقائق الوسائط جلد اوّل " کا مطالعہ فرمائیے۔ اس میں سیر حاصل تبصرہ کیا گیا ہے۔

اقتدار نبیؐ و امامؑ سبب ثبوت خلافت و سفارت ہے

درحقیقت اس اقتدار کا مقصد من جانب اللہ ان بزرگواروں کے خلیفۃ اللہ اور حجۃ اللہ قرار دیئے جانے کا اثبات ہے۔ جیسا کہ حضرت امام رضا علیہ السّلام نے غالیوں اور مفوضہ کی رد بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

اذ لم یعلموا انه القادر بنفسه والغنی بذاته الذی لیست قدرته مستعارة ولا غناه مستفادًا الذی من شاء افقره ومن شاء اغناه ومن شاء اعجزه بعد القدرة وافقره بعد الغنی مانظروا الی عبد قد اختصه الله بقدرة لیبین بها فضله عنده و

اثرہ بکرامۃ لیوجب بہا حجتہ علیٰ خلقہ (احتجاج)

چونکہ غالیوں اور مفوضہ نے یہ نہ سمجھا کہ خداوند عالم قادر بالذات اور غنی بالذات ہے۔ وہ ایسی ذات ہے کہ جس کی قدرت مستعار نہیں جس کا غنی ہونا کسی سے مستفاد نہیں وہ جس کو چاہے فقیر اور جس کو چاہے غنی بنا دے اور جس کو چاہے فقیر کے بعد غنی اور غنی کے بعد فقیر بنا دے۔

اس لئے وہ لوگ صاحب اقتدار بندوں کے اقتدار و اختیار کو دیکھ کر گمراہ ہو گئے۔ حالانکہ خداوند عالم نے اپنے بندگانِ خاص کو یہ قدرتیں اور کرامتیں صرف اس لئے دی تھیں کہ نزد خدا ان کا فضل و کمال اور خلق خدا پر ان کا حجۃ اللہ ہونا ثابت ہو۔

کلام رضوی سے دو امر بالکل واضح ہو جاتے ہیں:۔

امر اول:۔ یہ کہ خداوند عالم نے اپنے خلفاء و سفراء کو ایسا اقتدار و اختیار عطا فرمایا ہے۔ جو بالتحقیق مافوق البشر ہے۔ جس کا مثل نوعِ بشر کے حدود و اختیار سے خارج ہے۔

امر دوم:۔ یہ کہ اقتدار و اختیار مذکور اس لئے عطا کیا گیا ہے کہ ان حضرات کا حجۃ اللہ و خلیفۃ اللہ ہونا ثابت ہو جائے۔ اور یہ بھی ظاہر ہو جائے کہ یہ حضرات خدا کے محبوب و مقرب، اور صاحب فضل و کمال بندے ہیں۔

نیز حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے خلیفۃ اللہ و حجۃ اللہ کے اقتدار کے سلسلہ میں اپنے ایک کلام طویل میں ارشاد فرمایا۔

فانما اراد بذلك استیلاء امنائه بالقدرة التی رکبها فیهم علیٰ جمیع خلقه وان فعله فعلهم (احتجاج)

خداوند عالم نے حجج اللہ میں ایسی قدرت خلق کر دی ہے جس کے ذریعہ وہ تمام مخلوقات پر غالب رہیں تاکہ خدا ان کے ذریعہ سے اپنی معرفت کرائے۔ اور ان کے افعال کو اپنا ہی فعل ثابت کرے۔

اسی کلام طویل میں یہ فقرہ بھی ہے۔

وعرف الخلق اقتدارهم علیٰ علم الغیب بقوله عالم الغیب فلا یظهر علیٰ غیبه احدا۔ الا من ارتضیٰ من رسول (احتجاج)

خداوند عالم نے حجۃ اللہ کو علم غیب پر اقتدار عطا فرما کر تمام مخلوقات کو اس کے تعارف کا موقعہ عطا فرمایا ہے تاکہ اس کے ذریعہ معرفتِ خدا حاصل ہو۔ جیسا کہ آیت سے ثابت ہے

کہ خدا اپنا غیب کسی پر ظاہر نہیں کرتا مگر جس کو پسند کرے رسولوں میں سے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے تمام کائنات پر اقتدار محمد و آل محمد علیہم السلام کی یوں تصریح فرمائی

قال ان اللہ تبارک وتعالیٰ لم یزل متفرد ابوحدانیتہ ثم خلق محمداً وعلیا وفاطمۃ علیہم السلام فمکثوا الف دھر ثم خلق جمیع الاشیاء فاشھدھم خلقھا واجری طاعتھم علیھا (بحار الانوار)

خداوند عالم اپنی وحدانیت میں منفرد ہے اس نے محمد و علی و فاطمہ علیہم السلام کو پیدا کیا یہ حضرات ہزار زمانے اسی طرح رہے۔ پھر ان کے بعد تمام اشیاء عالم کو پیدا کیا۔ اور ان حضرات کو جمیع اشیاء کی خلقت پر شاہد قرار دیا اور تمام اشیاء کو انکا مطیع و فرمانبردار بنایا۔

علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے "اجری طاعتھم علیھا" کی شرح میں تحریر فرمایا ہے۔

ای اوجب والزم علیٰ جمیع الاشیاء طاعتھم حتی الجمادات من السماویات والارضیات کشق القمر واقبال الشجر وتسبیح الحصاۃ وامثالھا مما لا یحصیٰ (بحار)

خداوند عالم نے جمیع اشیاء عالم پر ان حضرات کی تعمیل حکم واجب و لازم قرار دے دی تھی حتی کہ جمادات پر بھی یعنی تمام سماوی و ارضی مخلوقات تابع فرمان بنا دئے۔ جیسے شق القمر اور اشجار کی حضوری سنگریزوں کی تسبیح وغیرہ ہزاروں واقعات جن کا شمار ناممکن ہے۔ مزید تفصیلات کے لئے حقائق الوسائط جلد اول کا مطالعہ کیجئے۔

غالیوں کی گمراہی کا سبب اقتدار خلفاء اللہ ہے

حضرات معصومین علیہم السلام نے اُمور تکوین میں اپنے اقتدار کو موقع بموقع اس لئے ظاہر کیا تھا کہ اس کے ذریعہ اپنی نیابت و سفارت من اللہ کو ثابت فرمائیں اور اپنے کمالات فوق البشر کے ذریعہ نوع بشر کو اپنا عجز تسلیم کرنے پر مجبور کر دیں تاکہ وہ ان کے ہدایت و احکام قبول کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔ کیونکہ اس کے سوا صداقت حجۃ اللہ کا اور کوئی ذریعہ نہیں۔ لہٰذا مدعی صادق اور مدعی کاذب میں تفریق کے لئے خداوند عالم نے ان ذوات مقدسہ کو یہ اقتدار عطا فرمایا۔ ان کے اس اقتدار سے خدائے ملیک مقتدر کی قدرت کاملہ کا اظہار بھی ہو گیا۔ کہ جب خدا کے عبد محبوب و منتخب میں اتنا بلند اقتدار ہے۔ تو اس کے معبود میں کتنا ہو گا۔ جس نے اقتدار عطا کر کے

اپنی نیابت میں بھیجا ہے۔ جن لوگوں نے اس راز کو نہ سمجھا۔ اُنہوں نے اپنے محدود تصوّر توحید کی بنا پر ان کے کمالات کو خدا ہی سے مختص سمجھ کر ان ذوات مقدّسہ کو ابن اللہ بلکہ اللہ کا درجہ دے دیا جیسا کہ امام رضا علیہ السلام کے ارشاد مذکور سے ثابت ہے کہ غالیوں اور مفوضہ کی گمراہی کا سبب حجج اللہ کا اقتدار ہے کیونکہ وہ اس کی حکمت و مصلحت کو نہیں سمجھ سکے۔

مقصّرین کی گمراہی کا سبب احتیاج و افتقار خلفاء اللہ ہے

قالیوں کی نظر اولیاء و خلفاء اللہ کے ان کلمات عجز و فقر پر گردش کرتی رہی جو ان حضرات نے اظہار عبدیّت کے لئے درگاہ رب العالمین میں پیش کئے ہیں۔

اگر قالی مقام بلند عبدیّت اور حقیقت عجز و فقر کو ترازوئے علم و معرفت میں وزن کرتے۔ تو گمراہی کے عمیق گڑھے میں نہ گرتے اور درگاہِ خداوندی میں عبدِ خاص کی عاجزی کو اپنے عجز و فقر پر قیاس کر کے مرتکب تقصیر نہ ہوتے۔

ہم ان کی ہدایت و تنبیہ کے لئے مندرجہ ذیل سطور پیش کرتے ہیں تاکہ وہ اپنے نظریہ پر نظرِ ثانی کریں۔

دلائل عقلیہ و براہین سمعیہ سے ثابت ہے کہ خدا کے سوا کوئی قدیم و واجب الوجُود بالذات نہیں ہے۔ تمام کائنات و مکوّنات ذات واجب الوجُود ہی کی قدرت کاملہ کے آثار ہیں۔ اور اسی کی حکمت بالغہ سے قائم ہیں۔ ہر ممکن الوجُود اور ہر مخلوق موجُود اپنے صدور و ظہور میں واجب الوجُود کا محتاج ہے۔ اور اسی طرح اپنی بقاء و حیات میں بھی اسی کا مفتقر ہے۔

کسی مخلوق کا کسی لمحہ میں ذات واجب الوجُود سے مستغنی ہونا محال ہے۔ کیونکہ صدور و ظہور کی طرح اپنی حیات و بقاء میں بھی اسی کا محتاج ہے۔ وہی اس کی علتِ موجدہ ہے۔ اور وہی علتِ مبقیہ بھی۔

کیونکہ واجب الوجُود سے مستغنی ہونا انقلاب ماہیت ممکنہ الی الماہیتہ الواجبہ کا موجب ہے جو عقلاً محال ہے۔ یعنی اگر ممکن الوجُود اپنی علت موجدہ و مبقیہ سے مستغنی ہو جائے تو اس کا وجود بالذات ثابت ہو جائے گا جس کے بعد وہ اپنی ماہیت ممکنہ سے خارج ہو کر ماہیتِ واجبہ میں منقلب ہو جائے گا حالانکہ کوئی موجُود بالغیر کسی لمحہ میں موجُود بالذات نہیں ہو سکتا کیونکہ وجود کی حقیقی تقسیم وجود بالذات اور وجُود بالغیر ہی ہے۔ لہٰذا ممکن الوجُود کبھی واجب الوجود بالذات نہیں ہو سکتا۔

اس احتیاج ذاتی اور افتقار فطری کو ہر لمحہ پیش نظر رکھ کر اپنی عاجزی کا درگاہِ معبودِ حقیقی میں اظہار کرنا حقیقی معرفت ہے۔ اسی لیے حضرات انبیاء و آئمہ طاہرین علیہم السّلام بارگاہِ احدیت میں ہمیشہ اپنے فقر و عجز کا اظہار کرتے تھے۔ جس کو اپنی عبدیت کا اعتراف و اقرار سمجھتے تھے۔ وہ کسی لحظہ بھی اپنے نفوس کو ذاتِ قیوم سے مستغنی نہیں سمجھتے تھے۔ اسی لئے اس کی جناب میں طالب مدد و پناہ ہوتے تھے۔ اور اسی لئے اپنی عاجزی ظاہر کرتے تھے کہ ہم کسی نفع و ضرر کے مالک نہیں۔ ہم حیات و موت کے مختار نہیں۔ ہم ہمہ وقت اسی کے قبضۂ اختیار میں ہیں۔ ایک لمحہ کے لئے بھی اس سے مستغنی نہیں۔

اظہار فقر و احتیاج منافی اقتدار نہیں

بارگاہِ احدیت میں اس رابطہ فقر و احتیاج کا اظہار ان ذواتِ مقدسہ کے اقتدار مافوق البشر کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا محل حسبِ اقتضائے حکمت خداوندی کچھ اور ہے۔ اور مقامِ عبودیت کچھ اور مگر ان ذواتِ مقدسہ کی انتہائے عبودیت یہ ہے کہ اپنی احتیاجِ ذاتی کے پیش نظر اپنے اقتدار و کمالات مافوق البشر کے اظہار کو بھی اپنے حقیقی مولا کے حضور میں اپنی جسارت سمجھتے ہوئے استغفار کرتے تھے۔ کیونکہ اظہار اقتدار سے ایک قسم کی انانیت کی بو آتی ہے۔

جس طرح کوئی وزیر اپنے بادشاہ کے سامنے رعایا پر حکومت کرتے ہوئے حجاب و شرمندگی محسوس کرتا ہے۔ حالانکہ بادشاہ کی طرف سے ماذون ہوتا ہے، چہ جائیکہ مالک حقیقی کے سامنے حکومت کرنا اور اپنے اقتدار کا اظہار کرنا خواہ ماذون ہی ہو۔ پھر بھی تقاضائے عبودیت اپنے معبودِ حقیقی کے حضور میں یہی ہے کہ اس کو جسارت سمجھ کر عذر خواہی کرے۔ جس طرح اس کی حمد و ثنا کے موقعہ پر اس کی لامحدود عظمت و جلالت کے مقابلہ میں اپنی حمد و ثناء کا قصور و اعتراف نشان عبدیت ہے۔

قالیوں کی نافہمی کا سبب

قالیوں نے اگر اس دقیق رازِ عبدیت اور نازک رموزِ معبودیت کو نہیں سمجھا تھا تو تقاضائے تدین کو ملحوظ رکھ کر جو مومن کی نشانی ہے۔ اپنا عجز و قصور تسلیم کر لیتے اور ذوات مقدسہ کی شان میں گستاخی نہ کرتے انہوں نے جسارت یہ کی کہ ان کے عجز و قصور کو دیکھ کر اپنے عجز و قصور پر قیاس کر کے معجزات و کمالات کا انکار کر دیا۔ اور ذواتِ مقدسہ کو اپنے مثل بندہ عاجز و بے بس سمجھ لیا وہ لوگ دعاؤں کی حکمت و

مصلحت کو نہ سمجھے جو معصومین نے درگاہِ معبودِ حقیقی میں اپنی عبدیت حقیقی کے اقرار نہ اظہار میں پیش کی ہیں۔ جن میں اپنی احتیاج ذاتی اور فقر فطری کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہر آن و ہر زمان اپنی عاجزی کا اظہار کیا ہے خالی ان ادعیہ کی غرض و غایت کو نہ سمجھے۔ جن میں عظمت و رفعت خداوندی کو لا محدود سمجھ کر ان حضرات نے اپنی حمد و ثنائے محدود کو اپنا قصور و گناہ گردانا ہے بلکہ اس کے ذکر کو بھی اس کی شان کے منافی سمجھا ہے۔ چنانچہ حضرت امام زین العابدین علیہ السّلام نے اپنے قصور اور اپنی کوتاہی کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے معبود کو اپنے ذکر سے اجل و ارفع فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

الٰهی لولا الواجبُ من قبول امرك لنزهتك من ذكرى اياك على ان ذكرى بقدرى لا بقدرك (مناجات الذاكرين)

اے میرے معبود اگر تیرے امر کا قبول کرنا واجب نہ ہوتا تو میں تیرے ذکر کی جسارت ہی نہ کرتا اور تجھے اپنے ذکر سے بلند سمجھتا مگر تیرے امر کی وجہ سے تیرا ذکر کرتا ہوں لیکن میرا ذکر میری مقدار کے برابر ہے تیری قدر شان کے مطابق نہیں ہے۔

اسی طرح خداوند عالم کے حضور میں سوال کرنا اس کی رضائے مطلق کے منافی سمجھا گیا۔ اور سوال کو قِلّتِ سبقت قرار دیا گیا۔ مگر چونکہ اس کا امر ہے۔ اس لئے سوال کو اس کی تعمیل حکم سمجھا گیا۔ ورنہ درحقیقت اپنے تمام امور کو اور جو کچھ اس نے عطا کیا ہے۔ اس کو اور جس قدر اقتدار مرحمت فرمایا ہے۔ اس کو اور اپنی ذات کو اپنے نفس کو اپنی خواہشات کو اپنے تصور و خیال کو بلکہ اپنی تمام نسبتوں اور تعلقات کو اپنے معبودِ حقیقی و مولائے تحقیقی کے حوالہ کر کے اس کی مشیت اور اس کے امر کا پابند ہو جاتا۔ مقام عبدیّت ہے۔ جس کے نتیجہ میں خدا کی جانب سے تصدیق وارد ہوئی ہے۔

وما تشاؤن الا ان يشاء الله۔

اور تم نہیں چاہتے مگر وہی جو اللہ چاہتا ہے۔

الفقر فخری مقام عبدیّت ہے

یہی وہ منزل ہے۔ جہاں معصومین علیہم السّلام نے اپنی ذات سے نفع و ضرر کی نفی کی ہے۔ اور اسی طرح اپنے اقتدار و اختیار کی نفی کی ہے۔ اور اسی طرح خلق و رزق اور احیاء و اماتت کی نفی کی ہے اور اظہار کیا ہے کہ ہم کسی چیز کے مالک نہیں۔ ہم سے جو کچھ ظاہر ہوتا ہے وہ سب کچھ امر و مشیتِ خدا کے تحت ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں ان ذواتِ مقدسہ کا ارادہ خدا کے ارادہ میں اکی مشیت

اُس کی مشیت میں ان کا علم اس کے علم میں ان کا اقتدار۔ ان کے اقتدار میں وصل ہو کر منحل و مضمحل ہو چکا ہے۔

ان ذواتِ مقدسہ سے جو کچھ ظاہر ہوتا ہے وہ خدائی صفات و افعال ہیں۔ اور یہ حضرات اس کے مظاہر ہیں۔ قدرتِ خدا کا ظہور ان کے ذریعہ علمِ خدا کا ظہور ان کے وسیلہ سے ہوتا ہے۔ یہی اس کے مثل اعلیٰ و آیۂ کبریٰ و حجۃ عظمیٰ و اسماء حسنیٰ ہیں۔ لہٰذا ان حضرات کا اظہار فقر و احتیاج جس کو یہ حضرات فخر سمجھتے ہیں۔ ان کے اقتدار اعلیٰ کے منافی نہیں ہے۔ بلکہ یہ اقتدار اعلیٰ معبود حقیقی کی طرف سے اپنے عبد حقیقی کے لئے عطیہ ہے۔ ان حضرات کا کُن کہنا اور فیکون ہو جانا عبدِ حقیقی کی نشانی ہے نہ کہ معبود حقیقی کی کیونکہ وہ حدود سے بالاتر ہے۔

معصومینؑ سے اقتدار کبھی سلب نہیں ہوتا

سردست ہم صرف ایک حدیث اصولِ کافی سے پیش کرتے ہیں۔ باب مولد ابی جعفر بن علی علیہم السلام ص۲۹۹۔

عن ابی بصیر قال دخلت علی ابی جعفر علیہ السلام فقلت لہ انتم ورثۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ قال نعم قلت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وارث الانبیاء کلما علموا قال لی نعم قلت فانتم تقدرون علی ان تحیوا الموتی و تبرؤا الاکمہ والابرص قال نعم باذن اللہ الی آخر الحدیث۔

جناب ابو بصیر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور میں نے حضرت سے دریافت کیا۔ آپ حضرات جناب رسالت مآبؐ کے وارث ہیں؟ حضرت نے فرمایا بے شک۔ میں نے عرض کی۔ کیا رسول اللہؐ تمام انبیاءؑ کے وارث ہیں۔ وہ سب علوم ان کو حاصل ہیں جو انبیاء کو حاصل تھے۔ حضرت نے فرمایا بے شک میں نے عرض کی تو آپ حضرات مُردے زندہ کرنے اور مادر زاد اندھے کو چشم بینا عطا کرنے اور مبروص کو شفا بخشنے پر اقتدار رکھتے ہیں؟ حضرت نے فرمایا بے شک باذن اللہ۔

پھر حضرت نے مجھ سے فرمایا میرے قریب آؤ۔ میں نزدیک ہو گیا۔ حضرت نے اپنا

دست مبارک میرے چہرہ پر پھیرا۔ میں فوراً آفتاب و آسمان و زمین کو اور لوگوں کے مکانات کو اور شہر کے تمام اشیاء اور مال و متاع کو دیکھنے لگا (حالانکہ نابینا تھا)، اس کے بعد مجھ سے فرمایا۔ کیا اسی حالت میں رہنا پسند کرتے ہو لیکن اور لوگوں کی طرح قیامت میں تمہیں بھی فائدہ و نقصان پہنچے گا۔ یا یہ پسند کرتے ہو کہ پہلی حالت پر واپس آجاؤ۔ اور تمہیں خالص جنت نصیب ہو۔ میں نے عرض کی مجھے اپنی سابقہ حالت پر واپس ہو جانا پسند ہے۔ حضرت نے اپنا دستِ مبارک میری آنکھ پر پھیر دیا میں فوراً اپنی سابقہ حالت میں ہو گیا۔ میں نے یہ واقعہ جناب ابن ابو عمیر سے بیان کیا تو انہوں نے کہا میں گواہی دیتا ہوں۔ یہ بالکل حق ہے جس طرح آفتاب کی روشنی۔

جناب علامہ مجلسیؒ نے بالکل ایسا ہی معجزہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا بھی تحریر فرمایا ہے۔ جو ان ہی ابو بصیر رضی اللہ عنہ پر ظاہر کیا تھا (مرآۃ العقول ج ا ص ۳۹۹)

حدیث مذکور میں واضح طور پر لفظ (تقدرون) وارد ہے۔ جس کے معنی ہیں "تم قدرت رکھتے ہو" حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے اپنے فطری اقتدار پر مہر تصدیق بھی ثبت فرمائی۔ اور ابو بصیر پر اپنے اقتدار کا عملاً اظہار بھی فرما دیا۔ جس سے واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ حضرات معصومین علیہم السلام میں قدرتِ اعجاز فطری و خلقی ہے جو ان کی ذوات مقدسہ سے کسی وقت بھی جدا نہیں ہوتی کیونکہ لفظ قدرت کا استعمال اسی وقت ہوتا ہے۔ جب کسی امر کے فعل و ترک دونوں پر اختیار حاصل ہو۔

لہٰذا ان حضرات کا کسی مصلحت کے پیش نظر قدرت کا مظاہرہ نہ کرنا سلب قدرت کا موجب نہیں ہے۔ بلکہ اظہارِ اقتدار اور اسی طرح اخفائے اقتدار باذن اللہ ہوتا ہے۔

حضرت نے لفظ باذن اللہ فرما کر اپنی حقیقی عبدیت کا اظہار بھی فرما دیا جو ہر لمحہ پیش نظر رہتی ہے

قانونِ لطف کا ادراک باعثِ ہدایت ہے

حسب قاعدۂ لطف اقتدار و احتیاج دونوں کا اظہار ضروری ہے۔ کیونکہ معنی لطف یہ ہیں۔

"ما یقرب العبد الی الطاعۃ و یبعد عن المعصیۃ"

یعنی جو امر بندہ کو طاعتِ خدا سے قریب اور معصیت خدا سے دور کر دے اس کو لطف کہتے ہیں۔

سب متکلمین نے لطف کو خداوند عالم کے لئے ضروری قرار دیا ہے۔

لہٰذا اظہار اقتدارِ حقیقہ للہ بندوں کے لئے باعثِ تسلیم ہو کر سبب ہدایت و اطاعت ہو گا۔

اور اظہار عجز "خلیفۃ اللہ" بندوں کو گمراہی و معصیت سے محفوظ رکھنے کا ذریعہ ہوگا۔
یعنی اقتدار و اختیار کو دیکھنے والے جب عجز کو بھی دیکھیں گے اور دونوں کی حکمت کو سمجھ لیں گے۔ تو مومن کا درجہ حاصل کر لیں گے۔ مگر جو لوگ صرف عجز و احتیاج کے پھیر میں رہیں گے۔ وہ غالی ہو کر دوزخ کا ایندھن قرار پائیں گے۔ اور جو صرف اقتدار پر نظر رکھیں گے وہ غالی ہو کر ملعون و مردود بن جائیں گے۔